مقالات و مضامین

فکروفن

گوشۂ حفیظ تائب

حاصلِ مطالعہ

مذاکرہ

مدحت

آتے ہیں وقآر اب تو تغزل کو پسینے
نعتِ شہِ ابرار کا وہ رنگ جما ہے
وقار صدیقی اجمیری (مرحوم)

خطوط

وفیات

''نعت رنگ'' کی ٹریسنگ نکل چکی تھی اور پرچہ بوجوہ پریس نہیں جاسکا تھا
اسی دوران ہمارے دو اہم نعت نگار حضرت تابش دہلوی اور حضرت ادیب
رائے پوری بھی اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت ان بزرگوں کی نعتیہ خدمات کو قبول فرماتے
ہوئے ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

تابش دہلوی

(۱۹۱۱/۲۰۰۴ء)

تابش دہلوی ہمارے بزرگ نسل کے ایسے نمائندے تھے جن کا کلام اور شخصیت دونوں یکساں طور پر خوب صورت اور لائقِ ستائش تھیں۔ خوش طبعی، خوش کلامی اور خوش مقالی ان کی ذات و صفات کے نمایاں جوہر تھے۔ غزل گوئی میں ان کا اپنا مخصوص و منفرد لہجہ تھا جو عصرِ حاضر کی شعری آوازوں میں ان کی انفرادیت کو نمایاں کرتا تھا۔ اسلوب کی یہی انفرادیت نعت گوئی میں بھی برقرار رہی انھوں نے خوب صورت نعتیں تخلیق کیں۔ مطبوعہ کتب میں ''نیمروز (۱۹۶۳ء)، ''چراغِ صحرا'' (۱۹۸۲ء)، ''غبارِ انجم'' (۱۹۸۴ء)، ''تقدس (مجموعۂ نعت) (۱۹۸۵ء)، ''ماہِ شکستہ'' (۱۹۹۳ء)، ''دید باز دید'' (۱۹۹۰ء)، ''دُھوپ چھاؤں'' (۱۹۹۷ء) شامل ہیں۔

مجھے حرمِ مدینہ میں ان کا یہ شعر ہمیشہ ان کی یاد دلاتا رہا اور اب ان کے لیے دعا پہ اُکساتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

کس قدر روشنی ہے طیبہ میں
اس قدر روشنی میں کیا دیکھیں

ادیب رائے پوری

(۱۹۲۸ء/۲۰۰۴ء)

ادیب رائے پوری ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ نعت گوئی ان کا شعری اختصاص تھی۔ نعت خوانی میں ان کی منفرد ادائیگی اور مودبانہ انداز ان کی شناخت کا روشن حوالہ بنا۔ نعت پر ان کے علمی و تحقیقی مقالے اس مقدس موضوع سے ان کی گہری اور سنجیدہ وابستگی پر دلالت کرتے ہیں۔ دنیائے نعت کے اوّلین رسالے ماہنامہ ''نوائے وقت'' کا اجرا اور اشاعت و ادارت کے ساتھ ساتھ سیکڑوں ملکی و بین الاقوامی نعت کانفرنسز کے فقیدالمثال اور کامیاب انعقاد جیسے عظیم کارنامے ادیب صاحب کی شخصیت اور خدمات کے وہ روشن پہلو ہیں جس کا میں نے بہت قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔

وہ اپنی ذات میں نعت کی ایک زندہ تحریک تھے ایک ایسی تحریک جس کے زیرِ اثر متعدد علمی کاموں کا آغاز ہوا کئی نعت گو اور نعت خواں فعال ہوئے۔ ادیب صاحب کی مطبوعہ کتب ''اس قدم کے نشاں'' (۱۹۷۷ء)، ''تصویرِ کمال محبت'' (۱۹۷۹ء)، ''مقصودِ کائنات'' (۱۹۸۸ء)، ''نذرانۂ اشک'' (۱۹۹۵ء)، ''مدارجِ النعت'' (۱۹۸۶ء)، ''مشکوٰۃ النعت'' (۱۹۹۳ء)، ''دُرودِ تاج'' (تحقیق و تشریح) (۱۹۹۷ء)، ''نعتیہ ادب میں تنقید و مشکلاتِ تنقید'' (۱۹۹۹ء) اور موجِ اضطراب (۲۰۰۴ء) شامل ہیں۔ آج مجھے ان کا یہ خوب صورت شعر بہت یاد آرہا ہے:

مرنے کے بعد میرے پوچھے کوئی تو کہنا
وہ نعت پڑھ رہا ہے دربارِ مصطفٰےﷺ میں

صبیح رحمانی

دھنک

مقالات و مضامین

☆......☆

فکر و فن

گوشۂ حفیظ تائب

مذاکرہ

مدحت

خطوط

حفیظ الرحمٰن احسن (لاہور)

التجا

کرم کر الٰہی، خطا بخش دے — یہی ہے مری التجا بخش دے
خطاکار بھی ہوں، گنہ گار بھی — یہی ہر گھڑی ہے دعا بخش دے
صفت تیری منعم ہے، وہاب ہے — ہوں محتاج، گنجِ عطا بخش دے
ہو مداح کو حرفِ مدحت عطا — ثنا گر کو نطق و نوا بخش دے
جو منظور ہو، وہ ملے التجا — جو مقبول ہو، وہ دعا بخش دے
ضلالت کی تاریکیاں ہیں محیط — ہدایت کی مجھ کو ضیا بخش دے
ہے شرم و حیا سے تہی عصرِ نو — ان آنکھوں کو ذوقِ حیا بخش دے
عطا اہلِ زر کو ہو توفیقِ خیر — فقیروں کو شانِ غنا بخش دے
ملے اہلِ دانش کو ذوقِ سلیم — ''سخیفوں'' کو طبعِ رسا بخش دے
جو ہو تیری عظمت کے شایانِ شان — زباں کو وہ حرفِ ثنا بخش دے
سراپا خطا ہوں میں، ربّ کریم — کرم کر، مری ہر خطا بخش دے
ہیں ممتاز جس سے ترے اصفیا — مجھے بھی وہ خوئے صفا بخش دے
وہ شوقِ شہادت، یہ عزمِ جہاد — انھی میں ہے تیری رضا بخش دے
ہیں ملت کو گھیرے ہوئے راہزن — اسے اب کوئی رہنما بخش دے
جسے سن کے کافور ہوں رنج و غم — مرے دل کو ایسی نوا بخش دے

ہے احسنؔ ترے در کا ادنیٰ فقیر
اسے خاص اپنی عطا بخش دے

D:NaatRang-17
File: Hamd
1st Proof

امام شرف الدین بوصیریؒ

منظوم ترجمہ: حکیم سرو سہارن پوری

ہمارے سیّد و مولا ﷺ

اَلصُّبحُ بَدَامِنْ طَلْعَتِہٖ — سحر طاری ہوئی ہے آپ کے ماتھے کی طلعت سے
وَاللَّیلُ دَجٰی مِنْ وَفْرَتِہٖ — یہ رونق رات نے پائی ہے زلفوں کی عنایت ہے
فَاقَ الرُّسُلَا فَضْلًا وَّ عُلاً — بزرگی میں وہ سبقت لے گئے سارے رسولوں پر
اَھْدَا السُّبُلَا لِدَلَالَتِہٖ — کہ رستے دین کے روشن ہوئے ان کے ہدایت سے
کَنزُ الْکَرَمِ مَوْلَی النِّعَمِ — خزانے بخششوں کے رحمتوں کے ملک ہیں اُن کی
ھَادِی الْاُمَمِ لِشَرِیْعَتِہٖ — ہدایت یاب ساری اُمتیں اُن کی شریعت سے
اَزْکَی النَّسَبِ اَعْلَی الْحَسَب — نسب اُن کا حسب اُن کا بہت ارفع، بہت اعلیٰ
کُلُّ الْعَرَبِ فِیْ خِدْمَتِہٖ — شرف پایا ہے سارے عالموں نے اُن کی خدمت سے
سَعَتِ الشَّجَر، نَطَقَ الْحَجَر، — شجر خدمت میں آئے، پتھروں نے بات کی اُن سے
شَقَّ الْقَمَر، بِاِشَارَتِہٖ — قمر شق ہوگیا ہے اُن کی انگشتِ شہادت سے
جِبْرِیْلُ اَتٰی لَیْلَۃَ اَسْرٰی — شبِ معراج اُن کے پاس جبریل امیں آئے
وَالرَّبُّ دَعٰی لِحَضْرَتِہٖ — بلایا رب نے اُن کو عرش پر اپنی عنایت سے
نَالَ الشَّرَفَا وَاللّٰہُ عَفَا — اُنھی کے واسطے سے سب شرف پائے ہیں لوگوں نے
عَنْ مَّا سَلَفَا مِنْ اُمَّتِہٖ — گناہ سب دُور فرمائے ہیں رب نے اُن کی اُمت کے
فَمُحَمَّدُنَا ھُوَ سَیِّدُنَا — ہمارے سیّد و مولا ﷺ محمد ﷺ ہیں محمد ﷺ ہیں
وَالْعِزُّ لَنَا لِاِجَابَتِہٖ — کہ عزت ہے ہمارے واسطے اُن کی اطاعت سے

نوٹ: مندرجہ بالا عربی نعتیہ قطعہ دورِ حاضر کا مقبول و معروف قطعہ ہے۔ مگر اس کا انتساب اب تک واضح نہ تھا۔ اسے کہیں حضرت حسان بن ثابتؓ سے منسوب کیا گیا ہے اور کہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے۔ جب کہ مشہور محقق ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے تحقیقی مقالے میں اسے امام شرف الدین بوصیریؒ سے منسوب کیا ہے جو بجا طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھیے: (''برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری'' ص۴۰۲، مطبوعہ ۲۰۰۲ء، ناشر مرکزِ معارفِ اولیا، محکمۂ اوقاف، حکومتِ پنجاب۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

''نعت رنگ'' کے اجرا کے وقت سے لے کر آج تک میں نے ''نعت رنگ'' کو کسی مخصوص نقطۂ نظر کے نمائندہ رسالے کے مروّجہ اصول وضوابط کا پابند نہیں رکھا۔ اس کا سبب صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ اس انداز اور مزاج کے حامل نعت پر کئی جریدے شائع ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔ میں نے ہمیشہ ''نعت رنگ'' کو ایک ایسی محفل بنانے کی کوشش کی ہے جہاں مختلف الخیال احباب اپنے اپنے مکتبِ فکر و اندازِ نظر کے ساتھ شریک ہوکر ذکرِ نبی کریم ﷺ کے فکری، مذہبی، ادبی اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کرسکیں، یہی نہیں بلکہ ادب کا عام مگر باشعور قاری بھی اس گفتگو میں اسی اہمیت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر سکے جس کا حق ہم صرف لکھنے والوں کو دیتے رہے ہیں۔ ایک ایسے فورم پر جہاں اظہارِ رائے کی آزادی ہو وہاں مباحث کا دائرہ صرف فکری، ادبی، اور فنی نہیں رہتا بلکہ کہیں کہیں اور کبھی کبھی مسلکی اور فقہی بھی ہوجاتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا ہونا کوئی بری بات نہیں ہے کہ یہ چیزیں بھی ہمارے لیے معنی رکھتی ہیں اور ہم اپنے نظریات کو اسی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اختلافِ رائے بری چیز نہیں مگر شائستگی ضروری ہے۔ ہمارے بیشتر لکھنے والے اس کا خیال رکھتے ہیں مگر کچھ احباب اپنی تحریروں پر اُٹھنے والے سوالات سے خاصی حد تک آزردہ نظر آتے ہیں۔ میری ان سے درخواست ہے کہ ''نعت رنگ'' کے معماروں میں ان عظیم ناموں کو دیکھیں جو ادب و مذہب کے اہم نام ہیں، لیکن انھوں نے نعت پر بے لاگ گفتگو کے در وا کرنے کے لیے اپنی تحریروں پر اعتراضات اور سوالات کشادہ دلی سے برداشت کیے اور مسلسل ''نعت رنگ'' میں لکھتے رہے کہ ہم سب نعت پر ایسی تنقیدی گفتگو کو فروغ دینا چاہتے تھے جس پر کسی قسم کی مصلحت اور فرقہ بندی کا سایہ نہ ہو۔

''نعت رنگ'' کے قارئین کی بڑھتی ہوئی تعداد اور عالمی سطح پر اسے حاصل کرنے والی

پذیرائی ہمارے اس یقین کو تقویت عطا کرتی ہے کہ ہمارے قارئین کا ایک بڑا حلقہ ہماری اس پالیسی کو پسند کرتا ہے اور اس موضوع سے دلچسپی رکھتا ہے اور اس پر ادب، مذہب اور عصرِ حاضر کے تناظرات میں ہونے والی گفتگو کو بڑی توجہ سے پڑھ اور سن رہا ہے۔ مختلف نکتہ ہائے نظر ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ کئی لسانی مباحث ہماری آگہی میں اضافے کا باعث بنے ہیں۔ کئی ادق فکری، فقہی اور ادبی مسائل پر پہلی بار ''نعت رنگ'' نے ایسا مواد پیش کیا ہے جس نے نعت کی رسمیات سے بلند ہوکر ہمارے اذہان کو منور کیا اور اس پر بات کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔

''نعت رنگ'' کے خدمت گزاروں، لکھنے والوں اور قارئین نے اب تک جو کچھ بھی پیش کیا ہے، نیک نیتی سے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ''نعت رنگ'' کے منتظر رہتے ہیں اور اس کی قبولیت کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ (الحمدللہ)

''نعت رنگ'' کے زیرِنظر شمارے میں جو محفل سجی ہے اس میں ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی جو ''نعت رنگ'' کے معماروں میں خاصی اہمیت رکھتے ہیں، وہ اپنے ماضی کے ان روشن لمحات کو ہمارے سامنے پیش کر رہے ہیں جو ذکرِ نبی کریم ﷺ سے منور ہیں۔ اس سلسلے کا یہ دوسرا مضمون ہے خدا کرے وہ اس سلسلے کو دراز کرسکیں۔ ہندوستان میں ''نعت رنگ'' کے محبّین اور خدمت گزاروں میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ عربی زبان و ادب کے استاد ہیں۔ ان کے دوسو سے زیادہ مقالات عرب دنیا کے رسائل و جرائد میں شائع ہوچکے ہیں۔ اس مرتبہ وہ شوقی کے دو مزید قصائد کا تجزیہ و تعارف لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ان کی توجہ اور محنت سے اردو نعت نگاروں کا ایک بڑا حلقہ عربی زبان کے نامور شعرا کی نعتیہ نگارشات سے آشنا ہو کر رہا ہے۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط بھارت میں اسلامی ادب کی تحریک کے ہراول دستے میں شامل ہیں۔ کے لیے ''نعت رنگ'' ان کی خدمات قارئین سے پوشیدہ نہیں اس مرتبہ مراٹھی زبان میں ذکرِ محمد ﷺ کے سلسلے میں ہونے والے کاموں کے تعارف کے ساتھ حاضر ہیں۔ ان کا یہ مضمون ان کی تحقیقی لگن کے ساتھ ساتھ **ورفعنالک ذکرک** کی حقانیت کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ ریاض حسین چودھری اور فیروز شاہ اردو نعت کے صاحبِ طرز شعرا میں ہیں۔ ان کا کلام ہزاروں شعرا کے کلام میں علاحدہ پہچانا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں قابلِ ذکر شعرا ہماری آج کی محفل میں جدید نعت گوئی کے حوالے سے اپنے افکار و خیالات اور نظریات لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے سیرت، نعت اور اعلیٰ ادبی و سماجی اقدار پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ''نعت رنگ'' کے

معماروں میں ہیں۔ ان کا مضمون عصرِ حاضر کے نعت نگاروں کو اُن کی کوتاہیوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اصلاحِ احوال پر اُکسانے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس سے مضمون نگار کی ماحول پر گہری نگاہ اور دردمندی کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنے نفس کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین، پروفیسر محمد اکرم رضا نعت پر نثری کاموں کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں میں سب سے زیادہ قلمی تعاون کرنے والے اکرم رضا ''نعت رنگ'' کی محفل میں کافی دیر سے آئے مگر دیر سے آنے کی تلافی اس طرح کر رہے ہیں کہ ان کا کوئی نہ کوئی مقالہ اب ''نعت رنگ'' میں ضرور شائع ہو رہا ہے۔ اللہ ربّ العزت ان کی صحت اور قلم کی روانی میں برکت عطا فرمائے۔ ان کا مضمون ہمارے کئی نعت نگاروں کے نظریۂ نعت کو کامیابی سے ہمارے سامنے لاتا ہے۔ گوہر ملسیانی ہمارے عہد کے نعتیہ منظرنامے پر ایک نعت گو کی حیثیت سے اپنی جگہ بنا چکے ہیں مگر ان کی شناخت کا بڑا حوالہ ان کی تذکرہ نگاری ہے۔ ''عصرِ حاضر کے نعت گو'' ان کا ایسا کارنامہ ہے جو بعد میں آنے والے تذکرہ نگاروں کے لیے حوصلہ افزائی کا سبب بنا آج وہ ہمیں ضلع رحیم یار خان کے نعت نگاروں سے متعارف کروا رہے ہیں۔ خدا کرے وہ اسی تذکرہ نویسی کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے ساتھ وسیع کینوس پر جاری رکھ کر نعتیہ ادب کو مزید پُرثروت کریں۔ پروفیسر فیروزشاہ ''نعت رنگ'' کے فعال خدمت گزاروں میں شاندار اضافہ ہیں۔ انھوں نے ''نعت رنگ'' ۱۶ میں شائع ہونے والے اداریے پر ہمدردانہ غور فرمایا اور ہمیں ایک مذاکرہ کروا کے اس کی تفصیلات بھیج دیں۔ اس تعاون پر ہم ان کے ممنون ہیں۔ خدا کرے یہ مذاکرہ بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہو اور ہمارے دیگر ملکوں اور شہروں کے احباب ایسے مذاکرے ہمیں بھیج سکیں جو نعت کے عمومی مسائل کے ساتھ علاقائی رجحانات کو بھی سمیٹ لیں لیکن اس ضمن میں ایک بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ مذاکرہ ہمیشہ کسی طے شدہ موضوع پر ہو تاکہ اس موضوع پر مختلف دوستوں کا نکتۂ نظر سامنے آسکے اور گفتگو کی کوئی سمت بھی متعین ہوسکے۔ پروفیسر جعفر بلوچ ہمارے دیرینہ رفیق ہیں مگر ''نعت رنگ'' میں کسی مضمون کے ساتھ پہلی بار حاضر ہوئے ہیں، اسد ملتانی کی حمدیہ ونعتیہ شاعری پر ان کا مضمون اس موضوع سے ان کی فکری مطابقت اور سنجیدگی کو ظاہر کرتا ہے۔ خدا کرے وہ اس موضوع پر جم کر کام کرسکیں۔

اردو کے اہم رزم نگار شاعر ملک منظور حسین منظور کی فنی جہتوں کا تعارف ہمارے عہد کے نامور اور تازہ دم نقاد ڈاکٹر غفور شاہ قاسم نے کروایا ہے۔ یہ مضمون ڈاکٹر صاحب کی تنقیدی

بصیرت کا آئینہ ہے۔ اردو نعتیہ شاعری کی ایک منفرد آواز رحمان کیانی کی ہے جسے ہمارے عہد کے ممتاز سیرت نگار شاہ مصباح الدین شکیل نے شاعرِ جہاد کہہ کر متعارف کروایا ہے۔ رحمان کیانی کے اسلوب میں ہمیں عربی شاعری کی گونج سنائی دیتی ہے۔ حنیف نازش قادری ہمارے عہد کے خوب صورت اور خوش گو شاعروں میں ہیں۔ ان کے مجموعۂ کلام پر پروفیسر غلام رسول عدیم نے خوب صورت مضمون لکھا ہے۔ حفیظ تائب عصرِ حاضر کے معتبر نعت نگاروں میں تھے۔ ان کے فکر و فن بہت کچھ لکھا گیا اور مزید لکھا جائے گا۔ ان کی شخصیت اور کلام میں عشقِ نبی کریم ﷺ کے رنگ بہت گہرے تھے۔ ان کی وفات پہ ہم ایک مختصر تعزیتی گوشہ پیش کر رہے ہیں جو ان کے شایانِ شان نہیں مگر ''نعت رنگ'' کی کمپوزنگ مکمل ہوجانے اور محدود ضخامت کے باوجود یہ گوشہ ضروری خیال کیا گیا۔ اس گوشہ میں ان کی زندگی کا آخری انٹرویو بھی شامل ہے جو ان کی حیات و خدمات کا اشاریہ ہے اور عمران نقوی کا مضمون بھی جو ہمیں حفیظ تائب؟؟؟؟؟ پروفیسر قیصر نجفی نقاد کے منصب بخوبی آگاہ ہیں۔ انھوں نے حاصلِ مطالعہ میں متوازن انداز میں نئی مطبوعات سے ہمیں متعارف کروایا ہے۔ گوشۂ سلیم کوثر میں آپ حرمِ کعبہ میں اذانوں کی گونج بھی سن سکیں گے اور طاہرانِ حرم کے والہانہ پن کا مشاہدہ بھی کرسکیں۔ یہ گوشہ حاضری اور حضوری کے بے شمار روشن لمحوں کی لفظی منظرکشی ہے۔

ہماری اس بزم میں کئی اہم نعت نگار اپنا ہدیۂ عقیدت لیے حاضر ہیں۔ مجھے یقین ہے یہ نعتیں آپ کو احساسات و جذبات کے عقیدت کی ایک ایسی دنیا میں لے جائیں گی جہاں آپ مدینۃ الرسول کی خوش بو محسوس کرسکیں گے۔ خطوط اب ''نعت رنگ'' کا سب سے توانا حصہ بن گئے ہیں۔ محفل کے اس حصے میں آپ کو ہند و پاک کے متعدد اہم نام نظر آئیں گے۔ ان ناموں میں علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کا نام خاصی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ نہایت محنت سے ''نعت رنگ'' کے مشمولات کا جائزہ لے کر اپنے افکار و خیالات سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں۔ کسی حد تک اختلافِ رائے کے باوجود مولانا کو تمام قلم کاروں اور قارئین کی خصوصی توجہ حاصل ہے۔ وہ ادق سے ادق مسائل و موضوعات کو اپنے رواں اسلوب کے باعث پڑھوانے میں کامیاب رہے ہیں۔

صبیح رحمانی

نعتیہ صحافت کے اُفق پر ایک اور باوقار جریدے کا طلوع

ماہنامہ کاروانِ نعت لاہور

مدیر: شوکت علی

......رابطہ......

نعت لورز کلب: روم نمبر 208، سیکنڈ فلور، شہزادی رفاقت مارکیٹ
برانڈرتھ روڈ، نزد چوک گراں، لاہور۔ فون: 0300-9439938

افکارِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

مدیر: صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری

......رابطہ......

25/ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی۔ 74400

دینی اور علمی مزاج کے حامل قارئین کے لیے ایک خاص تحفہ

ماہنامہ سبیلِ ہدایت لاہور

مدیرِ اعلیٰ: سیّد قمر احمد سبزواری

......رابطہ......

بزمِ ندائے مسلم پاکستان 3/8، B-1، ٹاؤن شپ، لاہور۔ 54770
Email : sabeelehidayat@islamonline.net

ایک سنجیدہ علمی و دینی رسالہ

ماہنامہ کاروانِ قمر کراچی

مدیرِ اعلیٰ: محمد صحبت خان کوہاٹی

......رابطہ......

دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ، پنجاب کالونی، کراچی
فون: 5378793-5376884

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

''نعت رنگ'' کی ایک خصوصی یادگار اور قابلِ فخر پیش کش

مولانا احمد رضا خان نمبر

جس میں برصغیر پاک و ہند کے نامور اہلِ قلم امام نعت گویاں
مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعتیہ خدمات پر
اپنا خراجِ عقیدت پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ
جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔

...... رابطہ ......

نعت ریسرچ سینٹر، B-50، سیکٹر A-11، نارتھ کراچی

نقیبِ اتحادِ ملتِ اسلامی

ماہنامہ مسیحائی کراچی

مدیرِ اعلیٰ: مخدوم زادہ احمد خیرالدین انصاری

سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کی کامیاب اشاعت کے بعد
ناموسِ رسالت ﷺ نمبر شائع ہو گیا ہے

...... رابطہ ......

B-197، بلاک A، شارع بابر، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔ 74700
فون: 0320-4077372

علمی، ادبی، تحقیقی مجلّہ

نوادر

مدیرِ اعلیٰ: ڈاکٹر گوہر نوشاہی

مدیرہ: بیگم شاہین زیدی

...... ناشر ......

مجلسِ یادگار نظیر حسنین زیدی

58، ہدایت اللہ بلاک، مصطفیٰ ٹاؤن، وحدت روڈ، لاہور

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی۔ کراچی

نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں

ماضی کا سفر

(۲)

اس سے پہلے میں اپنے آبائی مکان کے زنان خانے میں آپ کو نعت کی کہکشاں دکھا چکا ہوں... سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ نے جو اسلامی معاشرہ تخلیق فرمایا تھا اُس کے طفیل آج بھی مسلم گھرانوں کے زنان خانوں کا احوال روح میں بالیدگی، ذہن میں پاکیزگی پیدا کر سکتا ہے۔

گھر کے لڑکے آٹھ نو سال کی عمر تک زنان خانے میں سوتے تھے۔ خاص طور پر گرمیوں میں... طویل و عریض صحن میں، جس میں ہم بھائی بہن دن میں کرکٹ کھیلتے تھے، ہمارے چھوٹے چھوٹے پلنگ بچھا دیے جاتے۔ انھیں ہم کھٹولے کہتے تھے۔ سارے کھٹولے ترتیب کے ساتھ دو قطاروں میں بچھائے جاتے۔ سب پر سفید چادریں اور تکیے۔ ہر کھٹولے کے ساتھ چوڑے منھ کی چھوٹی سی صراحی، جس پر ٹول لال کپڑا بندھا ہوا اور اُس کے اوپر اوندھا رکھا ہوا کٹورا... ہر دن تو نہیں، ہفتے میں دو ایک دن صراحی کی گردن میں موتیا یا چنبیلی کے پھولوں کا چھوٹا سا ہار... ان پھولوں کے پودے اور بیلیں صحن میں موجود تھیں اور ان پر کھلے ہوئے پھول زمین کے ستارے معلوم ہوتے تھے۔ ہماری رشیدہ باجی کہتی تھیں کہ جب کلیاں درود شریف پڑھتی ہیں تو کھل کر پھول بن جاتی ہیں۔ اس بات کو سائنس کی میزان میں نہ تولیے۔ اس سے اُس مسلم معاشرے کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ معاشرے اسی طرح پھول بن کر کھلتے ہیں اور اُن کی خوش بو ساری دنیا کی فضاؤں میں تیرتی ہوئی انسانوں کو اور دوسرے مسافروں کو معطر بنا دیتی ہے۔ سونے سے پہلے ہم سب خاصی بلند آواز میں مسنون دعائیں اور درود پڑھتے... ہر جمعرات اور جمعہ کو درود کا خاص اہتمام کیا جاتا۔

D:NaatRang-17
File: 1-Kashafi
Final

تو آٹھ نو برس کی عمر میں ہم سونے کے لیے مردان خانے میں ''منتقل'' کر دیے

جاتے۔ کچھ بچے قریبی مکانوں میں دوسرے عزیزوں کے ہاں سو جاتے۔ وکیل صاحب (سیّد حسن احمد شاہ ایڈووکیٹ، میری پھوپھی زاد بہن کے شوہر) کا مکان خانقاہ کے باہر سڑک پر تھا۔ دومنزلہ مکان... جس کا بالائی کھلا ہوا حصہ بہت بڑا تھا اور وہاں سے سڑک کے سیر تماشوں کا خوب نظارہ ہوتا تھا۔

میں اوّل اوّل مردان خانے میں عمو جان (والد محترم حضرت ثاقب کان پوری) کے بڑے پلنگ پر اُن کے ساتھ سوتا۔ جب کچھ اور بڑا ہوا تو میرا چھوٹا سا پلنگ اُن کے پلنگ کے برابر بچھا دیا گیا۔ وہ مجھے حیاتِ طیبہ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات، صحابہ کرامؓ کے کارنامے اور بزرگانِ دین کے قصے سناتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت سفیان ثوری، حضرت شبلی، حضرت بایزید بسطامی رحہم اللہ عنہم اجمعین کے نام اور واقعات اُسی زمانے سے میرے حافظے کا حصہ ہیں۔ عمو جان ملکوں ملکوں کی لوک کہانیاں سناتے۔ وہ ستاروں کو بھی پہچانتے تھے۔ منور اور روشن تاروں کو ہمیں دکھاتے اور اُن کے نام بتاتے۔ کہکشاں کے متعلق کہتے کہ بعض افریقی مسلمان قبیلوں کی روایتی کہانی ہے کہ حضورﷺ اسی راستے سے ہوکر معراج پر تشریف لے گئے تھے اور یہ اُن کے قدموں کی نورانی دُھول ہے... یہ کہانی عمو جان سناتے بھی مزے سے تھے اور یہ میرے وجود اور تحت شعوری حافظے کا حصہ بن گئی جس کا اظہار میرے ''درود'' میں اس طرح ہوا:

تو صاحبِ معراج ہے
افلاک تیرے راستے
اور کہکشاں در کہکشاں
تیرے سفر کی گرد ہے

ہمارے مردان خانے کی اپنی فضا، اپنی دنیا اور اپنی شخصیت تھی۔ عموجان کے بعض دوست ہفتے کے کسی مقررہ دن، مقررہ وقت پر آتے اور مقررہ وقت تک بیٹھتے۔ مہمان ادیب اور شاعر اکثر آتے۔ پوربی اضلاع سے آئے ہوئے دو تین مزدور شام کو یہیں اپنا کھانا پکاتے، ایک بڑا پتھر پڑا ہوا تھا اُس پر یا چٹائی پر لیٹ جاتے اور رات کو صبح کر دیتے۔ پابندی سے آنے والوں میں حضرت نیر مدنی بھی تھے جو کراچی آ گئے تھے اور کسی مسجد کے خطیب بن گئے۔ اُن کا ترنم دل کو چھولیتا تھا۔ اُن سے عمو جان کی فرمائش تھی کہ جب آئیں اپنی کوئی نئی پرانی نعت ضرور سنائیں۔

ایک نابینا شاعر اور نعت خواں تھے۔ گلاب شاہ۔ یہ اکثر ہمارے مردان خانے میں آ کر بیٹھ جاتے، اپنی پاٹ دار مگر خوب صورت آواز میں اساتذہ کی نعتیں اور غزلیں سناتے اور عموجان سننے والوں سے انھیں کچھ نہ کچھ دلوا دیتے تھے۔ ہمارے چوراہے پر کلّن کا چائے اسٹال تھا اور اُس کے سائن بورڈ پر یہ شعر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا:

یہ تو گلابِ شاعرِ فطرت کی رائے ہے
مشہور کان پور میں کلّن کی چائے ہے

لوگ سڑک پر اسٹولوں پر بیٹھ کر چائے پیتے اور گلاب صاحب ترنم سے اپنا کلام سناتے۔ زیادہ تر نعتیں:

حبیبِ کبریا آئے محمد مصطفٰی ﷺ آئے
شفاعت کا جہاں بن کر رسولِ مجتبٰی ﷺ آئے

اُن کے ہاتھ میں ۲۰ × ۳۰ = ۱۶ سائز کے چار صفحاتی یا آٹھ صفحات کے کتابچے ہوتے، جن میں اُن کی نعتیں تھیں۔ قیمت ہوتی دو پیسے اور ایک آنہ (چار پیسے)۔ چائے پیتے پیتے اکثر لوگ یہ کتابچے خریدتے اور یوں اللہ نے انھیں گداگری کی لعنت سے حضورِ اکرم ﷺ کے طفیل میں بچا لیا۔ جہاں تک شاعری کا تعلق وہ کسی مشہور شاعر کے کلام کو بحر یا قوافی کو بدل کر اپنا لیتے اور موزونیت کا بھی کچھ ایسا خیال نہ کرتے۔ سکتوں اور ناموزوں مصرعوں کو اپنے ترنم سے سجا دیتے۔

میں اپنے کسی مضمون میں اُس فقیر کا ذکر کر چکا ہوں جس کے آنے کی خبر اس شعر کے فضا میں گونجنے سے ہوتی۔

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر کا غم تو خدا سے بھی اُٹھایا نہ گیا

اس شعر کے مضمون سے ہزار بار برأت، مگر یہ شعر میرے ماضی کا ایسا حصہ ہے جو ماضی نہ بن پایا۔ میں اسے بھولنا چاہتا ہوں مگر بھول نہیں پاتا۔ اس سے شاعری کی قوت کا اندازہ کیجیے اور اُن ذمہ داریوں کی گراں باری کا جو نعتیہ شاعر پر عائد ہوتی ہے۔

ذکر عمو جان کا ہو رہا تھا کہ ''مردانے'' کے دوسرے باسی اور آنے جانے والے درمیان میں آ گئے۔ رات کو سونے سے پہلے عمو جان باتیں کرتے کرتے اپنی مستقیم، خاصی بلند اور ٹھہری ہوئی آواز میں اکثر اپنے جدِ اعلیٰ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا یہ شعر پڑھتے۔

اُن کے آنسو اُن کی آواز میں چمکتے نظر آتے اور کبھی کبھی تو گریہ گلو گیر ہوجاتا۔

ان نلت یا ریح الصبا یوما الی ارض الحرم
بلغ سلامی روضة فیھا النبی المحترم

اے بادِ صبا
کسی دن تیرا گزرا
ارضِ حرم تک ہو
تو سلام اُس روضے کو پیش کرنا
جس میں نبی محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام، محوخواب ہیں۔

اسی شعر کی تشریح کرتے ہوئے ایک باپ نے اپنے دس گیارہ سال کے بیٹے پر فصاحت و بلاغت، نکتہ دانی و نکتہ سنجی اور ادبِ رسول اللہﷺ کے رموز آشکار کیے۔ تواضع یہ کہ بادِصبا سے بھی سبطِ رسول کس نرمی سے مخاطب ہے۔ اُسے حکم نہیں دے رہا ہے کہ ارضِ حرم جا، بلکہ اس خواہش کا اظہار کر رہا ہے کہ اگر کسی دن ارضِ حرم تک پہنچے، حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ بادِصبا کا رُخ کس بارگاہِ عالیہ کی طرف ہے۔ پھر ادب دیکھیے کہ بادِصبا صرف روضۂ رسول کو سلام پیش کرسکتی ہے۔ رسولِ کریم ﷺ تک اُس کا گزر کہاں اور مزید اس سے روضے کی منزلت کا اظہار مقصود ہے۔ وہ روضہ جو اپنے زندگی بخش مکین ﷺ کی وجہ سے خود اک زندہ مکان ہے...اور بات صرف سلام تک محدود رکھی گئی ہے کیوں کہ سیّد سجادؓ کو یقین ہے کہ روضے کے توسل سے اُن کا سلام، درگاہِ رسولِ امین تک پہنچ جائے گا۔ رسولِ امین ﷺ کا روضہ بھی امین ہے اور فہیم بھی۔ جانتا ہے کہ اُس تک سلام کیوں اور کس لیے بھیجا گیا ہے۔ پھر ذرا ''ارض الحرم'' کو دیکھو۔ ارض الحرمین کو ارض الحرم کہہ کر اُس وحدت کا اظہار کیا گیا ہے جو مقصودِ ایمان ہے اور اس میں رسول اللہﷺ کی امانت اور اُمت تک اللہ کی وحی کو پہنچانے کی کاملیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ وحدت توحیدِ الٰہی کے منافی نہیں بلکہ اُس کا اثبات ہے۔ اب ذرا دیکھو کہ حضرت زین العابدینؓ کے اس شعر کے مقابلے میں فارسی کا یہ انتہائی خوب صورت شعر کتنا محدود اور چھوٹا نظر آتا ہے:

نسیما! جانبِ بطحا گزر کن
ز احوالم، محمدﷺ را خبر کن

فصاحت، خوب صورتی، عظمت... یہ سب چیزیں اضافی ہیں۔

اب وہ منزل آ گئی ہے کہ ایک اور عظیم انسان کا تعارف آپ سے کرانا ہے۔ وہ تھے میرے استاد اور معلّم مولانا محمد سعید خاں رزمی... وہ ضلع بستی کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے فراغ التحصیل ہوکر تلاشِ معاش میں کان پور آئے۔ ہماری خانقاہ کے بالکل نزدیک نکھٹو شاہ کی مسجد تھی۔ وہاں وہ عمو جان کو مل گئے۔ عمو جان میں غیرمناسب تجسّس تو نہیں تھا لیکن اجنبیوں سے بات ضرور کرتے۔ سفر میں اپنے ہم سفروں کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے، ملنے والوں سے اُن کی اولاد اور اُن کی تعلیم کے بارے میں ضرور پوچھتے۔ رزمی صاحب سے بھی بالتفصیل انھوں نے اُن کا حال معلوم کیا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ عربی کے ساتھ ساتھ انھیں فارسی میں بھی درک حاصل ہے تو عمو جان نے اُن سے عربی میں گفتگو کی اور فارسی شعر و ادب پر تبادلۂ خیال کیا۔ فردوسی، عرفی اور بیدل کے مشکل اشعار کا مطلب اُن سے پوچھا اور نتیجتاً عمو جان مطمئن ہی نہیں ہوئے بلکہ بہت خوش ہوئے۔ اتنے خوش کہ اُسی وقت اُن کے مختصر سے سامان کے ساتھ انھیں اپنے ساتھ لے آئے۔ وہ بھی مردان خانے کے مقیموں میں شامل ہوگئے، لیکن ایک ہفتے کے اندر مردان خانے کے سامنے زمین کا جو خالی ٹکڑا پڑا ہوا تھا اُس پر مولوی صاحب کے کمرے کی تعمیر شروع ہوگئی اور کمرہ جلد ہی تیار ہوگیا۔ کمرے کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے ہی مولوی صاحب مجھے اور میری چھوٹی بہن حمیرا کو پڑھانے لگے۔ مولوی صاحب سے فارسی اور عربی دو تین سال پڑھنے کے بعد گرمیوں کی چھٹیوں میں حساب اور دوسرے مضامین پڑھ کر میں حلیم مسلم ہائی اسکول میں چھٹی جماعت میں داخل ہوگیا تھا۔ یہ رزمی صاحب کا مجھ پر ہمیشہ باقی رہنے والا احسان ہے کہ انھوں نے فارسی کو میری پہلی ادبی زبان بنا دیا۔ اردو ادب بہت بعد میں میری زندگی کا حصہ بنا۔ اسکول میں داخلے سے پہلے بھی ''گلستاں بوستاں''، ''شاہ نامہ'' کا منتخب حصہ، عرفی، خاقانی، قاآنی کے منتخبات پڑھ چکا تھا اور بے تکان فارسی میں تقریر کرسکتا تھا۔ مولوی رزمی صاحب کا اس سے بھی بڑا کرم اور احسان یہ تھا کہ فارسی کی نمائندہ نعتیں انتخاب کرکے انھوں نے پڑھائی۔ عمو جان اور رزمی صاحب عموماً نعت کو اعلیٰ ترین ادب میں شمار کرتے تھے۔ عربی زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اوّلین نعتیں عربی میں کہی گئیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے حضور اپنا نعتیہ کلام پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اُن کے کلام کو فصیح الازمنہ ﷺ کی پسندیدگی کی سند حاصل ہوئی لیکن نعت کی ایک تابندہ روایت فارسی زبان میں ہی قائم ہوئی اور

پروان چڑھی، نعت گوئی کے آداب مقرر ہوئے، نعت کے شایانِ شان شاعرانہ لغت وجود میں آئی... اور فارسی شعرا کی صفوں پر تو نظر ڈالیے۔ ان شعرا میں حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بختیار الدین کاکیؒ، عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت میرزا مظہر جان جاناں جیسے اولیا اللہ اور اہلِ دل شامل ہیں۔ جن کے دلوں کی دھڑکن ہی محمدﷺ محمدﷺ تھی۔ لاکھوں سلام اور درود اُس ذات پر، اُس کی آل پر، اُس کے اصحاب پر، اُس کی ازواج پر، اُس کی بنات پر اور عباداللہ الصالحین پر دوسری طرف اربابِ قلم کو دیکھیے۔ یہاں سعدی، خسرو، جامی، نظامی، سنائی، حافظ، غالبؔ اور اقبالؔ جیسے شعرا، گردن جھکائے، درود وسلام برلب کھڑے نظر آتے ہیں۔ الحمدللہ مولوی سعید رزمی صاحب مرحوم کی رہبری میں ان سب کے الفاظ کی خوش بو میرے دل، میرے ذہن اور رگ و پے میں بس گئی۔ پھر جوان ہوکر مشرق ومغرب کے لالہ زاروں سے گزرا، لیکن ان سب بزرگوں کے شعر، بول، لفظوں کے پیکر میں اشکِ تاباں میرے ساتھ ساتھ تھے، انھوں نے میری راہوں میں چراغاں کیا اور آج میں مجموعی طور پر اپنے آپ سے، اپنے بزرگوں سے، اپنے بچوں سے اور اپنے احباب سے شرمندہ نہیں ہوں، یہ نعت کی برکت ہے۔ گناہ اور کوتاہیاں کس کی زندگی میں نہیں آتیں۔ یہ اپنی معصومیت کا اعلان نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت ہے۔ جس ذاتِ گرامی (ﷺ) کی تشریف آوری مومنوں کے لیے نعمت ہے، جس کی نبوت انسانوں کے لیے نعمت ہے، اُس کا ذکر بھی نعمت ہے اور نعمت کے اعتراف کی ایک شکل ہے۔ **و اما بنعمة ربک فحدث۔** سورۃ الضحیٰ اور ذکرِ رسالت مآبﷺ کی عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس سورہ سے سورۃ الناس یعنی اختتام قرآن تک سورۃ کی تلاوت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے۔ حضورﷺ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے اعترافِ کبریائی کی ایک صورت ہے۔

مولوی رزمی صاحب نمازِ مغرب اور وظائف کے بعد کثرت سے درود شریف کا ورد کرتے تھے اور اختتام حضرت معین الدین چشتیؒ کی نعت پر ہوتا تھا۔ اُن کی پُرسوز آواز آج بھی ماضی کے دھندلکوں سے گزر کر میرے کانوں تک آ رہی ہے اور اسی آواز میں ایک اور ذیلی آواز شامل ہوگئی ہے۔ میری عزیزہ اور شاگرد منیبہ شیخ کی آواز... اللہ تعالیٰ استادِ مکرم کی مغفرت کرے اور منیبہ کو ایمان، زندگی اور صحت عطا کرے۔

شیخ معین الدین چشتیؒ کی یہ نعت کئی ابواب پر مشتمل کتاب یا کئی منزلوں کے مکان کی طرح ہے۔ ہر شعر کے ساتھ آدمی اپنے آپ کو دوسری منزل پر پاتا ہے یا کتاب کا باب بدل جاتا

ہے۔ اس نعت کے زمانی اور معنوی طول و عرض کا اب تک مجھے اندازہ نہیں ہوسکا ہے۔ محبوبِ ربّ کائنات اور محبوبِ اہلِ اسلام کا مومنوں پر یہ کرم ہے کہ جیسے وہ ہمارے خانۂ دل کی سب سے حسین منزل میں مقیم ہیں اور اُن کے قیام سے ہمارے دل میں سیکڑوں دروازے اور دریچے کھلتے جاتے ہیں۔ ایمان کا دروازہ، مغفرت و رحمت کے دروازے، تفہیمِ دین کا دروازہ، سکونِ قلب کا دروازہ، حیات و کائنات اور علومِ وفنون کے دروازے جن میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے اور ان تمام علوم، شعر و ادب کا رشتہ اگر محمد عربی ﷺ سے ہے تو ہمارا شعر و ادب حبّ مصطفوی کا گلستاں ہے اور ہمارے علوم انسانیت کے لیے برکت ہیں اور حضور ﷺ سے یہ رشتہ ہمیں انسانوں کے حزف زیروں کے ریگستاں سے گزار کر بحرِ کرمِ محمد ﷺ کے لولو و مرجان بنا دیتا ہے۔ آج علمی، ذہنی اور انسانی اعتبار سے ہم اتنے بگڑ چکے ہیں کہ اقوامِ عالم میں سب سے پست ہیں، کیوں کہ ہماری زندگیوں کا عملی تعلق سرکار سے قائم نہیں رہا۔ ہم سوکھی ہوئی گھاس ہیں، دیکھیے اب کب ہم پر بارانِ رحمتِ محمد ﷺ برستی ہیں کہ ہم سرسبز ہوجائیں... اور روح اس بات سے بھی لرزتی ہے کہ کیا ہمیں اپنے زخم ہائے عصیاں کے لیے مرہمِ شفاعتِ محمد ﷺ نصیب ہوگا... بس ہمارے پاس ایک ہی جملہ ہے... نگاہے یارسول اللہ نگاہے۔ میں اپنے لڑکپن میں پہنچ گیا۔ اگر یہ جذباتیت ہے تو معذرت قبول کیجیے اور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی نعت کے چند اشعار سنیے:

در جاں چو کرد منزل، جانانِ ما محمد ﷺ	صد در کشادہ در دل از جانِ ما محمد ﷺ
ما بلبلیم نالاں، در گلستانِ احمد	ما لولویم و مرجاں، عمانِ ما محمد ﷺ
مستغرقِ گناہیم، ہر چند عذر خواہیم	پژمردہ چو گیاہیم، بارانِ ما محمد ﷺ
از دردِ زخمِ عصیاں مارا چہ غم چو سازد	از مرہمِ شفاعت، درمانِ ما محمد ﷺ

ہمارے بچپن اور لڑکپن میں ہر نعت خواں درود وسلام کے بعد اپنی نعت کے آغاز سے پہلے شیخ سعدی کے چار مصرعے ضرور پڑھتا۔ یہ صورتِ حال اب بھی باقی اور جاری ہے۔ فارسی زبان کے عظیم ترین غزل گو کے یہ مصرعے عربی زبان میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ سعدی نے تین مصرعے کہہ لیے تھے مگر چوتھا مصرع نہیں لگ رہا تھا۔ خواب میں اُن کے اور ہم سب کے آقا ﷺ نے فرمایا کہ سعدی مصرع تو تمھارے سامنے ہے اور ذرا سی تبدیلی کے ساتھ تم ہر دن پڑھتے ہو:

بلغ العلیٰ بکمالہ	کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلو علیہ و آلہ

صاحبِ معراج کی ثنا میں یہ مصرعے انسانی بیان کی معراج ہیں۔ ساقیٔ کوثر ﷺ نے بلندیوں کو کمال عطا فرمایا، آپ کی ذات حسن و جمالیات کی مکمل ترین کتاب ثابت ہوئی، جس میں کسی دور میں بھی اضافے کی گنجائش نہ ہوگی اور جن پر اور جن کی آل پر درود و سلام سے ہماری ذات کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔

سعدی کے ذکر پر یاد آیا کہ ہمارے ہاں اکثر مولوی مسیح اللہ صاحب تشریف لاتے تھے۔ وہ کسی اسکول میں ہیڈ مولوی تھے اور عربی و فارسی پڑھاتے تھے۔ مولوی صاحب ''یارسول اللہ'' کہنے کے سخت خلاف تھے۔ ایک دن عمو جان نے کہا آپ اگر خالی مولوی ہوتے تو میں آپ سے کچھ نہ کہتا۔ آپ تو ادب پڑھاتے ہیں۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ یہ رسول اللہ سے استعانت طلبی اور استمداد نہیں۔ یہ تو خطابیہ انداز ہے۔ شاعر تو ہواؤں، پھولوں، پرندوں سے بھی بات کرتا ہے اور آپ تو نماز میں التحیات بھی پڑھتے ہیں۔ کیا ادائیگیٔ نماز کے وقت آپ اپنی عربی بھول جاتے ہیں۔ مولوی صاحب کچھ تو شرمندہ ہوئے، مگر کہنے لگے کہ مستند نعت گو شاعروں کے کلام سے مثالیں پیش کیجیے۔ عمو جان نے اُسی وقت کئی شعر پڑھ دیے۔ اُن اشعار میں سعدی کا یہ شعر بھی تھا جو انتہائے سادگی اور انتہائے محبتِ رسول ﷺ کو اپنے دامن میں رکھتا ہے۔

کاش ہر موئے من زباں بودے در ثنائے تو یارسول اللہ

اور عمو جان نے حضرتِ جامیؒ کا یہ شعر بھی پڑھا:

ز رحمت کن نظر بر حالِ زارم یارسول اللہ غریبم، بے نوائم، خاکسارم یارسول اللہ

حضرت جامی کا ذکر پہلے آچکا ہے مگر عجب بات یہ ہے کہ جامی کی یہ نعت اُن کی کلیات میں نہیں ہے کہ نسیما! جانبِ بطحا گزر کن۔

ہمارے رزمی صاحب کہتے تھے کہ جو صاحبان کہتے ہیں کہ یہ جامی کی نعت نہیں، وہ بتائیں کہ آخر یہ کس کی نعت ہے؟ جب تک ہمیں یہ خبر نہیں ملے گی ہم اسے جامی کی نعت ہی سمجھیں گے۔ میرے خیال میں مولوی صاحب کی دلیل الزامی جواب کے ذیل میں نہیں آتی۔ ادبی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ہیں، مثلاً امیر خسروؒ کی یہ غزل (جو نعت بھی اپنے دامن میں رکھتی ہے) اُن کی کلیات یا کسی دیوان میں موجود نہیں۔

خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد ﷺ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

میرا ذوق کہتا ہے کہ کسی محفلِ سماع میں امیر خسروؒ پر کیفیت طاری ہوگئی ہوگی اور یہ غزل اُس حالات میں اُن کی زبان پر جاری ہوئی اور قوالوں نے اسے اُٹھا لیا اور اُن کے ہونٹوں سے نکل کر یہ صدیوں سے مقبولیت کا سفر طے کر رہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہمارے جدِ اعلیٰ دادا میاںؒ (حضرت شاہ غلام رسول، رسول نماؒ) کا عرس ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں ہوتا تھا۔ نقش بندیوں کو آپ جانیں کیسے روکھے سوکھے ہوتے ہیں۔ نہ قوالوں کی تانیں، نہ طوائفوں اور شوقین مزاجوں کی ''طوائف الملوکی'' نہ چڑھاوے اور نذرانے...نمازِ فجر کے بعد قرآن خوانی شروع ہوتی جس کا سلسلہ آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک جاری رکھتا۔ یہ اجتماع خانقاہ شریف کی مسجد میں ہوتا تھا۔ قرآن خوانی کے بعد حاضرین کو ناشتا کرایا جاتا۔ شیرینی، حلوہ پوری اور حستوں کا اہتمام اور انتظام شفیق حلوائی صاحب کرتے۔ اگر کچھ صاحبان کچھ اور لے آتے تو وہ بھی دسترخوان پر رکھ دیا جاتا۔ چائے یا شربت (موسم کے مطابق) کا بندوبست ببّو میاں (سیّد حسن، میرے پھوپھی زاد بھائی) کرتے۔ ناشتے سے فارغ ہوکر کوئی دس بجے نعت خوانی کا سلسلہ شروع ہوتا۔ یہ نعت خوانی کا اجتماع بھی ہوتا اور نعتیہ مشاعرہ۔ شہر کے اکثر دینی رجحان رکھنے والے شاعر آتے۔ کبھی کبھی مشہور شاعر اور وکیل ہت کاری سہائے وحشی آجاتے۔ اچھے شعر سن کر بلند آواز میں سبحان اللہ کا نعرہ لگاتے اور لوٹنے لگتے۔ نعتیہ مشاعروں میں تو عام طور پر مشاعروں کے لیے کوئی پابندی نہ ہوتی، مگر کبھی کبھی مصرعِ طرح دے دیا جاتا یا کوئی اور شرط لگا دی جاتی، مثلاً ایک بار یہ طے کیا گیا کہ سب شاعر حضرت قدسی کی نعت پر تضمین پڑھیں گے... ''مرحبا سیّد مکی، مدنی والعربی''۔ اس نعت کی مقبولیت کا آپ سے کیا ذکر کروں۔ کتنے لوگ فارسی نہیں جانتے تھے لیکن جس محفل میں یہ نعت پڑھی جاتی اُن میں زار و قطار روتے ہیں۔ سرورِ کونین ﷺ کی محبت زبان کے حدود و قیود کو توڑ دیتی ہے۔ بعض شاعر فارسی میں تضمین لکھتے اور زیادہ تر اردو میں...اس نعت سے زیادہ کسی اور نعت کی تضمینیں نہیں لکھی گئیں۔ انیسویں صدی کے آخر میں (یا شاید بیسویں صدی کے شروع میں) حیدرآباد دکن سے اس نعت پر تضمینوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا تھا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے اُس میں سو سے زیادہ تضمینیں تھیں۔

لیجیے ایک ایسی خاتون اور ایک ایسا واقعہ یاد آگیا کہ میں ایک بار پھر زنان خانے کا رُخ کرتا ہوں، مجبوری ہے۔

ایک خاتون دو چار مہینوں کے بعد ہمارے ہاں آتی ہیں۔ انھیں سڑک پر دیکھ کر یا

اپنے مردان خانے سے دیکھ کر ہم لوگ بھی زنان خانے کا رُخ کرتے۔ کبھی کبھی تو وہ مردان خانے میں آ کر اپنے آنے کا اعلان کرتیں۔ ہم سب بچے اور گھر کے بزرگ اُن کے ساتھ ہو لیتے اور زنان خانے میں جاکر پلنگوں پر بیٹھ جاتے۔ اُن کے سر پر کپڑے کی ایک گٹھری ہوتی۔ وہ بڑے ادب سے اُسے پلنگ پر رکھتیں۔ درود پڑھتے ہوئے اُسے کھولتیں۔ اُس میں روضہ شریف کا ایک سفید ماڈل ہوتا۔مکمل ماڈل اور خاتون نہایت اچھی آواز میں نعت خوانی شروع کر دیتیں۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو
آبِ زم زم تو پیا، خوب بجھائیں پیاسیں — آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو

پہلے مصرعے کی وہ تکرار کرتی جاتیں اور تخاطب کو بدل بدل کر

منے آؤ آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

بچیو آؤ

پھوا آؤ

ثاقب صاحب آؤ

غرض وہ یوں ہی سب کو بلاتی رہتیں اور موزونیت تو اُن کا مسئلہ ہی نہیں تھی... اُن کا مسئلہ تو ابلاغ اور دعوتِ دیدارِ روضہ تھی... وہ بڑی دیر تک اس سرگرمی میں مصروف رہتیں... پھر روضہ دکھا کر بڑی بی دوپہر کا کھانا کھاتیں، چندے آرام کرتیں، شام کی چائے پیتیں اور یوں ہی ہمارے نذرانے لے کر چلی جاتیں... اور ہم ان کے جاتے ہی ان کے آنے کا انتظار کرنے لگتے۔ عموجان نے ایک بار پھر مجھ سے کہا کہ یہ دین کا حصہ نہیں ہے، مگر سوچو کہ اِس سے ہمارے بچے کم عمری میں ہی ذکرِ رسول ﷺ کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اور ایک بیوہ کی مدد ہوجاتی ہے کہ وہ باعزت زندگی گزار سکے۔

جب عموجان کے کمرے میں کچھ شاعر جمع ہوجاتے یا کوئی شاعر اپنی نعت سناتا، تو عموجان کبھی کبھی مشورے دیتے کہ اس لفظ کو بدل دو... یہ حضور ﷺ کی شان اور مرتبے کے مطابق نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ گیسو و رُخسار کے مضامین کے عامیانہ شاعرانہ اظہار کے سخت خلاف تھے اور کہتے کہ اگر سراپا کہنے ہی کا شوق ہے تو محسن کاکوروی یا مولانا احمد رضا خاں سے سیکھو کہ ختمی مرتبت سراپا کیسے لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح عموجان ہندی گیتوں یا بھجن کے انداز

میں لکھی ہوئی نعتیں پسند نہیں کرتے تھے۔ اس میں اُن کا رزمی صاحب سے اختلاف تھا... رزمی صاحب عربی فارسی کے متبحر عالم ہونے کے باوجود ہندی کے نرم و نازک انداز کو پسند کرتے تھے اور دلیل کے طور پر مولانا مناظر احسن رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام سناتے تھے۔

کبھی کبھی نعت پر عموجان اور رزمی صاحب کی بحث ادبی حدود سے گزر کر عقائد اور مذہب کے دائرے میں داخل ہوجاتی، مگر اس طرح نہیں جیسے آج بعض علمائے کرام کا انداز ہے کہ وہ کبر کے لہجے میں دوسروں کی تکفیر کی سرحد کے قریب آجاتے ہیں... یہ بحثیں پوری طرح اُس وقت میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اچھی طرح یاد نہیں لیکن میرا گمانِ غالب ہے کہ یہ عموجان ہی کا نعتیہ شعر تھا:

میں ہو چلا تھا منکرِ معراج آدمی
یک جائی حدوث و قدم یاد آگئی

مولوی رزمی صاحب نے اعتراض کیا کہ شاعر اس میں کفر کا مرتکب ہوا ہے اور اُس نے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے فرق کو مٹا دیا ہے۔ عموجان اُن سے کہہ رہے تھے کہ آپ نے شعر کے بنیادی لفظ معراج کو نظرانداز کر دیا ہے۔ یہ شبِ معراج کا تذکرہ ہے جب عبد اپنے معبود کے حضور موجود تھا۔ زمان و مکاں کا تصور ہی بدل گیا ہے اور دیدارِ الٰہی حضور کو جاگتی آنکھوں نصیب ہوا۔ مولوی صاحب اس تشریح کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ وہ بعض اکابر صحابہ کرامؓ کی سند کو معراج کو رویا (خواب) کا معاملہ قرار دیتے تھے۔ عموجان نے ہنستے ہوئے کہا کہ مولوی کے لیے اقبالؔ نے ٹھیک کہا تھا کہ:

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہہ سے ہے پوشیدہ، آدمی کا مقام

مولوی صاحب میری طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ ''تم اس شعر کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ ثاقب صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں یا میں'' میں نے بڑے ادب سے کہا... ''مولوی صاحب! اگر میں کچھ کہوں گا تو کہیں گے اپنے باپ کی طرف داری کر رہا ہے''... اتنے میں زنان خانے کے پھاٹک کی زنجیر بجی اور میں چائے لینے چلا گیا۔

ان گزارشات کو عرض کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ ہمارے مردان خانے میں نعت کے معیار اور اصول و آداب کی گفتگو ہوتی تھی، کیوں کہ عموجان نعت کو ادبی صنفِ سخن مانتے تھے

اور وہ بھی اعلیٰ ترین صنفِ سخن... انھوں نے اس موضوع پر ایک مضمون میں لکھا تھا جو شائع بھی ہوا تھا۔ خدا کرے میرے بھائی پروفیسر سیّد ابوالحسنات حقی کے پاس محفوظ ہو اور کبھی ''نعت رنگ'' میں شائع ہو سکے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ اُسی زمانے میں، میں نے سیرت پر تقریریں کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا... رجبی گراؤنڈ اور پریڈ گراؤنڈ میں زیادہ تر فارسی میں تقریر کرتا تھا اور اپنے گھر کے قریب طلاق محل کی ایک مسجد میں ہر ۱۲/ ربیع الاوّل کو اردو میں... مناسب سمجھا کہ اپنے مردان خانے کو اُس مسجد تک وسعت دے دوں۔ نام اس وقت ذہن میں نہیں آ رہا ہے۔ حاجی صاحب لُنگی کا کاروبار کرتے تھے اور مجھے خاص طور پر خود آ کر لے جاتے تھے۔ ویسے بھی مسجد کا فاصلہ ہمارے گھر سے دو تین منٹ سے زیادہ نہ تھا... سیرت کے اُن جلسوں میں ایک درزی کا بیٹا جو میرا ہی ہم عمر ہوگا۔ بہت خوب صورت آواز میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم اور مولانا ماہرالقادری کی نعتیں پڑھتا تھا۔

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمک والی تھی سب دنیا کے بازاروں میں

اُس کی رنگت سانولی نہیں جی بھر کے کالی تھی... پختہ رنگ، مگر میں سچ عرض کر رہا ہوں کہ نعت خوانی کے وقت دنیا جہان کا نور اور حسن اُس سیاہ رنگت میں چمکنے لگتا اور اُسی زمانے سے یہ بات میرے ذہن میں ہے کہ نعت گو یا نعت خواں میں اگر خلوص ہو تو جلوۂ محمدی کی جھلک اُس کے خدوحال کو بدل دیتی ہے جیسے اسوۂ حسنۂ نبوی کی پیروی انسان کے ظاہر و باطن کو بدل دیتی ہے:

میں مولانا شبلیؒ اور سیّد سلیمان ندویؒ کی ''سیرۃ النبی'' سے اپنی تقریروں کا مواد مرتب کرتا اور اِس پر خاصی محنت کرتا اور اپنی تقریروں کو صرف اقبالؔ کے اشعار سے سجاتا:

وہ دانائے سُبل، ختم الرُسل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

اور وہ اشعار جو آج بے حد مشہور ہیں۔ ان کو اسلوب احمد انصاری جیسے نقاد اور صاحبِ نظر نے حمدیہ قرار دیا تھا، لیکن ہر قرینہ ان کے نعت ہونے کی تصدیق کر رہا ہے۔ خاص طور پر شوکتِ

سنجر و سلیم اور فقرِ جنید و بایزید کی نسبت نبی محترم ﷺ کے جلال و فقر سے:

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اور اقبالؔ کے اس شعر پر اپنی یادوں کو ختم کرتا ہوں جو میرے ایمان کا حصہ ہے:

خیمۂ افلاک کا استادہ اِسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اِسی نام سے ہے

☆

D:NaatRang-17
File: 1-Kashafi
Final

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی۔ بھارت

ذکری المولد اور نہج البردۃ

(دو مشہور نعتیہ قصائد)

مصر کے جدید شعرا میں احمد شوقی (۱۸۶۸۔۱۹۳۲ء) کی شخصیت سرخیل کے مانند ہے۔ آپ کی فکری اور فنی خوبیوں کے پیش نظر آپ کو ''امیر الشعرا'' کے لقب سے نوازا گیا۔ جدید عربی ادب اور شاعری میں ایسا مواد بکثرت موجود ہے جس میں ترکوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے ان کی خدمات پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ یہ دراصل عرب قومیت کی دین ہے جس کو ہوا دینے میں انگریزوں کا بہت بڑا رول ہے۔ آج بھی عرب اسی مرض کا شکار ہیں جس کی وجہ سے ذلت و رُسوائی کی ہر انتہا سے گزر رہے ہیں۔ شوقی نے اپنی شاعری میں جگہ جگہ ترکوں کی خدماتِ جلیلہ کو سراہا ہے اور دولتِ عثمانیہ کو ملتِ اسلامیہ کا مرکز قرار دیا ہے۔

شوقی کی شاعری کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ مختلف قصائد میں اسلام اور مسلمانوں کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، مختلف مقامات پر ربّ ذوالجلال کی حمد و ثنا کی گئی ہے۔ بے شمار مقامات پر آں حضورﷺ کی ذاتِ گرامی کی رفعتوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ تین قصائدالھمزیۃ النبویہ (اس کے لیے دیکھیے) ''ذکریٰ المولد اور نہج البردہ'' کے لب ولہجہ اور فکر و خیال سے واضح ہے کہ شوقی نعتِ رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے تھے، شوقیات میں ایسے بے شمار قصائد ہیں جن سے نمایاں ہے کہ ملتِ اسلامیہ سے شوقی کا بہت گہرا تعلق ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے زوال اور اندلس کی تباہی پر سینہ کوبی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عربوں کی صورتِ حال پر ماتم کناں ہیں، دنیا کے مسلمانوں کے حالِ زار کو دیکھ کر اشک بار ہیں۔ مسلم قائدین کی خصوصیات اور کارہائے نمایاں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، شوقی کے قصائد میں ایسے متعدد اشعار موجود ہیں جن سے

زہد یہ پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اللہ کے حضور گڑگڑاتے اور تڑپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ملّی اور ذاتی مسائل کو لے کر اللہ سے آہ و زاری کرتے ہوئے ملتے تھے، اپنے گناہوں کا انھیں شدید احساس ہے، ہروقت عجز و انکساری کے ساتھ دست بہ دعا ہیں۔ اسی طرح اپنے حبیب اور فخرِ کونین ﷺ کے طفیل میں اللہ سے مشکلات کے حل کے لیے ملتمس ہیں، بار بار فریاد کناں ہیں کہ اے ربّ کائنات! ہماری قوم کو مصائب و مسائل سے نکال دے، اس کے باہمی تنازعات کو کافور کردے اور اسے عز و وقار سے ہم کنار کردے۔'' ملتِ اسلامیہ کو بار بار تلقین کی گئی ہے کہ صرف اطاعت ربّ العالمین اور اطاعتِ رسول ﷺ ہی کے ذریعے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لایا جاسکتا ہے۔ شوقی کی ذات حبّ رسول ﷺ سے معمور ہے۔ یہی اس کی شناخت اور منزلِ حیات ہے۔ پوری عربی نعتیہ شاعری میں شوقی اپنے اسلوب اور جذبات و احساسات کے نقطۂ نظر سے انفرادیت کے حامل ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ جدید نعتیہ شاعری کو نئے آسمان و زمین سے آشنا کیا تو شاید مبالغہ نہ ہو۔ اس مضمون میں ذکری المولد اور نہج البردہ کی روشنی میں شوقی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے گا۔

''ذکری المولد'' میں رسالت سے قبل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ حضور عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک کا وقفہ پانچ سو سال پر مبنی ہے۔ یہ ایک طویل وقفہ ہے۔ اس دوران عرب طرح طرح کی برائیوں اور قتل و غارت گری کی آماج گاہ بنے ہوئے تھے، آپس میں لڑنا جھگڑنا اور ایک دوسرے کی عزت پر ڈاکہ ڈالنا ان کا شیوہ تھا۔ پورا معاشرہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، عدل و انصاب کا سورج غروب ہوچکا تھا، انسانیت دم توڑ چکی تھی اور ہر طرف ظلم وتشدد کا دور دورہ تھا۔ اس ماحول میں آکر اللہ کے رسول ﷺ نے عربوں کو اخوت و محبت کا سبق پڑھایا اور معاشرے سے جبر وقہر کو دُور کیا اور بلکتی ہوئی انسانیت کو مسکراہٹوں سے روشناس کیا۔

و ارسل عائلاً منکم یتیما دنامن ذی الجلال فکان قابا

اور اللہ نے تمھیں میں سے ایک نادار اور یتیم کو رسول بنایا جو ربّ ذوالجلال سے قریب ہوا۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔

نبی البر، بینه سبیلا و سنّ خلاله، و هدی الشعابا

بھلائیوں کے نبی نے بھلائیوں کی تعلیم دی اور اس کی مشکلات کو دُور کیا اور راستہ دکھایا۔

تفرق بعد عیسیٰ الناس فیه　　فلما جاء کان لهم متابا

حضرت عیسیٰؑ کے بعد راہِ ہدایت کے باب میں لوگ بٹ گئے تھے لیکن
آپ ﷺ کے آنے کے بعد لوگوں کا (اس طرف) پلٹنا آسان ہوگیا۔

و شافی النفس من نزعات شر　　کشاف من طبائعها الذئابا

اور آپ ﷺ دلوں کو برے وسوسوں سے نجات دلانے والے ہیں اور نفسِ
انسانی کو امراض سے دُور کرنے والے ہیں۔

وکان بیانه للهدی سبلاً　　و کانت خیله للحق غایا

اور آپ ﷺ کی باتیں راہِ ہدایت ہیں اور آپ ﷺ کے خیالات حق کی
اساس ہیں۔

و علمنا بناء المجد، حتی　　أخذنا اِمرة الارضِ اغتصابا

اور آپ ﷺ نے ہمیں نجد و شرافت کی اساس سے آگاہ کیا۔ ہم نے دنیا
کی عورتوں کو جکڑ رکھا تھا۔

وما نیل المطالب بالتمنی　　و لکن تؤخذ الدنیا غلابا

حصولِ مقاصد کے لیے سعی و کوشش نہ کی جاتی، بلکہ ظلم و تشدد سے دنیا کو
مٹھی میں کرنے کی کوشش کی جاتی۔

وما استعصی علی قوم منال　　اذا الاقدام کان لهم رکابا

(آپ ﷺ کے آنے کے بعد) کسی قوم پر کسی چیز کا حصول دشوار نہ تھا،
جب کہ جرأت و ارادہ ان کا ہم سفر ہو۔

آپ ﷺ کی آمد سے قبل معاشرہ کن اضطرابات سے گزر رہا تھا اور دعوت توحید سے کس قدر دُور ہوگئے تھے اور فتنہ و فساد میں کس حد تک آگے جا چکے تھے اس کی طرف قرآن کریم نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

لتنذر قوما ما انذر ابأهم فهم غافلون.
(یٰس:۳۶/۶)

D:NaatRang-17
File: Islahi
Final

آپ ﷺ نے جب دعوتِ دین کا کام شروع کیا تو معاشرے سے رفتہ رفتہ تمام تاریکیاں دُور ہوگئیں اور محبتوں کی ایسی دنیا قائم کی کہ جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر

ہے، ہر طرف اچھائیوں کا شہرہ ہوا اور پوری فضا خوشبوؤں سے معطر ہوگئی۔ ظلمتوں میں ڈوبا ہوا معاشرہ اُجالوں سے فیض یاب ہوا۔ چپہ چپہ تعلیماتِ رسول سے منور ہوگیا۔ اسے شوقی نے بڑے خوب صورت انداز میں منظوم کیا ہے۔ پڑھتے ہوئے ایک نقشہ آنکھوں کے سامنے رواں ہوجاتا ہے۔

تجلی مولد الهادی و عمّت بشائره البوادی و القصابا

ہادیٔ کریم ﷺ کی ولادت سے فضا روشن ہوگئی اور آپ ﷺ کی بشارتیں جنگلات اور قصبوں تک عام ہوگئیں۔

و اسدت للبرية بنت و هب يداً بيضاء، طوّقت الرقابا

اور سیّدہ آمنہ نے مخلوق کے لیے (آپ ﷺ کو) خوب صورت ہاتھ کی شکل میں پیش کیا اور (آپ ﷺ کو لوگوں کی) گردن میں ہار بنا کر ڈال دیا۔

لقد وضعته و هاجا، منيراً كما تلد السماوات الشهابا

یقیناً انھوں نے آپ ﷺ کو روشن چراغ کے مانند جنا۔ جس طرح آسمانوں سے چمک دار ستارے ٹوٹتے ہیں۔

فقام على سماء البيت نوراً يضيئُ جبال مكة و النقابا

آپ ﷺ خانۂ کعبہ کے آسمان پر آفتاب کی مانند روشن تھے جس نے مکہ کی پہاڑیوں اور درّوں کو روشن کر دیا تھا۔

و ضاعت يثرب الفيحاء مسكاً و فاح القاع أرجاء و طابا

اور وسیع و عریض شہر مدینہ خوش بوؤں میں بس گیا اور زمین کے چپے چپے معطر اور خوش گوار ہوگئے۔

أبا الزهراء قد جاوزت قدری بمدحک، بیدان لی انتسابا

اے ابو ہریرہ! آپ ﷺ کی ثنا خوانی کی وجہ سے میں اپنے مقام سے بلند ہوگیا جب کہ اس سے قبل میرا ایک انتساب تھا۔

فما عرف البلاغة ذو بيان اذا لم يتخذک له کتابا

اہلِ زبان فنِ بلاغت سے اس وقت تک ناواقف تھے جب تک کہ انھوں نے آپ ﷺ کو اس کے لیے بنیاد نہ بنایا۔

مذکورہ اشعار سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ آپ ﷺ کی ذات چراغ روشن کے مانند تھی، جس نے مکہ کے پہاڑوں تک کو روشن کر دیا۔ شہر مدینہ خوش بوؤں میں بس گیا اور مکہ و مدینہ سے نکل کر اس روشنی اور خوش بو کا پورے چار دانگ عالم پر قبضہ ہوگیا۔ دینِ اسلام کا پھریرا خطے خطے پر لہرانے لگا۔ وہ قوم جو تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بچھڑی ہوئی تھی آج اس میدان میں سیادت کی مالک بن ہوگئی۔

شوقی کی شاعری کا ایک معروف پہلو یہ ہے کہ وہ اُمتِ مسلمہ کی حیرانیوں پر تڑپ اُٹھتے ہیں، قوم کی ناکامی اور شکستہ حالی انھیں بے چین کر دیتی ہے۔ اُمت کے مسائل و مشکلات کو لے کر اللہ کے حضور اور جناب رسول مصطفیٰ ﷺ حاضر ہوتے ہیں اور انھیں کامل یقین ہے کہ اللہ ہی مشکل کشا ہے اور سیرت پاک ہی کے توسط سے مصائب سے نجات مل سکتی ہے۔

سألت اللّٰہ فی ابناء دینی　　فان تکن الوسیلة لی أجابا

میں نے اپنے دینی بھائیوں کے لیے اللہ سے دعا کی، اگر آپ ﷺ کا وسیلہ، تقدس حاصل ہو تو اللہ دعاؤں کو سنے گا۔

و ما للمسلمین سواک حصن　　اذا ما الضر مسّھم و نابا

اور آپ ﷺ کے علاوہ مسلمانوں کی کوئی جائے پناہ نہیں جس وقت انھیں کوئی مصیبت یا ضرر لاحق ہو۔

کأن النحس حین جری علیھم　　أطار بکل مملکة غرابا

اُمت مسلمہ پر نحوست طاری ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر مملکت پر کوؤں کی فرماں روائی ہے۔

و لو حفظوا سبیلک کان نوراً　　و کان من النحوس لھم حجابا

اگر انھوں نے آپ ﷺ کے راستے کو اختیار کیا ہوتا تو سعادت سے سرفراز ہوتے اور نحوست سے انھیں نجات مل جاتی۔

بنیت لھم من الأخلاق رکنا　　فخانوا الرکن، فانھدم اضطرابا

آپ ﷺ نے ان کے لیے صحیفۂ اخلاق پیش کیا، لیکن انھوں نے اس کے ساتھ لاپروائی کا ثبوت دیا جس کی وجہ سے بے چینی کا شکار ہوگئے۔

و کان جنابھم فیھا مھیبا　　و للأخلاق اجدد ان تھابا

D:NaatRang-17
File: Islahi
Final

اور ان کے سامنے اخلاقیات کی بہت سی چیزیں تھیں جن سے احتراز کی
ضرورت تھی اور اخلاقیات میں تو احتیاط کی ضرورت ہے۔

شوقی کا اپنی قوم سے نہایت گہرا تعلق تھا، مصائب پر دُکھی ہونا اور مسرتوں پر کھل اُٹھنا ان کا طرزِ حیات بن چکا تھا۔ شوقی نے یہ بھی وضاحت کی کہ رسولِ کریم ﷺ ہی ہماری واحد پناہ گاہ ہیں۔ اسی سے وابستہ رہ کر حوادثِ روزگار سے بچا جاسکتا ہے۔ چوں کہ قوم نے سیرتِ پاک سے خود کو لاتعلق کرلیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر محاذ پر شکست و ناکامی ان کی قسمت کا حصہ بن گئی ہے۔ اور اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کی دسترس میں پہنچ چکا ہے۔

''نہج البردۃ'' نعتیہ شاعری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، اس سے ایک طرف آپ ﷺ کی عظیم شخصیت کے مختلف گوشوں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کی مختلف صفات کا ذکر کیا ہے، وہیں دوسری طرف آپ ﷺ کے توسط سے اپنی مغفرت کا مسئلہ بھی چھیڑا گیا ہے، اظہارِ ندامت میں شوقی کو کوئی عار نہیں ہے، شوقی کی تمام اُمیدیں آپ ﷺ ہی سے وابستہ ہیں۔ اس قصیدے میں سیرت پاک کے مختلف تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآنی اثرات نمایاں ہیں۔ نبوت کے انقلابات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ نہ صرف عرب بلکہ پورا شرق و غرب انوارِ رسالت سے منور ہوگیا۔ اس میں جہاد کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے بتایا گیا کہ جہاد کا مقصد صرف مظالم کا خاتمہ ہے، مظلومین کے حقوق کو حاصل کرنا ہے اور ظلم و تشدد سے دنیا کو آزاد کرانا ہے، لیکن آج دنیا نے جہاد کی غلط تصویرکشی کی ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی کئی بار ذکر آیا ہے، ویسے بھی شوقی نے بے شمار مقامات پر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر مختلف انداز سے کیا ہے تا کہ عیسائیت اور اسلام کا باہمی ربط دکھایا جاسکے اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین پیدا شدہ خلیج کو پاٹا جاسکے۔ اس قصیدے میں مختلف صحابۂ کرامؓ کا بھی ذکر ہے، جمع قرآن اور ترتیبِ قرآن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اُمت مسلمہ کی تباہی اور پراگندہ حالی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ سیرت پاک کے حوالے سے مختلف موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس کے ایک ایک شعر سے مترشح ہے کہ سیرتِ رسول ﷺ کے ایک ایک پہلو اور عقبیٰ کی سرفرازی کا سارا انحصار ذاتِ نبی کریم ﷺ پر ہے۔ شوقی کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے سہارے کے بغیر آخرت کا سنورنا مشکل ہے۔ چناں چہ شوقی کی اُمیدوں کی وابستگی بھی صرف نبی کریم ﷺ سے ہے۔

ان جل ذنبی عن الغفران لی أمل   فی اللّٰہ یجعلنی فی خیر معتصم

اگر میرے گناہ بے شمار ہوں تو بھی مغفرت کے باب میں اللہ سے قوی
اُمید ہے کہ مجھے سب سے بہتر پناہ گاہ (رسول اللہ) سے نوازے گا۔

القی رجائی اذا عز المجیر علی مفرج الکرب فی الدارین والغمم

قیامت کے روز میری تمام اُمیدیں اس ذاتِ عظیم سے وابستہ ہیں جو دنیا
اور آخرت دونوں میں رنج ومحن کو ٹالنے والا ہے۔

اذا خفضت جناح الذل أسأله عزا الشفاعة، لم أسال سوی امم

میں نے نہایت عاجزی کے ساتھ آپ ﷺ سے رُتبۂ شفاعت کا سوال کیا،
میں نے یہ سوال واضح انداز میں پیش کیا۔

و ان تقدم ذو تقوی بصالحة قدمت بین یدیه عبرة الندم

اور اگر کسی صاحبِ تقویٰ نے اپنی نیکی کو آگے بڑھایا، تو میں نے اللہ کے
حضور ندامت کے آنسو پیش کیے۔

لزمت باب امیر الانبیاء، و من یمسک بمفتاح باب اللّٰه یغتنم

میں امیر انبیا کے در سے چمٹ گیا ہوں اور جو باب خدا کی چابی کے ساتھ
وابستہ ہوتا ہے تو یہی غنیمت ہے۔

فکل فضل، و احسان، و عارفة مابین مستلم منه و ملتزم

چناں چہ مستلم اور ملتزم کے مابین جس قدر فضل و رحمت اور احسان ہیں
سب آپ ﷺ کی ذات کی دَین ہے۔

علقت من مدحه حبلاً اعز به فی یوم لاعزّ بالأنساب واللّحم

آپ ﷺ کی مدح سرائی کی رسّی کو تھام رکھا ہے، یہی چیز قیامت کے روز
باعثِ شرف ہے۔ نسبتیں اور رشتے کام نہ آئیں گے۔

یزری قریضی زهیراً حین امدحه و لایقاس الی جودی لدی هرم

جس وقت آپ ﷺ کی شان میں نغمہ سرا ہوتا ہوں تو میری شاعری زہیر کو
معیوب قرار دیتی ہے اور میری سخاوت کا قیاس صرم بن سنان بن ابی
حارثہ المری کی سخاوت پر نہیں کیا جاسکتا۔

شوقی درِ رسول ﷺ پر حاضر ہو کر ندامت کے آنسو بہا رہے ہیں اور انھیں کامل یقین

ہے کہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کی مدح سرائی ہی میں تمام عز و شرف ہے، یہی چیز اللہ کے نزدیک قابلِ اعتبار بنا سکتی ہے اور ذہنی خلجان سے نجات بخش سکتی ہے۔ سرورِ کونین ﷺ کی صورت میں اللہ نے اپنے بندوں کو ایک ایسی عظیم دولت سے نوازا ہے جس کا فیضان تا قیامت جاری رہے گا۔ اللہ کے رسول کی اہمیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

محمد صفوة الباری، و رحمته   و بغیة اللّٰه من خلق و من نسم

محمد عربی اللہ کے چنیدہ اور اس کے فضلِ خاص ہیں اور مخلوقات اور انسانوں میں سے اللہ کی اوّلین خواہش ہیں۔

وصاحت الحوض یوم الرسل مسائلة   حتی الورود؟ و جبریل الأمین ظمی

میدانِ حشر کے روز تمام رسول صاحبِ حوض یعنی رسولِ اکرم ﷺ سے درخواست گزار ہوں گے کہ حوض سے پینے کی اجازت کب ہوگی؟ اور جبرئیل امین بھی طلب گار ہیں)

سناء ہ و ستاہ الشمس طابعة   فالحرم فی فلک والضوء فی علم

آپ ﷺ کی بلندی اور روشنی دونوں نمایاں ہیں، پس آپ ﷺ کا ستارہ آسمان میں ہے اور روشنی دنیا میں ہے۔

قد اخطأ النجم مانالت ابوته   من سؤدد باذخ فی مظهر سنم

یقیناً آپ ﷺ نے ستاروں کو پیچھے چھوڑ دیا، آپ ﷺ کے آبا و اجداد کا تعلق ایسی معروف سیادت سے ہے جو رفعتوں پر فائز ہے۔

نموا الیه، فزادو فی الوری شرفاً   و رب اصل لفرع فی الفخار نمی

آپ ﷺ سے نسبت کی وجہ سے دنیا میں صاحبِ وقار بن گئے اور کبھی تو شاخوں کی جڑ کو بھی افتخار کے لیے نسبت کی ضرورت ہوتی ہے۔

حواہ فی سبحات الطهر قبلهم   نوران قام مقام الصلب والرحم

دو تاب ناک سلسلوں نے آپ ﷺ کو پاکیزہ انوار میں پرو دیا، یہ دونوں انوار والدین کے مقدس رشتوں پر مبنی ہیں۔

لمارآہ بحیرا قال: نعرفه   بما حفظنا من الأسماء والسیم

جب بحیرا نے انھیں دیکھا تو اس نے کہا کہ ہم اپنی موجودہ علامتوں اور

نشانیوں کی روشنی میں انھیں بخوبی پہچانتے ہیں۔

سائل حراء،وروح القدس: هل علما مصون سر عن الادراک منکتم

غارِ حرا اور جبرئیل امینؑ سے پوچھو کہ کیا انھیں سر مکتوم کے متعلق کچھ معلوم ہے۔

کم جیئة و ذهاب شرفت بهما بطحاء مکة فی الاصباح الغسم

شب و روز آپ ﷺ کے بارہا آنے جانے سے وادیٔ مکہ سرفراز ہوئی۔

آپ ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا ذکر مکہ کی گلی کوچوں میں عام ہوگیا، سردارانِ عرب آپ ﷺ کی مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوئے، یہ اپنے کبر ونخوت میں اس قدر اندھے ہوگئے تھے کہ انھیں سچائی نظر نہیں آ رہی تھی۔ سیادت کے زعم میں صداقت رسالت کو انھوں نے معدوم تصور کیا، قریش ہر طرح سے دینِ اسلام کے چراغ کو گل کرنا چاہتے تھے، لیکن دن بہ دن دائرۂ اسلام کشادہ ہوتا گیا اور دائرۂ کفر سمٹتا گیا۔ شوقی نے دشمنانِ اسلام کی تصویر کشی اس انداز سے کی ہے:

فلا تسل عن قریش کیف حیرتها؟ و کیف نفرتها فی السهل والعلم

تم قریش سے اہلِ مکہ کی حیرت کے متعلق سوال مت کرو، ان کی نفرتوں کا سلسلہ شہر سے پہاڑ تک پھیلا ہوا تھا۔

تساء لوا عن عظیم قد ألم بهم رمی المشایخ والولدان ان باللمم

وہ اپنے پاس آنے والی عظیم شخصیت کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ تمام بڈھے اور جوان اس کے اخلاقِ حسنہ کے فریفتہ بن گئے۔

یا جاهلین علی الهادی و دعوته هل تجهلون مکان الصادق العلم

اس ہادیٔ عظیم اور اس کی دعوت سے ناواقف حضرات! کیا تم واقعتاً اس عظیم سچے شخص سے بے خبر ہو۔

لقبتموه امین القوم فی صغر وما الأمین علی قول بمتهم

تم نے تو اسے بچپن ہی میں امین قوم کا لقب دے دیا تھا اور امین سے کسی ایسی بات کا صدور نہیں ہوتا کہ جس کی وجہ سے اسے متہم قرار دیا جائے۔

فاق البدور، و فاق الانبیاء، فکم بالخلق والخلق من حسن و من عظم

وہ چاندوں سے بلند اور انبیا کرام سے برتر تھا، وہ صفتِ عالیہ کا حامل تھا
اور ظاہری اعتبار سے بھی نہایت حسین اور عظیم تھا۔

جاء النبیون بالآیات فانصرحت و جئتنا بحکیم غیرمضرم
انبیا کرام واضح نشانیوں کے ساتھ آئے اور وہ نشانیاں ختم ہوگئیں اور
آپ ﷺ ہمارے پاس نشانیوں کے ساتھ آئے جو غیرفنتیں ہیں۔

یا افصح الناطقین الضاد قاطبة حدیثک الشهد عند الذائق الفهم
اے سب سے عظیم فصیح اللسان! تم اس انداز سے گفتگو کرتے ہو کہ تمھاری
باتیں صاحبِ ذوق کے نزدیک شہد کے مانند اور قابلِ فہم ہیں۔

حلیت من عطل جید البیان به فی کل منتشر فی حسن منتظم
تم نے زبان و بیان کی خالی گردن میں اپنے حسنِ بیان سے ہار ڈال دیا
اور اس کی بے ترتیبی کو حسنِ ترتیب بخشی۔

بکل قول کریم أنت قائله تحی القلوب، وتحیی میت الهمم
آپ ﷺ نے اپنی پُرلطف باتوں کے ذریعے دلوں کو زندگی اور مردہ شخص
میں جان ڈال دی۔

سرت بشائر بالهادی و مولده فی الشرق والغرب مسری النورفی الظلم
اس ہادیٔ اعظم کی آمد سے مشرق و مغرب میں بشارتیں اسی طرح عام
ہوگئیں جس طرح تاریکی میں نور پھیل جائے۔

تخطفت مهج الطاغین من عرب و طیرت انفس الباغین من عجم
اس کی وجہ سے عرب باغیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور عجم کے سرکشوں
کے ہوش اُڑ گئے۔

اتیت والناس فوضی لاتمربهم الا علی صنم، قدهام فی صنم
آپ ﷺ اس وقت آئے جب کہ لوگ ایسی انارکیت کے شکار تھے
جوانھیں بت پرستی پر آمادہ کیے ہوئے تھی اور وہ خود بت پرستی کے
عاشق تھے۔

والارض مملوء ة جوراً، مسخرة لکل طاغیة فی الخلق محتکم

اور سرزمین جور و جفا سے بھری ہوئی تھی اور مخلوق میں ہر طرح کی سرکشی کرنے کے لیے پوری طرح سے تیار تھی۔

مسیطر الفرس یبغی فی رعیته　　　　و قیصر الروم من کبر اصم عم

ایران کا بادشاہ اپنے عوام پر ظلم کر رہا تھا اور روم کا بادشاہ قیصر کبر و نخوت کی وجہ سے اندھا بہرا بنا ہوا تھا۔

''نہج البردۃ'' میں واقعۂ معراج کو بھی منظوم کیا گیا ہے، شوقی کی شاعری کا ایک بڑا حصہ دینی احساسات پر مبنی ہے، دینی موضوعات کو شعری رنگ میں پیش کرنا ایک مشکل کام ہے، شوقی نے ان موضوعات میں ناقابلِ تصور شعریت پیدا کی ہے۔ دینی اور اسلامی موضوعات کے باب میں شوقی نے وہ رنگ و آہنگ اختیار کیا ہے کہ جنھیں بجا طور پر مصر کے جدید شعرا میں انفرادی مقام حاصل ہے۔ واقعۂ معراج کو کس قدر خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے:

اسری بک اللّٰه لیلاً اذ ملائکه　　　　والرسل فی المسجدالاقصیٰ علی قدم

اللہ تعالیٰ کی جانب سے رات کو آپ ﷺ کی معراج ہوئی جب کہ اس نے تمام فرشتے اور رُسل مسجدِ اقصیٰ میں جمع تھے۔

لما خطرت به التفوا لسیذهم　　　　کالشهب بالبدر، أو کالجند بالعلم

جب آپ ﷺ نے وہاں قدم رکھا تو تمام انبیا و رُسل اپنے سردار سے چمٹ گئے، جس طرح کہ ستارے چاند سے اور فوج اپنے جھنڈے سے چمٹی رہتی ہے۔

صلی وراء ک منهم کل ذی خطر　　　　و من یفز بحبیب اللّٰه یأتمم

ہر بلند ہستی نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی اور جو بھی حبیبِ خدا سے سرفراز ہوگا وہ ضرور کامیاب ہوگا۔

جبت السماوات أو فوقهن بهم　　　　علی منورة درية اللجم

آپ ﷺ نے براق پر بیٹھ کر آسمانوں یا ان سے آگے کی چیزوں کو ان کو لے کر عبور کیا۔

D:NaatRang-17
File: Islahi
Final

رکوبة لک من عز و من شرف　　　　لافی الجیاد، ولا فی الاینق الرسم

آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے آپ ﷺ کے لیے سواری کا انتظام

ھوا، یہ اعزاز نہ تو تیز رفتار گھوڑوں میں ہے نہ ہی برق رفتار اونٹنیوں میں۔

مشیئة الخالق الباری، وضعته وقدرة اللّٰه فوق الشک والتهم

یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی اور قدرتِ خداوندی نے اسے شکوک وشبہات سے بلند رکھا ہے۔

حتی بلغت سماءً لابطار لها علی جناح، ولایسعی علی قدم

آپ ﷺ ایسی بلندی کو چھوآئے جہاں بازوؤں سے اُڑ کر یا قدموں سے چل کر پہنچنا ناممکن ہے۔

و قیل: کل نبی عند رُتبته و یامحمد، هذا العرش فاستلم

اور یہ معلوم ہے کہ ہر نبی اپنے مقام پر فائز ہے اور اے محمد ﷺ! اس بلندی کو تو صرف آپ ﷺ نے چھوا ہے۔

قصیدے کے ایک ایک شعر بلکہ ایک ایک لفظ سے عیاں ہے کہ حبِ رسول ﷺ شوقی کی ردائے زیست ہے، انتسابِ رسالت انھیں تمام انتسابات سے روک دیتا ہے۔ یہ وہ آستانہ ہے جو انسان کو تمام آستانوں سے باز رکھتا ہے، نبی کریم ﷺ سے عقیدت انسانی زندگی کو باغ و بہار بنا دیتی ہے۔ نظریۂ رسالت کے سامنے ہر نظریہ بے معنی اور عشقِ رسول ﷺ کے مقابلے میں ہر عشق کم تر ہے۔ شوقی اپنی اس نسبت پر نازاں ہیں اور اسی کے تعلق سے اس ذاتِ عظیم کے حق میں رطب اللسان ہیں۔

یا أحمد الخیر، لی جاه بتسمیتی و کیف لایتسامی بالرسول سمی؟

اے احمد مصطفیٰ! صرف آپ ﷺ کے ذکرِ خیر سے مرا وجود ہے اور کیوں نہ رسولِ عربی سے میرا نام بلند ہو۔

المادحون و ارباب الهوی تبع لصاحب البردة الفیحاء ذی القدم

نعت گو شعرا اور اصحابِ عشقِ رسول صاحبِ بردہ (بوصیری) کی اتباع کرنے والے ہیں۔ وسعتوں اور قدرتوں کا حامل ہے۔

مدیحه فیک حب و خالص و هوی و صادق الحب یملی صادق الکلم

اس کی نعتیہ شاعری آپ ﷺ سے محبت، خلوص اور چاہت کی دلیل ہے اور سچی محبت سچے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔

للّٰہ یشھد انی لا أعارضہ من ذا یعارض صوب العارض العرم

خدارا یہ واضح ہے کہ میں اس شخص کی ہم سری نہیں کرتا جو شدید پانی برسانے والے بادل کی ہم سری کرے۔

و انما أنا بعض الغابطین، و من یغبط و لیک لایذمم و لایلم

اور میں تو محض رشک کرنے والوں میں سے ہوں اور جو آپ ﷺ کے چاہنے والوں سے رشک کرے وہ کبھی مذموم و مطعون نہیں ہوسکتا۔

البدر دونک فی حسن و فی شرف و البحر دونک فی خیر و فی کرم

حسن اور منزلت میں چاند آپ ﷺ کے مقابلے میں کم تر ہے اور خیر و کرم میں سمندر بھی۔ آپ ﷺ کے سامنے ہیچ ہے۔

شمّ الجبال اذا طاسنتم انخفضت والأنجم الزھر ماوا سمتھا تسم

جب آپ ﷺ پہاڑوں کی بلندی کے سامنے کھڑے ہوں گے تو وہ جھک جائے گی اور اسی طرح جب روشن ستاروں کے روبرو ہوں گے تو وہ آپ ﷺ کے سامنے ماند پڑ جائیں گے۔

واللیث دونک بأسا عند وثبتہ اذا مشیت الی شاکی السلاح کمی

اور شیر کے اُچھلتے وقت کی طاقت آپ ﷺ کے سامنے بے معنی ہے اور جب آپ ﷺ نیزہ بردار کی طرف بڑھے تو وہ چھپ گیا۔

کان وجھد تحت النقع بدر دجحاً ملتثما أو غیر ملتثم

آپ کا چہرۂ انور غبار کے نیچے بالکل بدلی کے چاند کی طرح ہے۔ چھپا ہوا ہو یا کھلا ہوا ہو دونوں حالتوں میں ضیا پاشی کرتا ہے۔

بدر تطلع فی بدر فغرتہ کغرۃ النصر، تجلو داجی الظلم

وہ ماہِ تمام مقامِ بدر میں روشن ہوا اور اس کی چمک فتح مندی کی چمک کے مانند تھی، جو شب دیجور کو روشن کر رہی تھی۔

ذکرت بالیتم فی القرأن تکرمۃ و قیمۃ اللؤ المکنون فی الیتم

قرآن کریم میں آپ ﷺ کی یتیمی کو باعثِ وقار شمار کیا گیا ہے اور محفوظ شدہ موتیوں کی اصل قیمت ''یتم'' یعنی انفرادیت میں ہے۔

D:NaatRang-17
File: Islahi
Final

الله قسم بین الناس رزقهم و انت خیرت فی الارزاق والقسم

اللہ نے لوگوں کے رزق کو لوگوں میں تقسیم کر دیا اور آپ ﷺ کو نعمتوں کی تقسیم میں ترجیح دی گئی۔

یہ بات پیچھے آ چکی ہے کہ شوقی کی بارہا کوشش رہی ہے کہ عیسائیت اور اسلام کے باہمی ربط کو منظرِ عام پر لے آئے اور دونوں مذاہب کے متبعین کے مابین پیدا ہو جانے والے اختلافات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، اس وقت قبطیوں اور مسلمانوں کے درمیان مصر میں شدید اختلافات تھے، اسی تناظر میں بار بار الشوقیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو شوقی کے سامنے قرآن کریم کا یہ نقطۂ نظر سامنے تھا:

قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الانعبد الا الله ولانشرک به شیئا ولایتخذ بعضنا بعضاً ارباباً. من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا. بانا مسلمون.

(آلِ عمران: ۳/۶۴)

کہہ دیجیے، اے اہلِ کتاب! اس کلمے کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں اور ان سے کہہ دیجیے، گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں۔

اسی تعلق اور مناسبت کے پیشِ نظر شوقی نے اپنی شاعری میں مسیحیت کو ایک نمایاں مقام عطا کیا:

سل المسیحیة الغراء: کم شربت بالصاب من شهوات الظالم الغلم

روشن مسیحیت سے پوچھو! کہ اس نے ظالم کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی خواہشات کے کتنے کڑوے گھونٹ پیئے۔

طریدة الشرک، یؤذیها و یوسعها فی کل حین، قتالاً ساطع الحدم

مردود شرک نے مسیحیت کو بارہا ستایا اور اسے ہر وقت شدید جنگ و جدل میں اُلجھائے رکھا۔

لولا حماۃ لها هبوا النصرتها بالسیف، ما انتفعت بالرفق والرحم

مسیحیت کے ماننے والوں نے اس کی مدد تلوار سے نہیں کی، بلکہ مسیحیت نے ہمیشہ لطف و کرم کا سہارا لیا۔

لو لا فکان لعیسی عند مرسله و حرمة وجبت للروح فی القدم

اگر حضرت عیسیٰؑ کا مرتبہ اپنے رب کے یہاں نہ ہوتا اور عرصہ قدیم سے حضرت عیسیٰؑ کی ذات کا احترام نہ ہوتا۔

لسمر البدن الطهر الشریف علی لو حین، لم یخش مؤذیه، ولم یجم

تو حضرت عیسیٰؑ کا جسمِ اطہر صلیب پر لٹکایا گیا اور وہ اپنے تکلیف دینے والے سے نہ تو ڈرے اور نہ ہی خوف زدہ ہوئے۔

جل المسیح، وذاق الصلب شانئه ان العقاب بقدر الذنب و الجرم

حضرت مسیحؑ جھوٹ سے منزہ ہیں اور آپ کے دشمن نے صلیب کا مزہ چکھا، کیوں کہ سزا گناہ اور جرم کے مطابق ملتی ہے۔

اخو النبی، و روح اللّٰه فی نزل فوق السماء و دون العرش محترم

حضرت مسیحؑ روحِ خدا آسمان پر مہمان کی حیثیت سے ہیں اور اللہ کی نظر میں قابلِ احترام ہیں۔

أشیاع عیسیٰ أعدوا کل قاصمة و لم نعد سوء حالات منقصم

دینِ مسیحی کے ماننے والوں نے ہر طرح کا ہتھیار اپنے لیے تیار کیا اور اُمتِ مسلمہ نے اپنے لیے بدتر حالات پیدا کیے۔

شوقی نے مختلف انداز سے جناب سرورِ کونینﷺ میں گل ہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کی تعریف کرتے ہوئے شوقی نے اس نکتہ کو ضرور اٹھایا ہے کہ ان کے اندر تمام اعلیٰ صفات پیدا کرنے کا سہرا اللہ کے رسول کے سر جاتا ہے۔ آپﷺ نے ان کی تربیت اس انداز سے کی کہ عظیم شخصیات بھی ان کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شمعِ ہدایت کے پروانوں نے ہر محاذ اور ہر میدان میں انفرادیت کا ثبوت دیا ہے۔ اسے شوقی نے اس طرح منظوم کیا ہے:

D:NaatRang-17
File: Islahi
Final

مهمادعیت الی الهیجاء قمت لها ترمی باسد، و یرمی اللّٰه بالرجم

جب جب آپ ﷺ کو دعوتِ مبارزت دی گئی آپ ﷺ اس کے لیے تیار
ہوگئے، آپ ﷺ نے شیروں یعنی اپنے اصحاب کے ذریعے مقابلہ کیا اور
اللہ نے شیاطین کو سنگ سار کیا۔

علی لوائک منهم کل منتقم   لله، مستقتل فی الله معتزم

آپ ﷺ کے جھنڈے تلے تمام اصحاب کرام اللہ کے لیے لڑنے والے
ہیں، اورعزم کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کے خواہش مند ہیں۔

مسبح للقاء الله مضطرم   شوقاً، علی سابح کالبرق مضطرم

اللہ سے ملاقات کی اُمیدیں (جہاد) میں پیش پیش اور سرگرم ہیں، ان کی
سرگرمیوں اور پیش رفتگی کے شوق کی تیزی برق کے مثل ہے۔

لو صادف الدهر یبغی نقلة، فرمی   بعزمه فی رحال الدهر لم یرم

اگر اچانک (جہاد کے لیے) تیاری کا حکم پیش آ جائے تو فوراً بابرکاب
ہوجاتے ہیں اور جہاد کے سفر کی تیاری اس عزم وحزم کے ساتھ کرتے
ہیں جو کہ خود انھوں نے کبھی نہیں کیا۔

بیض، مفالیل من فعل الحروب بهم   من أسیف الله، لا الهندیة الخذم

صحابہ کرامؓ کی چمک دار جنگی تلواریں اللہ کی تلواروں میں سے ہیں وہ
ہندوستانی سیف براں نہیں ہیں۔

کم فی التراب اذافتشت عن رجل   من مات بالعهد، أومن مات بالقسم

کتنے ہی شہادت پانے والے صحابہ کرامؓ کے حالات کا پتا لگاؤ گے تو
معلوم ہوگا کہ عہد خدا اور رسول کی پاسداری یا اپنے فریضہ کی ادائیگی میں
چل بسے۔

شوقی دینِ اسلام کی حقانیت سے پوری طرح واقف ہے۔ یہی وہ دین ہے جو زندگی
کے ہر میدان میں رہنمائی کرسکتا ہے۔ یہ فطری دین فطرتِ انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔
اسی لیے اسے مکمل ضابطۂ حیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے قبل تمام شریعتیں نامکمل اور ادھوری
تھیں، ان میں انسانی مسائل کا مکمل حل نہیں ملتا۔ اسی لیے قرآن کریم میں واضح کیا گیا کہ:

"اکملت لکم دینکم و رضیت لکم الاسلام دینا"

میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا اور تمھارے لیے دین
اسلام کو پسند کیا۔

شوقی نے اس قصیدے میں شریعتِ اسلامی کے متعلق بتایا کہ شریعتِ محمدی پوری طرح سے مکمل ہے، رہتی دنیا تک اس سے لوگوں کو رہنمائی ملتی رہے گی اور تمام انسانی امراض کے لیے نسخۂ کیمیا ثابت ہوگی۔ شریعتِ محمدی کے مختلف پہلوؤں کو اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

شریعة لک فجرت العقول بها　　عن زاخر بصنوف العلم ملتطم

آپ ﷺ کی شریعت سے حکمت کے سوتے پھوٹ پڑے، جو سوتے مختلف علوم وفنون سے بھرے پڑے تھے اور ان پر مہر علم ثبت تھی۔

یلوح حول سنا التوحید جوهرها　　کالحلی للسیف أو کالو شی للعلم

شریعتِ محمدی کے جوہر نورِ توحید سے چمچما رہے تھے، جس طرح کہ تلوار کا حسن اور جھنڈے کا نشان چمچماتا ہے۔

غراء حامت علیها انفس، ونهی　　و من یجد سلسلامن حکمة یحم

شریعتِ محمدی اس قدر شان دار ہے کہ دل و جان اور عقل وفہم اس پر فریفتہ ہوجاتے ہیں اور جو حکمتِ شریعت کا شیریں پانی پی لے گا وہ اس کا ضرور خواست گار ہوگا۔

نور السبیل یساس العالمون بها　　تکفلت بشباب الدهر والهرم

لوگوں کی راہِ ہدایت کا چراغ اسی سے روشن کیا گیا اور یہی شریعت ابتدا سے انتہا تک تمام سرد وگرم حالات میں ضامن ہے۔

یجری الزمان واحکام الزمان علی　　حکم لها، نافذ فی الخلق، مرتسم

زمانہ بڑھ رہا ہے اور زمانے کے تغیرات کے لیے شریعت میں حکم موجود ہے۔ پورے طریقے سے مخلوق میں اس کا نفاذ جاری ہے۔

کم شید المصلحون العاملون بها　　فی الشرق والغرب ملکاً باذخ العظم

کتنے ہی مصلحین نے شریعت کا نام روشن کیا اور مشرق ومغرب میں پوری شان وشوکت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہیں۔

ساروا علیها هداة الناس. فهی بهم　　الی الفلاح طریق واضح العظم

وہ اس پر اس طرح کاربند ہیں کہ جیسے انھیں لوگوں کی ہدایت کی وجہ داری
سونپی گئی ہے۔ ان کے توسط سے ملتِ اسلامیہ کو فلاح کی طرف بڑھنے کا
عظیم واضح راستہ مل گیا۔

دع عنک روما و آثینا و ماحوتا کل الیواقیت فی بغداد و الترم

خود کو روم اور یونان کے قوانین سے باز رکھو۔ ہر طرح کے یاقوت اور
موتیاں تو بغداد میں ہیں۔

وخل کسری، و ایوانا یدل به هوی من علی أثر النیر والأیم

اور شاہانِ کسریٰ اور ان کے محلات سے باز آجاؤ، یہ محلات قوانینِ کسریٰ
پر منحصر ہیں اور فارس کی آگ اور دھواں بڑھ گئے۔

و اترک رعمسیس، ان الملک مظهره فی نهضة العدل، لا فی نهضة الهرم

اور بادشاہان فراعنہ کو ترک کر دو، کیوں کہ بادشاہ کی اصل حیثیت قیامِ
عدل کی وجہ سے ہے نہ کہ اہرامِ مصر کے قیام سے۔

دا رالشرائع روما کلما ذکرت دارالسلام لها القت ید السلم

مرکزِ قوانین روم کے سامنے جب بھی بغداد کا ذکر ہوا، اس نے اس کے
سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

ما ضارعتها بیاناً عند ملتأم ولا حکتها قضاءً عند مختصم

قوانینِ روم فصاحت کے اعتبار سے قوانینِ بغداد سے کم تر ہیں، وہ سماج
کے حق میں نہیں ہیں اور تنازعات میں کوئی حکم صادر نہیں کرتے۔

ولا احتوت فی طرازمن قیاصرها علی رشید، و مامون، و معتصم

اور اسی طرح شاہانِ قصریٰ کے عدل و انصاف بھی ہارون رشید مامون اور
معتصم کے فیصلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

مذکورہ اشعار میں شریعتِ محمدی کی جامعیت کو پیش کرنے کی ایک قابلِ قدر کاوش ہے، شاعر کا خیال ہے کہ ماضی کی تمام شریعتیں شریعتِ اسلامی کے مقابلے میں کسی اہمیت کی حامل نہیں ہیں، کسریٰ، فراعنہ اور روم کے قوانین وضوابط اسلامی قوانین کے سامنے بے معنی ہیں۔ ہارون رشید، مامون اور معتصم کی مثالیں ماضی میں ملنی مشکل ہیں۔ عدل و انصاف کے میدان میں ان کی

خدمات زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے شوقی نغمہ سرا ہیں:

خلائف اللّٰہ جلوا عن موازنة　　　فلا تقیسن أملاک الوری بهم

خلفائے اسلام موازنہ سے بلند تر ہیں، ان کو عام سلاطین پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

من فی البریة کالفاروق معد؟　　　وکابن عبدالعزیزالخاشع الحشم؟

حضرت عمرؓ جیسا عادل مخلوق میں کون ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسا متقی اور باحیا کہاں ہے مخلوق میں۔

و کالامام اذا مافض مزدحما　　　بمدمع فی مآقی القوم مزدحم

اور کون ہے حضرت علیؓ جیسا، (آپ کی شہادت پر) جمِ غفیر نے آنسو بہائے، ملت کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں۔

الزاخر العذب فی علم و فی ادب　　　والناصرالندب فی حرب وفی سلم؟

حضرت علیؓ علم و ادب کے خوش گوار پہلوؤں سے معمور ہیں اور جنگ و صلح دونوں میں ایک قابلِ تعریف مددگار کا ثبوت دیا ہے۔

أو کابن عفان والقرآن فی یده　　　یحنو علیه کما تحنو علی الفطم

اور کیا حضرت عثمان بن عفان کی کوئی مثال ہے، وہ اپنے ہاتھ میں موجود قرآن کریم پر پوری طرح متوجہ ہیں جس طرح عورت دودھ چھوڑے ہوئے بچہ پر توجہ دیتی ہے۔

و یجمع الآی ترتیبا و ینتظمها　　　عقداً بجید اللیالی غیرمنفصم

اور انھوں نے آیاتِ کریمہ کو جمع کیا ترتیب کے ساتھ اور انھیں اس ہار کی طرح پرو دیا جو محبوباؤں کی گردن میں پڑا رہتا ہے، یہ آیات منتشر نہیں ہوسکتیں۔

جرحان فی کبد الاسلام ما التأما　　　جرح الشهید، و جرح بالکتاب دمی

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور قرآن حکیم کا (ان کے) خون سے رنگ اُٹھنا درحقیقت اس کا مطلب سینۂ اسلام میں دو زخم کے مترادف ہے۔

رما بلاء ابی بکر بمتهم بعد الجلائل فی الافعال والخدم

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظیم خدمات اور کارہائے نمایاں ان کے دیکھنے
کے بعد ان کی شخصیت کو مہتم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

بالحزم والعزم حاط الدین فی محن أضلّت الحلم من کهل و محتلم

آپ نے عزم و حزم کے ساتھ آزمائشوں میں بھی دینِ اسلام کی حفاظت
کی جب کہ آزمائشیں بزرگوں اور بردباروں کو بھی گم راہ کر دیتی ہیں۔

وحدن بالراشد الفاروق عن رشد فی الموت، و هو یقین غیرمنبهم

آزمائشوں نے ہدایت یافتہ حضرت فاروقؓ کو بھی وصالِ نبیِ اُمی ﷺ کے
وقت ہدایت سے ہٹا دیا، انھیں پختہ یقین تھا کہ یہ غلط معاملہ ہے۔

یجادل القوم مستلاً مهنده فی أعظم الرسل قدرا، کیف لم یدم؟

اپنی تلوار سونتے ہوئے لوگوں سے برسرِپیکار تھے کہ نبی اعظم کی شخصیت کو
دوام نہ ہو یہ ممکن نہیں۔

لا تعذلوه اذا طاف الذهول به مات الحبیب فضل الصبّ عن رغم

تم انھیں موردِ الزام نہ ٹھہراؤ، کیوں کہ ان پر نسیان کا غلبہ ہے، حبیبِ خدا
کا انتقال ہو چکا ہے اور مرضی کے برخلاف عاشق گم راہ ہو چکا ہے۔

قصیدے کا اختتام نبی کریم ﷺ اور آلِ نبی کریم پر درود سلام بھیجتے ہوئے ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے اوصاف عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لذت کام و دہن کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ بعض ایسی تراکیب اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے شمائلِ نبی کریم کی توضیح و تفسیر میں سہولت ہوتی ہے، اختتامیہ اشعار سے ذاتِ نبی سے شوقی کی انتہائی عقیدت نمایاں ہے۔

یا ربّ صل و سلم ما أردت علی تنزیل عرشک خیر الرسل کلهم

اے باری تعالیٰ! تو اپنی مرضی کے مطابق اپنے مہمان خیرالرسل پر درود و
سلام بھیجتا رہ۔

محی اللیالی صلاة، لایقطعها الا بدمع من الاشفاق منسجم

وہ ذاتِ عظیم نمازوں سے راتوں کو زندہ کیے رہتی ہے یہ سلسلہ انتہا کو نہیں
پہنچتا کہ خشیتِ الٰہی سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔

مسبحالک جنح اللیل، محتملا　　　ضرا من السھد، او ضرا من الورم

وہ ذاتِ کریم رات کے مختلف حصوں میں آپ کی تسبیح کرتی ہے، اس کے
لیے بےخوابی کی اذیت اُٹھاتی ہے اور پیر میں ورم کی تکلیف بھی۔

رضیۃ نفسہ، لاتشتکی سأما　　　وما مع الحب ان أخلصت من سأم

اس ذاتِ عالیہ کا دل (رب سے) خوش ہے، مصائب پر شاکی نہیں ہوتا،
اگر نفس محبت میں مخلص ہے تو تکالیف کی پروا نہیں کرتا۔

وصل ربی علی آل لہ نخب　　　جعلت فیھم لواء البیت والحرم

اے ربِّ کریم! آپ ﷺ کے اہلِ خاندان پر بھی رحمتوں کا نزول فرما،
بیت اللہ الحرام کا جھنڈا انھیں کے لیے آپ نے پسند کیا۔

بیض الوجوہ ووجہ الدھر ذو حلک　　　شم الانوف، و أنف الحادثات حمی

آلِ نبی کے چہرے روشن ہیں اور زمانے کے چہرے سیاہ درسیاہ، آلِ نبی
کے رُتبے بلند ہیں اور گردشِ ایام کے معاملات سخت ہیں۔

و أھد خیر صلاۃ منک أربعۃ　　　فی الصحب، صحبتھم مرعیہ الحرم

اور تم اپنی طرف سے خلفائے راشدین پر بھی بہترین درود بھیجو، ان کی
شخصیات حد درجہ محترم ہیں۔

''الشوقیات'' میں ایسے بےشمار اشعار ہیں جن میں ملت کے زوال و انحطاط پر اشک شوئی کی گئی ہے۔ ملت کی مشکلات پر شوقی کا تڑپنا فطری امر تھا، وہ اپنی قوم کو ایک باعزت اور باوقار قوم کی حیثیت سے دیکھنے کے خواہش مند تھے، وہ دنیا کے ہر خطے کے مسلمانوں کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول سے آسودگی اور فارغ البالی کی دعا کرتے۔ اس کے انتشار و افتراق کے سبب مرغِ بسمل بن جاتے ہیں۔ حبیبِ مصطفیٰ ﷺ کے توسل سے اللہ سے دعا گو ہیں کہ ربِّ دوجہاں! میری قوم کو گرداب سے نکال دے۔ انھیں ذلتوں سے نکال دے۔ انھیں اپنی نوازشوں سے سرفراز کر دے۔ شوقی کو یقین کامل ہے کہ اگر ہم اسوۂ نبی کریم کو اپنا سنگِ میل بنا لیں تو تمام عوائق سے نکل سکتے ہیں اور دنیا کی تمام کامرانیوں کو مٹھی میں کر سکتے ہیں۔

یاربّ، ھبت شعوب من منیتھا　　　و استیقظت أمم من رقدۃ العدم

اے پروردگار! قوم کے لوگ اپنی جھوٹی خواہشات سے نکل آئے ہیں اور

خوابِ گراں سے قوم بیدار ہوگئی ہے۔

سعد، ونحس، وملک أنت مالکه تدیل من نعم فیه، و من نقم

خوش بختی، بدبختی اور اقتدار کے مالک آپ ہیں، آپ ہی کبھی دنیا میں رحمت کو زحمت سے اور زحمت کو رحمت سے بدل دیتے ہیں۔

رأی قضاؤک فینا رأی حکمته اکرم بوجهک من قاض و منتقم

اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کے مابین آپ ﷺ کے فیصلہ کو اپنی حکمت میں سے شمار کیا ہے۔ آپ ﷺ اپنی کرم فرمائیوں سے ہمیں نواز دیجیے، سم قاتل اور منتقم المزاج شخص سے ہمیں بچا لیجیے۔

فالطف لأجل رسول العالمین بنا ولا تزد قومه خسقا و لاتسم

خدایا رسول العالمین کے طفیل ہم پر رحم فرما، اور اُمتِ رسول کو ذلیل وخوار نہ کر۔

یاربّ، احسنت بدء المسلمین به فتمم الفضل، وامنح حسن مختتم

اے ربّ ذوالجلال! اُمتِ مسلمہ کے آغاز کو تو نے اپنے حبیب کے توسط سے فضل و کرم سے وابستہ کیا، پس اپنے فضل کی تکمیل فرما دے اور اس کے اختتام کو حسنات سے پُر کر دے۔

مذکورہ اشعار سے نمایاں ہے کہ شوقی کی ہر دھڑکن قوم کی دھڑکن سے وابستہ تھی، ہر وقت قوم کے بہتر مستقبل کے لیے اللہ کے حضور کھڑے رہتے، ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز صرف ملتِ اسلامیہ تھی، شوقی نعتِ رسول کے ساتھ ساتھ کئی مسائل اُٹھاتے تھے۔ اسلام کی حقانیت کے ثبوت کے لیے دلائل و براہین پیش کرتے اور دیگر مذاہب پر دینِ اسلام کو برتر بتاتے، شوقی کے نزدیک توصیف افضل الانبیا کو حمدِ باری سے علاحدہ نہیں ہے۔ شوقی نے آپ ﷺ کے جاں نثاروں کی خدمات پر بھی اظہارِ خیال کیا، نیز دشمنانِ اسلام کی ہزیمتوں کو واضح لفظوں میں بیان کیا۔ دینِ اسلام کے متبعین سے اسوۂ رسول کے اپنانے کی پُرزور اپیل کی ہے۔ اسی طرح ان کی افسردگی اور پژمردگی کے خاتمے کے لیے اللہ سے دعا کرتے کہ اے ربّ ذوالجلال! انھیں ظلمتوں سے نکال دے اور عوارض وموانع سے نجات بخش دے۔ شوقی شرق وغرب کے تمام اہلِ ایمان کے حالات سے واقف تھے، وہ عربوں کو اتحاد کی دعوت دینے کے ساتھ دنیا کے تمام

مسلمانوں کو اتفاق کا دامن تھامنے کی تلقین کرتے۔ وہ مسلمانوں کے مرکز کے قیام کے لیے دل سے خواہاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دولتِ عثمانیہ کے اختتام پر ہمہ آن بین کرتے رہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو شوقی کے یہاں نعت کا دائرہ وسیع ہے۔

زبان و بیان اور لب و لہجے کے اعتبار سے شوقی کی نعتیہ شاعری مستند ہے، الفاظ کے انتخاب میں غیر معمولی مہارت ہے، عشقِ رسول میں شوقی کے یہاں انتہائی صداقت ہے، سچے جذبات اور اچھے احساسات کی بنا پر شوقی کی نعتیہ شاعری قوتِ تاثیر سے عبارت ہے، پڑھتے ہوئے قاری ایک مقدس ماحول میں جا پہنچتا ہے۔ اسے سیرتِ پاک کی عظمت دکھائی دیتی ہے اور اس کی لذت سے محظوظ ہوتا ہے، شوقی کی نعتیہ شاعری ایک پیغام ہے جس میں سیرتِ پاک کے فکر و فلسفہ سے بحث کی گئی ہے۔ شوقی کی نعتوں سے واضح ہے کہ وہ اسلامی تاریخ اور اس کے علوم و معارف سے اچھی طرح واقف تھے۔ نیز مصر کی قدیم تاریخ پر بھی ان کی نظر تھی اور اسی طرح دیگر سماوی ادیان کی خوبیوں پر بھی ان کی اچھی گرفت تھی لیکن دینِ اسلام کے آنے کے بعد ان کی تمام خصوصیات اس میں سمٹ گئیں۔

شوقی کی نعتیہ شاعری میں یہ خصوصیت واضح طور پر موجود ہے کہ قرآنیات سے خاصا استفادہ کیا گیا ہے۔ فکر و فن دونوں اعتبار سے قرآن کریم کو معیار و محور بنایا گیا۔ ''الشوقیات'' میں جگہ جگہ قرآنی مباحث کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، کتاب عزیز ہی کو بنیاد بناتے ہوئے دیگر افکار و نظریات کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ بالخصوص فراعنہ کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ شوقی کے یہاں نعت کا کینوس کافی وسیع و عریض ہے۔

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط ۔ بھارت

مراٹھی میں ذکرِ محمد ﷺ

مہاراشٹر جدید کے قدیم جغرافیائی حدودِ اربع جو بھی رہے ہوں، لیکن بستیوں کے آثار میں ''راشٹرکوٹا'' خاندان کے دورِ حکومت میں یہاں کی مسلمان بستیوں کے آثار عربی کتابوں میں ہمیں مل جاتے ہیں۔ مہاراشٹر کی سرزمین میں مسلمان تجارتی سامان کے ساتھ اسلامی تعلیمات میں لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ والا ایمان، نماز، روزہ، حج جیسے اعمال اور زکوٰۃ وصدقہ جیسے اخلاقِ حسنہ کے ساتھ مرتبط ہونے والے فرائض بھی لائے تھے۔ ان فرائض کی عملی صورت ایک طرف سبب خوشنودیِ الٰہ بن جاتی تو دوسری طرف معاشرتی و سماجی سطح پر بھائی چارگی اور باہمی رواداری کے پھلنے پھولنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی۔ چناں چہ تاریخِ ہند اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں اخلاقِ حسنہ والے معاشرتی اعمال برتنے ہی سے اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔

علاء الدین خلجی اور محمد تغلق کی فتوحاتِ دیوگیری سے مہاراشٹر میں مسلمانوں کو سیاسی استحکام نصیب ہوا اور مسلمانوں کا سماجی وجود کھل کر سامنے آیا تو ہندو مسلم افتراق و نفاق کی دیواریں اونچی ہونے لگیں۔ مسلمان صوفیوں نے ان دیواروں کے انہدام کی بھرپور کوششیں کیں۔ یہاں کے ہندو سنتوں میں ایکناتھ مہاراج نے اتحاد و اتفاق کی افادیت کو پہچان کر اس کے استحکام کے لیے ہندو، ترک سنواد بڑے مؤثر پیرائے میں لکھا اور افتراق کی دیوار میں پہلی کدال ماری۔ مراٹھی شعرا میں یہ پہلے سنت شاعر ہیں جنھوں نے آں حضرت محمد ﷺ کی توصیف بیانی میں حسنِ عقیدت کا ثبوت بہم پہنچایا۔

سنت ایکناتھ مہاراج (م ۱۶۵۰ء) اپنے ''بھاروڑوں'' کی وجہ سے معروف ہیں۔ ان کی تخلیقات کو مراٹھی کلاسکی ادب میں نہایت اہم مقام حاصل ہے اور سنت ساہتیہ میں ان کی

شاعری کو قدر اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ''سمگر ایکناتھ'' اور ''ایکناتھی گاتھا'' کے نام سے ان کا تمام کلام نہایت عرق ریزی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ مراٹھی کے اس مجموعے میں ان کی ''اسپھوٹ کویتا'' کے عنوان سے دیگر زبانوں کا کلام بھی شامل ہے، جس میں ابھنگ، بھاروڑ، پالنا، پھگڑی وغیرہ کئی اصنافِ شاعری کے نمونے ملتے ہیں، جس میں دکنی زبان میں ایک نعتِ رسول ﷺ بھی ملتی ہے۔ شاعر نے اس نعت میں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اپنی عقیدت اور والہانہ وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ اس نعت کو راقم نے دریافت کر کے اپنی کتاب ''اردو، مراٹھی کے تہذیبی رشتے'' میں توضیح و تشریح کے ساتھ شامل کیا ہے۔ بعدہ نور احمد میرٹھی کی تالیف ''بہرزماں بہرزباں ﷺ'' میں ایکناتھ کے مختصر تعارف کے ساتھ اسے شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۷ء میں کراچی پاکستان سے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ میری اپنی تحقیق کے مطابق اردو زبان کی یہ پہلی نعت ہے جو ایک ہندو شاعر نے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی دیگر زبانوں میں کسی ہندو شاعر کی نعت کا پتا نہیں چلتا۔ ایکناتھ مہاراج نے اس نعت میں رام، کرشن اور محمد ﷺ کی تثلیث میں غیر منفصل سلسلہ کو تلاش کیا ہے اور اس کا نقطۂ اِتصال محمد ﷺ کی ذات میں ڈھونڈا ہے۔ ایکناتھ مہاراج نے مذکورہ نعت ایسے دور میں لکھی ہے جب مسلمانوں کے لیے ''ملیچھ'' اور ''یون'' جیسے نہایت ذلت آمیز الفاظ استعمال کیے جانے لگے تھے۔ اس نعت میں کوئی شعری حسن نہیں، البتہ اس میں موجود وارفتگیٔ شوق، عقیدت کی فراوانی اور حبِ نبی ﷺ میں سرشاری کافر کو بھی مسلمان بنا دیتی ہے۔

مراٹھی میں ''کلغی طرے'' کے شعرا نے بھی نعتیں لکھی ہیں، لیکن اس کے اکثر شعرا مسلم رہے ہیں۔ ''کلغی طرہ'' مراٹھی کی ایک شعری صنف ہے۔ اس میں اکثر سوال و جواب کے لہجے میں شاعری کی جاتی ہے۔ ایک طرف ''کلغی'' کے شاعر ہوتے ہیں تو دوسری طرف ''طرے'' کے۔ دونوں کے درمیان سوال و جواب کی صورت میں مقابلہ آرائی ہوتی ہے۔ دف کی تھاپ اور یکتارے کی دھن میں بڑی گرما گرم بحث ہوتی ہے۔ جوابات دینے میں جو گروہ ناکام رہتا ہے وہ ہار جاتا ہے۔ ہندوؤں سے زیادہ مسلم شعرا نے اس صنف میں نام کمایا ہے۔ علاقۂ مراٹھواڑا میں اس صنف کو بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہاں کے شعرا میں شاہ علی قادر کلغی گروہ کا استاذ الشعرا سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کلغی کی شاعری کے بیچ دکنی اشعار بڑے خوب صورت دکھائی دیتے ہیں۔ ایک جگہ اس نے مراٹھی اشعار کے درمیان نعتیہ اشعار قلم بند کیے ہیں۔ طرے والوں سے مخاطب

ہوکر وہ کہتا ہے:

پڑھو تم کلمہ محمدﷺ کا اس کلمے کا پڑے اجیالا اُمید رسولﷺ کا
کلمہ کا ہے یہ روشن حشر کے دن تجھے پوچھیں گے کر و بیان

''کلغی طرے'' کی شاعری کرنے والے شعرا کے کلام میں دکنی اردو کے اشعار دیکھ کر مراٹھی کے ایک ناقد پی بی مانڈے نے کہا تھا کہ کلغی کے شعرا پر ''اردو بھاشے چاکھوپچ پر بھاؤ زھالا آہے۔'' (یعنی اردو زبان کا بڑا اثر ہوا ہے) لیکن مانڈے کا یہ قول مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔ کیوں کہ ان شعرا کے مراٹھی کلام میں جو اردو اشعار ملتے ہیں وہ صرف تک بندی تک محدود ہوتے ہیں۔ ان میں نہ شعری حسن ہوتا ہے نہ فکر کی گہرائی۔ اوپر کے اشعار ہمارے اس خیال کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہاں! یہ اس لیے اہم ہیں کہ یہ اُس دور کی اردو ہے جب شمال میں برہمن اور دکن میں امین الدین اعلیٰ ہی کا آوازہ گونج رہا تھا۔ ایسے دور میں مہاراشٹر میں مراٹھی کے ساتھ اردو کی یہ پیوندکاری بسا غنیمت ہے۔

مراٹھی کی ایک اور صنف ''روایتی'' میں بھی ہمیں نعتیہ عنصر مل جاتے ہیں۔ مراٹھی کے مسلمان شعرا نے واقعاتِ کربلا کے اظہار کے لیے اس صنف کو فروغ دیا ہے اور کئی مسلم شعرا نے اس پر طبع آزمائی بھی کی ہے۔ ''روایتی'' مرثیے سے زیادہ نوحے سے قریب تر ہے۔ اس میں نہایت رقت انگیز اور درد ناک انداز میں واقعاتِ کربلا کو سنایا جاتا ہے۔ بالخصوص علی اصغر و اکبر کے حالات سناتے وقت تو رونے رلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ''روایتی'' کے شاعر عبدل کے کلام میں غم و الم اور یاس و حرماں کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی ''روایتوں'' میں حمد و نعت یا سلام سے شروع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ ایک روایتی میں انھوں نے حضورﷺ پر درود و سلام بھیجا ہے۔

شری پرتھم بسم اللہ وند تو می بھگوانا لا
پر میشو را چیا مترالا درود و سلام بسم اللہ

(یعنی اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتا ہوں۔ (میں) پرمیشور (اللہ) کے متر (حبیب) کو درود و سلام بھیجتا ہوں۔)

مراٹھی ادب کا میرا جتنا بھی مطالعہ ہے اس کی بنیاد پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ

عبدل کا مذکورہ بالا شعر مراٹھی زبان کا پہلا حمدیہ و نعتیہ شعر ہے۔ اللہ کے حبیب محمدﷺ کے لیے ''پرمیشوراچا متر'' جہاں اسلامی اصطلاح کی صحیح ترجمانی کرتا ہے وہاں حسنِ عقیدت کی گوہرافشانی بھی اس ترکیبِ لفظی سے ہوتی ہے۔ عبدل چوں کہ مراٹھی کے مسلمان شاعر تھے اس لیے خدا، رسول اور اہلِ بیت سے خوش عقیدگی کا ان کے یہاں پایا جانا تعجب خیز نہیں ہوسکتا، ہاں! اپنی ساری زبان کے علاوہ عقیدت کے اظہار کے لیے جس زبان کو انھوں نے اپنایا وہ یقیناً تعجب خیز ہے۔

عقیدت سے بھرپور ایسی شاعری مہاراشٹر کے کبیر شیخ محمد نے بھی کی ہے، لیکن ان کے خالص مراٹھی کلام میں نہ تو اسلام کا تذکرہ ہے نہ اللہ، نبیﷺ اور نہ ہی کسی بزرگ کا ذکر ہے۔ ہاں! ان کی ''پنچیج مسلمانی'' میں اسلامیات پر کافی کچھ مل جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں ''وارکری سنپر دائے'' کے نامور شاعر سنت تکارام (م ۱۶۴۹ء) مراٹھی ادب میں اپنے ابھنگوں کی وجہ سے معروف ہیں۔ ان کی شاعری میں انسانی اقدار کی حمایت اور انسانیت کی اصلاح کے موضوعات ملتے ہیں ''تکاراماچی گاتھا'' (جو ان کا کلیات ہے) میں ''پانگول''، ''منڈافقیر'' وغیرہ ابواب میں کہیں کہیں دکنی اشعار بھی ملتے ہیں جن میں اسلامی رنگ نمایاں ہے۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں:

اوّل نام اللہ بڑا لیتے بھول ناجائے　　　علم تیا کلمہ پُرتا ہی تنبو بجائے
اللہ ایک توں، نبی ایک توں　　　کانٹے سر، پاؤں ہاتھ نہیں جیوڑائے

قابلِ غور امر یہ ہے کہ سترھویں صدی کے ان شعرا میں اکثریت ان لوگوں کی ہے۔ جنھوں نے اسلامی تعلیمات کے حامل اپنے خیالات کے اظہار کے لیے مراٹھی کو چھوڑ دکنی اردو ہی کو اپنایا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ''اردو'' کو مسلمانوں سے جوڑنے کا رجحان سترھویں صدی سے بھی پہلے پروان چڑھا ہوگا۔ تکارام کے بعد مادھومیشور امرت رائے، دیوناتھ، دیال ناتھ اور شری و شنوداس وغیرہ ناتھ پنتھی شعرا کے علاوہ کچھ اور مراٹھی شعرا ملتے ہیں جنھوں نے اپنے سنپر دائے (خانوادے) کی تعلیمات کی تشہیر کے لیے اسلامی روایات سے استفادہ کیا اور اردو زبان کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ بہرحال! یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ان شعرا نے اسلامی طرزِ فکر کو اپناتے ہوئے حضرت محمدﷺ کی مدح وستائش بھی نہایت عقیدت سے کی ہے۔

انیسویں صدی میں مہاراشٹر کے زبردست مصلح مہاتما جیوتی باپھلے نے ذات پات اور فرقہ پرستی کے خلاف آواز اُٹھائی اور ہندو معاشرے کی اصلاح کی خاطر تگ و دو کرتے رہے۔

انھوں نے اپنی اس تحریک کا وافر لٹریچر مراٹھی اور انگریزی میں لکھا ہے۔ معاشرے کی درستگی کے لیے ان کا قلم نظم و نثر ہر دو میدانوں میں یکساں چلتا رہا۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات سے وہ ازحد متاثر تھے۔ ''مانو محمد ﷺ نامی نظم میں پھلے نے آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے چند واقعات کو نہایت مؤثر انداز میں مراٹھی میں نقل کیا ہے۔

بیسویں صدی کی ابتدا مراٹھی ادب میں حضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے لیے فالِ نیک ثابت ہوئی۔ اب تک حضور کی ثنا و توصیف کے ترانے عقیدتاً پیش کیے جا رہے تھے لیکن اب فکری اعتبار سے بھی آں حضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر غور کیا جانے لگا۔ چناں چہ مراٹھی نثری ادب میں مراٹھی سیرت نگار گووند نرائن کانے نے ۱۹۰۰ء میں ''حضرت محمد پیغمبر'' کی سیرت لکھی☆ اس سیرت کے علاوہ انھوں نے سر ایڈوان ارنالڈ کی انگریزی کتاب "The Light of Asia" کا مراٹھی میں ''گوتم بدھاچے چرتر'' کے عنوان سے ۱۸۹۴ء میں ترجمہ کیا تھا۔ مراٹھی سوانحی ادب میں کانے کا بلند مقام ہے۔ وہ ''تلک، اگرکر'' دور کے معروف سوانح نگار مانے جاتے ہیں۔ پروفیسر دلیش پانڈے اپنی کتاب ''مراٹھی ادب کی تاریخ'' میں ''حضرت محمد پیغمبر'' اس کتاب کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ باوجود کوشش بسیار مجھے کسی کتب خانے میں یہ کتاب نہیں مل سکی۔ اس کی بازیافت مراٹھی میں سوانحِ رسول ﷺ کے نئے ابواب کھول سکتی ہے۔ کانے کی یہ کتاب مراٹھی ادب میں سیرتِ رسول ﷺ پر پہلی مستقل تصنیف ہے۔ اس کی طباعت ثانی قومی یکجہتی میں مدد و معاون ثابت ہوگی۔

مراٹھی ادب میں ''تلک اگرکر'' دور سوانحی ادب کے لیے بڑا سازگار مانا گیا ہے۔ اس دور کے رُبع ثانی میں حضور ﷺ کی ایک اور سیرت مراٹھی میں ملتی ہے۔ مادھو ونایک پردھان کی یہ تصنیف ''محمد پیغمبر'' کے نام سے موسوم ہے۔ رائے صاحب رائے بہادر دامودر ساولا رام ینڈے گرگاؤں ممبئی کے مطبع سے ۱۹۲۹ء میں ۳۴۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے ہر صفحے پر عقیدت و محبت اور وارفتگیٔ شوق کا دریا اُمڈا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تعصب سے یکسر پاک پردھان کا قلم حسنِ عقیدت کے گل ہائے معطر بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ شیوری، تسلیمہ نسرین اور سلمان رُشدی کے چاہنے والے اگر یہ کتاب دیکھ لیں تو وہ بھی تائب ہوکر اپنی غلطی تسلیم کرلیں۔ ۱۹۸۲ء کے مراٹھی نصاب میں دانستاً حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کے لیے ''ہجرت'' کا ترجمہ ''پلائن'' کر دیا گیا تھا۔ لیکن پون صدی قبل پردھان حضور ﷺ سے سچی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے اس لفظ کا صحیح مراٹھی ترجمہ ''سودیش تیاگ'' کرتے ہیں۔

D:NaatRang-17
File: 3-Yahya
Final

اس کتاب میں پردھان نے سترہ (١٧) ابواب قائم کیے ہیں۔ عربی اور انگریزی کتابوں کی طرح پہلے باب میں ولادتِ رسول ﷺ سے قبل کی عربوں کی تمدنی حالت اور وہاں کے جغرافیائی حالات کا نقشہ کھینچا ہے اور آٹھ ضمنی عنوانات کے تحت ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ (١) عرب کے حدودِ اربع (٢) آب ہوا (٣) عربوں کا رہن سہن (٤) ریتیلے میدان (٥) عربوں کا مزاج'' (٦) عربوں کی شجاعت (٧) عربی شاعری (٨) اور اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کے نظریات۔

دوسرے باب میں ولادتِ رسول ﷺ سے پہلے کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے چودہ ضمنی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے خاص یہ ہیں: شہرِ مکہ، مکہ کی تجارت، زمزم، کعبۃ اللہ، اہلِ قریش، بنوہاشم اور اُن کا خاندان، زمزم کے کنویں کی کھدائی، حضرت مطلب کی بچے کے لیے منّت، قرعہ میں عبداللہ کی زندگی کی بحالی وغیرہ۔

تیسرے باب میں آپ کی ولادت، ابرہہ کا واقعہ، طائف کا پڑوسانہ رویہ، مکہ پر حملہ، حضرت عبداللہ کی شادی، حضور ﷺ کی ولادت، دائی حلیمہ اور آپ ﷺ کا بچپن وغیرہ حالات تفصیلاً نقل ہوئے ہیں۔

چوتھے باب میں آپ ﷺ کی سماجی زندگی کا بیان ہے۔ اس میں آپ ﷺ کے اوصاف، اخلاق، تجارتی اسفار اور حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے حالات قلم بند ہوئے ہیں۔

پانچواں باب بعثتِ رسول ﷺ کے لیے مختص ہے۔ اس میں مصنف نے کعبے کی تعمیر میں آپ ﷺ کی شرکت، حجرِ اسود کی تنصیف، آپ ﷺ کی بے چینی، بعثت، حکمِ دعوت اور تبلیغ وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں اہلِ مکہ کی مخالفت کا بیان ہے۔ اس باب میں معجزات کو جادو گردانتا، سماجی مقاطعہ، مسلمانوں کی پہلی ہجرت، عہدنامہ کو دیمک کا چاٹ جانا، عام الحزن، طائف والوں کی بدبختی، بیعتِ عقبۂ اولیٰ اور معراج وغیرہ کے حالات مذکور ہوئے ہیں۔

ساتویں باب کی سرخی ''ہجری سن'' ہے۔ اس میں آپ ﷺ کے قتل کی سازش کی ناکامی، غارِ ثور میں قیام، مشرکوں کا آپ ﷺ کو تلاش کرنا، کبوتروں کی تقدیس کی وجوہات، مدینے کو ہجرت، ہجری سن کی ابتدا وغیرہ واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

آٹھویں باب میں مدینے میں آمد اور آپ ﷺ کے اطمینانِ قلب کا ذکر ہے۔ اس

باب میں پردھان نے مدینہ کو ''شہرِ اسلام'' کہا ہے۔ پھر مہاجرین و انصار کے تعلقات کو بیان کیا گیا۔ پہلی مسجد کی ضمنی سرخی کے تحت اس کی تعمیر کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ پھر حضرت عائشہؓ کی سیرت، آپﷺ کی مذہبی پابندیاں، مسلمانوں کی حالت اور جہاد کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

نویں باب میں خلافت کے نظریے کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس باب میں اسلامی حکومت کی تخم ریزی، اعلان نامہ، مذہبی اصلاحات، قبلہ کی تبدیلی، حرمتِ شراب، جوے کی ممانعت، مسجد کے قریب پانی کا انتظام، پیغمبرانہ سادہ و مثالی زندگی، ہاتھوں میں ہتھیار اُٹھانے کی وجہ، نخلہ کی وادی اور جہاد کا حکم وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دسویں باب میں غزوۂ بدر کا ذکر ہے۔ اس میں جنگِ بدر کے تمام عوامل کا احاطہ کیا گیا ہے، مثلاً مکے کا تجارتی قافلہ، قریش کی فوج کا مکے سے خروج، حضورﷺ کی سواری، بدر کی جنگ، مسلمانوں کی فتح، مالِ غنیمت کی تقسیم، غزوۂ سویق، معاہدہ، ایک اعرابی (غورث پہلوان) کا واقعہ وغیرہ خاص ہیں۔

گیارھویں باب میں غزوۂ اُحد کے واقعات درج ہیں۔ مصنف نے تفصیل سے اس جنگ کی وجوہات اور اس زمانے کے آپﷺ کے نجی حالات کا جائزہ لیا ہے۔ ضمنی عنوانات کے تحت پردھان نے یہودیوں کی بے ایمانی، حضرتِ فاطمہؓ کا نکاح، حضرت عباسؓ کا حضورﷺ کو مکتوب، حضورﷺ کا خواب، اُحد کی جنگ، میدانِ کارزار، مبارزتِ طلبی، حضورﷺ کا زخمی ہونا، مسلمانوں کو شکست، ہندہ کا وحشیانہ برتاؤ، یہودیوں کو آخری انتباہ (بیر معونہ) وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

بارھواں باب غزوۂ خندق کے واقعات پر مشتمل ہے۔ جزوی سرخیوں کے تحت نبی کریمﷺ کی چند سماجی اصلاحات کا بھی ذکر ہے، مثلاً عرب عورت، سماج اور اُن کی اصلاح، حضرت زینبؓ کا نکاح، حضرت عائشہؓ پر بہتان (واقعہ افک)، مدینہ پر دشمنانِ اسلام کا حملہ، خندق کی تجویز، مدینہ کے اطراف مسلم فوج کا حصار وغیرہ۔

تیرھویں باب میں فتحِ مکہ کی ابتدائی علامات کے تحت مصنف نے چند ضمنی عنوانات قائم کیے ہیں۔ جیسے حج کی تیاری، حدیبیہ میں قیام، بیعتِ رضوان، صلح حدیبیہ، سلاطین کو خطوط، خیبر پر مسلمانوں کا حملہ، مسلمانوں کی مکے میں آمد وغیرہ۔

D:NaatRang-17
File: 3-Yahya
Final

چودھویں باب میں فتحِ مکہ کے حالات کے تحت غزوۂ موتہ، مکے میں داخلہ، کعبے کی

تطہیر وصفائی وغیرہ کی تفصیل آئی ہے۔

پندرھویں باب میں تکمیل مقصدِ حیاتِ رسول ﷺ کا عنوان قائم کر کے جنگِ حنین، مالِ غنیمت کی تقسیم، غیر ملکوں سے معاہدے، طائف کے لوگوں کی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ صلح صفائی، لات کے بت کا انہدام وغیرہ کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔

سولھویں باب میں آپ ﷺ کے وصال کا ذکر ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی بیماری، آخری نصیحت اور دم واپسیں کے حالات کو نہایت رقت انگیز طور پر بیان کیا گیا ہے اور آخری یعنی سترھویں باب میں آپ ﷺ کے اوصافِ مبارکہ کا بیان اور یورپین دانش وروں کی آرا شامل ہیں۔ اسی باب میں توقیتِ رسول ﷺ کے تحت مصنف نے آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے خاص خاص واقعات سنہ و تاریخ کے مطابق درج کر دیے ہیں۔

یہ کتاب گوشۂ گم نامی میں پڑی ہوئی تھی اور نایاب بھی۔ جناب انیس چشتی نے اس کی بازیافت کی اور اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا دوسرا ایڈیشن حواشی و ترمیمات کے ساتھ مرکز المعارف ممبئی کے زیرِاہتمام ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔ موصوف نے اس نئے ایڈیشن میں ساٹھ ستر برس پہلے کے مراٹھی املے کو نئے املے کے مطابق ڈھالا۔ واقعاتِ رسول ﷺ کے لیے مختلف اور معروف و مستند کتابوں سے رجوع کیا۔ مصنف کی غلطیوں کی نشان دہی اور فٹ نوٹس میں ان کی تصحیح وغیرہ بہت سارے صبر آزما اور دقت طلب کام انھوں نے کتاب کی تدوین میں کیے ہیں۔

مراٹھی میں یہ کتاب لکھتے وقت مصنف نے انگریزی کتب سامنے رکھی تھیں، جس کی وجہ سے عربی ناموں کے تلفظ میں املے کی غلطیاں در آئی تھیں، مثلاً مصنف نے طائف کو انگریزی املے کے مطابق ''ٹائف'' اور ''زیدؓ'' کو ''جید'' لکھا تھا۔ پردھان نے یہ کتاب لکھ کر برادرانِ وطن کے قیاسات کو مسترد کر دیا ہے کہ ''اسلام تلوار سے پھیلا ہے'' یا ''اسلام میں عورت کا کوئی مقام نہیں'' یا ''اسلام میں بھی بت پرستی ہے'' وغیرہ۔

مادھو نایک پردھان جب یہ کتاب لکھ رہے تھے، اسی اثنا میں ناگ پور میں پروفیسر کیت کر کی مراٹھی انسائیکلوپیڈیا کے لیے تیاریاں جاری تھیں۔ انھوں نے اس کی چودھویں جلد کے لیے ''محمد'' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ آپ ﷺ کی سیرت پر لکھوایا تھا۔ مقالہ نگار نے انگریزی کتابوں سے سیرت ابنِ اسحاق کا حوالہ دے کر کچھ ایسی باتیں لکھ دیں جن میں نفرت و عصبیت کے ساتھ حضور ﷺ کی تذلیل و توہین صاف دکھائی دیتی تھی اور مسلمانوں کی دل آزاری کا سامان

اسے بنانا مقصود تھا۔ یہ زمانہ ہندو مسلم کشیدگی کا تھا۔ مہاراشٹر میں مختلف قسم کی خیالی باتوں اور قیاس آرائیوں کو تاریخ کے حوالے سے پیش کر کے نفرت کے بیج بوئے جا رہے تھے۔ اس پر طرفہ مراٹھی انسائیکلوپیڈیا کا یہ مقالہ، سیّد سلیمان ندوی نے مقالہ نگار کی کذب بیانی اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کو بھانپ کر پروفیسر کیتکر کو ایک احتجاجی خط لکھا۔ بعد میں ممبئ، پونا میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند ہوئی اور عوام الناس کا یہ مسئلہ بننے لگا تو کیتکر صاحب نے انسائیکلوپیڈیا سے وہ مقالہ خارج کر دیا۔

انسائیکلوپیڈیا کا یہ مقالہ بڑا دل آزار اور اس کا اسلوب نہایت متعصّبانہ تھا۔ مقالہ نگار نے قصداً آپ ﷺ کے لیے صیغۂ واحد کا استعمال کیا تھا اور پورے مقالے میں آپ ﷺ کی سیرت کو داغ دار بنانے کے جتن کیے گئے تھے۔ لیکن سیّد صاحب کے خط سے جب پروفیسر کیتکر کو اصلیت کا علم ہوگیا تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ مضمون کو اس جلد سے نکال دیا بلکہ معذرت کا خط بھی لکھا۔ میں نے قصداً اس مقالے کے اردو ترجمے کو یہاں پیش کرنے سے اجتناب برتا ہے کہ اس کا ہر ہر لفظ منافرت کا زہر ہلاہل ہے۔ بہر حال! مراٹھی میں حضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ پر اس طرح کی تحریریں بھی آئی ہیں۔

حضور ﷺ کی سیرت پر ایک اور مختصر کتاب سانے گروجی کی ''اسلامی سنسکرتی'' ہے۔ حیاتِ رسول ﷺ کے پس منظر میں اسلامی تہذیب کا جائزہ لیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات اور سماجی زندگی پر اس کے اثر و نفاذ کا تذکرہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب حضور ﷺ کی سیرت پر مستقل تصنیف شمار نہیں کی جاسکتی۔ سانے گروجی نے سیرت کے جو واقعات اس میں درج کیے ہیں وہ عالمِ انسانیت کے لیے نہایت مفید اور لائقِ تقلید ہیں۔ یہ کتاب لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی رہا ہے کہ صحیح اسلامی زندگی اور اسلامی طرزِ فکر اور طرزِ معاشرت، تہذیب و اخلاق برادرانِ وطن کے سامنے اُن کی اصل شکل میں آجائیں۔ یوں یہ کتاب ایک طرح کا اسلامی تعارف پیش کرتی ہے۔

ونوبا بھاوے کی مراٹھی تحریروں میں بھی قرآن کے مراٹھی ترجمے کے ساتھ حضور ﷺ کے حالاتِ زندگی اور آپ ﷺ کی نورانی اور انسانیت ساز تعلیمات کا ذکر نہایت عقیدت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تحریریں مستقلاً حضور ﷺ کے سوانحی حالات پر مشتمل نہیں ہیں۔

مسلم ادیبوں نے بھی آپ ﷺ کی سیرت مراٹھی میں لکھ کر فرضِ تبلیغ کو نبھایا ہے۔ عبدالحیٔ کی کتاب ''پوتر جیون'' اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۱ء میں ممبئ سے طبع ہوئی

D:NaatRang-17
File: 3-Yahya
Final

تھی۔ اس میں ایک خاص نقطۂ نظر سے حضرت محمدﷺ کی حیاتِ طیبہ کا جائزہ لیا گیا ہے اور روئے زمین پر اللہ کے قانون کے نفاذ پر اس کتاب میں زور دیا گیا ہے۔

اردو کے مراٹھی ترجموں میں ''کرپا ساگر پیغمبر'' کی صورت میں ایک نہایت وقیع کام ہمارے سامنے آیا ہے۔ منہاج الدین عظیم جل گاؤنوی نے نہایت سبک و شیریں اسلوب میں مولانا سیّد سلیمان ندوی کی کتاب ''رحمتِ عالم'' کا ترجمہ کیا ہے۔ سیّد شہاب الدین دسنوی رکن دارالمصنّفین اعظم گڑھ کی ایما پر مترجم نے اس کتاب کا مراٹھی میں ترجمہ کیا ہے اور قابلِ غور امر یہ ہے کہ مرکز المعارف ہوزائی آسام کے مالی تعاون سے یہ کتاب ممبئی سے شائع ہوئی ہے۔ منہاج الدین عظیم نے پچیّس سال قبل ہی ''رحمتِ عالم'' کا ترجمہ کرلیا تھا لیکن ناسازگار حالات کی وجہ سے وہ اسے شائع نہ کرسکے۔ بعد میں انیس چشتی کی کوششوں سے یہ کتاب منظرِعام پر آئی۔

''کرپاساگر پیغمبر'' کی خاص خوبی اس کا کامیاب ترجمہ ہے۔ مترجم نے ترجمہ اس انداز سے کیا ہے کہ اس پر اصل کا گمان ہونے لگتا ہے۔ مترجم کو قلق ہے کہ حضورﷺ کے لیے تعظیماً جو الفاظ اردو میں مروّج ہیں مراٹھی میں نہیں ملتے۔ غرابتِ زبان اور تہذیبی بُعد کی وجہ سے بعض مقامات پر مترجم کو صحیح ترجمہ کرنے میں کافی دِقت اُٹھانی پڑی، مثلاً کتاب کا نام ہی لیجیے اردو میں ''رحمتِ عالم'' ہے لیکن مراٹھی میں اس کا لفظی ترجمہ روحِ معنی سے خالی ہے۔ اس لیے مترجم نے اس کا ترجمہ ''کرپا ساگر پیغمبر'' کر دیا۔ ایسی ساری دشواریوں کو انگیخت کرکے منہاج الدین عظیم نے جو کتاب بصورتِ ترجمہ پیش کی ہے وہ نفسِ معنی کے لحاظ سے اصل کی ہو بہ ہومثل ہے اور اگر عصبیت کی نظر سے نہ دیکھی گئی تو مراٹھی ادب میں گراں قدر اضافہ قرار پاسکتی ہے۔

آزادی کے بعد ہندومسلم بُعد بڑھ جانے کی وجہ سے مراٹھی ادب میں برادرانِ وطن نے اسلامی معاشرت اور اسلامی اقدار پیش کرنے میں قصداً بیزاری کا اظہار کیا۔ مہاراشٹر حکومت کی جانب سے تیار ہونے والی ''مراٹھی وشوکوش'' کے وہ مضامین جو اسلامی اقدار و تہذیب و معاشرت پر شائع ہوئے ہیں عموماً مسلم دانش وروں سے لکھوائے گئے ہیں۔ ہاں! البتہ ٹکڑوجی مہاراج جیسے سنت اور سریش بھٹ جیسے قلندر صفت صحافی، ادیب و شاعر نے اس معاملے میں وسیع القلبی سے کام لیا ہے۔ انھوں نے نہایت عقیدت کے ساتھ حضورﷺ کی مدح سرائی والہانہ انداز میں کی ہے۔

سنت ٹکڑومہاراج کا نام مانک بنڈو برہم بھٹ تھا۔ وہ ۱۹۰۹ء میں ضلع امراوتی

(وِدربھ) کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ درزی کا کام آبائی پیشہ تھا، اس لیے اس کو اختیار کیا۔ بعد میں قومی فلاح و سماجی اصلاح کے کام وہ ''کیرتن'' کے ذریعے کرنے لگے۔ ''گرام گیتا'' ان کی مشہور تصنیف ہے، جس میں دیہاتیوں کی مکمل اصلاح کے لیے نہایت سہل زبان میں درس دیا گیا ہے۔ توہم پرستی اور اندھے اعتقاد پر انھوں نے اپنے بھجنوں میں کرارے طنز کیے ہیں۔ وہ مورتی پوجا کے بھی قائل نہیں تھے۔ ''سونے کا دیو جیسے چوری کا ڈر، مٹی کا دیو جیسے پانی کا ڈر'' ''دیو بازار کا سامان نہیں ہے'' یہ ان کا مراٹھی بھجن مہاراشٹر میں ہر دل عزیز اور مشہور ہے۔ اس میں صنم پرستی کی مذمت کی گئی ہے۔ ٹکڑوجی مہاراج ادیان میں وحدت اور اللہ کی ذات میں توحید کے قائل تھے۔ اس لیے انھوں نے ''گرام گیتا'' میں تمام مذاہب کی تعلیمات کو بلاتفریق ملت و مذہب مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ حضورﷺ کے متعلق وہ رقم طراز ہیں:

مراٹھی	اردو ترجمہ
محمدﷺ انے کیلی پرارتھنا	منتشر شیرازۂ اسلام منظّم کرنے
وکھورلا اسلام کرایا شہانا	کی محمدﷺ نے دعا
سنگھٹت کیلے تیانے سوجنا	متحد کر دیے سب نیک جواں سالوں کو
تیار کاڑی	جب کہ تھا وقت کڑا

اسلام میں توحید کی اہمیت اور شرک کی مذمت پر حضورﷺ نے جو دعوت بنی نوع انسان کو دی ہے اس کی وضاحت ٹکڑوجی مہاراج اس طرح کرتے ہیں:

مراٹھی	اردو ترجمہ
لوک پرِتما پوجک نساوے	لوگ مشرک نہ رہیں کفر سے بیزار رہیں
تیانی ایکا ایشوراسی پرارتھاوے	سجدے بس ایک اللہ
ہا محمداﷺ چا اپدیش نوھے	یہ محمدﷺ کی نصیحت نہیں محدود عرب
ایکاچ دیشا ساٹھی	یہ تو ہے عام صلا

D:NaatRang-17
File: 3-Yahya
Final

ٹکڑوجی مہاراج کے ان اشعار سے پتا چلتا ہے کہ وہ انسان کی کامیاب زندگی کے لیے

حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کو ضروری سمجھتے تھے اور انھیں سماجی زندگی میں برتنے کے لیے برادرانِ وطن کو بھجن اور کیرتن کے ذریعے نصیحت کرتے تھے۔

مراٹھی میں ذکرِ رسول ﷺ پر صدرالسطور میں جو کچھ مذکور ہوا ہے اس میں سب سے زیادہ مقبولیت سریش بھٹ کی نعت کو حاصل ہوئی۔ اردو میں اس کے کئی منظوم تراجم شائع ہوئے۔ سریش بھٹ مراٹھی غزل کے نام ور شاعر، زبردست کالم نگار، اچھے مقرر اور بہترین صحافی تھے۔ گجل (غزل) کو صحیح معنوں میں مراٹھی ادب میں مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچانے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ''یلغار'' ان کی مراٹھی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعد تو مراٹھی میں کئی شعرا نے غزل کی طرف توجہ دی ہے اور اب مراٹھی غزلوں کا اچھا خاصا ذخیرہ مراٹھی ادب میں اپنے وجود کو منوا رہا ہے۔ سریش بھٹ کی مراٹھی نعت ''مفاعلاتن'' کے آٹھ رُکنی اوزان میں نہایت مترنم اور رواں دواں ہے۔ اس کا اسلوب جاذبِ نظر اور آہنگ کے ساتھ شاعر کا والہانہ جذبہ اور حضور ﷺ سے رکھی جانے والی محبت میں شیفتگی اور شگفتگی نے ان کی نعت کو بڑا پُراثر بنا ڈالا ہے۔ اس نعت کے بعض اشعار میں سریش بھٹ کا فکری سلسلہ قرنِ اولیٰ کے عرب شعرا سے ملتا ہے۔ یہ شاعر کے خلاق تخیل کا کمال ہے۔ عقیدت کی یہ ہم آہنگی کی حضرت محمد ﷺ سے رکھی جانے والی محبت کی کڑیوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہوئی حبِ رسول ﷺ کا ''سلسلۃ الذھب'' چودہ سو برسوں سے بناتی چلی آرہی ہے۔

بہرحال! اگر اور بھی گہرائی میں اُتر کر مراٹھی ادب کو کھنگالا جائے تو ممکن ہے مذکورہ بالا کے علاوہ حضور سرکارِ دوعالم ﷺ سے متعلق کچھ اور مواد ہاتھ لگ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ہمارے لیے سعادت کی بات ہوگی اور ہندو مسلم منافرت کے ماحول میں محبت و اخوت کی فضا ہموار ہوگی۔

حاشیہ

☆۔ ا۔ نا۔ دیش پانڈے، آدھونک مراٹھی وانگمہ چا اتہاس، حصہ اوّل، پونے ۱۹۷۴ء، ص ۴۰۲

ریاض حسین چودھری۔ سیالکوٹ

جدید اردو نعت کی صورت پذیری کا موسم

بیسویں صدی کا اختتام اور اکیسویں صدی کا آغاز کائناتِ نعت میں اظہار و ابلاغ کے نئے آفاق کی تسخیر کے عزمِ نو اور ولولۂ تازہ کے ساتھ ہوا ہے۔ اس تخلیقی، تہذیبی، روحانی اور وجدانی سفر کے ابتدائی مراحل ہی میں تفہیمِ نعت کے امکانات کی نئی دنیاؤں کی دریافت کے آثار دکھائی دینے لگے ہیں۔ اُفقِ دیدہ و دل پر جدید حسیت کا بھرپور احساس اُن امکانات کو واضح اور روشن کر رہا ہے۔ روحانی رتجگوں کا یہ موسمِ دل کشا لوح وقلم کے گرد نور کے اَن گنت ہالوں کی صورت پذیری پر مامور نظر آتا ہے۔ بیسویں صدی کے آخری عشرے میں لکھی جانے والی نعت دراصل اکیسویں صدی کی جدید تر اردو نعت کے منشور کا ابتدائیہ ہے۔ نعت میں شعوری اور لاشعوری سطح پر محسوس کی جانے والی انقلابی تبدیلیاں محض ہیئت کی تبدیلیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ فکر و نظر کے اُلجھے ہوئے زاویہ ہائے نگاہ کی گرہ کشائی کے امکانات بھی حیطۂ عمل میں آرہے ہیں۔ تخلیق کی شاہراہ پر رتجگوں کا یہ ہجوم نئے دن کی روشنیوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ رہا ہے، بیسویں صدی بلاشبہ نعت کی صدی تھی اور اکیسویں صدی بھی نعت ہی کی صدی ہے۔ آج تک روئے زمین پر ایک بھی ایسی ساعت نہیں اُتری جس کی دونوں ہتھیلیوں پر خوش بوئے اسمِ محمد ﷺ کے چراغ روشن نہ ہوں، بیسویں صدی کے نصف آخر کو جدید اردو نعت کا سنہری دور کہا جاسکتا ہے۔ وجودِ مصطفےٰ ﷺ کے حقیقی اعتراف کی نئی نئی صورتیں آئینہ خانۂ دل میں روشن ہوئیں:

رَبِّ کریم ہے تو تری ﷺ رہ گزر میں ہے ۔۔۔ سیکھی یہیں مرے دلِ کافر نے بندگی
(فیض احمد فیض)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain
Final

قیامِ پاکستان کے بعد نعت کی پذیرائی کے جس سرمدی موسم کا آغاز ہوا تھا اب وہ

موسم ہر شعبۂ زندگی پر محیط نظر آتا ہے، قدرتی طور پر ایسا ہونا بھی تھا۔ ادب میں اشتراکیت اور جدیدیت کی تحریکیں نعت کے تخلیقی سفر کو روکنے کی سکت ہی نہ رکھتی تھیں اس لیے کہ نعت کے حوالے سے ہمارے ملی تشخص کا جواز از خود فراہم ہو رہا تھا۔ برطانوی استعمار کا طلسم ٹوٹا تو اُفقِ مدینہ سے اُٹھنے والے ابرِ کرم نے ہر شے کو اپنی دامنِ رحمت میں سمیٹ لیا۔ جدید اردو نعت نے خنک موسموں کی اس فضائے دل کش میں اپنے تخلیقی سفر کو جاری رکھا، یہ تخلیقی سفر جاری ہے اور اس کائناتِ رنگ و بو کے روزِ آخر تک جاری رہے گا بلکہ روزِ آخر کے بعد بھی تمام مخلوقات موت کی آغوش میں سو چکی ہوں گی اُس وقت بھی ربِّ ذوالجلال قائم و دائم ہوگا اور لامکاں کی وسعتیں درود و سلام کے زمزموں سے گونج رہی ہوں گی۔

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں تراﷺ نقشِ کفِ پا ڈھونڈنے کو
(احسان دانش)

آج کا مدحت نگار بہ یک وقت ماضی، حال اور مستقبل میں سفر کر رہا ہے۔ اس کا پورا وجود تصویرِ ادب بن کر مکین گنبدِ خضرا کے درِ عطا پر سرنگوں ہے، اوراقِ جاں پر چاند ستارے رقم ہو رہے ہیں، آج کے شاعر کی لغتِ عمل کا ہر لفظ سر پر غلامی کا عمامہ باندھے تاجدارِ کائناتﷺ کے حلقۂ رحمت میں ہے اور اس شرفِ عظیم کے حصول پر ظلماتِ تشکر و امتنان اُس کے ہونٹوں پر مچل رہے ہیں، افکارِ تازہ کا ہجوم اس کی اقلیمِ فکر میں سمٹ آیا ہے، اعتماد کا نور اس کے چہرے پر چمک رہا ہے، احسان مندی کا شعور اس کے لفظوں میں رچ بس گیا ہے۔

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیراﷺ ہے کرم مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیراﷺ
(احمد ندیم قاسمی)

یہ شعر پورے عہد کا نمائندہ شعر ہے جس میں حوصلوں اور اُمنگوں کے ہزاروں سورج ایک ساتھ چمک رہے ہیں، یہ دراصل حبِ رسولﷺ کی روشنی ہے، ہر روشنی حضورﷺ کے در کی کنیز ہے۔

پوری تاریخِ جہاں کی روشنی اتنی نہیں لمحے لمحے میں اُجالا جس قدر اُنﷺ کا ہوا
(مظفر وارثی)

تحریکِ پاکستان ہمارے ملّی تشخص کی تلاش کا دوسرا نام ہے۔ اردو نعت ہمارے تشخص کی جزئیات تک کو حیطۂ شعور میں لاتی ہے۔ جدید اردو نعت کی صورت پذیری کے موسم کے ہزار رنگ دامنِ شعر میں بکھرے ہوئے ہیں، منظرنامہ سوچ اور اظہار کی رعنائیوں سے معمور

ہے۔ نعت اب صرف حضورﷺ کے شمائل، فضائل، خصائل اور خصائص تک ہی محدود نہیں بلکہ سیرتِ اطہر کی روشنی بھی قصرِ توصیف کی فصیلوں پر چراغ جلا رہی ہے۔ ہر شعبۂ زندگی کے جملہ تقاضوں کے جمالیاتی اظہار نے بھی جدید اردو نعت کے دامنِ صد رنگ میں پناہ تلاش کی ہے۔ خود سپردگی اور وارفتگی کے نئے ذائقوں سے آشنائی ذاتِ مصطفٰے سے غیر مشروط وابستگی کی مظہر ہے۔

کوئے پیمبرﷺ کی گدائی کا ادراک ایک زندہ اور فعال تحریک کی صورت اختیار کر گیا ہے۔

بے نیازی آپﷺ کی وابستگی نے کی عطا　　میں غنی کوئے پیمبرﷺ کی گدائی سے ہوا

(حفیظ تائب)

حضورﷺ سے والہانہ عشق کا اظہار ہر دور کی نعت کا طرۂ امتیاز ہے۔ رات کے پچھلے پہر جب قلبِ مضطر یادِ مدینہ کے آسودہ لمحوں سے ہم کنار ہوتا ہے اور محبتِ رسول کا سمندر آنکھوں میں سمٹ آتا ہے تو پلکوں پر آنسوؤں کی کناری سی لگنے لگتی ہے۔

بے وضو عشق کے مذہب میں عبادت ہے حرام　　خوب رو لیتا ہوں آقاﷺ کی ثنا سے پہلے

(حافظ مظہرالدین)

حضورﷺ کا دامنِ رحمت اولادِ آدم کے برہنہ سروں پر سایہ فگن ہے۔ بلاتفریق رنگ و نسل اکیسویں صدی کے ساکنانِ کرۂ ارض کو جہانِ نعت میں سانس لینے کا اعزاز حاصل ہے، درود و سلام کے پیکرِ شعری کا نام نعت ہے، نعت کائنات ہے اور ہم اس کائناتِ نعت میں زندہ ہیں۔ چشمِ تصور انگلی پکڑ کر خلدِ مدینہ میں لے جاتی ہے، ہوائے طیبہ سے ہم کلامی کا شرفِ عظیم حاصل ہوتا ہے۔ یہی ہم کلامی نعت کے پیرہن میں سجتی ہے۔ نعت غلاموں کو حضورﷺ کے دائرۂ کرم میں لے جاتی ہے اور ہمارا توشۂ آخرت ٹھہرتی ہے۔

صؔبا، نعتِ رسول پاک اپنے ہاتھ میں رکھو　　شفاعت کی سند لے کر چلو دربارِ داور میں

(صبا اکبر آبادی)

روایت کی توڑنا کسی خود ساختہ اجتہادی بصیرت کا نتیجہ نہیں بلکہ اندر کے باغی انسان کی غلط منصوبہ بندی کا شاخسانہ ہے، روایت کا تسلسل برقرار نہ رہے تو تخلیقی سفر کی بہت سی درمیانی کڑیاں ٹوٹ کر جمالیاتی قدروں کے انہدام کا باعث بنتی ہیں۔ اس لیے روایت کے تسلسل کے بغیر سوچ ے مقفل دروازوں پر دستک دینے کا عمل رائیگاں جاتا ہے لیکن روایت کی گرفت اتنی بھی سخت نہیں ہونی چاہیے کہ جدید حسیت کے حوالے سے ادب میں تازہ ہواؤں کی آمد ہی رک کر رہ

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain
Final

جائے اور لحۂ موجود کے آبگینے ٹوٹ کر خاک میں مل جائیں اور نئی لفظیات کے مرحلۂ تخلیق کو جاری ہی نہ رکھا جاسکے، جدید اردو نعت کے شاعر کو اپنے عہد کی دانش سے اکتسابِ شعور کا ہنر آتا ہے اور وہ شجر سے پیوستہ رہ کر نئی بہاروں کو خوش آمدید کہنے کا منصب سنبھالتا ہے۔

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ		میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفےٰ ﷺ کے بعد
(قتیل شفائی)

فروغِ اسمِ محمد ﷺ ہو بستیوں میں منیرؔ		قدیم یاد نئے مسکنوں سے پیدا ہو
(منیر نیازی)

قلم لرزتا ہے نعتِ رسول لکھتے ہوئے		مگر یہ عجز بھی مظہر کسی کمال کا ہے
(شہزاد احمد)

اس بڑھاپے میں زیارت کی، ظفرؔ		ایک خواہش سی جواں ہوتی ہوئی
(ظفر اقبال)

ہمارے نام کے آگے بھی حرفِ بخشش لکھ		کہ سرفراز ہوں ہم جب تری ﷺ کتاب کھلے
(محسن احسان)

سیاہ شب کی ہتھیلی پہ کاڑھ کر جگنو		وہ رہ روں کو سحر کا نشان دیتا ہے
(محسن نقوی)

اس جزوِ نورِ کل سے ہے تابندگی تمام		میں کیوں نہ اس کے سائے کو بھی روشنی لکھوں
(محسن بھوپالی)

بغیر دیدۂ بینا بغیر زادِ سفر		مری طرح درِ اقدس پر کون جائے گا
(اقبال عظیم)

ہماری روح نے تعظیم کی محمد ﷺ کی		ازل میں مسئلہ ہست و بود سے پہلے
(دردا سعدی)

حرا سے سبز گنبد تک مسلسل		سفر اندر سفر ہے اور میں ہوں
(ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی)

بیدلؔ وہ ایک نام جو اخبار میں چھپے		اخبار کا وہ اتنا تراشا بھی روشنی
(بیدل حیدری)

مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض معترضین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نعت کو جدید و قدیم کے خانوں میں تقسیم نہیں کرنا چاہیے۔ نعت نعت ہوتی ہے۔ قدیم یا جدید نہیں، بلاشبہ نعت نعت ہی ہوتی ہے اور نعت کو نعت ہی ہونا چاہیے لیکن کیا عہدِ حفیظ کی نعت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعت سے مختلف نہیں؟ کیا اکیسویں صدی کی آخری دہائی میں لکھی جانے والی نعت اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں لکھی جانے والی نعت سے سوچ، اظہار اور ڈکشن کے حوالے سے مختلف نہ ہوگی؟ کیا وہ عصری مسائل سے آنکھیں بند کرلے گی؟... اور پھر کیا نعت ایک صنفِ سخن نہیں؟ کیا نعت ارتقائی مراحل سے نہیں گزری یا نہیں گزرے گی؟ کیا نعت کا منظرنامہ لحہ بہ لحہ پھیلتا نہیں جا رہا؟ کیا فرد کے ذاتی مسائل و مصائب سے لے کر اجتماع کے مسائل و مصائب کا ذکر نعت کے لیے شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے؟ یقیناً سوچ کی تنگناؤں میں مقید جملہ معترضین ان سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نبیٔ مکرم ﷺ کو کل جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا... ہر زمانہ جو گزر چکا ہے اور ہر زمانہ جو آنے والا ہے حضور ﷺ ہی کا زمانہ ہے۔ حضور ﷺ کی رحمت محدود نہیں بلکہ لامحدود ہے اور زمان و مکان کی قید سے ماورا ہے۔ لحۂ موجود میں نہیں آنے والا ہر لحہ آقائے محتشم ﷺ کے سائبانِ کرم میں سانس لے گا۔ آج کا نعت نگار اس کائناتی سچائی سے بخوبی آگاہ ہے اس کا قلم وقت کے ماتھے پر حقیقت پسندی کے سورج اُتار رہا ہے۔

خالد احمد تری ﷺ نسبت سے ہے خالد احمد　　　تُو نے پاتال کی قسمت میں بھی رفعت لکھی
(خالد احمد)

شان ان کی سوچیے اور سوچ میں کھو جایئے　　　نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہوجایئے
(خورشید رضوی)

تختی لکھی تو اسی نام سے آغاز کیا　　　جس کو معبود نے ہر نام سے اوپر رکھا
(افتخار عارف)

صدیاں طلوع ہوتی ہیں اس رُخ کو دیکھ کر　　　کہتے ہیں جس کو وقت ہے صدقہ حضور ﷺ کا
(ریاض مجید)

سوادِ شہرِ مدینہ کے روبرو ہونا　　　ضروری ہوگیا آنکھوں کا باوضو ہونا
(پروین شاکر)

میں اُس کا اُمتی ہوں جس کی خاطر　　　خدا نے روشنی تخلیق کی ہے
(نجیب احمد)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain
Final

کبھی مرے ذہن کے فلک پر سوال چمکے تو میں نے دیکھا
ترےﷺ زمانے کی خاک ان کے جواب تحریر کر چکی ہے		(اجمل نیازی)

شبوں کی جاگتی نیندیں ہیں اعتکاف تراﷺ		حرا کے سوچتے لمحے عبادتیں تیریﷺ
(انور جمال)

جس روز سے نکلا ہوں میں سانسوں کے سفر پر		منزل ہے مدینہ، مرا رستہ ہے مدینہ
(ڈاکٹر اختر شمار)

میں رات کو سویا تھا لیے اُنﷺ کا تصور		بدلا ہوا اک شخص اُٹھا صبح سویرے
(شیخ صدیق ظفر)

نعت کیا ہے کسی نے جب پوچھا		حرف میں ہم نے روشنی رکھ دی
(قیصر نجفی)

لحد میں پوچھا نکیرین نے کہ کون ہو تم		حضورﷺ! آپ کا بس نام حافظے میں رہا
(ریاض حسین چودھری)

کائنات کا ذرّہ ذرّہ صبحِ میلاد کا منظر تھا۔ یہ صبحِ دل نواز طلوع ہوئی تو گلشنِ ہستی کا دامنِ آرزو رحمت کے پھولوں سے بھر گیا، صحنِ جاں میں بادِ بہاری چلنے لگی... تمام الہامی صحیفوں میں میلادِ مصطفٰے کا ذکرِ معطر موجود ہے، تمام انبیا نبیٔ آخر الزماںﷺ کی آمد کی خبر دیتے رہے، یہ موضوعِ دل کش کبھی پرانا نہیں ہوا، ماہ و سال کی گرد اس آئینے کو کبھی دھندلا نہیں سکی، نئی نعت نے بھی صبحِ میلاد کے سرمدی اُجالوں سے اقلیمِ تمنا میں روشنیاں بکھیرنے کا منصب سنبھالا ہے۔

حضورﷺ آپ آئے
تو انسان کو ایسا منشور حاصل ہوا
ضوفشانی سے جس کی
کٹی بیڑیاں تیرگی کے فسوں کی
جھکے کج کلاہوں کے سر
اپنے خالق کے آگے

(آثم میرزا)

حضورﷺ کی آمد کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ مصلحت اور منافقت کی ایک ایک زنجیر

ٹوٹ کر انسان کے قدموں کو بوسہ دے رہی تھی، اُفقِ عالم پر امنِ دائمی کی بشارتیں تحریر ہو رہی تھیں۔ فرسودگی قدامت کے ملبے تلے دفن ہو رہی تھی۔ نئے دنوں کا روشن نصاب مرتب ہو رہا تھا۔ ظلمتِ شب نے رختِ سفر باندھا۔ اکنافِ عالم سیل نور میں ڈوب گئے۔ جبرِ مسلسل کی طویل رات رزقِ زمین بن رہی تھی۔

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا ﷺ
(احمد ندیم قاسمی)

ترے ﷺ سب زماں، ترا ﷺ کل جہاں، ترے ﷺ مہروماہ، تری ﷺ کہکشاں
تُو اِدھر سے اُٹھ تُو اُدھر سے آ، کبھی وہ جھلک کبھی یہ جھلک
(نعیم صدیقی)

جو حسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اسے جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں
(حافظ مظہرالدین)

تخلیقِ کائنات کا وہ نقشِ اوّلیں روحِ ازل کا آخری پیکر کہیں جسے
(حمایت علی شاعر)

کٹ کٹ کے گر رہی ہیں صفیں جھوٹ کی تمام سچائیوں کے ہاتھ میں تلوار آپ ﷺ ہیں
(جمیل ملک)

ہم پہ یہ راز کھلا مصحفِ سیرت پڑھ کر آپ ﷺ ہر لفظ میں انساں کا مقدر لائے
(قیصر بارہوی)

اللہ اللہ ساعتِ میلاد قابلِ دید تھی زمیں کی پھبن
(منیر سیفی)

اک مہرِ جہاں تاب اُبھرتا ہے حرم سے اب جھوٹے خدا اپنے چراغوں کو بجھا دیں
(اقبال عظیم)

علم کا سورج اُچھالا، جہل کی تنسیخ کی ذہن کے ہر بند دروازے کو وا اُس نے کیا
(محسن احسان)

پیوند لگائے ہوئے ملبوس میں سیفی تہذیب و تمدن کا وہ محور تھا وہ کیا تھا
(منیر سیفی)

شفق کا رنگ، ستاروں کی ضو، قمر کی ضیا حبیبِ پاک کے نور و ظہور کی رونق
(محمد علی ظہوری)

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت ساری اچھائیاں ایک انساں میں
(محشر بدایونی)

آپ ﷺ اعلیٰ نسب، آپ ﷺ اُمی لقب، آپ ﷺ کن کا سبب آپ ﷺ محبوبِ رب
آپ ﷺ کا جو ہوا وہ خدا کا ہوا آپ ﷺ کی ذات ہے دلبری دلبری
(ابصار عبدالعلی)

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نامِ احمد رقم نہ ہوتا تو نقشِ ہستی اُبھر نہ سکتا وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا
(اقبال احمد خاں سہیل)

جھکتی نہ درِ کعبہ پہ پیشانیٔ عالم یہ سجدے کہاں ہوتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے
(گلنار آفریں)

جو سراپا خوش بوؤں کا شہر تھا، وہ ایک شخص سب میں شامل تھا مگر سب سے جدا پیدا ہوا
(خلش مظفر)

یہ معجزہ ہے آپ ﷺ کے اعجازِ نطق کا لب بستہ گنگ نوعِ بشر نے صدائیں دیں
(سیّد ریاض حسین زیدی)

اُن ﷺ کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا ورنہ ٹلتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم
(صبیح رحمانی)

آفتیں رخصت ہوئیں سر سے بلائیں ٹل گئیں مومنو! صدقہ اُتارو کملی والا آگیا
(فیض رسول فیضان)

جسمانی تشدد سے لے کر ذہنی تشدد تک ہمارا تہذیبی منظرنامہ اَن گنت بنجر موسموں کی ناروا ساعتوں کی گرفت میں تصویرِ غم ہوا ہے اس لیے کہ ہم ذہنوں میں تعمیر کیے جانے والے عقوبت خانوں کو مسمار کرنے کی کسی تجویز پر غور کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ بالشت بھر زبان اَنا کی سولی پر لٹک رہی ہے، طنز اور تضحیک کے نشترِ تحقیر کے گہرے پانیوں میں آگ لگا رہے ہیں۔ سطح سمندر پر نفرتوں اور کدورتوں کے الاؤ سلگ رہے ہیں، اکیسویں صدی کے آغاز پر بھی بیسویں صدی کی آخری دہائیوں کی طرح مفادات کے قیدیوں نے ہوسِ زر کی بساط بچھائی ہوئی ہے۔

نعت کے وسیع ہوتے ہوئے منظرنامے میں انسانیت کے آنسو سلگ رہے ہیں۔

تجھ کو پہچانا نہیں ابنائے دوراں نے ابھی ہیں تری ﷺ عظمت سے بے بہرہ ابھی اہلِ جہاں
(عبدالعزیز خالد)

وارث اس کا نہ ہوسکا کوئی تخت خالی رہا محمد ﷺ کا
(ظفر اقبال)

جو انقلاب پیشِ نظر ہے حضور ﷺ کے انساں کی ہے فلاح اسی انقلاب میں
(انجم رومانی)

جب کسی بے بس کو دیکھا ظلم کا ہوتے شکار اُس کو ظالم سے چھڑایا ہوگئی نعتِ رسول ﷺ
(ادیب رائے پوری)

بہار ہو کہ خزاں کارگہِ ہستی میں انھیں کسی سے غرض کیا جو تیرے ﷺ ہوجائیں
(صہبا اختر)

عرشِ خدا پہ شانِ خدا جھومنے لگی مردِ خدا کی عظمتِ کردار دیکھ کر
(شیر افضل جعفری)

تری ﷺ جدائی میں رونے والے ہی میری بستی میں بچ رہے ہیں
مری زمیں پر ہوائے عالم عذاب تحریر کر رہی ہے
(اجمل نیازی)

جھوٹے خداؤں کی عمل داری میں عصائے موسیٰ رکھنا شیوۂ پیغمبری ہے، تاریخِ انبیا گواہ ہے کہ اللہ کے ان مقرب نبیوں اور رسولوں کی ساری جدوجہد ہی انقلابی جدوجہد ہے۔ یہی انقلابی جدوجہد آج بھی راہِ انقلاب میں نئے سورج اُتار رہی ہے۔ آج کا انسان کس مپرسی کے عالم میں ہے اس کی سوچ کے پرندوں کے پر کاٹ دیے گئے ہیں۔ حرفِ دعا لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتا ہے۔ آج کی نعت کا شاعر ماحول کی سنگینی سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ نعت میں اسی سنگینی کے خلاف سرتا پا احتجاج بن جاتا ہے اور وقت کے یزیدوں، فرعونوں اور نمرودوں کو للکارتا ہے۔ کبھی وہ براہِ راست بھی اندر کا لاوا اُگلتا ہے اور کبھی غزل کی ایمائیت سے کام لیتا ہے اور علامت اس کے جذبوں کے اظہار کا ذریعہ بنتی ہے۔

گزاری ہے شبستانِ ہوس میں زندگی میں نے
پشیماں ہوں پشیماں ہوں پشیماں یارسول اللہ ﷺ
(عبدالعزیز خالد)

خرد کی موشگافی سے جہنم بن گئی دنیا زمیں گہوارۂ امن و اماں اسلام سے ہوگی
(مرتضیٰ برلاس)

بھٹکی ہوئی دنیا کو ضرورت ہے تمھاری ہاں بارِ دگر بارِ دگر شافع محشر
(انجم یوسفی)

وہ فکرِ نو جسے آپ ﷺ سے نہیں نسبت ہے اُس کا سود بھی دل کے لیے زیاں کی طرح
(حفیظ الرحمٰن احسن)

درپیش ہے بے سمت مسافت کی اذیت اس دور کا انسان ہے دانش کے بھنور میں
(انور مسعود)

کٹ تو سکتا ہوں مگر جھوٹے خداؤں کے حضور تیرا ﷺ کاشر ہوں، کبھی سر نہ جھکایا میں نے
(سلیم کاشر)

جدید اردو نعت مسلم اُمہ کی محرومیوں کا آئینہ ہے۔ اپنے پُرشکوہ ماضی کا بھی اسے پورا ادراک ہے۔ دورِ انحطاط میں زوال آمادہ صدیوں کا نوحہ اس کا پلکوں پر آنسو بن کر سلگ رہا ہے۔

اُداسی کے سفر میں جب ہوا رُک رُک کے چلتی ہے
سوادِ ہجر میں ہر آرزو چپ چاپ جلتی ہے
کسی نادیدہ غم کا کہر میں لپٹا ہوا سایہ
زمیں تا آسماں پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے
تو ایسے میں تری ﷺ خوش بو
محمد مصطفیٰ ﷺ صل علیٰ کے نام کی خوش بو
دلِ وحشت زدہ کے ہاتھ پر یوں ہاتھ رکھتی ہے
تھکن کا کوہِ غم ہٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے
سفر کا راستہ کٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے

(امجد اسلام امجد)

بستی بستی قریہ قریہ صحرا صحرا خون　　　اُمت والے اُمت کا ہے کتنا ستا خون
(نعیم صدیقی)

حاضری دیں اس کی خدمت میں سدا سیارگاں　　　دم بہ دم اس کو رہے احوالِ اُمت کی خبر
(عبدالعزیز خالد)

کبھی دنیا کے ہر بازار کو ہم نے خریدا تھا　　　بکاؤ مال اب دنیا کے بازاروں میں ہم بھی ہیں
(صبا اکبرآبادی)

لوگ ٹھکراتے ہیں جن کو سنگ ریزوں کی طرح　　　اُن غریبوں بے نواؤں کا سہارا آپ ﷺ ہیں
(تاب اسلم)

جنگِ کشمیر محمد ﷺ کی رضا ہو یارب　　　تیغ حیدر کی ہو، لشکر ہو مدینے والا
(آصف ثاقب)

کئی کذاب آئیں گے کئی دجال آئیں گے　　　گریباں دجل کا صد چاک کرنا عینِ ایماں ہے
(عنایت اللہ رشیدی)

وہ دُھوپ میں ہے شدت یہ عصر جلد قیصرؔ　　　سایہ طلب کرے گا دیوارِ مصطفے ﷺ سے
(قیصر نجفی)

اس صورتِ حال سے گھبرا کر شاعر لاشعوری طور پر عہدِ رسالت مآب ﷺ میں گوشۂ عافیت تلاش کرنے لگتا ہے، حضور ﷺ کی عہدِ نور میں ہونے کی آرزو اُس کے ہونٹوں پر مچلنے لگتی ہے، تحفظ کے ہاتھ اس کے برہنہ سر پر عافیت کی چادر تان دیتے ہیں۔

میں اس حقیقت سے آشنا ہوں
کہ اپنا ہونا ہے اپنے بس میں
نہ اپنا مرنا ہے اپنے بس میں
مگر میں اکثر یہ سوچتا ہوں
کہ کاش میں بھی
اس زمانے میں اور اس سرزمیں پہ ہوتا
جہاں سراپائے نور بن کر
زمانے بھر کے لیے پیامِ حیات لے کر
تو جگمگایا

(حفیظ صدیقی)

چھوڑ کر جنتیں چلا آتا　　　　تو مری قبر پر کھڑا ہوتا
(ڈاکٹر طاہرالقادری)

آپ ﷺ جن راستوں سے گزرے تھے　　　　اُن میں میرا بدن بچھا ہوتا
(نجیب احمد)

مجھ کو خالق بناتا غار حسن!　　　　اور مرا نام بھی حرا ہوتا
(حسن نثار)

مرے سوال کی لکنت پہ مسکراتے حضور ﷺ　　　　کرم کا بہتا سمندر جواب میں ہوتا
(ڈاکٹر خالد عباس الاسدی)

کس کو بتاؤں کون ہوں کس عہد کا ہوں میں　　　　کھڑا ناقہ سواروں کی قطاریں گن رہا ہوں میں
(محمد اظہار الحق)

بولتا آپ ﷺ کی گواہی میں　　　　سر بہ سر نور میں بسا ہوتا
(اشرف جاوید)

کسی ننھے سے چرواہے کو دیکھوں اور پھر سوچوں
کوئی منظر کئی صدیوں پرانا یارسول اللہ
(سعیدہ ہاشمی)

مجھ کو بنا ہی اگر تھا تو مرے ربّ کریم
اُن ﷺ کے بچپن میں قدم بوسی کا حیلہ ہوتا
پاؤں رکھ رکھ کے گھروندے وہ ﷺ بنایا کرتے
میں خنک ریت کا بے نام سا ٹیلہ ہوتا
(ریاض حسین چودھری)

ہم نائن الیون کے بعد نام نہاد نئی دنیا کی آلودہ فضا میں سانس لینے پر مجبور ہیں، ہمارا اجتماعی وجود پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ ہمارے گرد سیاسی اور معاشی غلامی کے حصار کو تنگ کیا جا رہا ہے۔ سامراج جب چاہے ہماری معیشت کو ویرانے میں تبدیل کرسکتا ہے۔ نظریاتی اور جغرافیاتی سرحدوں کا وجود ہوا میں تحلیل ہو رہا ہے، بہت پہلے اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا کہ:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

آج یہ شعر حرف بہ حرف سچ ثابت ہو رہا ہے۔ نصابِ تعلیم میں اسلامی تشخص کے ہر آئینے پر پتھروں کی بارش کی جا رہی ہے۔ پہلے اسلام کو مسجدوں اور خانقاہوں تک محدود کرنے کا منصوبہ تھا۔ اب اسلام کا تعاقب مساجد اور خانقاہوں کے اندر بھی ہوگا۔ سویٹ روس میں کمیونسٹ انقلاب کے وقت مسلمانوں پر جو گزری تھی ان کی ثقافت کا جو حشر ہوا تھا، آج معاملہ کچھ اس صورتِ حال سے بھی گھمبیر ہوتا جا رہا ہے۔ ظلم کا سورج سوا نیزے پر آ پہنچا ہے۔ تمام اخلاقی قدریں پامال ہوچکی ہیں، شرفِ انسانی کی بحالی کا تصور مغربی سامراج کے غبارِ انا میں گم ہوتا جا رہا ہے۔ اُفقِ عالم پر لکھی دائمی امن کی بشارتوں کو بارود کی سیاہ دھویں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہم اپنی اجتماعی قبروں کے لیے یزیدانِ وقت کے حضور اپنی درخواستیں گزار رہے ہیں۔ انسان کے بنیادی حقوق کی بازیابی کا خواب قصۂ پارینہ بن چکا ہے، عدل کا کٹا سر نیزے کی نوک پر سجا دیا گیا ہے۔ حالیؔ نے حضور ﷺ کی عدالت میں ملتِ اسلامیہ کا استغاثہ پیش کیا تھا۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری ﷺ آ کے عجب وقت پڑا ہے

جدید اردو نعت میں استغاثے کا یہی رنگ نمایاں ہے اور آگے چل کر یہ رنگ مزید گہرا ہوگا۔ قلم دہلیزِ مصطفٰے ﷺ پر سجدہ ریز ہے اور دامنِ صد چاک میں امن کی بھیک کا آرزومند ہے۔

کب سے کرم کا منتظر ماہرِ نامراد ہے
اس کی طرف بھی یا نبی ﷺ گوشۂ چشمِ التفات

(ماہرالقادری)

نخلِ رحمت کی طرح اُن کا سفر آساں کر راہ تکتے ہیں تری مسجدِ اقصیٰ والے
(شہزاد احمد)

خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والا ہے تُو
سن اے شیشوں کے مسیحا، دل شکستہ میں بھی ہوں میں

(صہبا اختر)

طرزِ دعا بھی سونپ رہی ہوں نگاہ کو کیوں حرف التجاؤں میں حائل دکھائی دے
(ادا جعفری)

شہہِ کونین ﷺ بھر دینا لحد کو نور سے اپنے ہو لمحہ جب مظفّر کو سپردِ خاک کرنے کا
(مظفروارثی)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain
Final

میں صنم کدہ ہوں آقا ﷺ، مرے سارے بت گرا دے
تری ذات بت شکن ہے، تری ذات خود حرم ہے
(عاصی کرنالی)

نبی جی! ﷺ آپ ﷺ تو سب جانتے ہیں میں کیا روزِ قیامت چاہتا ہوں
(نجیب احمد)

کوئی اسلوبِ اظہار بھی تو نہیں، کس توقع پہ عرضِ ہنر کیجیے
آپ ﷺ نے گر نہ دیکھا بچشمِ کرم دو جہاں میں ہمارا ٹھکانہ نہیں
(امین راحت چغتائی)

کیسی عجیب بات ہے سنتے رہے وہ دیر تک اتنے بڑے ہجوم میں صرف مری ہی داستاں
(یاسمین حمید)

تہذیب ہے محتاج تری بخیہ گری کی دل چاک ہے اب چاکِ گریباں سے زیادہ
(حسرت حسین حسرت)

مرے آقا ﷺ دعا اُمت کے حق میں کہ اس میں اُلفتِ باہم نہیں ہے
(عابد نظامی)

اک خوف ہے جو جاں کو رہائی نہیں دیتا اب ختم ہو اس قید کی میعاد نبی جی ﷺ
(محمد سلیم طاہر)

مجموعۂ آلامِ زمانہ یہ صدی ہے آقا ﷺ کی طرف دھیان دلاتا ہی رہوں گا
(سلطان صبروانی)

ہمیں منزلوں کی نوید دے، ہمیں خیر و شر میں تمیز دے
کہ ہم اپنے ہاتھ سے لکھ رہے ہیں جو زائچے ہیں زوال کے
(محمد فیروز شاہ)

آج کا نعت نگار اس شعور سے بہرہ ور ہے کہ جنگل کی تاریکی کو انسانی معاشروں پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ انسانی معاشروں کو حیوانی معاشروں میں تبدیل کر کے سامراج اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے کالے قانون کو سکۂ رائج الوقت قرار دے دیا گیا ہے۔ نیک چلنی کے سرٹیفکیٹ کا حصول مردہ ضمیروں کی مصدقہ نقول کی فراہمی کے بغیر ممکن ہی نہیں،

تیسری عالم گیر جنگ اقوامِ متحدہ کے زیرِ سایہ لڑی جائے گی۔ اس کی ابتدائی تیاریاں عالمِ اسلام کو مفلوج کر کے مکمل کر لی گئی ہیں۔ عالمی منظرنامے پر ایک سرسری نظر ڈال لینے ہی سے صورتِ حال واضح ہوجائے گی۔

ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ　　راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا ﷺ
(احمد ندیم قاسمی)

پھر خاک داں کو تیری ﷺ ضرورت ہے لوٹ آ　　یہ بات کس سے دہر میں تیرے ﷺ کے سوا کہوں
(شہزا احمد)

اب تو بتانِ عصر سے زندگی بھر لڑوں گا میں
میرا یہ عزمِ آہنی آپ ﷺ کے دم قدم سے ہے
(منیر قصوری)

اے شہِ خسرواں، رحمتِ دوجہاں، آج ہم پھر سے ہیں بے زمیں بے مکاں
پھر بشارت کوئی شافعِ عاصیاں، کارواں پھر، تہِ صد غبار آ گیا
(اوریا مقبول جان)

آ کے پھر انساں ترستا ہے اکائی کے لیے　　ہوگئے پھر فرقہ فرقہ رنگ، نکہت، روشنی
(روحی کنجاہی)

تری ﷺ اُمت پہ کیا گزری
ملے ہیں خاک وخوں میں نام لیوا کس طرح تیرے ﷺ
ترے ﷺ ہی اُمتی تیری ﷺ ہی اُمت کے خلاف
اغیار و اعدا کے بنے جھٹ سے مددگار و معیں کیسے
مناجات و وظائف ہی فقط سامانِ حرب وضرب ہیں جن کا
وہ پابند روایاتِ کہن، خوش فہم، خود بیں تیرے ﷺ پیروکار
پُر اُمید تھے کتنے فرشتے اُن کی آخرت کے
قطار اندر قطار اُتریں گے گردوں سے
(مقامِ بدر جیسے)
ابابیلیں بھی ہوں گی حکمِ غیبی سے نمودار اس نئے نظمِ جہاں کے

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain
Final

ابرہہ کی فوج کو بارانِ خشت و سنگ سے پامال کرنے کو
مگر بارِ دگر دیکھے نہ دونوں معجزے یہ چشمِ عالم نے
(اُلٹ ہی نکلیں معروضی حقائق سے کٹے خوابوں کی تعبیریں)
فلک سے آگ برسی
ریزہ ریزہ برج و بام و در
مکینوں کے اُڑے پُرزے
بنے معمورے ویرانہ، گل و گل زار خاکستر

(عبدالعزیز خالد)

آج پھر اُمتِ مسلمہ کو کربلائے عصر میں تشنہ لبی کے موسمِ ابتلا کی ہول ناکیوں کا سامنا ہے۔ جدید اردو نعت میں کربلا کا استعارہ تفہیمِ جبر کی نئی گرہ کشائی کر رہا ہے، فکر و نظر کے اَن گنت اساسی رویے ابلاغ و اظہار کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ مسلم اُمہ آزمائش کی جن جان لیوا گھڑیوں سے دوچار ہے وہ کسی قیامت سے کم نہیں۔ ملتِ اسلامیہ صدیوں سے ان ہی سفاک لمحوں کی وحشت اور درندگی کا ہدف بنی ہوئی ہے، انخلا در انخلا اس کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ اپنے گھر ہی میں اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ خیموں کو آگ لگا کر بے گور و کفن لاشوں پر گھوڑوں کو دوڑانے کا حکم دیا جاچکا ہے۔ یزیدانِ وقت مسندِ شاہی پر بیٹھ کر مظلوموں کی لاشوں کی پامالی کا منظر دیکھ کر اپنی انا کو تسکین دے رہے ہیں۔ کشمیر کے چناروں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ بوسنیا اور چیچنیا کے زخموں سے ابھی تک خون ٹپک رہا ہے۔ افغانستان اور عراق میں شامِ غریباں کا منظر دُہرایا جاچکا ہے۔ فلسطین میں خونِ مسلم کی ارزانی دیکھی نہیں جاتی، حماس کے رہنما شیخ احمد یاسین کا بہیمانہ قتل اسرائیل کی کھلی دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا طرفہ تماشا ہے کہ فلسطین کے معصوم بچے پتھر اُٹھا کر اپنی نفرت کا اظہار کریں تو وہ دہشت گرد ٹھہریں، یہ کیسی اندھیر نگری ہے۔ دہشت گردی کو اسلام کے مترادفات میں شامل کرکے عالمی استعمار اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ غزل اور نظم کے ساتھ نعت میں بھی اس کا شدید ردّعمل سامنے آیا ہے۔

غارِ حرا سے کرب و بلا کے مقام تک دیدہ وروں پہ فاش ہیں اسرارِ مصطفیٰ ﷺ

(شورش کاشمیری)

ڈوبے ہوئے لہو میں ہیں اس دور کے بھی ہاتھ پھر کیا کہوں اگر نہ اسے کربلا کہوں

(شہزاد احمد)

جیحوں کے پار اُتریں گے پھر کب وہ قافلے پوچھے سوادِ نیل، کنارِ فرات سے
(پروفیسر محمد منور)

اس کربلا میں چادرِ زینبؓ ملے حضورﷺ لپٹی ہوئی زمین ہے زخموں کی شال میں
(ریاض حسین چودھری)

آج کا مدحت نگار اس اندوہ ناک صورتِ حال کا عینی شاہد ہی نہیں سامراج کی ریشہ دوانیوں کا خود بھی ہدف بنا ہوا ہے۔ آج کے فرد کی نام نہاد روشن خیالی نے اسے خود فریبی کے جنگلوں میں اندھا کر رکھا ہے اس کے سیکولرازم کا خواب چکنا چور ہو چکا ہے۔ نظریاتی تشخص کو زہرِ قاتل سمجھنے والا خود ہی زہرخوانی کا شکار ہو چکا ہے۔ آج کا نعت نگار استحصالی طاقتوں کی محلاتی سازشوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ جبرِ ناروا کا رسم اس کی سوچ تک کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔ اس کے لہو میں بے بسی کی عفریت رینگ رہا ہے۔ آج کی نعت اپنے عہد کے اس اضطراری پس منظر کا ایک حصہ ہے، نعت نگار کے قلم پر آنسوؤں، ہچکیوں اور سسکیوں کا ہجوم کب سے حرفِ التجا بنا ہوا ہے۔

خبر یہ گرم ہے طاغوتیوں کے حلقے میں
کہ دانت رکھتا ہے بطحا پہ دورِ نو کا یہود
(احسان دانش)

احسان دانش اگر آج زندہ ہوتے تو نہ جانے مرگِ مسلسل کی اس کیفیت میں کتنے نوحے تخلیق کرتے۔

کب سے محرومِ اذاں ہے سرزمینِ مرسلیں قبلۂ اوّل ہے دستِ جور کے زیرِنگیں
مل رہی ہے ہم کو نافرمائیٔ حق کی سزا یارسول اللہ انظر حالنا
(حفیظ تائب)

آج کا نعت نگار اس شعور سے بہرہ ور ہے کہ زمانے کی ہوا سخت برہم ہے، ارض و سما مسلسل زلزلوں کی زد میں ہیں، وہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حرفِ التجا بن کر کھڑا ہے کہ یارسول ﷺ اللہ! یہ دورِ ابتلا ختم ہونے کو نہیں آرہا ہے۔ کشمیریوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ اس کرۂ ارض پر آپ ﷺ کے نام لیواؤں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اُمتِ مسلمہ فکری اور نظری انتشار کا شکار ہے۔ جدید اردو نعت اسلام کے انقلابی پہلو کو اُجاگر کرتی ہے۔ یہ احساس تحریک بن کر اُبھرا ہے کہ اگر دنیا کو امن کی تلاش ہے اگر وہ اپنے برہنہ سر پر ردائے عافیت کی تمنائی ہے تو دہلیزِ

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain
Final

مصطفےٰ ﷺ سے رشتۂ غلامی استوار کیے بغیر ممکن نہیں۔

اے سیّد سادات عنایت کی نظر ہو　　　　یہ عہد ہوس ڈوب چلا ظلمتِ شر میں

(انور مسعود)

عہدِ ہوس اپنی قہر سامانیوں کے ساتھ ہر لمحہ حیاتِ انسانی پر مسلط ہے۔ منظرِ ارضِ وطن ہی نہیں اس کرۂ ارض کا ذرّہ ذرّہ بے یقینی کی دھند میں لپٹا ہوا ہے۔ عالمی سطح پر ایک نہیں کئی ثقافتی بحران پیدا ہو چکے ہیں۔ سیاسی اور معاشی افراتفری نے ان بحرانوں کو اتنا سنگین اور گھمبیر بنا دیا ہے کہ اولادِ آدم وقت کی قتل گاہوں میں اپنے ہی لہو کے رقصِ مسلسل کی تماشائی بنی ہوئی ہے۔ انسانی معاشرہ تیزی سے حیوانی معاشرے میں تبدیل ہو رہا ہے۔ اخلاقی قدروں کے بے گور و کفن لاشے کو ہوس پرستی کے گدھ کب کا نوچ چکے ہیں۔ آج کا انسان اجتماعی خودکشی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ شاداب موسموں اور مخمور ساعتوں کو پھر سے نسلِ انسانی کا مقدر بنانے اور اسے حصارِ خوف سے نکال کر امن کی ردائے فاخرہ سے نوازنے کا احساس ذہنِ انسانی میں اُس صبحِ انقلاب کے آفتابِ رسالت ﷺ کی ضیاپاشیوں کے تصور سے جگمگا رہا ہے جو آفتابِ رسالت آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے فاران کی چوٹیوں پر چمکا تھا۔ اس روشنی نے غارِ حرا کے مقدس دامن سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

فضائے بے نطق جیسے اقرا کا ورد کرنے لگی تھی
وہ سارے لفظ جو
تیرگی کے سیلاب میں کہیں بہہ چکے تھے
پھر روشنی کی لہروں میں
واپسی کے سفر کا آغاز کر رہے تھے
دریچۂ خیال میں
آگہی کے سورج اُتر رہے تھے
اس ایک پل میں
وہ میرا اُمی
مدینۃ العلم بن چکا تھا

(پروین شاکر)

لب کی اُمنگ، دل کی طلب، جاں کی آرزو
صدیوں زماں مکاں کو رہی تیری ﷺ جستجو
بے چین گلشنوں میں صبا، جنگلوں میں لو
اُس کے ظہور کے لیے بیکل تھے چار سو
تسکینِ کائنات کا پیغام آگیا
وہ آگیا تو زیست کو آرام آگیا
(انور جمال)

آج کے شاعر نے بھی قصرِایمان میں حبِ رسول ﷺ کے چراغ جلانے کا اعزاز حاصل کیا ہے، وہ تاریخ کے سفر سے بخوبی آگاہ ہے اُس کے حیطۂ شعور میں یہ بھرپور تاثر قائم و دائم ہے کہ حضور ﷺ آئے تو اس کرۂ ارض پر قانون کی حکمرانی قائم ہوئی۔ انسان کو انسان کی خدائی سے نجات ملی، اولادِ آدم کے لیے ایک ایسا لائحۂ عمل مرتب ہوا جو قیامت تک کے انسانوں کی خودساختہ خدائی کا خود ساختہ نظام اپنے ہی ملبے تلے دفن ہوگیا۔ شرفِ انسانی کی بحالی کے ساتھ ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ جدید اردو نعت میں یہ تاثر اپنے جملہ تخلیقی توانائیوں کے ساتھ دائرۂ عمل میں مینارۂ نور بن گیا ہے کہ فصیلِ دیدہ و دل پر عشقِ مصطفٰے ﷺ اور محبتِ آقائے محتشم ﷺ کے چراغ جلائے بغیر خلقتِ غلامی کا حصول ممکن نہیں۔ جدید اردو نعت کی صورت پذیری کا موسم تخلیقی عمل سے گزر رہا ہے اور اظہار و ابلاغ کی اَن گنت دل کش صورتیں دامنِ دل کو کھینچ رہی ہیں۔

یہ آستانِ محمد ﷺ ہے اس طرف آؤ سکونِ قلب کی دولت یہاں سے ملتی ہے
(عبدالکریم ثمر)

مانگ لے آفتابِ حرا سے طفیلؔ جس کو مطلوب ہے جس قدر روشنی
(طفیل ہوشیارپوری)

سخن سبز پھر ہوا ہے بلند دشت پھر گونج اُٹھا محمد ﷺ کا
(ظفراقبال)

اِدھر سے کون گزرا تھا کہ اب تک دیارِ کہکشاں میں روشنی ہے
(تاب اسلم)

مجھے تو دامنِ افلاک بھی لگتا ہے تنگ ارشد وہاں بے انتہا، تقسیم کی جاتی ہیں خیراتیں
(ارشدمیر)

تری ﷺ تعریف کو تو پھول ایسے لفظ لکھے تھے   جو دیکھا غور سے تو چاند کاغذ پر نظر آئے
(اقبال ساجد)

اس دل میں رہ چکی ہے تمنا گناہ کی   یہ دل ترے ﷺ خیال کے قابل نہیں رہا
(جمیل نقوی)

عہدِ طفولیت سے مقامِ وصال تک   آقا ﷺ کی ہر ادا کو ہمارا سلام ہو
(جمیل نظر)

مری جبیں تو ہے مخصوص اُن ﷺ کے در کے لیے   ہر آستاں مرا مقصود ہو نہیں سکتا
(حسین سحر)

ہونا ہی تھا سجدہ فرض فرشتوں پر   آدمؑ کی پیشانی میں تھا نور ترا ﷺ
(رؤف امیر)

قاصر جو دل غلامِ محمد ﷺ نہ بن سکے   وہ مبتلائے سحرِ گماں ہیں جہاں بھی ہیں
(غلام محمد قاصر)

غیر مجھ سے نہ ثنا خوانی کی اُمید کرے   بس مجھے سرورِ عالم کی ثنا آتی ہے
(محمد حنیف نازش)

میں آفتاب سجاؤں نظر نظر شہزاد   اگر غلامیٔ شہ میں قبول ہوجاؤں
(قمر رضا شہزاد)

معجزہ بولتا ہے مٹھی میں   سنگ ریزے زباں نہیں رکھتے
(بشیر احمد مسعود)

دفاعِ مصطفےٰ کا فریضۂ ازل ہی سے نعت گو کو ودیعت کیا گیا ہے اور یہ فریضہ عین منشائے ایزدی ہے۔قرآن کے اسلوبِ ہدایت میں جابجا اس کی تاکیدی صورتیں نظر آتی ہیں۔آج کا مدحت نگار اپنے فرائضِ منصبی سے غافل نہیں۔وہ پوری تخلیقی توانائیوں کے ساتھ وقت کے ابوجہلوں اور ابولہبوں کے فکری مغالطوں اور اجتہادی لغزشوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنا ہوا ہے۔

ایمان فروشوں نے سجائے کئی دربار   بگڑا نہیں کچھ بھی مرے پیمانِ وفا کا
(احمد ندیم قاسمی)

کیا سمجھتے ہیں نبوت کے حریفانِ قدیم   ہم تہی دست فقیروں کے گریبانوں کو
(شورش کاشمیری)

وہ سچا اُمتی ہے اس کا تائب پئے ناموسِ دیں جو سربکف ہے
(حفیظ تائب)

بتلا دو گستاخِ نبی کو غیرتِ مسلم زندہ ہے ان پر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
(صبیح رحمانی)

علمی اور ثقافتی سطح پر بھی شجرِ انقلاب کی آبیاری ذہنی، فکری اور نظری تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے، محبتِ رسول ہی قصرِ ایماں کا بنیادی پتھر ہے۔ اطاعت و اتباع کے سوتے بھی محبتِ رسول کی دل کش وادیوں ہی میں پھوٹتے ہیں۔ آقائے محتشم ﷺ کی محبت کے چراغ ازل سے روشن ہیں اور ابد تک روشن رہیں گے، دستِ قدرت نے مدحتِ رسول کے باب میں لفظ زوال درج بھی نہیں کیا۔ اردو نعت ہر عہد اور ہر دور میں محبتِ رسول کے اظہار و ابلاغ کا وسیلہ بنی ہے۔ جدید اردو نعت نے بھی اپنا یہ اعزازِ لازوال برقرار رکھا ہے۔

میں ہوں ہر دوعالم سے آزاد نشتر گرفتارِ زلفِ رسولِ خدا ہوں
(سردار عبدالرب نشتر)

چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئنہ جب بھی ہوئی ہے مجھ کو زیارت حضور ﷺ کی
(احسان دانش)

میں جو اک برباد ہوں آباد رکھتا ہے مجھے دیر تک اسمِ محمد ﷺ شاد رکھتا ہے مجھے
(منیر نیازی)

بحرِ عشقِ مصطفٰے ﷺ کا ماجرا کیا ہو بیاں لطف آیا ڈوبنے کا جتنی گہرائی ملی
(سیّد نصیر الدین نصیر)

اشکوں کو زمیں پر بھی میں گرنے نہیں دیتا سرمایہ تری ﷺ یاد کا ہے دیدۂ تر میں
(انور مسعود)

لیے ہاتھوں میں سر رقصاں سرِ بازار دیوانے محمد ﷺ ہی محمد ﷺ نام تھا کل شب جہاں میں تھا
(احمد شجاع پاشا)

شایانِ بارگاہِ پیمبر ﷺ نہ تھی فغاں آنسو بنا دیا ہے اسے احترام نے
(حافظ محمد افضل فقیر)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain
Final

چال تک معجز نما تھی آمنہؓ کے لال ﷺ کی ہر قدم، ہر سانس اک معراج کا عنوان تھا
(خالد احمد)

ممتاز، منفرد، ازل آثار، بے مثال صورت حضورﷺ کی ہو کہ سیرت حضورﷺ کی
(ریاض مجید)

یہ سچ ہے کہ ہم اُنﷺ کی پرستش نہیں کرتے رہتا ہے مگر دل میں عبادت سے زیادہ
(جلیل عالی)

ازل مقام سے پہلے، ابد مقام کے بعد جہاں جہاں پہ خدا ہے وہاں وہاں ترا نام
(ایوب خاور)

سوچ کے صحرا مہک اُٹھتے ہیں تیرےﷺ فیض سے دل کے ویراں شہر کو آباد کر دیتا ہے تُو
(سعید اقبال سعدی)

وہاں وہاں مری آنکھوں کے ہیں دیے روشن
جہاں جہاں ترےﷺ قدموں کے ہیں نشاں آقاﷺ
(ریاض حسین چودھری)

حضورﷺ شاہ کارِ صناعِ ازل ہیں۔ انھیں خدا کی خدائی میں اس قدر ٹوٹ کر چاہا گیا ہے کہ اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ آج بھی نعت نگار کی دونوں ہتھیلیوں پر ثنائے محمدﷺ کے چراغ جل رہے ہیں اور وہ اپنے اس اعزازِ صد احترام پر نازاں ہے۔

اک عشقِ مصطفیٰﷺ ہے اگر ہو سکے نصیب ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں
(انجم رومانی)

کوئی سخن ترےﷺ شایاں نہیں ملا مجھ کو ازل سے دیکھ رہی ہے تریﷺ ثنا مجھ کو
(عاصی کرنالی)

بے تجلی نہیں اس نور سے لمحہ کوئی اسمِ احمد سے منور ہے زمانہ سارا
(انور مسعود)

جو پوچھا رب نے عمل بھی ہے کوئی پاس ترےﷺ کہوں گا ہاں ترے محبوبﷺ کی ثنا کی ہے
(عرش ہاشمی)

جانا جاتا ہوں جو میں، یہ بھی عطا ہے تیریﷺ اپنی محنت سے کہاں نام کمایا میں نے
(سلیم کاشر)

اویسِ قرنیؓ سے سیکھوں میں ہجر کے آداب اسی فراق میں پھر وصل آشنا ہوجاؤں
(سرشار صدیقی)

آنکھ لگ جاتی ہے جب نعت کو کہتے کہتے پہرہ دیتا ہے ہر اک لفظ سرہانے میرے
(اجمل جنڈیالوی)

عصر در عصر محبت نے جسے لکھا ہے آپ ﷺ کا اسمِ گرامی ہے دل وجاں کے لیے
(احمد ظفر)

دسترس اُن ﷺ کی نگاہوں کی کراں تا بہ کراں وہ تجسّس کے لیے آخری منزل کا نشاں
(جلیل عالی)

ہوا کی خاموش سرسراہٹ میں نام تیرا ﷺ گھنے درختوں کی سبز چھاؤں فزوں ہے تجھ سے
(خالد اقبال یاسر)

ہر ایک سمت فقط ایک تیرے ﷺ نام کی گونج مرے وجود کا گنبد، ترے ﷺ دوام کی گونج
(سمیع اللہ قریشی)

ذکر ہو اُن ﷺ کا جہاں تشریف لاسکتے ہیں وہ روشنی کے ساتھ کب کوئی ستارہ جائے ہے
(عمر زماں)

یہ بھی ہے عشقِ محمد ﷺ کا کرشمہ خالدؔ میری پلکوں کے اُفق پر ہے ضیا ریز شفق
(خالد علیم)

سردارِ کائنات حضورِ رحمتِ عالم ﷺ اولادِ آدم کے نجات دہندہ ہیں، محسنِ انسانیت ہونے کی ردائے فاخرہ حضور نورِ مجسم کے جسمِ اطہر پر ہی سجتی ہے۔ سیّد المرسلین ﷺ کو کل جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ابنِ آدم تشکر کے آئینے نہ سجائے تو اور کیا کرے، جدید اردو نعت نے تشکر کے ان آنسوؤں کو نیا پیرہن عطا کیا ہے۔

وہ اک عظمت کہ مظلوموں کے چہروں پر دمک اُٹھی
وہ اک بندہ کہ سلطانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا
(سیّد ضمیر جعفری)

ہر اُمتی کے واسطے بے چین ہوں گے آپ ﷺ مجھ سا بھی اُمتی ہے بتاؤں گا کس طرح
(مرتضٰی برلاس)

بشر ہے وہ مگر عکسِ صفات ایسا ہے ــــ کہ کائنات میں تنہا دکھائی دیتا ہے
(سیّدابوالخیرکشفی)

وہ نظر رکھتی ہے عاصؔی، مجھے زیرِتعلیم ــــ اُن ﷺ کی شفقت کے سوا کون ہے محسن میرا
(عاصی کرنالی)

اگر وہ ابرِ رحمت ترک کر دے بارشِ رحمت ــــ زمیں تو پھر زمیں ہے آسماں ویران ہوجائے
(صہبااختر)

بس تیرا ﷺ ذکرِ خیر ہے باقی کے مرحلے ــــ آسان کر دیے ہیں اسی ایک نام نے
(شبنم شکیل)

ہر عہد کے انسان پہ احسان ہیں جس کے ــــ ہر دور کو محسوس ہوئی اس کی ضرورت
(بشیراحمدبشیر)

غلط کہ اُن ﷺ کا تعلق فقط عرب سے ہے ــــ نبی ﷺ کے فیضِ دوامی کو ربط سب سے ہے
(سیّد عاصم گیلانی)

ازل ابد مستنیر اُن ﷺ کی عنایتوں سے، نوازشوں سے
بس اپنی رسمِ وفا پرکھنا، بس اپنا رنگِ وفا بدلنا
(سیف اللہ خالد)

خدا کے بعد ترا ﷺ نام لے کے نکلے تھے ــــ سو جس قدر بھی کٹھن تھا سفر مہکنے لگا
(ناہید شاہد)

خالق نے بنایا تجھے ہر چیز کا مولا ــــ کونین کی ہر شے تری ﷺ ممنونِ کرم ہے
(آفتاب احمد نقوی)

پہلی کرن کے ساتھ مری آنکھ جب کھلے ــــ چاروں طرف انھی ﷺ کا اُجالا دکھائی دے
(سرورکاشمیری)

آج پیغام ہے ناموسِ رسالت کا یہی ــــ عصرِحاضر کے ہراک بت کوگرایا جائے
(محمداکرم رضا)

اوہام کی فضا سے بشر کو نکال کر ــــ صدق و صفا کا مرکزی عنوان کر دیا
(سیّدریاض حسین زیدی)

ہم اپنی آنکھوں کو رہن رکھ کر شبوں سے خورشید مانگتے ہیں
ہماری بے ذہن سوچ کو پھر بصیرتوں سے اُجال آقا ﷺ
(محمد فیروز شاہ)

آقا علیہ السلام کا درِ رحمت کھلا ہے اور ابد تک کھلا رہے گا بلکہ ابد کے بعد بھی نبی مکرم ﷺ کے دستِ عطا سے کرم کے پھول تقسیم ہوتے رہیں گے۔ اُن ﷺ کے درِ عطا سے آج تک کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا اور قیامت تک کوئی خالی ہاتھ نہ لوٹے گا۔ قیامت کے دن تاجِ شفاعت آقائے نامدار ﷺ کے سرِ اقدس پر سجا ہوگا کہ محبوب ﷺ جو جی میں آئے مانگ، محبوب ﷺ آج بھی تیری ﷺ ہی رضا کے پھول کھلیں گے کہ آج کا دن تیری ﷺ عظمت کے ظہور کا دن ہے۔ آج کی نعت حضور ﷺ کے دامنِ رحمت کی تلاش میں ہے۔ آج کے انسان کو حضور ﷺ کی دہلیز کے سوا کہیں بھی سایۂ دیوار نظر نہیں آتا۔

رُخِ خیرالبشر ﷺ تو پھر رُخِ خیرالبشر ﷺ ٹھہرا
اُن آنکھوں سے درِ خیرالبشر ﷺ دیکھا نہیں جاتا
(احسان دانش)

زندگی تو نے سمندر میں مجھے پھینک دیا اپنی مٹھی میں وہ لے لیں تو گہر ہوجاؤں
(مظفر وارثی)

آفاق کی ہر شے ہے ثنا خوانِ محمد ﷺ ماحول کے ماتھے پہ رقم صل علیٰ ہے
(اقبال عظیم)

یاں مشرق و مغرب کا تفاوت نہیں کشفیؔ دامانِ رسالت کی ہوا سب کے لیے ہے
(سیّد ابوالخیر کشفی)

اثر ذکرِ محمد ﷺ کا سحر ہوتا ہے یوں جیسے کوئی گم گشتہ کشتی دامنِ ساحل میں آجائے
(سحر انصاری)

یاد آئے ترے ﷺ دامانِ کرم کی وسعت چاندنی رات میں جب دامنِ صحرا دیکھوں
(امین راحت چغتائی)

میرے بچوں کے سروں پر ترا ﷺ دامانِ کرم میری بہنوں کے سروں پر ہے ردائیں تیری ﷺ

☆

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-1
Final

تیری ﷺ رحمت کے کرشمے ہیں یہاں چاروں طرف
کون دیکھے گا مگر دیدۂ بینا کے سوا
(عطاء الحق قاسمی)

چارہ گروں کا ذکر مرے ہم نوا نہ چھیڑ　　ہم عرضِ غم کریں گے رسالت مآب ﷺ سے
(فضل حق)

میں جب دیکھوں جدھر دیکھوں جہاں دیکھوں تجھے دیکھوں
تو میری آنکھ کی پتلی پہ یوں تحریر ہوجائے
(عاصی کرنالی)

خاک ہوں خاک میں جانا ہے مگر کون سی خاک
فیصلہ کرکے ترے ﷺ در پہ یہ احقر آیا
(ابصار عبدالعلی)

جسے بھی دل کے سکوں کی طلب ہو اے بزمؔی　　وہ آپ ﷺ کے درِ رحمت پہ اعتکاف کرے
(خالد بزمی)

رگ و پے میں ہزاروں بجلیاں کوندیں نہ کیوں سیفؔی
یہ وہ در ہے جہاں سے روشنی ایجاد ہوتی ہے
(منیر سیفی)

اس در گہِ بلند کی عظمت ہو کیا بیاں　　محمود بھی جہاں پہ مثالِ ایاز ہے
(قمر یزدانی)

تھامے ہوئے ہوں اس لیے دامانِ مصطفےٰ ﷺ　　کیا جانے چھوڑ جائے مجھے زندگی کہاں
(ذوقی مظفرنگری)

زندہ رہنا ہے تو پھر تیرے ﷺ قبیلے میں رہوں
یہ بشارت ترے ﷺ کردار کی عظمت سے ہوئی
(اسرار زیدی)

مدینے میں کیسے سنائی نہ دیں گی　　دعائیں جو رو رو کے ہم کر رہے ہیں
(مسرور کیفی)

اے صبا! نامہ رسائی تجھے خوب آتی ہے میرا نامہ بھی حضورِ شہِ والا پہنچا
(منیر قصوری)

یادِ نبی میں آؤ ہم بھی نعتِ نبی آغاز کریں
آنکھ کا روزن بند کریں اور دل کا دریچہ باز کریں
(تحسین فراقی)

اس کی عنایتوں سے ہری ڈالیوں میں رس
شہد و شکر میں ہے جو حلاوت اسی سے ہے
(بشیر احمد بشیر)

جس نے بھی دل میں بسا لی ہے محبت اس کی حشر کے روز وہ رسوا نہیں ہونے والا
(جلیل عالی)

ایک بندے کے تصرف میں دو عالم دے دے شانِ قدرت کے لیے بات یہ مشکل کیا ہے
(رشید وارثی)

معیار آدمی کا بڑھایا حضور ﷺ نے پردہ حقیقتوں سے اُٹھایا حضور ﷺ نے
(اقبال راہی)

حدیث آپ ﷺ کی سمجھوں میں زندگی کی اساس کہ آسماں سے اُتاری ہوئی کتاب کہوں
(نیاز احمد صوفی)

آپ ﷺ کے در پر گزاروں زندگی کس قدر میری دعا ہے مختصر
(ندیم نیازی)

دل میں ہیں آپ ﷺ اس لیے تھکتے نہیں قدم یہ تازگی یہ عزمِ سفر آپ ﷺ ہی سے ہے
(ناصر زیدی)

وہ پوچھتے ہی رہیں اور میں دیکھتا ہی رہوں خدا کرے کہ مجھے حرفِ مدعا نہ ملے
(جمشید چشتی)

رحمۃ للعالمیں ہے وہ ﷺ سو ہونا تھا یہی امن گہوارہ بنا شہرِ قتال اس کے لیے
(یعقوب تصور)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-1
Final

مجھے ہو جعفؔر کوئی خطر کیا، کسی تلاطم کا مجھ کو ڈر کیا
لگائے ہیں پار غرق ہوتے ہوئے سفینے مرے نبی ﷺ نے
(جعفر بلوچ)

سر پر ایک عصر کے احساں برنگ چرخ　　　چھایا ہوا انھی ﷺ کا زمانہ دکھائے دے
(احسان رانا)

تجھ کو منصوؔر درکار ہے گر سکوں اس کے سائے آ
جو بچا لے گا ہر دھوپ سے وہ شجر اسمِ خیرالبشر ﷺ
(منصور ملتانی)

جھولیاں بھر بھر کے اٹھے وہ درِ سرکار ﷺ سے　　　جو وہاں پہنچے تھے قسمت کا گلہ کرتے ہوئے
(ریاض حسین چودھری)

جس عمل میں خدا اور اُس کے فرشتے بھی انسانوں کے ساتھ شریک ہوں وہ عمل کتنا عظیم و معتبر ہوگا۔ آج کی نعت کے شاعر کو اس کائناتی سچائی کا پورا پورا ادراک ہے۔ آج کی نعت کا منظرنامہ حرفِ درود سے جگمگا رہا ہے، ہم درود لکھ رہے ہیں، ہم درود پڑھ رہے ہیں، ہم درود سن رہے ہیں، خدا اور اس کے فرشتے بھی ہمارے عملِ معتبر سے شریک ہیں، ہم سعادتوں کے سفر کے کیفِ سرمدی میں گم ہیں۔

سلام اُس پر
جو بے نواؤں کا آسرا ہے
جو سارے عالم کی ابتدا ہے
جو سب زمانوں کی انتہا ہے
سلام اُس پر
جو راہِ حق پر بلا رہا ہے کہ رہنما ہے
جو سب کو حق سے ملا رہا ہے کہ حق نما ہے
(اطہر نفیس)

لب پہ آئی یہ دعا
ربِ قدیر!

آج میرے ننھے بیٹے کے لبوں پر
شوق سے آیا ہے اک حرفِ درود
اس کو تو مایوس مت لوٹائیو!
میرے رب نے مہرباں ہو کر مجھے بخشی وہ شے
جو کھو گئی تھی... اور ملتی ہی نہ تھی
میری آنکھیں نم تھیں
دل میں شکر کا احساس تھا
اور لب
درودِ پاک سے معمور تھا

(عزیز احسن)

مجھے بندۂ رب
تو نے ہی کیا
ترے درسِ وحدانیت نے
مجھے کل عالم کا ہوش دیا
سب تیرے سبب
سب کچھ تیرا
تجھ پر ہی درود، سلام پڑھیں
سب خلق، ملائک اور خدا

(علی اکبر عباس)

السلام اے مطلعِ صبحِ ازل السلام اے جانِ ہر نثر و غزل
(ڈاکٹر فریدالدین قادری)

یہ اہتمام کہ رُکنے نہ پائے ذکرِ دوام خدا بھی بھیجے خدائی کے ساتھ اُن ﷺ پر سلام
(حنیف اسعدی)

مسام جتنے بدن میں ہیں اُس پہ اتنے سلام وہ جس کو فکر تھا مزدور کے پسینے کا
(بشیر احمد بشیر)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-1
Final

باوضو آنکھیں رہیں راز اور لبِ محوِ درود آج اُن ﷺ کی یاد کا دل میں اثر کچھ اور ہے
(راز کاشمیری)

ہے صلِ علیٰ کندہ ہر اک خلیۂ جاں پر ہے حجرۂ جاں کے در و دیوار درودی

☆

اپنی ہر التجا کو درودوں کے پر لگا ہر اک دعا کے اوّل و آخر درود پڑھ
(ریاض مجید)

ترے ﷺ در کو دیکھ کے اب نہیں کوئی آرزو مگر ایک ہے
کہ درودِ پاک پہ ختم ہو مری بات بات کا سلسلہ
(عزیز احسن)

دل بھی بے حد مطمئن ہے، روح بھی ہے شاد کام
کوئی مشکل پیش آئے آزماتا ہوں درود
(ہارون الرشید الرشد)

شگوفہ ہائے چمن بعد میں ہوئے بیدار درود پڑھ کے پڑھی ہے صبا نے پہلے نعت
(افضال احمد نور)

دعا اگر درود کی پتیوں میں لپٹی ہوئی ہو تو ضرور مستجاب ہوتی ہے، شاعر بھی درود و سلام کو شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے اور بارگاہِ مصطفوی ﷺ سے ردائے شفاعت کا طلب گار ہوتا ہے۔ آج یہ احساس ایک توانا تحریک بن چکا ہے کہ قصرِ ایمان کی خشتِ اوّل کا تصور بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔

میرے نقاد کو شاید ابھی معلوم نہیں میرا ایماں ہے مکمل، میرا ایماں تو ہے
(احمد ندیم قاسمی)

آپ ﷺ حرفِ شفاعت کی خیرات دیں میری ساری متاعِ ہنر آپ ﷺ کی
(محسن نقوی)

کفن میں رکھ لیا تھا ایک کاغذ نعتِ روشن کا یہ کاغذ قبر کی ظلمت میں عاصیؔ میرے کام آیا
(عاصی کرنالی)

ہم عافیت میں ہیں شہِ گردوں پناہ کی مٹ جائیں ہم یہ گردشِ دوراں کی بھول ہے
(ہلال جعفری)

غزل کا رچاؤ جب نعت کے پیرہن میں سجتا ہے تو رعنائیِ خیال کا جھرمٹ اسے اپنی بانہوں میں لے لیتا ہے۔ معنوی ربط کا تسلسل فکر و نظر میں اَن گنت چراغ جلاتا ہے اور جدید حسیت کی دھنک ابلاغ کی وادیوں میں بکھر بکھر جاتی ہے۔ غزلوں کی ایمائیت گلشنِ نعت میں شاخِ دل پر نئے موسموں کے نزول کی بشارت دیتی ہے۔ جذبے سرگوشی کا رُوپ اختیار کر لیتے ہیں اور خلدِ نعت ان سرگوشیوں سے معمور ہوجاتی ہے۔ ہوائے خلدِ مدینہ سے ہم کلامی کا شرف انھی مؤدب سرگوشیوں کی دین ہے۔ یہی سرگوشیاں دامنِ شعر کو پھولوں سے بھر دیتی ہیں۔ غزل کی داخلی کیفیت کا پورا نظام بنیادی طور پر نعت گو کا فنی حوالے سے تربیتی نصاب ہے۔ توصیفِ مصطفےٰ کے چراغ جلانے سے پہلے مدحت نگار شعر کے جمالیاتی محاسن سے تو آشنا ہوا اُسے لفظ کی ادائی کا سلیقہ تو آئے۔ اس کی دنیائے شعر میں فن کی پختگی کا سورج تو طلوع ہو، پہلے تخلیق کی خوش بو سے اس کے چمن زارِ سخن کی حنابندی کا فریضہ تو سرانجام دیا جائے۔ اُفقِ لوح وقلم پر خورشیدِ خاکِ مدینہ کا ظہور تو ہو اور شعر کی رعنائیوں سے اس کا دامنِ اظہار آراستہ تو ہو تو پھر اُسے ممدوحِ ربّ کائنات ﷺ کی بارگاہِ بےکس پناہ میں لب کشا ہونے کا اعزاز بھی ملے، غزل وادئ تخیل میں کومل جذبوں کے اظہار کی امین ہے۔ اظہار پر قدرت اور اظہار میں ندرت ہو تو تب کہیں جا کر اُسے اقلیمِ نعت میں باریابی کا اذن ملتا ہے اور یہ اذن یقیناً ایک غیر معمولی اعزاز ہے۔ ایک اچھے غزل گو کو یہ اعزاز حاصل ہونا چاہیے لیکن اس اذن کا اجرا کسی انسان کے بس کی بات نہیں توصیف و ثنا محض توفیقِ خداوندی ہے، غزل اردو کی مقبول ترین صنفِ سخن ہے اور آج بھی زیادہ تر نعت غزل ہی کی ہیئت میں لکھی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ غزل کی طرح نعت میں بھی اپنے عہد کے سماجی رویوں کا بھرپور اظہار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جدید اردو نعت کا ڈکشن محسن کاکوروی، مولانا احمد رضا خاں اور مولانا ظفر علی خاں کے ڈکشن سے مختلف ہے۔ اظہار کے اسالیب ہی نہیں مضامینِ نو بھی موسموں کے تغیر کے دائرۂ عمل میں ہیں، موضوعات میں خاصا تنوع ہے۔ اسلوب بھی منفرد ہے۔ آج کی نعت کا منظرنامہ زمینی حقائق کے شعری ردِّعمل سے ابلاغ پاتا ہے۔ اقبالؔ کی نعت کو ارادتاً موضوعِ گفتگو نہیں بنایا گیا۔ اقبالؔ نعت کو اس مقام پر لے آئے ہیں کہ کسی بھی دور کا نعت نگار اس علمی اثاثے کی خوشہ چینی تو کرسکتا ہے نعت کو اس مقام سے آگے لے کر چلنا بظاہر اس کے بس کی بات نہیں اس لیے کہ اقبالؔ جیسا بڑا شاعر صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے، چمن میں دیدہ ور پیدا

آج کی نعت کا شاعر اپنی اور اپنے عہد کی پہچان کے مرحلے سے گزر رہا ہے، وہ حضورﷺ کے حوالے سے اپنی اور اپنے عہد کی پہچان کا آرزومند ہے۔ غزل آج کے مدحت نگار کے قلم کے مضافات میں بھی تخلیقِ حسن کے عمل کو دُہرا رہی ہے۔ میں اپنے اس دعویٰ کو دُہرانا چاہوں گا کہ ایک اچھا غزل گو ہی ایک اچھا نعت گو ثابت ہوسکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ قرآن اور صاحبِ قرآن سے اس کی وابستگی محض رسمی نہ ہو بلکہ اس وابستگی کی جڑیں اس کی کشتِ دیدہ و دل میں پیوست ہوں۔ اس کی لوحِ آرزو پر تمنائے حضوری کے سوا دوسرا نقش کندہ ہی نہ ہو۔ ہوائے مدینہ سے ہم کلامی اس کے نطق و بیان کا شرفِ عظیم ٹھہرے۔

نام اس کا جو لیتا ہوں تو ہو جاتا ہے ریشم کانٹوں سے بھرا راستہ مجھے آبلہ پا کا
(احمد ندیم قاسمی)

عروجِ آدمِ خاکی کا مژدۂ جاں بخش شکستِ رونقِ لات و منات تجھ سے ہے
(عبدالعزیز خالد)

روشنی کے حوالوں سے لکھنا وہ اسمِ جمالِ بشر بارشِ رنگ ہو، پھول ہوں چارسُو، تب انھیں سوچنا
(ادا جعفری)

شبنم یہ اُنﷺ کے ابرِ کرم کا ہی فیض ہے جس سے زمینِ شعر میں رعنائی آگئی
(شبنم شکیل)

کیا ہوگا اس سے بڑھ کے بھلا معجزہ کہ تو انساں کے رُوپ میں بھی پیمبرﷺ دکھائی دے
(اسرار زیدی)

ہم اُنﷺ کے نام پہ ہاتھوں سے آنکھیں چومتے ہیں
عطا کیا ہے خدا نے مقام سب سے الگ
(محسن احسان)

ہر شخص پہ ارزاں یہ سعادت نہیں ہوتی مجھ کو تو تراﷺ نام بھی الہام ہوا ہے
(اختر ہوشیار پوری)

دل، اُنﷺ سے حرفِ دعا، شیوۂ تمنا مانگ بلا سوال وہ دامن بھریں تو کیا مانگوں
(عاصی کرنالی)

اویسیوں کے قبیلے کے لوگ جانتے ہیں لباسِ خاکِ مدینہ بہت ضروری ہے
(شوکت ہاشمی)

ہے روشن جن کا سینہ سر بہ سر نورِ نبوت سے وہی تو ہے دریچے روشنی کے کھولنے والا
(حفیظ الرحمٰن احسن)

اعظم گزر رہی ہے کس آسودگی کے ساتھ سایہ ہے اُن ﷺ کا سر پہ مرے آسماں نہیں
(اعظم چشتی)

گیا تھا جب تو کوئی اور آدمی تھا میں میں اپنے آپ سے واقف ہوا مدینے میں
(امجد اسلام امجد)

اُس نے انسان کو جس اوج سے آگاہ کیا تا ابد اس کا اعادہ نہیں ہونے والا
(جلیل عالی)

ہجر کے غارِ حرا میں دیکھتے اجمل کو تم قریۂ عشقِ محمد ﷺ میں کہیں رہتا ہے وہ
(اجمل نیازی)

بے یقیں راستوں پر سفر کرنے والے مسافر سنو! بے سہاروں کا ہے اک سہارا بہت کملی والا بہت
(سلیم کوثر)

یہاں تو کوئی بات بھی نہ ڈھنگ سے ادا ہوئی حضور ﷺ کی ثنا تو پھر حضور ﷺ کی ثنا ہوئی
(اسلم کولسری)

اے ربِّ حرف و صوت مری مشکلوں کا حل کوئی قصیدہ، کوئی رُباعی، کوئی غزل
(انور جمال)

ہم وہاں ہوتے رعایا کی قدم بوسی کو آپ ﷺ جس شہرِ محبت میں حکومت کرتے
(حلیم قریشی)

خوفِ بے سمتیٔ منزل سے لرز جاتا ہوں اُلجھے رستوں میں کوئی خیر کا رستہ آقا ﷺ
(اشرف جاوید)

تجھے پڑھوں تو سمجھ پاؤں اپنے آپ کو میں تو میرے واسطے خود آگہی کا باب ہوا
(یوسف مثالی)

ہے فقط آرزو مدینے کی خواہشوں کا جہاں نہیں رکھتے
(بشیر احمد مسعود)

آج کی نعت کے شاعر کو بھی اپنے اس اعزازِ لازوال کا ادراک ہے کہ وہ کائنات کے

سب سے بڑے انسان کے حضورﷺ رعنائیِ خیال کے شگفتہ پھول سجا رہا ہے۔ اور روشنی کے اس سفر میں قلم اس کے ساتھ ہے وہ قلم جس کی نوک پر حروف سربسجود رہتے ہیں کہ کب انھیں مدحت کی مالا میں پرو دیا جاتا ہے۔ مدحت نگار اپنے بخت رسا کی بلائیں کیوں نہ لے کہ اُس کا قلم طوافِ گنبدِ خضرا میں مصروف رہتا ہے۔ شہرِ علم کی دہلیز سے کرنوں کے پھول چنتا ہے۔ اس کے لغتِ عمل نقوشِ کفِ پائے مصطفےٰ ﷺ کی تجلیات سے مستنیر ہے۔ اوراقِ دیدہ و دل پر شاعر کا قلم بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر بجا لاتا ہے۔

بیٹھا جو نعت لکھنے میں خیرالانامﷺ کی جبریل لے کے لوح و قلم تک پہنچ گیا
(حافظ مظہرالدین)

حضورﷺ ایک ہی مصرع یہ ہوسکا موزوں میں ایک نعت لکھوں سوچتا ہوں کیسے لکھوں
(نعیم صدیقی)

داد مرے ضمیر نے دی، میری نعت پر مجھے یوں میری قیمتِ سخن مجھ کو وصول ہوگئی
(قتیل شفائی)

میں کس قلم سے لکھوں، سرخیٔ حکایتِ عشق کہ رنگ دیکھ کے اپنے لہو کا، زرد ہوں میں
(حمایت علی شاعر)

گریہ کرتا ہوں جو وقتِ نعت گوئی سوز سے روشنائی کو گرا کر ساتھ روتا ہے قلم
(لالۂ صحرائی)

نثار میں بنو نجار کے قبیلے پر دفیں بجاتا ہوں، نغمات پیش کرتا ہوں
(شوکت ہاشمی)

ذکرِ احمد ہو تو خود ہوتا ہے لفظوں کا نزول نعت جب تک لکھ نہ لیں راحتؔ قلم رکھتے نہیں
(امین راحت چغتائی)

طیبہ کی ہوا مدحت سرکارﷺ کی قاصد اُن ﷺ کا نہ اشارہ ہو تو ہم کچھ نہیں لکھتے
(ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی)

اگرچہ لفظ و معنی کے خزانے دسترس میں ہیں مگر کچھ عرض کرنے کا طریقہ آئے تو لکھیں
(گفتار خیالی)

ہے ذکرِ مرسلِ اُمی لقب، اے خامہ فرماؤ! ہوا تو یہ فسانہ نوکِ مژگاں پر رقم ہوگا
(فضل حق)

زمین و آسماں جھولے عقیدت کا سلام آیا زباں پر میری جب بھی احمدِ مرسل ﷺ کا نام آیا
(محمد علی ظہوری)

لکھتا ہوں ضیا نعتیں تو آتی ہیں صدائیں ہر شعر حدیثِ لبِ حسانؓ نبی ﷺ ہے
(ضیاء القادری)

سر ادب سے جھکاتا ہے قرطاس پر نام لکھتا ہے جب بھی قلم آپ ﷺ کا
(ضیا محمد ضیا)

خدا میرا روئے سخن جانتا ہے کسے محتشم محترم لکھ رہا ہوں
(اعجاز رحمانی)

توڑ دیتا ہوں قلم چوم کے ہر بار اپنا تاکہ کچھ لکھ نہ سکوں اس سے کسی نعت کے بعد
(باقر رضوی)

کس شان کا ہے احمدِ مرسل ﷺ کا قصیدہ اعجاز یہ اللہ کے دیوان سے پوچھو
(اعجاز رحمانی)

نعتِ مصطفےٰ ﷺ کیا ہے نور کا مقالہ ہے روشنی کی سطریں ہیں اس حسیں مقالے میں
(سیّد قمر حیدر قمر)

نمازِ عشق کا اک رکنِ محترم یہ ہے شبیہِ سیّد کونین ﷺ روبرو رکھنا
(قمر تابش)

آنسوؤں کے گرم پانی سے وضو کر کے حمید میں کیا کرتا ہوں فکرِ نعتِ ختم المرسلیں
(حمید صابری)

تُو نے جن لفظوں سے یہ نعت لکھی ہے انور ڈال لے سر پر وہی لفظ ردا کی صورت
(انور سدید)

میں کائنات کے ہر حسن کو حسن رضوی جمالِ احمدِ مرسل ﷺ کا استعارہ لکھوں
(حسن رضوی)

پورے شہرِ وجود میں گونجے نام محمد ﷺ صل علیٰ روح کے گنبد میں اک لمحہ پیدا یہ آواز کریں
(تحسین فراقی)

جو بھی لکھا ہے وہ انوار صفت لکھا ہے اسمِ احمد نے یہ اعجاز قلم میں رکھا
(نورین طلعت عروبہ)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-1
Final

میں حرفِ کم نما سہی، بیاضِ شوق کا مگر　　میرا سیاق دیکھنا، میرا سباق دیکھنا
(جعفر بلوچ)

یہ عقیدتوں کے ہیں چند لفظ　　ملے مرتبہ انھیں نعت کا
(سعداللہ شاہ)

اپنی ثنا کی مجھ کو سعادت انھوں نے دی　　اس ذہنِ نارسا کو خیالوں نے بھر دیا
(اشرف نقوی)

قلم خوش بو کا ہو اور اس کے دل پر روشنی لکھوں　　مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعتِ نبی ﷺ لکھوں
(صبیح رحمانی)

آ میرے قلم لوحِ دل و جاں پہ لکھیں نعت　　کیا حالِ شبِ ہجر کہیں اور کسی سے
(ریاض حسین چودھری)

یہ خیال ہر لحہ دامن گیر رہتا ہے کہ کہاں مجھ سا شاعرِ بے نوا اور کہاں نعتِ رسول اوّل و آخر ﷺ، اظہارِ عجز قدیم ہی نہیں جدید نعت کا بھی اساسی رویہ ہے، اپنی نفی اور محبوبِ مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کا اثبات ہمیشہ نعت نگاروں کا محبوب موضوع رہا ہے۔ جدید اردو نعت میں یہ اور رویہ کئی حوالوں سے اعتماد و اعتبار کے مراحل طے کر رہا ہے۔ یہ احساس ہر لمحہ زندہ ہے حبِ رسولِ برحق ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کے چراغ آیاتِ ربانی میں جل رہے ہیں اس نبی محتشم ﷺ کی ثنا کسی عاجز بندے سے کیا ہوگی۔ لغت کی کیا مجال کہ درِ اقدس میں سر اُٹھانے کی جرأت کر سکے، کوئی ناچیز اُمتی حضور ﷺ کے محامد و محاسن کو حیطۂ شعور میں لا سکے، ممکن ہی نہیں...

کیا فکر کی جولانی کیا عرضِ ہنرمندی　　توصیفِ پیمبر ﷺ ہے توفیقِ خداوندی
(حافظ محمد افضل فقیر))

کوئی پونجی ترے شایانِ شکرانہ نہیں رکھتا　　بجز ان آنسوؤں کے کوئی نذرانہ نہیں رکھتا
(سیّد ضمیر جعفری)

کھلے کھلے نہ کھلے عقدۂ فراق و وصال　　ہمارا دل تری زلفِ شکن شکن میں ہے
(جعفر طاہر)

لازم ہے اس سے پہلے کہ نعتِ نبی لکھوں　　جو کچھ لکھا ہے، کچھ نہیں لکھا، یہی لکھوں
(محسن بھوپالی)

تسخیرِ کائنات مرا مدعا نہیں مجھ کو تو صرف آپ کی حاجت ہے آپ سے
(شہزاد احمد)

مرا وجود عبارت اندھیری رات سے ہے مگر وہ ایک تعلق جو اُن ﷺ کی ذات سے ہے
(مرتضیٰ برلاس)

آپ ﷺ کے نقشِ کفِ پا سے لپٹ کر جاملوں خود ہی منزل پر پہنچ سکتی نہیں رستے کی دھول
(ہلال نقوی)

کس رُخ کروں قصیدۂ شاہِ زمن تمام تشبیب ہی میں ہوگئی تابِ سخن تمام
(خالد احمد)

نامِ سرکار ﷺ پہ آنسو اُمنڈ آتے ہیں رشیدؔ اپنے اجداد کی آنکھوں پہ گئی ہیں آنکھیں
(رشید وارثی)

اے عاصیوں کے مونس و ہمدم شفیعِ حشر کرتا ہوں اعتراف میں اپنے قصور کا
(زہیر کنجاہی)

شایانِ شان کوئی کہے نعت آپ ﷺ کی کس میں یہ حوصلہ ہے یہ کس کی مجال ہے
(مسرور کیفی)

میرے ہاتھوں کی لکیروں میں اُگے ہیں جنگل میں جو پھیلوں بھی تو عکسِ کفِ پا ہوجاؤں
(حامد یزدانی)

کرم کی وہ نظر ڈالیں تو میں قسمت پہ اتراؤں کہ مجھ سا کھوٹا سکہ بھی سرِ بازار چل جائے
(عبدالغنی تائب)

ہر دور کی رحمت! ﷺ یہ مری نعت نہیں ہے محصورِ غم و رنج کی فریاد ہے مولا!
(خادم رزمی)

مری خرد کو عمل سے وابستگی ملے
تو میں نعت لکھوں
مجھے گناہوں پہ ذوقِ شرمندگی ملے
تو میں نعت لکھوں
میں اپنے اقدارِ نیک و بد کا کروں تعین
تو نعت لکھوں

(رؤف ظفر)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-1
Final

مرے حبیب! ﷺ
میں تیری ثنا کروں کیسے
تری ﷺ ثنا کہ ہے سنتِ خداوندی
میں ایک ادنیٰ بشر
معصیت شعار مرا
میں چند حرف چنوں
نعت کہہ نہ پاؤں انھیں
مرا عمل مرے ایماں کا ترجمان نہیں
میں کیسے نعت لکھوں
کس طرح کروں توصیف

(عمران نقوی)

میں ایک شاعرِ گم نام ہوں مرے آقا ﷺ　　تری ثنا کی مرے ہاتھ میں بھی مالا ہے
مجھے خود اپنے تشخص کی کیا ضرورت ہے　　ترا ﷺ حوالہ ہی سب سے بڑا حوالہ ہے
(ریاض حسین چودھری)

قرآن صحیفۂ انقلاب ہے۔ ہدایتِ آسمانی کی آخری دستاویز ہے جو قلبِ مصطفےٰ پر نازل ہوئی۔ حضور ﷺ چلتا پھرتا قرآن ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور ختمی مرتبت ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟'' دستِ قدرت نے آیت آیت میں حروفِ تحسین سجائے ہیں۔ ورق ورق پر آقا علیہ السلام کے محامد و محاسن کی کہکشاں بکھری ہوئی ہے۔ جدید اردو نعت کا شاعر بھی اسی تسلسل کا حصہ ہے۔

مدحتِ خیرالبشر ﷺ اعجاز ہے تحریر کا　　یہ بھی اک انداز ہے قرآن کی تفسیر کا
(راغب مرادآبادی)

ایک گل دستہ ہے نعتوں کا تری قرآنِ پاک　　اور تو شرحِ مبیں ہے رحمۃ للعالمیں
(احسان دانش)

جس کی زباں سے میرے خدا نے سخن کیا　　اُمی وہ آبروئے سخن ور کہیں جسے
(حمایت علی شاعر)

کلامِ پاک کی آیات میں پس الفاظ ہمیں حضورﷺ کا چہرہ دکھائی دیتا ہے
(اُمید فاضلی)

بشر ہے وہ یا کلامِ باری، میں اُس کی ہر اک ادا کا قاری
تمام قرآن کی جو تصویرِ معنوی ہے وہی نبیﷺ ہے
(مظفر وارثی)

کتنی آیات مفہوم میں ڈھل گئیں بات کہنے کو تھی مختصر آپﷺ کی
(محسن نقوی)

قرآن کے اوراق میں پڑھتا ہوں اُنھیﷺ کو اُس مصحفِ ناطق کی تلاوت پہ نظر ہے
(ڈاکٹر محمد سیّد ابوالخیر کشفی)

تعریف مجھ سے کیسے بیاں ہوسکے گی رازؔ قرآن جن کی نعت ہے اور نعت گو خدا
(رازکاشمیری)

آیا ہے جہاں بھی ذکر تراﷺ قرآں بھی مسکرا دیا ہے
(نجیب احمد)

تجھ کو پڑھ کر بسر زندگی ہم نے کی جس کے قاری ہیں ہم تو وہ قرآن ہے
(اے جی جوش)

اے صاحبِ قرآں، تراﷺ منشورِ گرامی ہر دور کے انساں کی ضرورت کے لیے ہے
(رشید وارثی)

اے خدا کیا ترے قرآن کے بارے میں کہوں آئنہ اک ترے محبوبﷺ کے کردار کا ہے
(باقر نقوی)

معراج، تیریﷺ برق خرامی کی اک مثال قرآن پاک سب سے بڑا معجزہ، تراﷺ
(جمشید چشتی)

لب پر ورق ورق کے درود و سلام ہے لاریب لفظ لفظ خدا کا کلام ہے
ہر سمت ہے محامدِ سرکارﷺ کی دھنک قرآن ایک نعتِ مسلسل کا نام ہے
(ریاض حسین چودھری)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-1
Final

ہم منافق ساعتوں کو گلے سے لگانے کے مجرم ہیں، ہمارے اندر اور باہر تضادات کی اَن گنت

دنیائیں آباد ہیں۔ شاعر ندامت کے آنسو سپرِ دِقلم کرتا ہے تو اس کا سر بار بار ندامت سے جھک جاتا ہے۔ نعت میں تو فرد کی شرمندگی کا یہ احساس مزید نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔

نبی ﷺ نبی ﷺ کی صدائیں
تو ہم لگاتے ہیں
مگر صداؤں میں
دل کا پتا نہیں چلتا
کسی بھی سخت
اطاعت کی ضو نہیں پاتے
فقط زباں ہے... اور ہم ہیں
... اور نعتِ رسول ﷺ

(مشکور حسین یاد)

آج میں سوچتا ہوں، دیکھتا ہوں، سوچتا ہوں
روشنی پاس ہے، ہم پھر بھی ہیں ظلمت کے اسیر
ہم ترا ﷺ نام تو لیتے ہیں مگر تیرا پیام
کس قدر پیار سے طاقوں میں سجا رکھا ہے

(محمود شام)

بنتے رہتے ہیں ہم خواب مدینے کے　　　اور کوفے کی جانب چلتے رہتے ہیں

(عطاء الحق قاسمی)

جدید اردو نعت ہمارے سیاسی، معاشی، تہذیبی، ثقافتی، تاریخی، مجلسی، علمی اور ادبی پس منظر کو اُجاگر کرتی ہے یہی نہیں بلکہ ہر شعبۂ زندگی کو اپنے دائرۂ اختیار میں لیتی ہے۔ نعت کے حوالے سے گلوبل ویلیج کے قیام کی راہ بھی ہموار ہو رہی ہے، نعت نے پوری انسانیت کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا ہے آج کی نعت اس سوچ کی مظہر ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ اسلام رنگ و نسل کے ہر بت کو گرا کر اولادِ آدم کے لیے سلامتی کا پیغام لایا تھا اور آج نئی نعت سلامتی کے اسی پیغام کو لوحِ وقت پر تحریر کر رہی ہے۔ آج کی نعت کا شاعر اَن گنت فکری اور نظری گتھیوں کو سلجھا رہا ہے۔ یہ گرہ کشائی کا موسم ہے آج پورا یورپ قبولِ اسلام کی دہلیز

پر کھڑا ہے۔ عالمی طاقتیں اسلام کی اس عوامی پذیرائی سے خوف زدہ ہیں، تعلیماتِ اسلامی کا چہرہ مسخ کیا جارہا ہے۔ دہشت گردی کی آڑ میں اسلام کے قلعے مسمار کیے جا رہے ہیں لیکن وہ دن اب زیادہ دُور نہیں جب عافیت اور سکون کی تلاش میں نکلا ہوا انسان فکری بعد اور نظری اختلاف کے باوجود آقائے محتشم ﷺ کی بارگاہِ کرم میں کشکولِ تمنا لیے عدل اور امن کی خیرات کا آرزومند ہوگا اور یقیناً اس کا کشکولِ تمنا عدل اور امن کے نقرئی سکوں سے لبریز ہوجائے گا۔ یزیدیت اور چنگیزیت کے فتنوں کو ہمیشہ کے لیے رزقِ زمین بنا دیا جائے گا۔ آج اگر عالمی منظر پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ دیکھ کر ذرا تعجب نہیں ہوتا کہ عالمی استحصالی طاقتیں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہیں اور ان کا قصرِاقتدار تیسری عالم گیر جنگ برپا ہونے سے قبل ہی زمین بوس ہوا چاہتا ہے۔ان کے شل ہوتے ہوئے بازو ان کی عبرت ناک انجام کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ ان کے خارش زدہ اور مکروہ چہروں پر پھیلتے ہوئے تھکن کے آثار ان کے اندر کے کھوکھلے پن کی چغلی کھا رہے ہیں۔ ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ عراق میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والی اطلاعات کے غلط ثابت ہونے کے باوجود عالمی غنڈوں کے ماتھے پر ندامت کا ایک قطرہ بھی نہیں چمکتا۔ جدید اردو نعت نے اس شعور کی بھی آبیاری کی ہے کہ امن، عدل اور خیر کا ہر راستہ حضور ﷺ کی دہلیز سے نکلتا ہے۔ آج عالمِ اسلامی اَن گنت مسائل کا شکار ہے۔ عالمی سامراج کے آتشیں اسلحے کا ہدف صرف اور صرف مسلمان ہی ہے لیکن جدید نعت کے شاعر نے رجائیت کے سورج کو یاسیت کے اندھیروں میں گم ہونے سے بچایا ہے اور جرمِ ضعیفی کے تباہ کن نتائج کے باوجود سر اُٹھا کر چلنے کی روایت کو زندہ رکھا ہے اور اس شعور کو مزید تقویت دی ہے کہ ہمیں مکینِ گنبدِ خضرا سے غلامی کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو ازسرِنو بحال کرنا ہے اور قرآن کے اسلوبِ ہدایت سے رہنمائی حاصل کرکے اپنے حیطۂ شعور میں پھر سے روشنیوں کا اہتمام کرنا ہے۔

اک اُمی طبیب حاذق سے عصرِ بیمار نے شفا پائی

(تابش دہلوی)

فکر و دانش ہو کہ بزمِ آب و گل کی وسعتیں تیرا ﷺ ثانی ہی نہیں ہے رحمۃ للعالمیں

(احسان دانش)

التفاتِ سیّد سادات کب محدود ہے وسعتِ دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

(حفیظ تائب)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-1
Final

اُس نے قوموں کو دیا عدل و اخوت کا سبق　　اُس کا دیں گہوارۂ امن و اماں بنتا گیا
(محشر رسول نگری)

تُو نے کیا ہے ظلم و ستم کا نظام ختم　　تُو نے دیا ہے عدل و مساوات کو رواج
(نظیر لدھیانوی)

پیاسی نظر سراب میں جب ڈوبنے لگی　　دریا حقیقتوں کا بہایا ہے آپ ﷺ نے
(ذوقی مظفر نگری)

سرکار ﷺ خود ہیں میرے سفینے کے ناخدا　　موجیں بتا رہی ہیں کہ ساحل قریب ہے
(انور فیروز پوری)

تجھ سے آنکھوں نے لیا، رنگ پرکھنے کا ہنر　　لفظ کی جادوگری نطق نے جانی تجھ سے
(امجد اسلام امجد)

لوح و قلم کا ایک یہی نقشِ اوّلیں　　ہر ابتدا سے پہلے ہے ہر انتہا کے بعد
(سیّد فیضی)

لگن بخشی ہمیں سرکار ﷺ نے ابطالِ باطل کی　　شعار اپنا ہے حق کی جستجو سرکار ﷺ کے دم سے
(راجا رشید محمود)

مری اونچی اُڑانوں کو اسیری راس کیا آئے　　بدن میں جان بھی تیری ﷺ، پر پرواز بھی تیرا
(لطیف ساحل)

عالمِ اسلام بیم و رجا کی کیفیت میں ہے، آئینہ خانے میں روشنی کا عکس مکمل طور پر دھندلا یا نہیں لیکن زوال و انحطاط کے گہرے ہوتے ہوئے سائے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ جبر کی اُڑانِ وقتی ہی سہی لیکن جب یہ اُڑان ختم ہوگی تو کرۂ ارض پر بسنے والے مفلوک الحال انسان خصوصاً تیسری دنیا کے غریب ممالک کے باشندوں کے بچے کھچے اثاثے بھی پیوندِ خاک ہو چکے ہوں گے، زوال و انحطاط کے حیرت کدے میں اُمتِ مسلمہ کی ویران آنکھوں میں آسودگی کا کوئی ایک لمحہ بھی نہیں اُترتا۔ اس لیے کہ ہم نبی آخرالزماں ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کی ہر روشنی عملاً فرار کے جرمِ عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان بے غیرت آنکھوں کی سزا تو یہی ہے کہ انھیں ہمیشہ کے لیے رزقِ شب بنا دیا جائے لیکن نقاشِ ازل نے ایسا نہیں کیا۔ اُسے اپنے محبوب ﷺ کی اُمت، اس کے تمام تر کوتاہیوں کے باوجود عزیز ہے۔ اکیسویں صدی کی دہلیز پر ہم اس عزم کے ساتھ

عبور کر چکے ہیں کہ ہم اکیسویں صدی کو اسلام کی صدی بنائیں گے لیکن ساتھ ہم ملّی غیرت کو بھی نیلام گھر کی زینت بنا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو باور کرایا جائے بلکہ ذہن نشین کرایا جائے کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم استقامت کا مظاہرہ کریں اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہیں تو عظمتِ رفتہ لوٹ کر واپس بھی آسکتی ہے۔ تاجدارِ کائنات ﷺ کے نقوشِ قدم سے اکتسابِ شعور کرتے ہوئے ہمیں عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے سفر کو جاری رکھنا ہے۔ جدید اردو نعت جمالیاتی سطح پر ہمیں اس سفر پر رواں دواں ہونے سے اور پھر اس سفر میں رواں دواں رہنے کی ترغیب دے رہی ہے بلکہ مقاماتِ آہ و فغاں پر ہمارے حوصلوں اور ولولوں کو عزم و عمل کو نئے ذائقوں سے بھی آشنا کر رہی ہے۔

آپ ﷺ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے　　میرے سرکار ﷺ ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ

(ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی)

تاکہ جہانِ عشق کی رونق رہے جواں　　لازم ہے رہنا حسن کا ناظم نقاب میں

(بشیر حسین ناظم)

یہ تصور کرلینا کہ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں کہی جانے والی نعت بیسویں صدی کی آخری دہائی میں کہی جانے والی نعت سے یکسر مختلف ہوگی سراسر غلط تصور ہے۔ فنی ارتقا ایک تخلیقی تسلسل کا مظہر ہوتا ہے۔ اس تسلسل کے مختلف ذائقوں کو محسوس کیا جاسکتا ہے اور ان امکانات کی نشان دہی بھی کی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی کے اختتام پر جدید اردو نعت کی صورت پذیری کن حوالوں سے عمل میں آئے گی۔ سوچ اور اظہار کے زاویے کن سمتوں کو اپنے دائرۂ عمل میں سمیٹیں گے اور نعت کا وسیع ہوتا ہوا کینوس ایک سو سال بعد کیا صورت اختیار کرے گا۔ آج کی نعت میں ان امکانات کے ابتدائی خدوخال دیکھے جاسکتے ہیں۔

تنک مزاجوں کی سلطنت میں
بتایا جس نے
سخن حدودِ دعا میں کرنا
لباس ناآشنا رواجوں کی سلطنت میں سکھایا جس نے
نمو کی مشتاق بے ہنر خوئے شعلگی کو
طریقِ قطع و برید جامہ

حریمِ شمع صفات ہونا
مکاشفے میں، مباحثے میں، مباہلے میں
دلیلِ قاطع، دعائے فاتح، ثبوتِ آخر کو اپنے اوزان کی صداقت میں تولتا تھا
وہ نرم لہجے میں بولتا تھا

(اختر حسین جعفری)

جنگِ حنین کے موقع پر
جب حضرت
مالِ غنیمت بانٹتے
آپ ﷺ انصار کو کچھ بھی نہ دیتے
ہم اپنی کم سمجھی، کم علمی کے سبب
حصہ نہ ملنے پر اپنی محرومیوں کا کرتے شکوہ
اور تب مرے اپنے پیارے آقا ﷺ یہ فرماتے
...اے انصار
تم اس پر کیوں راضی نہیں ہوتے
کوئی تو اونٹ سنبھالے اور کوئی بکری
لیکن تم اللہ کے رسول ﷺ کو لیے گھر جاؤ
یہ سن کر، پھر دیر تلک ہم سب کے آنسو
آپ ﷺ کی خاکِ پا پر شکر کا سجدہ کرتے
اس نادر بخشش پر میں بھی دل و جان سے راضی ہوتی
(کاش میں طیبہ کے انصار میں شامل ہوتی)

(ناہید قاسمی)

اے ہوا!
اے مدینے کی گلیوں سے آتی ہوا
مجھ کو اتنا بتا
صرف اتنا بتا

کیسے صحرا ہیں جن میں محمد ﷺ کا ناقہ سفر میں رہا
اے ہوا
اے ہوا

(اعجاز رضوی)

مجھے یاد ہے وہ گھڑی
کہ جس پل خدائے محمد ﷺ نے سارے فرشتوں کو سجدے کا فرمان جاری کیا تھا
کہ آدم کو سجدہ کرو، یہ زمیں پر ہمارا خلیفہ بنے گا
مجھے یہ بھی ہے یاد، پھر میرے ماتھے پہ اس نے یہ فرمان لکھا
کہ دنیا میں جا کر میں اس ذاتِ اقدس کا اب خیر مقدم کروں

(اقبال صدف)

سہ مصرعی نعتیہ نظموں کا رواج بھی اب عام ہو چلا ہے، نعتیہ ثلاثی زور و شور سے کہی جا رہی ہے۔ لیکن نعتیہ رُباعی اور قطعہ نگاری کی طرف خصوصی توجہ نہیں دی جا رہی البتہ ہائیکو نعت کے شعرا کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب رہی ہے۔ اخبار و جرائد میں نعتیہ ہائیکو کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہائیکو جاپان میں اتنی مقبول صنفِ سخن ہے جتنی ہمارے ہاں غزل، بساطِ ادب پر نعتیہ ہائیکو کا نزول پُر وقار طریقے سے ہوا ہے۔ نوآموز شعرا کے ساتھ ہمارے بعض سکہ بند شعرا بھی اس جاپانی صنفِ سخن میں کامیابی سے طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ ہائیکو مشاعروں کی طرح بھی ڈال دی گئی ہے اور یوں گلوبل ولیج کا تصور عملی صورت اختیار کر رہا ہے۔

تنویر مدینے کی
انگشتریٔ دل میں
ہے تاب نگینے کی

(لالۂ صحرائی)

گونجے صبح و شام
ازل ابد کے گنبد میں
میرے نبی ﷺ کا نام

(اقبال حیدر)

ہونٹ مہکتے ہیں
اس نام کی خوش بو سے
حرف پگھلتے ہیں

(احمد صغیر صدیقی)

اُن ﷺ کا اونچا نام
حکمِ خدا کے تابع ہیں
جن کے سارے کام

(سجاد مرزا)

کتنی صدیاں گزر گئیں لیکن
تیری جانب ہی دیکھتا پایا
آدمیّت کو ارتقا کے لیے

(محمد اقبال نجمی)

شہرِ حضور ﷺ کی آرزو تمنائے دیدہ و دل کی معراج ہے۔ تمام راستے حضور ﷺ کی چوکھٹ پر جا کر ختم ہوجاتے ہیں اور اللہ کی بندگی کا ہر راستہ دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ سے نکلتا ہے۔ واسطۂ رحمت کے بغیر توحید کا ہر خود ساختہ تصور باطل ہے اور حکمِ خداوندی کی کھلی خلاف ورزی ہے اسی خلاف ورزی کی بنا پر ابلیس ہمیشہ کے لیے مردود ٹھہرا تھا... جدید اردو نعت کے شاعر کو بھی یہ کامل یقین ہے کہ وہ ایک دن شہرِ نبی ﷺ کے در و بام کو ضرور سلامی دینے کی سعادت حاصل کرے گا۔ مقدر ضرور اُسے حضور ﷺ کے قدموں میں لے جائے گا اُس کے مقدور کا ستارا اوجِ ثریا سے بھی پرے، ضرور چمکے گا۔

اک نہ اک دن میں بھی پہنچوں گا مدینے میں ضرور
خود بناتا ہے جنوں اپنے سفر کے راستے
(حسرت حسین حسرت)

ہوں گے ضرور حاضرِ دربار ہم شعورؔ　　ہر اُمتی کا حق ہے زیارت حضور ﷺ کی
(انور شعور)

کبھی حرا کبھی طیبہ دکھائی دیتا ہے　　یہ خواب میں مجھے کیا کیا دکھائی دیتی ہے
(تحسین فراقی)

خوش بو کا تعاقب کر رہا ہوں مدینہ ہی تو یاد آیا بہت
(سجاد بابر)

اوڑھوں گی غبارِ رہ بطحا کی چنریا اس رنگ میں طے ہو جو سفر کیسا لگے گا
(نذر صابری)

خاکِ طیبہ اُسے دامن میں چھپا لیتی ہے جس کو طیبہ کی زمیں سے ہے عقیدت کامل
(نبیل احمد نبیل)

چشمِ تصور ہر وقت شہرِ خنک کے طواف میں مصروف رہتی ہے، سوچوں کے کبوتر شہرِ نبی ﷺ کی فضاؤں میں عقیدت کے پھول بکھیرنے کی آرزو اپنے خانۂ دل میں پالتے ہیں، تخیل کے قافلے شاہراہِ مدینہ پر رواں دواں رہتے ہیں اور قدم قدم پر عقیدتوں کے پھول نچھاور کرتے ہیں، رہ گزارِ مدینہ کے ذرّے ذرّے میں عشاق کے دل دھڑکتے ہیں۔

اب کے جو قصدِ طیبہ کریں رہ روانِ شوق مظہرؔ کو بھی ضرور شریکِ سفر کریں
(حافظ مظہر الدین)

خوش بوئے گلستانِ شہنشاہِ دو عالم ﷺ خاطرؔ مجھے بطحا کی طرف لے کے چلی ہے
(خاطر غزنوی)

پھر اُس نے کوئی اور تصور نہیں باندھا ہم نے جسے تصویر دکھائی ترے ﷺ در کی
(سیّد نصیر الدین نصیر)

کوئے سرکار ﷺ میں ہوگا کہیں مصروفِ طواف دل اگر پہلو میں ہوتا تو دھڑکتا ہوتا
(اعظم چشتی)

اُس دیارِ معتبر میں حاضری جب تک نہ ہو زندگی بے معتبر ہے، تیز چلنا چاہیے
(عاصی کرنالی)

جھکتا ہے میرا دل بھی مرے سر کے ساتھ ساتھ ممکن نہیں کہ آپ ﷺ کی یہ رہ گزر نہ ہو
(محمد علی ظہوری)

محسوس یہ ہوتا ہے صبا پھول سے آ کر جیسے کہ مدینے کا پتا پوچھ رہی ہو
(قمر تابش)

جسے منزل نہ ملتی ہو وہ اُن ﷺ کے در پہ آ جائے محمد ﷺ رہبرِ دنیا و دیں ہیں میرا ایماں ہے
(خالد بزمی)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-2
Final

وہاں پہنچا تو ننگے پاؤں گلیوں میں پھروں گا زمانوں سے پرے ہر نقشِ پا کو دیکھ لوں گا
(محمد اظہار الحق)

بسا ہوا ہے مدینہ مری نگاہوں میں اس زمینِ پہ جنت نصیب ہے مجھ کو
(زاہد فخری)

اک ذرا دیکھا تھا طیبہ کی طرف اور مصائب کو پسینے آگئے
(فرحت عباس شاہ)

مدینے جاکے پوچھیں گے دل وجاں وجگر سے ہم یہیں رہتا ہے رنگِ درد یا کچھ اور ہوتا ہے
(فیض رسول فیضان)

لاہوں کی زمین سے زلفی بفیضِ عشق میں روز دیکھتا ہوں مدینہِ رسول ﷺ کا
(سیف زلفی)

گنبدِ خضرا ہے میرے سامنے لاہور میں آنکھ ہے شہرِ نبی ﷺ کے روزنوں میں آج بھی

☆

رستہ کسی سے پوچھنا توہین ہے مری ہر رہ گزر شہر پیمبر ﷺ کو جائے ہے
(ریاض حسین چودھری)

یثرب کی سرزمین نے حضور ﷺ کے قدومِ پاک کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی تو اسے مدینۃ الرسول ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ شہرِ خنک کائنات کے ذرّے ذرّے کی نگاہوں کا مرکز ہے، اللہ کی رحمت یہاں دن رات برستی ہے اور فرشتے صبح و شام آسمانوں سے اُتر کر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں سلام پیش کرتے ہیں، جب فرشتوں کا یہ حق ہے تو اُمتیوں کے حق میں اندازہ کون لگا سکتا ہے، ان کے ذوق و شوق کا عالم کیا ہوگا۔ ان کی وارفتگی کو کس پیمانے سے ناپا جائے گا۔ مدینہ اللہ کا محبوب شہر ہے کہ اس کے محبوب ﷺ کا شہر ہے۔ مکہ کی قسم بھی وہ اس لیے کھاتا ہے کہ محبوب ﷺ تو اس میں چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ اللہ کے بندے بھی اللہ کے محبوب ﷺ کے شہرِ دل نواز کو محبوب رکھتے ہیں۔ اردو نعت کا منظرنامہ خلدِ مدینہ کے پھولوں کی خوش بو سے معمور ہے، کشتِ دیدہ و دل میں بادِ بہاری چل رہی ہے، مدینہ قریۂ معلوم ہے اس قریۂ معلوم کا سفر ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔

نظارۂ فردوس کی یارب نہیں فرصت اس وقت مدینے کی فضا پیشِ نظر ہے
(کوثر نیازی)

عشقِ نبی ﷺ کا جب سے حاصل ہوا قرینہ اک آنکھ میں ہے مکہ اک آنکھ میں مدینہ
(طفیل ہوشیار پوری)

میں اپنے دل کی سیاہی مٹانے آیا ہوں میں اپنے دل کی سیاہی مٹا کے جاؤں گا
(جمیل الدین عالیؔ)

خبر نہ تھی کہ یہیں سات آسماں ہوں گے مرا خیال تھا جانا ہے بس مدینے میں
(شہزاد احمد)

وہ صرف محمد ﷺ کا در ہے اے مشکور جہاں ہے فائدہ ہی فائدہ خسارہ نہیں
(مشکور حسین یاد)

اسیر جس کو بنا کر رکھیں مدینے میں تمام عمر رہائی کی وہ دعا نہ کرے
(ادیب رائے پوری)

تُو نے تو کچھ بھی دیکھنے نہ دیا اے مری چشمِ تر مدینے میں
(عطاء الحق قاسمی)

چند ہفتے میں مدینے میں رہا عطر ہی عطر پسینے میں رہا
(محسن احسان)

اُڑوں خوابوں میں طیبہ کی فضا میں عروجِ بخت کی پرواز دیکھوں
(راسخ عرفانی)

فضاؤں میں اگر کوئی پرندہ رقص کرتا ہے تو آنکھوں کو مدینے کے کبوتر یاد آتے ہیں
(ازہر درّانی)

مدینے کا تصور بھی ردائے احترام میں لپٹا ہوا ہے، عشاقِ مصطفےٰ ﷺ ہر لمحے کیفِ حضوری میں ڈوبے رہتے ہیں، جدید اردو نعت بھی اس کیفِ سرمدی سے سرشار ہے۔ آج کا شاعر بھی تصویرِ حیرت بن کر درِ حضور ﷺ پر کھڑا ہے، فرطِ شوق سے مدینے کی گلیوں کو چوم رہا ہے۔ در و دیوار کو اپنے سینے سے لگا رہا ہے۔ مدینے کی گلیوں میں کھیلنے والے بچوں کی بلائیں لے رہا ہے اور غبارِ رہِ مدینہ کو کفن بنانے کی آرزو سینے میں مچل رہی ہے۔

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-2
Final

یوں اس گلی میں چشمِ تمنا سجائی جائے پلکوں پہ آنسوؤں کی کناری لگائی جائے
(احسان دانش)

چاندنی رات میں طیبہ کی مسافت کا سماں		خاک بھی پاؤں میں بچھتی ہے صبا کی صورت
(راسخ عرفانی)

چلے آتے ہیں خوش بوؤں کے جھونکے		مدینے کی ہوا ہے اور میں ہوں
(یزدانی جالندھری)

کبھی تو روضۂ اطہر کو چھو کے آئے گی		کھڑا ہوں دیر سے رستے میں جس ہوا کے لیے
(جعفر شیرازی)

لازم ہے احتیاط یہاں بات بات پر		عابدؔ یہ بارگاہِ نبی ﷺ ہے ادب ادب
(عابد نظامی)

مریضِ ہجر کے زخموں کا یہ علاج نہیں		ہٹاؤ پھول مدینے کی دھول پیش کرو
(خالد محمود نقش بندی)

لے پاؤں سے نہ کام کہ سوئے ادب ہے یہ		یہ قریۂ رسول ﷺ ہے پلکوں سے چل کے آ
(محمد اکرم رضا)

گنبدِ خضرا کے تصور سے اردو نعت کا دامن ہمیشہ سرسبز و شاداب رہا ہے۔ رعنائیِ خیال کا ہر قافلہ جوارِ گنبدِ خضرا کی تابانیوں میں گم ہو جاتا ہے، چشمِ تصور صبح و شام طوافِ گنبدِ خضرا میں مصروف رہتی ہے۔ دعاؤں کے پرندے گنبدِ خضرا کو بوسہ نہ دیں تو آسمانوں کی طرف پرواز کرنے کا ہنر بھول جاتے ہیں۔ آنکھیں، بزمِ خیال میں بھی روضۂ اطہر کی سنہری جالیوں کو چومنے کا اعزاز حاصل کرتی ہیں تو لہو کی ایک ایک بوند رقص میں آجاتی ہے۔ گنبدِ خضرا کی ایک جھلک دیکھنے کی آرزو سینے میں چھپائے ہزاروں عشاق راہی ملکِ عدم ہو جاتے ہیں۔ جدید اردو نعت میں صورت پذیری کا موسمِ دل کش انھی آرزوؤں اور تمناؤں میں نمو پذیر ہوتا ہے۔

اللہ اللہ عشق کا کعبہ نظر آنے لگا		اے تصور! گنبدِ خضرا نظر آنے لگا
(بہزاد لکھنوی)

اُس بارگاہِ ناز کا اعجاز دیکھنا		میں چھپ رہا تو دستِ دعا بولنے لگے
(صبا اکبرآبادی)

آنکھیں ہیں تقاضائے عقیدت سے خمیدہ		دل گنبدِ خضرا کی فضا دیکھ رہا ہے
(حافظ محمد افضل فقیر)

دیکھے ہیں ظفؔر گنبدِ خضرا کے وہ انوار نظروں میں ٹھہرتی ہی نہیں شانِ دوعالم
(یوسف ظفر)

یہ پردہ بھی اُٹھایا جالیوں کی ہی شعاعوں نے وہاں تنہا مری بینائی کی منزل نہ تھیں آنکھیں
(محشر بدایونی)

اُن کے روضے کا فرشتے کیسے کرتے ہیں طواف شام تک ارشدؔ یہ نظارہ سحر سے دیکھنا
(اقبال ارشد)

چوما لبِ ایماں نے مرے اُس کی جبیں کو جس نے بھی کوئی بات سنائی ترےﷺ در کی
(بشیر حسین ناظم)

اس گھڑی ہم روضۂ اطہر پہ ہیں حاضر نسیمؔ اس گھڑی ہم خود سراپا دیدۂ نم ناک ہیں
(نسیم سحر)

دعا میں جھوٹ کیا بولوں کہ دنیا مانگتی ہوں میں مگر میری ہتھیلی پر ہرا گنبدِ بھی آتا ہے
(رخشندہ نوید)

عالمِ وجد میں رقصاں مرا پر پر ہوتا کاش میں گنبدِ خضرا کا کبوتر ہوتا
(طارق اسماعیل)

میں تصور میں چوم لیتا ہوں تیرےﷺ روضے کی جالیاں آقاﷺ
(منظور کاسف)

شاعر کی آنکھیں ردائے احترام میں لپٹی ہوئی ہیں۔ پلکوں پر آنسوؤں کا ہجوم ہے دل کی ہر دھڑکن بہر سلام جھکی ہوئی ہے۔

ہیں ترےﷺ دربار کے آداب سب سے مختلف تیرےﷺ سنگِ آستاں کی جبہ سائی بھی جدا
(اقبال صلاح الدین)

طوافِ در سے ترےﷺ ہوسکی نہ سیرِ نظر یہ بے قرار گئی اور بے قرار آئی
(آغا صادق)

اگرچہ لاکھ بھٹکتی رہے نظر میری وہ گھوم پھر کے اسی در پہ آ نکلتی ہے
(ابوالامتیاز ع س مسلم)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-2
Final

چھوڑ آیا ترے در پہ میں یہ سوچ کے آنکھیں، ہر پل تجھے دیکھیں
مجھ سا بھی زمانے میں نہ ہوگا کوئی چالاک، اے سیہِ لولاک ﷺ
(منیر سیفی)

آہستہ گزر رہ گزر عام نہیں ہے — اے طائرِ جاں، خاص ہیں آدابِ مدینہ
(حفیظ الرحمٰن احسن)

نظر میں شہرِ نبی ﷺ کی مسافتیں اُتریں — در قبول کھلا ہے دعا کے رستے پر
(عمران نقوی)

شاعر اپنے عظیم نبی ﷺ کے عظیم شہر کے گیت گاتا ہے وہ دیوانہ وار مدینے کی گلیوں میں گھومتا ہے اور قصداً کھو جاتا ہے۔

طواف کرتے ہیں جن و بشر مدینے کا — کہ جلوہ گر ہے یہاں تاجور مدینے کا
(حافظ مظہر الدین)

سلاموں کی، درودوں کی، خدا کے ذکر کی بارش — جہاں ہر پل برستی ہے مدینہ اُس کو کہتے ہیں
(جسٹس محمد الیاس)

میرے حضور ﷺ جس کے لیے بے وطن ہوئے — تہذیب کے لیے وہی خطہ وطن ہوا
(احمد ظفر)

کاسۂ جسم کو انوار سے اپنے بھر دے — میں کہ ہوں شہرِ مدینہ میں گدا کی صورت
(انور سدید)

اک جانب شہروں کی کالک دیواروں کو چاٹ رہی ہے
اک جانب ہے نور کا دریا، شہرِ مدینہ، اللہ اکبر
(بیدار سرمدی)

ہے کون جس کے کوچے کا کرتے ہیں سب طواف
سوچا ہے تُو نے شمس و قمر کے نظام پر
(گلزار بخاری)

سچ پوچھیے تو حشر گہِ کائنات میں — فردوس کوئی ہے تو مدینہ ہے اور بس
(انور جمال)

زمانہ دھوپ ہے اور چھاؤں ہے بس ایک بستی میں
یہ دنیا جل کے بجھ جاتی مگر شاملِ مدینہ ہے
(زاہد فخری)

دار الشفا جہاں میں ترا شہرِ بے مثال اے چارہ ساز، رشکِ مسیحا کہوں تجھے
(ضیا نیر)

شہرِ نبی ﷺ میں زندگی کی آخری سانسیں لینے کی آرزو دلِ شاعر کو مضطرب رکھتی ہے اور وہ شہرِ حضور ﷺ میں آسودہ خاک ہونے کا آرزومند رہتا ہے۔

فقیر شوکت، بہشتِ طیبہ میں قبر کی بھیک مانگتا ہے
حضور ﷺ اس پہ بھی لطف کیجے، حضور اک یہ بھی ملتجی ہے
(شوکت ہاشمی)

خدا کرے کہ وہ سجدہ ہو آخری سجدہ جھکے تو پھر نہ اُٹھے سر نبی ﷺ کی مسجد سے
(آفتاب کریمی)

اپنی ساری تلخیوں کے باوجود موت ہے دل کش مگر اُس شہر میں
(انجم نیازی)

شہرِ محبت سے جدائی کا تصور عشاقِ مصطفےٰ ﷺ کو تڑپا دیتا ہے۔ الوداعی لمحات کی تصویر جدید اردو نعت میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ کہیں خامیٔ ایماں ہی نہ ہو میں مدینے سے پلٹ آیا ہوں
(احمد ندیم قاسمی)

جب بھی آیا ہے کوئی زائر طیبہ واپس کتنے تارے مری پلکوں کے اُفق پر چمکے

☆

وقتِ وداع طیبہ کے احوال کیا کہوں گر کچھ بتا سکے تو مری چشمِ تر سے پوچھ
(راجا رشید محمود)

جدید اردو نعت نے ہمیں خرد احتسابی کا شعور عطا کیا ہے، شعر میں وجودِ مصطفےٰ کے جمالیاتی ظہور کا نام نعت ہے، بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے کر چلنے کی آرزو آج کی نعت کا بھی اساسی رویہ ہے اور یہ احیائے اسلام کی تمنا کا ثقافتی آہنگ ہے۔ آج مسلم اُمہ کے اربابِ دانش

ہی نہیں عوام الناس بھی نعت کے حوالے سے اسلام کی ازسرِنو دریافت کے لیے لاشعوری طور پر مصروفِ عمل ہیں کیوں کہ حضورﷺ کی ذاتِ اقدس سے قلبی لگاؤ ہی ہمیں ظاہر و باطن کی انقلاب آفریں تبدیلیوں سے آشنا کرسکتا ہے۔ آج کی نعت بھی درِ مصطفےٰ سے روشنی کی خیرات لے کر اپنے عہد کے لیے اُجالوں کا اہتمام کرتی ہے۔ تخلیقی سطح پر عظمتِ رفتہ کی بازیابی کی جہدِ مسلسل نعت کے حوالے سے ہی ممکن ہے سو آج کا نعت نگار اپنے عظیم ثقافتی ورثوں کے تحفظ میں پیش پیش ہے۔ اس صدی کو اسلام کی صدی بنانے میں نعت اپنا بھرپور کردار ادا کر رہی ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ محافلِ نعت میں نعت کو محض نوٹوں کی بارش کے ناپسندیدہ فعل کے ساتھ غیرمشروط طور پر مشروع نہ کر دیا جائے بلکہ نعت خوانوں کی پذیرائی کے لیے دوسرے باوقار ذرائع اپنائے جائیں۔ تعلیمی اداروں میں حسنِ قرأت اور حسنِ نعت کے مقابلوں کو سالانہ تقریبات میں سرِفہرست رکھا جائے... گو مسلم اُمہ آج اغیار کے نرغے میں ہے، خونِ مسلم کی ارزانی دیکھی نہیں جاتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کو اپنی بقا کا خوف کھائے جا رہا ہے، شمع بجھنے سے پہلے بھڑکتی ضرور ہے، بجھنا ظالم استحصالی طاقتوں کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔ اس صدی کے اختتام تک دنیا کی جغرافیائی سرحدیں بڑی حد تک تبدیل ہوچکی ہوں گی اور مصطفوی انقلاب کا سورج پوری آب و تاب سے اُفقِ عالم پر چمک رہا ہوگا۔ یہ محض خوش فہمی پر مبنی قیاس آرائی نہیں بلکہ جبرِ شب کا منطقی نتیجہ ہے، احیائے اسلام کے لیے، اپنے عہد کی دانش کو مرکزیت نعت ہی کے حوالے سے حاصل ہوگی۔ آج کا نعت نگار اپنے فرائضِ منصبی سے غافل نہیں۔ اس کا قلم روشنی تخلیق کر رہا ہے اور یہی روشنی ہمارے مردہ قلوب کو اپنے دامن میں لے رہی ہے۔

وہ دن قریب ہے جب ہر نگاہ کا مقصود جمالِ اسوہ خیر الانام ٹھہرے گا
(حفیظ الرحمٰن احسن)

عشق احمد میں جو ڈوبے زندہ جاوید ہے تا ابد باقی ہے اُن کی داستاں میں روشنی
(محشر زیدی)

ہمراہ آپﷺ لائے صداقت کی روشنی ممکن نہ تھا وجود سحر آپﷺ کے بغیر
(ناصر زیدی)

بس اک تیرےﷺ نام کا ستارا چمک رہا ہے کہ روشنی مستعار تھی جن کی جل بجھے ہیں
(خالد اقبال یاسر)

ابا مرحوم کا ایمانِ مفصل یہ تھا زندگی عشقِ محمدﷺ کے بنا دھوکا ہے
(علی اصغر عباس)

جو لوحِ دل پہ مرے نعتِ مصطفٰےﷺ اُتری تو یوں لگا کہ سخن میرا معتبر بھی ہے
(ارشد نعیم)

(صبیحہ صبا)

رحمتِ عالمیں آپﷺ کی ذات ہے ہر زمانے کے روحِ رواں آپﷺ ہیں
(جمشید کمبوہ)

محبت، اطاعت اور اتباع کے دریچے وا نہ ہوں تو بساطِ ادب پر ثنائے رسول کا نزول ممکن ہی نہیں رہتا، محبت کے بغیر عملاً اطاعت ممکن نہیں اور اطاعت کے بغیر محبت کا دعویٰ بے معنی ہے، نعت تو ہے ہی باطن کی روشنی کے ظہور کا نام، یقیناً تخلیقی وفور کے بغیر نعت گوئی ممکن ہی نہیں۔ جدید اردو نعت بھی خود سپردگی کے انھی عناصر کی حنابندی کے فروغ میں مصروف ہے اور ا سطرح دلوں پر دستک دیتی ہے کہ کشورِ دیدہ و دل کا گوشہ گوشہ تازگی اور شگفتگی کے گہرے پانیوں میں ڈوب ڈوب جاتا ہے، اطمینانِ قلب کے قافلے حصارِ عافیت میں ہی نکلتے ہیں۔ گنبدِ خضری کی تابانیاں وارفتگی کی نئی داستانوں کا عنوان بنتی ہیں۔ اثر پذیری کی اَن گنت کہکشائیں لوح وقلم کو اپنے دائرۂ انوار میں لے لیتی ہیں آج کی نعت کے شاعر کا سماجی رویہ بھی حقیقت پسندانہ ہے۔ بزمِ تصورات میں بھی ہر طرف توازن اور ٹھہراؤ نظر آتا ہے۔ وارفتگی اور خودسپردگی کے نئے نئے انداز، نئے نئے اسالیب ''اقلیمِ نعت'' میں متعارف ہوئے ہیں۔ دامنِ شعر کو انتہائی دل کش اسلوب عطا ہوا ہے، ہر لمحے روحانی رتجگے نوکِ قلم پر ہجوم کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ آج کی نعت شہرآشوب کے قالب میں بھی تجسیم ہوئی ہے۔ حضورﷺ سے رحمت طلبی اسی شہرآشوب کی وجہ سے بھی ہے۔ قصیدہ کا لب ولہجہ اور شکوہ الفاظ کا چلن اگرچہ اب زیادہ نہیں رہا لیکن قصیدہ آج بھی نعت میں پورے جلال و جمال کے ساتھ موجود ہے اور اس کی خوب صورت مثال خالد احمد کا مجموعۂ قصائد تشبیب ہے، جدید اردو نعت قرآنی معاشرے کی تشکیل کا فریضہ بھی سرانجام دے رہی ہے۔ ہم اپنی تمام تر مادّہ پرستی کے باوجود درِحضورﷺ سے اپنے ظاہر و باطن کی دنیاؤں کو الگ نہیں کرسکے اور نہ ایسا کرنا چاہتے ہیں۔

وہ جو آسودگی چاہیں انھیں آسودہ کر بے قراری کی لطافت مجھے تنہا دے دے
(احمد ندیم قاسمی)

D:NaatRang-17
File: Riyaz-Husain-2
Final

صرف مظفرؔ آپ ﷺ کی ذات　　میری دعا میرا مقصود
(مظفر وارثی)

جب گنگ تھے سب کون گواہی میں تھا بولا　　وہ دستِ پیمبر ﷺ میں جو پتھر تھا وہ کیا تھا
(منیر سیفی)

مبارک ہو تمھیں نسرینِ سحرش صد مبارک ہو　　دیارِ پاک سے تجھ کو بلاوے آنے والے ہیں
(نسرین سحرش)

ترا کرم ہے کہ خار و خس کو سکھا گیا عادتیں نمو کی
ہرے ہوئے پیڑ جو یقیں سے وہی شجر پھول پھل رہے ہیں
(گلزار بخاری)

کچھ تو ہو پاس کہ جب آپ ﷺ کے در پر جاؤں　　روک لیتا ہوں اگر آنکھ میں آنسو آئے
(علی یاسر)

آج کا نعت نگار نعت سے حمد کی طرف لوٹ رہا ہے اور یہ ارتقائی منشائے ایزدی کے عین مطابق ہے اس لیے کہ واسطۂ رسالت کے بغیر توحید پرستی کا ہر دعویٰ باطل ہے، اللہ تک پہنچنے کا ہر راستہ دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ سے ہوکر گزرتا ہے، عرفانِ محمد میں عرفانِ خدا کی بنیاد بنتا ہے، واسطۂ رسالت کے بغیر توحید کا ہر فلسفہ تفہیم کے جوہر سے محروم ہو جاتا ہے۔ اب حمد یہ مجموعے بھی شائع ہو رہے ہیں، ''جہانِ حمد'' کے نام سے طاہر سلطانی نے ایک کتابی سلسلے کا بھی آغاز کر رکھا ہے۔ نعت میں شاعر کے اس سفرِ بندگی کا اظہار بڑے دل کش انداز میں ہوا ہے۔

کچھ نہیں معلوم کیا ہے قصہ ذات و صفات　　تجھ پہ ہم ایمان لائے اے خدائے مصطفیٰ ﷺ
(کوثر نیازی)

خرد سے کہہ دو کے حبِ رسول سے پہلے　　سمجھ میں آ نہ سکے گا کہ کبریا کیا ہے
(اُمید فاضلی)

مسترد کروا کے مجھ سے شکل انسانی کے بت　　خالقِ اکبر کا مجھ کو نغمہ گر کس نے کیا
(لالۂ صحرائی)

محمد ﷺ کی محبت ربّ کعبہ کی محبت ہے　　محمد ﷺ کی محبت موجبِ تحصیل جنت ہے
(سیّد امین نقوی)

منزلِ حبِ الٰہی تک پہنچنے کے لیے سرورِ کونین ﷺ کی اُلفت کا زینہ چاہیے
(سیّد ریاض الدین سہروردی)

اخگرؔ یہ التجا ہے خدا سے کہ حمد و نعت ہوں میرے حق میں آخری پہچان کی طرح
(محمد حنیف اخگر ملیح آبادی)

ذہن میں کتنے لفظ ہیں لیکن خالی ہیں صفحات نعت سے پہلے حمد لکھوں یا حمد سے پہلے نعت
(صفدر صدیق رضی)

احرام کیوں نہ میرے بدن پر بندھا رہے وارفتگی ہے روح کو بیت الحرام سے
(ذوقی مظفر گڑھی)

نسبت ہے جو سعدؔ مصطفےٰ ﷺ سے مضبوط خدا سے رابطہ ہے
(سعد اللہ شاہ)

ذکرِ حمد و نعت سے آراستہ محفلِ جاں ہے خدا کا شکر ہے
(سیّد صبیح رحمانی)

اکیسویں صدی میں دیدۂ بیدار کی روشنی بڑھ جائے گی اور نعت انفرادی اور اجتماعی سطح پر احتساب کا سب سے معتبر پیمانہ ٹھہرے گی۔ سیاسی اور معاشی مفادات کی غلامی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی۔ علم کی گری ہوئی مشعل کو اُٹھانے کی سعی مشکور ضرور ہوگی لیکن یہ بھی سیاست کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ نسلی تفاخر کا فتنہ پھر سر اُٹھائے گا۔ ذہنی خلفشار، فکری انتشار اور ثقافتی بحرانوں کے پس منظر میں نعت ہی اُمتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کا فریضہ سرانجام دے گی۔

جدید اردو نعت میں ارضی صداقتوں کا ظہور اور زمینی حقائق کا شعور فکر و نظر کی اَن گنت گتھیوں کو سلجھاتا ہے، قیامِ پاکستان کے بعد کی نعت پر ایک نظر ڈالیں تو یہ احساس اطمینانِ قلب کا موجب بنتا ہے کہ اپنی تمام تر سیاسی، معاشی، تہذیبی، علمی اور مجلسی لغزشوں کے باوجود روحِ محمد بدن میں سرد نہیں ہوئی، روحانی رتجگوں کا موسم باطن میں نہیں ہمارے ظاہر کے تشخص کا بھی سب سے بلیغ استعارہ ہے اگر مسلم اُمہ کا سیاسی، جغرافیائی اور معاشی پس منظر مسائل و مصائب کے گہرے پانیوں میں ڈوبا ہوا ہے اور جدید اردو نعت میں جبرِ مسلسل کی صورت پذیری کے گھمبیر مراحل کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے پھر بھی اُفقِ تخیل ابھی بجھا نہیں، عکس آئینہ خانے میں دھندلائے ضرور ہیں لیکن مٹے نہیں، عشقِ مصطفےٰ ﷺ کی روشنی ہر عکس کو پھر سے روشن کر دے گی۔ جدید اردو

نعت میں بھی تلاشِ ذات کا مسئلہ فرد کی جملہ ذہنی الجھنوں کے موجود ہے۔ لیکن آج کا نعت گو اپنی اور اپنے عہدے کی پہچان حضورﷺ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے چاہتا ہے اور اس کی یہ آرزو بڑی حد تک کامرانیوں اور کامیابیوں سے ہم کنار بھی ہوئی ہے، قلم کا اعزازِ ثنا جدید اردو نعت کے سر کا بھی تاج ہے۔ ہوائے شہرِ خنک سے ہم کلامی کا شرف نئی نعت کے شاعر کی بھی سعادت ہے۔ اور وہ اس سعادت پر نازاں ہے۔ جدید اردو نعت کے حوالے سے گلوبل ولیج کی تکمیل کے امکانات روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ امنِ دائمی کا حول آج کی نعت کا ہدفِ عزیز ہے اور یہ امر طے شدہ ہے کہ جدید اردو نعت مسلم اُمہ کی ثقافتی اکائی کے تحفظ کی ضمانت بھی دیتی ہے۔ یقیناً اس صدی کے اختتام تک انسان کے اندر کے درندے کو پابندِ سلاسل کیا جاچکا ہوگا اور یہ دنیا بھر کے امن اور انصاف پسند شہریوں کی مسلسل صدائے احتجاج کے ذریعے ہوگا۔ جنگ کے بادل چھٹ چکے ہوگے، حضورﷺ کا دین جو امن اور سلامتی کا دین ہے۔ دنیا کی اکثریت اس کے دامنِ رحمت میں پناہ تلاش کرچکی ہوگی، غزل سے لے کر ہائیکو تک اور نظم آزاد سے لے کر نثری نظم تک ہر طرف محامد و محاسنِ سرکارﷺ کا پرچم لہرا رہا ہوگا، جدید اردو نعت، نئے آفاق کی تسخیر کے ساتھ صدی کے اختتام تک اُفقِ عالم پر دائمی امن کی بشارتیں تحریر کرنے کا کارنامہ سرانجام دے چکی ہوگی۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

نعت نگاری اور اہتزازِ نفس

(تقدیم و تحسین کا تملّقانہ آہنگ)

دیباچہ نگاری

تقریظ، تقدیم، دیباچہ اور پیش لفظ کے بارے میں ۴؍ستمبر ۱۹۹۸ء کو ''نوائے وقت'' کے ادبی صفحے پر عزیز مکرم عمران نقوی کے اہتمام سے چند اہلِ فکر و نظر کی آرا شائع ہوئی تھیں، بعد میں جناب پروفیسر سیف اللہ خالد نے دسمبر ۱۹۹۸ء میں ''دیباچے سے فلیپ تک'' ایک مختصر مگر وقیع تالیف شائع کی جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ قابلِ قدر ادبی روایت کن مراحل سے گزرتی ہوئی نقد و نظر سے ستائش و نیائش تک پہنچی اور کن کن مدارج سے گزر کر یہ اندازِ تعارف، روایت سے رواج اور تنقید سے تزئین☆[1] تک جا پہنچا حق یہ ہے کہ آج یہ تقدیم و تقریظ تعارف سے کہیں زیادہ تعریف بن چکی ہے اور اس کی آڑ میں بونے بزعمِ خود قدآور، خود غلط، املا غلط، انشا غلط، اپنی فکر میں ابوالکلام اور رگ گل سے بلبل کے پر باندھنے والے باتخلص حضرات اپنے خیال میں میرتقی میرؔ بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک کہہ رہا ہے کہ

ساختہ ام خامہ ز بال پری

اور ہر قلم کار کو یقین ہے کہ

نہم غازہ بر رخِ مہر و ماہ

اس معکوس اسلوبِ تحسین نے شعر و ادب کے ارتقائی حسن کو کجلا اور سنولا دیا ہے۔ آج کا ادیب و شاعر مشورہ اور اصلاح کو شخصی توہین سمجھتا ہے۔ نتیجہ معلوم (الا ماشاء اللہ) کہ نہ کسی ذہن کی فکر دل کشا ہے، نہ کسی قلم کا خرامِ ناز گلفشاں اور نہ کسی قاری کا شوقِ مطالعہ رواں دواں:

جسے سن کے روح مہک اُٹھے، جسے پی کے درد چہک اُٹھے
ترے ساز میں وہ صدا، ترے مے کدے میں وہ مے نہیں

D:NaatRang-17
File: 5-Iqbal
Final

کہاں اب وہ موسمِ رنگ و بو کہ رگوں میں بول اُٹھے لہو!
یوں ہی ناگوار چبھن سی ہے کہ جو شاملِ رگ و پے نہیں

وقت کی سوچ یہی ہے کہ دورِ حاضر کے دیباچے:

☆ کسی تصنیف کی حیثیت و وقعت متعین نہیں کر رہے
☆ صرف تعریف و تحسین ہے اور وہ بھی خیالی انداز میں
☆ پوری کتاب پڑھ کر رہنما انداز کا فکری دیباچہ لکھنے کے لیے نہ کسی کے پاس وقت ہے نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔
☆ دیباچے محض ''ڈنگ ٹپاؤ'' اور فلیپ ''کام چلاؤ'' ہیں۔
☆ ان میں صرف مداحی ہے اور وہ بھی کم و بیش غیر مدلل
☆ یہ دیباچہ نگاری ''ادبی کمرشلزم'' ہے۔
☆ یہ تحسین طلبی کا مکروہ کاروبار ہے۔
☆ یہ ذرّوں کو خورشید اور زیرو کو ہیرو بنانے کی قلمی کوشش ہے۔
☆ یہ کارِ ثواب نہیں بلکہ ادبی گناہ ہے۔
☆ قاری کی ذہنی صلاحیتوں کو جکڑنے اور تجزیاتی خوبیوں کو زنجیر کرنے کی ایک شعوری کوشش ہے۔
☆ بعض دیباچے خود بولتے ہیں کہ یہ زور و زر سے لکھوائے گئے ہیں۔
☆ یہ ''سفارشی رقعے'' ہیں اور دیباچہ نگار ''ادبی منڈی کے ٹھیکے دار''
☆ دیباچہ نگاری کا کاروبار ایک ''وائرس'' کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

نتیجہ معلوم کہ

☆ دیباچہ نویس حرف و حکایت کا سارا حسن بھی جمع کر لے اور ممکن ہو تو آفتاب کے اوراق پر کرنوں کے الفاظ سے مدح و ستائش کی عبارتیں بھی لکھ لے، یا ماہتاب کی لوح پر تعریف و توصیف کے نگینے بھی جڑ لے، تب بھی نفسِ ممدوح مطمئن نہیں ہوگا۔

جب کہ

☆ تخلیق خود بولتی اور اپنا مقام متعین کراتی ہے۔

حق یہ ہے کہ

دیباچہ نگاری انتہائی محنت طلب کام ہے، اس میں حوالوں کے ساتھ خوبیوں کا اظہار اور دلیلوں کے

ساتھ خامیوں کی نشان دہی مطلوب و مقصود ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں جن لوگوں نے مخلصانہ اور محققانہ اُسلوب کے ساتھ دیباچہ نگاری کی آج اُن کی تحریریں خود تنقیدی مقالے اور ادبی شاہ پارے بن چکی ہیں... جس طرح قوتِ نمو سے سرشار پودا، کسی بیساکھی کے بغیر اپنی نمود کا سفر آغاز کرتا اور پہاڑی چشمہ اپنا رستہ خود تراشتا ہے اسی طرح اعلیٰ اور مصفّا تخلیق کو بھی اپنے سبھاؤ اور بہاؤ کے سلسلے میں آزاد ہونا چاہیے... چناں چہ معقول تراوش یہ ہے کہ اُسے دیباچے اور فلیپ کے لاحقوں سے نجات دلائی جائے۔☆[۲]

اللہ تعالیٰ نے جن شخصیات کو ذوقِ سلیم سے نوازا ہے، جن کے قلم کو حق نویسی کی توفیق دی ہے اور جن کے ضمیر کو احساس کی لَو بخشی ہے وہ حتیٰ الامکان دیباچہ نگاری سے بچتے ہیں، چناں چہ ۱۸۴۸ء میں منشی ہرگوپال تفتہ کے دیوان کی تعارفی سطور میں، غالبؔ، مطلوبہ توصیف کا حق ادا نہ کرسکے تو منشی ہرگوپال تفتہ نے اپنے مکتوب میں شکوہ کیا اور غالبؔ نے جو جواب دیا وہ جواب بھی ادب کی تاریخ میں محفوظ ہے۔ غالبؔ لکھتے ہیں:

> کیا کروں، اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا، وہ روش، ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھائیوں کی طرح بکنا شروع کر دیں، میرے قصیدے دیکھو، تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے اور مدح کے شعر کم تر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ اُن کی مدح کتنی ہے؟ مرنا رحیم الدین بہادر حیاؔ تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو، وہ جو تقریظ دیوانِ حافظؔ کی بہ موجب فرمائش جان جاکوب بہادر کے لکھی ہے اسی کو دیکھو کہ فقط ایک بہت میں ان کا نام اور ان کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی مطالب ہیں۔ واللہ باللہ! اگر کسی شہزادے یا امیرزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو اس کی اتنی مدح نہ کرتا، جتنی تمھاری کی ہے۔☆[۳]

ماضی قریب میں جب جناب محمد طفیل نے اپنی کتاب ''صاحب'' کے لیے پطرس بخاری سے دیباچہ نگاری کے لیے کہا تو انھوں نے جواب دیا:

D:NaatRang-17
File: 5-Iqbal
Final

> آپ کا پیغام ملا، مگر یہ میرے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ ہاں کرتا ہوں تو ڈر ہے کہ مری تحری کی جنبش سے اگر آپ کی دل آزاری ہوئی تو

مجھے نفلوں کا ثواب ملے گا، انکار کرتا ہوں تو نہ یہ خوش مذاقی کی ذیل میں آتا ہے اور نہ شرافت کی ذیل میں۔ اگر آپ دل کو کڑا کرلیں اور میں جو کچھ آپ کی کتاب پر لکھ دوں، اُسے قبول کرلیں تو بے شک پروف بھیج دیں۔☆۴

مگر المیہ یہ ہے کہ آج کوئی بھی دل کی بات زبان پرنہیں لاتا۔ کم و بیش ہر صاحبِ قلم بوجوہ یہ ''ادبی گناہ'' کیے جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیباچے خوب صورت ہیں مگر کتابیں:

بے چہرہ لوگ چہرہ دکھانے کے شوق میں
آئینے ڈھونڈ لائے ہیں حیرت کہاں سے لائیں؟

یوں دیباچہ نگاری کا یہ سارا کاروبار محض خوشامد اور تملّق تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ لکھنے والا خوب جانتا ہے (الاماشاء اللہ) کہ جو وہ لکھ رہا ہے جھوٹ ہے مگر سننے والا اُسے سچ سمجھتا ہے۔ یوں کانوں اور آنکھوں کے ذریعے فربہ ہونے کا مرض متعدی ہوچکا ہے جو خوشامد میں گھر جاتا ہے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنے کانوں سے سننے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے اور... دل کی جس قدر بیماریاں ہیں ان میں سب سے زیادہ مہلک خوشامد کا اچھا لگنا، جس وقت کہ انسان کے بدن میں ایسا مادّہ پیدا ہوجاتا ہے جو وبائی آب و ہوا کے اثر کو جلد قبول کرلیتا ہے تو اسی وقت انسان مرضِ مہلک میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جب کہ خوشامد کے اچھا لگنے کی بیماری انسان کو لگ جاتی ہے تو اس کے دل میں ایسا مادّہ پیدا ہوجاتا ہے جو ہمیشہ زہریلی باتوں کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے جس طرح کہ خوش گلو گانے والے کا راگ اور خوش آیند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے۔ اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو ایسا پگھلا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چبھنے کی جگہ اس میں پیدا ہوجاتی ہے۔☆۵

یہ عیاں ہے کہ دیباچہ نگار بھی احساسِ تفاخر کا شکار ہیں گویا وہ خود خوشامد کرانے میں مصروف ہیں اور ''دیباچہ طالبان'' تحسین طلبی کے مرض میں مبتلا... دیباچہ نگاروں کو کون سمجھائے کہ

قصیدوں پر قصیدے لکھ رہے ہو بے دماغوں کے

اور کون انھیں بتائے کہ کتاب دیکھ کر یا پڑھ کر خود دیباچہ نگار کا ''مبلغِ علم'' مشکوک ہوکر رہ جاتا ہے اور اس حقیقت کا انحصار بھی ضروری ہے کہ اکثر دیباچہ نگار خلوت میں اپنی ہی تحریر کو ایک ''معاشرتی مجبوری'' قرار دے کر کتاب اور صاحبِ کتاب کی خامیاں گنواتے ہیں۔ قول و فعل کا یہ

بُعد، شائستگیٔ اخلاق کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے جب کہ قلب اور قلم کی ہم آہنگی ہی شخصی وقار اور ادبی اعتبار کی علامت ہے:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

میرے ایک فاضل دوست دیباچے تو لکھ رہے ہیں مگر ایک الگ کاغذ پر ''ذاتی توجہ'' کے عنوان سے خامیوں کی نشان دہی بھی فرماتے ہیں۔ یوں مداہنت اور منافقت کا ادبی دھندا ساتھ ساتھ رواں دواں ہے:

عجب غبار کے سائے میں آگئی دنیا
نہ روشنی سے نبھائے، نہ تیرگی چاہے

دورِ حاضر کے دیباچے ''فی البدیہہ'' نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس مصروف ترین زندگی میں کس ''عظیم ادیب'' کے پاس کسی نوآموز اور مبتدی کی تخلیقات پڑھنے، جانچنے اور پرکھنے کی فرصت ہے؟ جب کہ دیباچہ نگاری نقد و نظر کی دنیا کی ایسی صنف ہے جس میں کسی کتاب کو ڈوب کر پڑھنا بھی پڑتا ہے، جانچنا بھی اور پرکھنا بھی۔ محض ستائشی نثر پارے، کسی بے جان تحریر کو کب تک آکسیجن مہیا کر سکتے ہیں؟... نہ حرف موتی ہو سکتے ہیں، نہ ڈھیلے کندن بن سکتے ہیں۔ اگر قصیدے کسی انسان کو سہارا دے سکتے تو بہادر شاہ ظفرؔ کے متعلق ذوقؔ نے جو قصیدے لکھے ہیں اُن کے الفاظ اتنے پُرشکوہ اور عظیم ہیں کہ واقعی بہادر شاہ ظفرؔ جہاں پناہ ہوتے لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا کہ وہ خود پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔☆[۲]

تحسین و توصیف اور تقدیم و تقریظ کا یہ انداز حرمتِ حرف کی جان کنی ہے۔ یہ فریبِ نفس ہے۔ یہ معصیتِ ضمیر کا چلتا پھرتا اشتہار ہے۔ یہ ادبی سرطان اور فکری طاعون ہے اور یہ ایک بے غبار صداقت ہے کہ اسلام اس نوع کے متعفن ادبی دھندے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس لیے نعت نگاری اس نوع کے تملقانہ رویوں کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی زبانِ صدق اظہار نے واضح طور پر فرما دیا کہ

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دوسرے کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ وہ تعریف میں بڑا مبالغہ کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ''تم نے اُسے ہلاک کر ڈالا یا یہ فرمایا کہ تم نے اس شخص کی گردن توڑ دی۔'' (متفق علیہ)

☆ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا ذکر نبی ﷺ کے سامنے کیا گیا۔ ایک دوسرے شخص نے اس کے بارے میں بڑی اچھی اچھی باتیں کرکے تعریف کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ''تیرا ستیاناس ہوجائے تو نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ کر رکھ دی۔'' اور یہ بات آپ ﷺ کئی مرتبہ فرماتے رہے کہ اگر کوئی کسی کی لامحالہ تعریف ہی کرے تو اُسے کہنا چاہیے کہ میرا ایسا ایسا خیال ہے۔ اگر وہ اُسے ویسا ہی دیکھے اور اللہ خوب جانچنے والا ہے اور اللہ کے مقابلے میں کسی کی پاکیزگی کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔ (متفق علیہ)

☆ حضرت ہمام بن حارثؓ، حضرت مقدادؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عثمانؓ کی تعریف کرنے لگا۔ پھر مقدادؓ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھے اور اس کے منہ میں کنکریاں بھر کر ڈالنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا یہ کیا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم بڑے ہی تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔ (مسلم)

☆ حضرت جندبؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نیک کام لوگوں کو سناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی نیتِ فاسدہ لوگوں کو سنائے گا اور جو اپنی نیکیاں لوگوں کو دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عذاب (روزِ قیامت) لوگوں کو دکھائے گا۔ (بخاری)

''منہ میں مٹی ڈالنا'' نبی کریم ﷺ نے محاورتاً استعمال فرمایا ہوگا مگر بھلا ہو حضرت مقداد بن اسودؓ کا کہ انھوں نے اتباعِ رسول ﷺ میں محاورے کو ''روزمرہ'' بنا دیا کہ منہ پر تعریف، ممدوح کو مغرور و متکبر بنا دیتی ہے جب کہ کبریائی ایک ہی ذات کے لیے اور اُسی کو زیب دیتی ہے...علما نے کسی شخص کی تعریف کرنے کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے یہ قسم وہ ہے جس کی ممانعت منقول ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی کی غائبانہ تعریف کی جائے لیکن خواہش یہ ہو کہ اس کو اس تعریف کی خبر ہوجائے۔ یہ قسم بھی ایسی ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور تیسرے یہ کہ کسی کی غائبانہ تعریف کی جائے اور اس کی مطلق پروا نہ ہو کہ اس کو اس تعریف کی خبر پہنچے گی یا نہیں، نیز تعریف بھی ایسی کی جائے جس کا وہ واقعتاً مستحق ہے۔ یہ قسم ایسی ہے جس کی اجازت دی گئی ہے اور کسی شخص کی اس طرح کی تعریف میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔☆۷

اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ راقم الحروف بھی دیباچہ نگاری اور تقریظ نویسی میں خوب صورت لفظوں، مرصّع جملوں اور برمحل شعروں کی توصیف شطرنج بچھاتا رہا ہے، جب اُسے صورتِ حال اور فرامینِ رسالت ﷺ کا علم ہوا تو وہ محتاط ہوا۔ اور حتیٰ الوسع ایسے تقاضوں کو ٹالنے کی

کوشش کرتا رہا۔ اس ضمن میں ایک حقیقی واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ میرے ایک قابلِ احترام دوست ہیں۔ اُن سے تعلق بہت پرانا ہے:

نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں

وہ قابلِ قدر شاعر اور خوش فکر نعت گو ہیں۔ انھوں نے اپنے نعتیہ کلام کے لیے دیباچے کی فرمائش کی۔ میں نے نبی کریم ﷺ کے فرمودات کی روشنی میں معذرت کی۔ انھوں نے اس قدر زچ کیا کہ میرے اعصاب جواب دے گئے۔ میں نے بارہا عرض کیا کہ ''خود ایک دو صفحے لکھ لیں اور نبی کریم ﷺ کے ارشادِ مبارک پرعمل کریں کہ یہ عمل خود ایک بہترین نعت ہے اور دیباچہ نگاری فی الواقع تحسین طلبی ہی کی ایک شکل ہے کیوں کہ وہ دیباچہ قابلِ قبول نہیں ہوتا جس میں نقائص اور لغزشوں کی نشان دہی کی گئی ہو اور دنیا ''خود پذیرائی'' میں اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ ''افعل التفضیل'' درجے کے ستائشی جملے میں انھیں اپنے مقابلے میں فروتر لگتے ہیں۔'' مگر وہ نہ سمجھے، اُن کا اصرار میرے انکار پر غالب آگیا، مجھے سپر ڈالنا پڑی اور قلم اُٹھانا پڑا۔ میں نے ارادتاً ضرورت سے زیادہ توصیف سے کام لیا کہ اردو زبان وصف بیانی میں خاصی فیاض اور سرمایہ دار ہے... اور آپ حیران ہوں گے کہ میری وہ تحریر دیگر دیباچوں کے ساتھ اشاعت پذیر نہ ہوسکی اور ستائش طلب مزاج نے اُس تحریر کو درخور اعتنا نہ سمجھا کہ اس میں نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا اشارتاً ذکر تھا۔ نتیجہ معلوم کہ نصف صدی کے مخلصانہ، برادرانہ اور بے تکلّفانہ تعلقات پہلے انتہائی کشیدہ ہوئے اور پھر انتہائی سنجیدہ ہوکر سمٹ گئے اور:

اِس جرم میں پہنچے ہیں سرِدار، کہ ہم لوگ
اُس قامت زیبا ﷺ کو بھلا کیوں نہیں دیتے

کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج کا ''مسودہ در بغل'' نعت گو، چند معروف ادبی شخصیتوں کے دروازوں پر بار بار دستک دیتا ہے، وہ ایک نگہِ غلط انداز کے بعد چند بندھے ٹکے جملوں کے ساتھ وقت ٹال دیتے ہیں، اُس کے بعد کتاب دوسرے درجے کی ادبی شخصیتوں کو اصرار کے ساتھ عطا کی جاتی ہے اور چند ہفتوں کے بعد انھیں فون پر بار بار پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے کتاب پڑھی ہے، کیسی ہے؟ اس پر ایک مضمون تو لکھ دیں۔ یہ اصرار بسا اوقات اہلِ قلم کے لیے ایک بوجھ بن جاتا ہے اور انھیں تعلق نبھانے کی خاطر دروغ کو فروغ کا رنگ دینا پڑتا ہے، جب کہ نعت ایک ایسی پاکیزہ اور نازک صنفِ سخن ہے کہ اس میں قلبی آمادگی بے ساختگی مطلوب ہے،

ضرورتاً، رسماً اور مجبوراً نعت لکھنا چاہیے اور نہ کسی کو اُس کے پڑھنے اور اُس کے بارے میں کچھ لکھنے پر مجبور کرنا چاہیے۔ یہ اس سلسلے میں اصرار اور انکار دونوں انسب نہیں ہیں۔ سچ یہ ہے کہ عزت انھیں ملتی ہے جن سے قبلِ اشاعت ''پیشوائیاں'' لکھوائی جاتی ہیں۔ کتاب چھپنے کے بعد اس پر کچھ لکھوانا، دراصل لکھنے والے کی توہین ہے کہ اُسے ماقبل ازیں اس قابل نہیں سمجھا گیا تھا۔ مگر شاعر ہے کہ کتاب کی طباعت سے قبل اور بعد محض تعریف و توصیف سمیٹنے ہی کے جنوں میں مبتلا ہے:

اس عہدِ خود سپاس کا پوچھو ہو ماجرا
مصروف آپ اپنی پذیرائیوں میں ہے

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اصغر گونڈویؒ کے مجموعۂ کلام ''سرودِ زندگی'' کے دیباچے کی ابتدا ہی درج ذیل سطور سے کی ہے:

احباب میری کوتاہ قلمی سے بے خبر نہیں، خصوصاً تقریظ کے معاملہ میں۔ لیکن بعض تقاضے ایسے ہوتے ہیں جن کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ ایسا ہی ایک تقاضا ان سطور کی نگارش کا باعث ہوا۔ یہ اگر صاحبِ کلام کا ہوتا تو میں حسبِ معمول معذرت کر دیتا، مگر خود کلام کا تقاضا ہے اور اس کے لیے میرے پاس کوئی معذرت نہیں۔

اور علامہ اقبالؒ، ''دیباچہ طالبان'' کو بقول چراغ حسن حسرتؔ ''یوں سزا'' دیا کرتے تھے:

کوئی شخص اُن سے سند یا کسی تصنیف پر ان کی رائے لینے آتا تو کہتے تھے خود لکھ لاؤ، میں دستخط کر دوں گا اور یہ بات صرف ٹالنے کی غرض سے نہیں کہتے تھے بلکہ جو کچھ کوئی لکھ لاتا اس پر دستخط کر دیتے تھے۔

واضح رہے کہ خوش بو کو کسی سفارش و ستائش اور اعلان و اشتہار کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو خود درزوں اور دروازوں سے در آتی اور مشامِ جاں کو معطر کر جاتی ہے۔ دورِ حاضر کی یہ کیسی خوش بوئیں ہیں کہ ساتھ ساتھ نقارے لیے پھرتی ہیں کہ ''میں خوش بو ہوں'':

دامنِ خوش بو پہ کیا کیا داغِ رُسوائی نہیں
اب تو کوئی شاخ پھولوں کی تمنائی نہیں

رونمائیاں

کتاب کی اشاعت کے بعد احتزازِ نفس اور شوکتِ ذات کا ایک اور مظاہرہ ابھی باقی

ہوتا ہے اور وہ ہے کتاب اور صاحبِ کتاب کی شہر بہ شہر اور کوچہ بہ کوچہ رونمائی کا، ایک لامتناہی سلسلہ، میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ شاعر اپنے بارے میں خود ہی مضمون لکھ کر، دوسروں سے پڑھواتا اور خود ہی مہمانِ خصوصی بن کر انھیں سنتا اور ایک بار تو یہ بھی دیکھا کہ صاحبِ کلام اپنے گلے میں ڈلوانے کے لیے ہار بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور ساتھ ہی لے گئے تھے کہ

داشتہ آید کہ بہ کار

یہ خود کو منوانے ہی کا جنون ہے جس نے کتابوں کی رُخ نمائیاں اور خصوصی مجلّوں کی اشاعت کو جنم دیا ہے یہ ذاتی نمود و نمائش ہی ہے جس نے دوسروں سے اپنی تعریف سننے کی آرزو کو غذائیت کی ہے اور شہرت کا تمنائی، خوشامدی کے منھ میں مٹی ڈالنے کے بجائے اس کا منھ گھی اور شکر سے بھر رہا ہے اور خود بذریعہ گوش فربہ ہو رہا ہے۔ نقد و نظر کی دنیا میں ان رونمائیوں کا کوئی مقام نہیں اور ستائشِ باہمی کی انجمنیں بے حقیقت ہیں۔ ایسی تقاریب ''ادبی سہرا بندیوں'' سے زیادہ وقیع نہیں ہیں ایسے نعت گو حضرات بھول جاتے ہیں کہ ''لوگوں سے تعریف کرانے کا شوق انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے'' اور غالباً یہی مفہوم ہے۔

اُس فرمانِ واجب الاذعان کا، جو اس مبارک زبان سے نکلا ہے جو کھلتی ہی صداقتوں کے لیے تھی۔ افسوس یہ ہے کہ دورِ حاضر خلوص سے تہی ہے اور المیہ یہ ہے کہ ہم لوگ ''دوہرے معیاروں'' کا شکار ہیں:

معنی میں معدوم، تحریریں بہت   ہے عمل مفقود، تقریریں بہت
بغض دل میں، منھ پہ تعریفیں بہت   کفر دل میں، لب پہ تکبیریں بہت
ایک اہلِ درد ہی ملتا نہیں   ورنہ دردِ دل کی تدبیریں بہت

اچھی تحریر کی حوصلہ افزائی ضروری ہے اس کے لیے مضمون لکھیے کہ اُن کی اشاعت کے لیے اخبارات و رسائل موجود ہیں۔ دُکھ کی بات یہ ہے کہ آج مصنف یا شاعر ہی کتاب پر اپنے ہی قلم سے ستائشی تبصرے لکھتا اور انھیں چھپوانے کے لیے در بہ در رُسوا ہوتا ہے۔ البتہ مرحوم شخصیات کے نام اور کام کو جس قدر بھی خراجِ تحسین پیش کیا جائے وہ کم ہے مگر ہم تو ''سانس لینے والے مُردوں'' کی پرستش میں اس قدر از خود رفتہ ہیں کہ ویران مزاروں کے لیے ہمارے پاس دو آنسو بھی نہیں ہیں:

سرا بے کہ زشند بہ ویرانہ خوشتر
ز چشمے کہ پیرایۂ نم نہ دارد

D:NaatRang-17
File: 5-Iqbal
Final

کسی کتاب پر حقیقی تبصرہ بسا اوقات کتاب لکھنے سے بھی کہیں زیادہ جانکاہ ہوا کرتا ہے، معتدل اور نقد ونظر سے قاری اور مصنف ہر دو کے لیے فکر و دانش کے ایوان کھلا کرتے ہیں اور جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ ماضی کے دانش وروں کے تبصرے خود ایک مستقل کتاب اور قابلِ قدر حوالہ بن جایا کرتے تھے۔ اگر علوم میں کسی کتاب کا تعارف ضروری ہی ہو تو اس موقع پر خود مصنف اور شاعر کو بلا کر شرمسار، زیربار اور گنہ گار نہیں کرنا چاہیے۔ خلوص کا یہی تقاضا ہے، ویسے بھی اچھی کتاب خود بولتی ہے اور اُسے کسی ترجمانی کی ضرورت نہیں ہوتی، کتنی ہی کتابیں ہیں جن کی روز رونمائیاں ہوتی ہیں اور اُن میں سے کتنی ہیں جن کے نام ہمیں یاد ہیں؟ دوسری طرف اقبال کی کس کتاب کی رونمائی ہوئی تھی جب کہ پطرس کی ایک مختصر سی کتاب کسی بھی رونمائی کے بغیر زندہ و پایندہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مقام پر ''الہلال'' میں لکھا تھا:

> انسان پرستی کا یہ نتیجہ ہے کہ بالعموم طبیعتیں مدح وتحسین کی عادی ہوگئی ہیں، نکتہ چینی اور نقد و اعراض کی متحمل نہیں ہوسکتی، ہر شخص مخاطب سے اگر کوئی قدرتی اُمید رکھتا ہے تو وہ یہی ہے کہ مدح ومنقبت کا ترانہ اور بادۂ تحسین وآفرین کی پے در پے بخشش سے ساقی کا ہاتھ تو کبھی نہ تھکے۔

تعریف وتحسین کے ضمن میں، درج بالا فرامینِ رسالت ﷺ کی روشنی میں رونمائیوں کی تقاریب رچانے اور اُن میں شامل ہونے کے بارے میں ہمیں اپنے طرزِ عمل پر نظرِثانی کرنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والے جملوں کی صداقت ابدی ہے کہ نبی، روزِ آغاز ہی سے عملی اور فکری طور پر مقامِ تکمیل پر ہوتا ہے اس لیے اُس کا طرزِ عمل شرفِ انسانی کے لیے آخری معیار قرار پاتا ہے... اور پھر صداقت نام ہے، صادق ﷺ تک پہنچ جانے کا اس ذات تک انسان پہنچ جاتے تو جملہ صداقتیں خود بخود راستے کا نور بن جاتی ہیں اور صادق کے خلاف جانے والا ہر راستہ گم رہی پر منتج ہوتا ہے کہ صادق ﷺ سراپا الہام ہے اور ہم سراپا ابہام۔ اگر ہم سچے مسلمان بننا چاہتے ہیں تو ہمیں خودستائی اور خودفریبی کے یہ انداز چھوڑنا ہوں گے اور پندار و تفاخر کے کبھی سبھی بت کدوں کو ویران کرنا ہوگا، خواہ اُس میں نفسِ انسانی کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو کہ بت کدے سے اذان کی آواز... بغیر اس کے ڈھائے ہوئے، آج تک کسی نے سنی ہے؟ نفس کی چاہتیں اور لذتیں ہمیں انتہائی مرغوب ہیں اور ہم اُن سے اس حد تک مرعوب کہ اُن کے مقابل نصوصِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ، بھی (خاکم بدہن) غیر معتبر ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ

نفسانی حلاوتیں دلوں میں جڑ پکڑ چکی ہیں، اہلِ نظر کہتے ہیں کہ اگر ان لذتوں نے ابھی دل میں گھر نہ کیا ہو تو ایمان و اطاعت اور توبہ و استغفار سے نجات مل سکتی ہے، مگر جب یہ پختہ تر ہوجائیں تو فضلِ الٰہی ہی دلوں کو بدل سکتا ہے۔ اُلوہی التفات کا رُخ ہماری طرف تبھی مڑے گا جب ہم بھی کچھ نہ کچھ مائل بہ اصلاح ہوں گے۔ سوئی کے اندر قرب کی آرزو ہوگی تو مقناطیس خود اُسے آغوش میں لے لے گا۔ ''تو'' کے لیے ''میں'' کی قربانی ضروری ہے اور... سب سے زیادہ خوش قسمت انسان وہ ہے جو بے نیازِ آرزو ہو اور جس کی اپنی منشا، منشائے ایزدی کے تابع ہو:

مجھے خاک میں ملا کر، مری خاک بھی اُڑا دے
ترے نام پر مٹا ہوں، مجھے کیا غرض نشاں سے

باتصویر تحریر و تقریر

دورِ حاضر کے نعتیہ مشاعروں میں نہ صرف باجماعت نمازیں قضا ہوتی ہیں بلکہ تصویر کشی کا بھی بطورِ خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور پھر ان محفلوں کو خوشنودیٔ رسول ﷺ کا نام دیا جاتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آج کل رسالوں کے نعت نمبر نعتوں کے ساتھ ساتھ نعت نگاروں کی تصاویر سے ''مزین'' ہونے بھی شروع ہوگئے ہیں جن میں خواتین نعت نگاروں کی تصاویر بھی ہوتی ہیں۔ تصویر اور بے پردگی کے عام ہوجانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ احکامِ ربانی اور فرامینِ رسالت مآب ﷺ ''آؤٹ آف ڈیٹ'' ہوچکے اور اپنی آفاقیت کھو چکے ہیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ ایک تاریخی واقعہ یوں نظم کرتے ہیں نہیں معلوم کہ لوگ بے حجابی کا جواز کہاں سے لے آتے ہیں:

در مصافے پیشِ آں گردوں سریر — دخترِ سردارِ طے آمد اسیر
پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بو — گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چوں نبی ﷺ بے پردہ دید — چادرِ خوش پیشِ روئے او کشید
ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم — پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم

تصویر اشد اور ناگزیر ضرورت کے لیے ہے۔ اگر آج حرمِ کعبہ اور حرمِ نبوی ﷺ کے مناظرِ قیام و قعود اور رکوع و سجود، ہوائی لہریں گھر گھر دکھا رہی ہیں تو اس سے تصویر کا جواز پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس سے نبی کریم ﷺ کی تصویر کے بارے میں ناپسندیدگی کو پسندیدگی کی سند مل سکتی ہے۔ پوری کائنات مل کر بھی حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے درج ذیل فرمودات کا مفہوم اور

D:NaatRang-17
File: 5-Iqbal
Final

مقاصد بدلنے کی جسارت نہیں کرسکتی:

☆ حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔ اور نہ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں کتا ہو۔'' (بخاریؒ و مسلمؒ)

☆ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے جس پر تصویر ہو اور آپ ﷺ اس کو توڑ نہ ڈالتے ہوں۔'' (بخاریؒ)

☆ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے (ایک مرتبہ) ایک ایسا تکیہ خریدا جس پر تصویر تھی۔ چناں چہ رسول کریم ﷺ نے جب اس تکیہ کو دیکھا تو دروازے پر رُک گئے اور حجرہ میں داخل نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے اثرات کو بھانپ گئیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ ﷺ میں نافرمانی چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی طرف متوجہ ہوتی ہوں، میں نے کون سا گناہ کیا ہے (کہ آپ ﷺ میرے حجرے میں داخل نہیں ہو رہے؟'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تکیہ کیسا ہے؟ اور تم اس کو کہاں سے لائی ہو؟ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے جواب دیا، ''میں نے اس تکیہ کو آپ ﷺ کے لیے خریدا ہے کہ اس کا سہارا لے کر بیٹھیں اور جس وقت چاہیں اس کو سر کے نیچے رکھ لیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (یاد رکھو) تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تصویریں تم نے بنائی ہیں ان میں جان ڈالو اور ان کو زندہ کرو، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، (اسی طرح انبیا و اولیا کے لیے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ تصویر والے گھر میں داخل ہوں)۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

☆ حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ''قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔'' (بخاریؒ و مسلمؒ)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''خدا کے ہاں سخت ترین عذاب کا مستوجب، مصور ہے۔'' (بخاریؒ و مسلمؒ)

☆ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تمھیں تصویر بنانے کی ضرورت ہی ہو تو درختوں یا کسی غیر ذی روح کی تصویر بنا لو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

آج کل ٹیلی وژن پر بن سنور کر آنے والے فضلا اور خواتین، کیا اس یقین کے ساتھ اپنی اپنی رونمائی فرما رہے ہیں کہ اُن کو دیکھنے والیوں اور دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں کو بند اور صرف کانوں کو کھول رکھا ہے۔ کیا اُن کے سامنے ابن اُمِ مکتومؓ سے متعلق واقعہ نہیں ہے؟

نعت کو سیکولر بنانے کی کاوشوں ہی کا نتیجہ ہے کہ ایسے نعتیہ مجموعے بھی عام ہیں جن میں گنبدِ خضریٰ کی تصویر کے مقابل نعت گو کی اپنی ''جگمگاتی تصویر'' دیکھنے والے کو ایک عجیب الجھن میں ڈال دیتی ہے، بقول داغؔ:

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

جناب حفیظ صدیقی کے خود نوشت دیباچے کا ایک اقتباس، جملہ نعت گو حضرات کے لیے ''لمحۂ فکر'' مہیا کر رہا ہے:

سو میں اپنے آپ کو ''خاک پائے محمد ﷺ'' سمجھتا اور دیکھتا اور اس تعلق کی پاسداری کے لیے قدم قدم پر اپنی بساط کی حد تک محتاط رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور زندگی میں ایسی ہر بات سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہتا ہوں جس سے تفاخر کا ذرا سا بھی پہلو نکلتا ہو یا اس کا معمولی سا امکان بھی دکھائی دیتا ہو۔ اسی جذبے کے تحت میں نعت کے حوالے سے بھی امکانی حد تک محتاط رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور یہ احتیاطیں بطورِ خاص رکھتا ہوں۔

☆۔ میں نعت لکھتے ہوئے (اور سنتے ہوئے بھی) سراپا عجز رہنے کی سعی کرتا ہوں۔

☆۔ نعت میں کبھی اپنا تخلص استعمال نہیں کرتا اور ہر ممکن طریقے سے شاعرانہ تعلّی سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔

☆۔ میں اپنی نعت کی کسی بھی کتاب میں اپنی تصویر یا اپنے شخصی تعارف کی شمولیت روا نہیں سمجھتا۔

☆۔ میں اپنی نعت کی کتاب کے لیے کسی بھی صورت میں کوئی دیباچہ، پیش لفظ، تقریظ، تعارف یا فلیپ وغیرہ لکھوانے اور کتاب میں شامل کرنا

D:NaatRang-17
File: 5-Iqbal
Final

مناسب نہیں سمجھتا۔☆۸

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیثِ پاک کہ ''مومن کی مداح اس کے منہ پر کی جائے تو اس کا ایمان ترقی کرتا ہے۔ ''مومن'' کے لیے وہ مدح کا فی الواقع اہل ہوتا ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ثنا پسند فرماتے ہیں اس لیے بندے کو بھی ''مدح جو'' ہونا چاہیے۔ضروری نہیں کہ ہر خصوصیتِ ربانی، بندے کے لیے بھی خاص ہو۔ ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم یوں ہے کہ:

> تکبر میری چادر ہے اور بزرگی میرا ازار ہے، جو بندہ ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اُسے توڑ ڈالوں گا۔

گویا کبریائی اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتی ہے۔ مدح و ستائش ایک عام انسان کو بھٹکاتی، ایک سالک کو بہکاتی اور ایک صاحبِ دل اور پختہ فکر انسان کو یقین وطمانیت کی دولت سے سرشار کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ دل سوزی کے ساتھ خود بھی رفعتوں کی طرف لپکتا ہے اور گرے ہوؤں کی دست گیری بھی کرتا ہے۔ گویا مدح کا اہل، مدح سن کر ایک سالم مشک کے مانند معمور اور مشک فشاں ہوتا ہے اور کم ظرف پھٹی ہوئی مشک ہے کہ اُسے ''بادِ دروغ'' بھی فروغ آشنا نہیں کرسکتی۔

انکسار، افتخارِ نعت گوئی

نعت کو مدح و ستائش کی قباحتوں سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد، حضور ﷺ ہر تعریف کے مستحق ہیں وہاں تو مدحت کا حق ادا ہی نہیں ہوسکتا۔ توصیف نکلتی ہے تو خود جلوے اس قلم کا طواف کرتے ہیں۔ نعت بہار آفرین کیفیتوں کی امین ہے۔ اس ذکرِ حسین کے فیض سے شبِ غم کی سحر ہوتی ہے۔ اسی باعث صبحیں، غبارِ نور میں ملبوس آتی، شامیں شفق کے پیرہن میں مسکراتی اور راتیں ستاروں کی ضو میں جگمگاتی ہیں۔

نعت سرائی کی دنیا میں قلم اپنی تمام اُڑانوں، زبان اپنی تمام ندرتوں، اظہار اپنی تمام رعنائیوں اور خیال اپنی تمام رفعتوں کے باوجود حق مدحت کی ادائی سے قاصر ہے وہاں تو جبریل کی تائید ہی سے بات بنتی ہے جہاں حق ہی ادا نہ ہو رہا ہو وہاں فخر و کبر کا گزر کیسے ہوگا؟... اور پھر نعت تو وہ پاکیزہ صنفِ سخن ہے جس نے قلم اور زبان کو سچ کی عظمتوں سے آشنا کیا ہے۔ یہ خیال

غلط ہے کہ شعر میں مبالغے ہی سے تاثر پیدا ہوتا ہے حق یہ ہے کہ سچ اور تاثر لازم وملزوم ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دل سے اُبھرنے والی بات، دل میں نہ اُترے

زبانِ رسالت ﷺ نے خوشامدان اندازِ تخاطب، مبالغہ آمیز طریقِ مدحت، لاحاصل حسرتوں کی شاعرانہ عکاسی اور تعلّیانہ خود نمائیوں سے منع فرمایا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی مدحت کے شاعرانہ اظہار کے لیے حضرت حسانؓ اور دوسرے مومن شعرا کو نہ صرف ترغیب وتشویق دی بلکہ ان کے فکر کی بلند پروازی اور اظہار کی جامعیت کے لیے دعا بھی فرمائی کہ انھیں اس میدانِ سخن میں روح القدس کی تائید حاصل رہے۔ یہ مدحت جسے ہم اصطلاحاً نعت کہتے ہیں اس کی سماعت کا اہتمام ممدوح خود فرماتے رہے۔ نعت، قصیدہ نہیں ہے قصیدے سے ممدوح میں کبر وغرور ایسی احمقانہ خصوصیات اُبھرتی ہیں کیوں کہ وہ ان خوبیوں سے تہی ہوتا ہے جن کی عکاسی قصیدہ نگار کا قلم کرتا ہے۔ نعت میں اس ذاتِ اقدس کی ثنا مقصود ہوتی ہے جو ہر نوع سے مکمل، ہر لحاظ سے احسن اور ہر اعتبار سے اجمل ہے جس میں صوری اور معنوی جمال حدِ کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہیں۔ جو علمی گہرائیوں اور عملی رفعتوں کی ایک ایسی کہکشاں ہے کہ اس کے انوار، جملہ ادوار کی ہر ظلمت کو اُجالنے پر قادر ہیں۔ خدا کے بعد ہر تعریف انھی کے لیے ہے۔ چوں کہ اللہ نے ان کے ذکر کو بلند رکھا ہے اس لیے نعت کا پھلنا، پھولنا اور پھیلنا، منشائے فطرت ہے۔ حضور ﷺ جب اپنی تعریف سماعت فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے اکرام وعنایات کے لیے ان کی ہر سانس، عجز و نیاز کے سانچے میں ڈھل کر، سراپا عبادت بن جایا کرتی تھی۔ جب ہر آن عطا کرنے والی ذات بے ہمتا کا تصور روبرو ہوتو کسی ذاتی فخر و ناز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ نعت سرائی کفار شعرا کی گستاخانہ ابہام طرازیوں کے رد کے لیے لازم تھی اور دین حق کی اشاعت اور داعی حق کی عظمت کے اعلان کا ایک پاکیزہ ذریعہ تھی کہ وہ دور شخصی کارناموں کو جمالیاتی دل پذیریوں کے ساتھ شعر بنا کر کعبے میں لٹکانے کا تھا شاعر، زمین کو جتنا زیادہ آسمان بنانے کی سعی کرتا تھا اتنا ہی مستحق ستائش قرار پاتا تھا، حضور ﷺ نے نعت گوئی کی ترغیب دے کر ایک طرف کفار کی شاعرانہ شرارتوں کا رد فرمایا تو دوسری نوائے شعر کو واقعیت کا وہ حسن دیا کہ آج بھی نعت کہتے شاعر لرزتا ہے کہ کہیں قلم کی ہلکی سی لغزش، خیال کی ادنیٰ سی چوک اور الفاظ کے انتخاب کی غیر محسوس سی بے احتیاطی بھی، ایمان کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ نعت گوئی کے چشمے حبِ رسول ﷺ سے پھوٹتے ہیں اور یہ محبت دلیل ایمان ہے اور آج نعت گوئی کی دورِ رسالت

مآب ﷺ سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ اس وقت تو خود شارعِ اسلام ﷺ کی ذات پر انوار تمام تر فیوض و برکات کے ساتھ علم و حکمت اور تاثر و تزکیے کے لیے ہمہ وقت موجود و آمادہ تھی۔ صرف کچھ پا لینے اور عطا کرنے والے تک پہنچ جانے کی ہلکی سی آرزو مقصود تھی۔ پھر طالب مطلوب کی طرف خود کھنچ کے رہ جاتا تھا...آج وقت اور دلوں کے فاصلے بڑھ گئے ہیں آج غیر تو غیر ہیں، اپنے بھی دریدہ دہنی، گستاخ بیانی اور نکتہ چینی سے خود کو ہنود و یہود کی معنوی اولاد ثابت کرنے کی سعی کرتے رہتے ہیں اور یوں اپنی قلبی خباثتوں اور ذہنی کثافتوں کے افشائے عام کو اپنا نشانِ امتیاز بنائے ہوئے ہیں، حال یہ ہے کہ:

رات کے تاریک سناٹوں کی پیداوار لوگ
مے کدوں میں سیرتِ خیرالبشر ﷺ پر نکتہ چیں

ایسے میں نعت سرائی وقت کی ایک اہم ضرورت ہوجاتی ہے مگر اس میں احتیاط کی ضرورت اس لیے ہے کہ کہیں ہماری بے لگام عقیدت، بے سند نغمہ سرائی اور بدعت آمیز وصف گوئی، خود گستاخانِ رسول ﷺ کے لیے حوالے کی چیز نہ بن جائے۔ بقولِ عرفیؔ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنا ہے اس لیے قلم قلم اور لفظ لفظ احتیاط کی متقاضی ہے:

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے، ثنا سے پہلے

لفظی خوش نمائی اور اعمال کی سیہ دلی

محبت اور غیرت لازم و ملزوم ہیں۔ محبت اگر غیرت سے تہی ہے تو وہ ایک لفظ ہے بے معنی، ایک جسم ہے بے روح اور ایک خاکہ ہے بے رنگ۔ اگر ہم لفظی اور شعری طور پر حبِ رسول ﷺ کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جب ناموسِ رسالت مآب ﷺ کے تحفظ کے لیے سر کٹانے اور جان دینے کا وقت آتا ہے تو پہلوتہی کر جاتے ہیں تو یہ دعویٰ، منافقت ہی کی ایک شکل ہوگا۔ صحابہ کرام ﷺ کہ وہ ہماری زندگی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشن ستاروں کے مانند ہیں...زبانی دعووں سے نہیں بلکہ اپنے لہو سے عرب کی تپتی ہوئی ریت پر نعت کے مقطعے لکھا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ صرف خراجِ عقیدت نہیں بلکہ خراجِ اطاعت لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ محبت کی غیرت، سر کا نذرانہ، پہلے قدم پر پیش کیا کرتی ہے:

سر بیچ کر متاعِ دل و جاں خریدنا
سودا ہے وہ کہ جس میں خسارہ کوئی نہیں

اطاعت کے بغیر محبت اور عمل کے بغیر ایمان کا ہر تصور فریبِ نفس ہے۔ خود کو مسلمان، مسلمان کہنے سے انسان مسلمان نہیں بنتا، جب تک اس کا عمل، اس کے ایمان کی تائید نہیں کرتا۔ محض لفظوں کی خوش نمائی سے حبِ رسول ﷺ کے تقاضے پورے نہیں ہوا کرتے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ آج نعت کا دور ہے مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ ہر دور ہی نعت کا دور رہا ہے کہ صنفِ سخن ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ نعت، مخالفینِ اسلام کی لسانی گستاخیوں کے جواب کے لیے وجود میں آئی تھی۔ خود حضور ﷺ کی مبارک رضا اس میں شامل تھی اور اس کے خال و خط اور اسلوب و اصول بھی زبانِ رسالت ﷺ ہی نے متعین فرمائے تھے۔ مگر یہ ایک عجیب ستم ظریفی کہ دل آزار تحریریں بھی لکھی جاتی ہیں۔ وقت کے راجپالؔ نئے نئے لبادوں میں سامنے بھی آتے ہیں اور عصرِ نو کے رشدیؔ، ہنود و یہود کی سرپرستی میں دندناتے بھی رہیں اور حبِ رسول ﷺ کے دعوے دار محض نعت سرائی میں مصروف رہیں، ایسی نعت گوئی، قلم قلم اور حرف حرف منافقت ہے کہ اس میں محبت کا ادعا، غیرت کی چنگاری سے محروم ہے:

محبت خوب ہے غیرت مگر اس سے فزوں تر ہے

جناب واصف علی واصفؔ کے الفاظ میں:

> علما کے پاس خالی بیان ہے اور بیان برائے بیان ہے اور فقرا کے ہاں کیفیت ہے۔ حضورِ پاک ﷺ کی زندگی کی شرح کرنے والے سب لوگ حضورِ پاک ﷺ سے محبت کرنے والے نہیں ہوتے:
>
> حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی پر کتابیں لکھنا نہیں ہے عرفاں
> کہ ایک کافر کتاب لکھ کر نہ آج تک ہوسکا مسلماں
>
> کافروں نے بھی حضورِ اکرم ﷺ پر کتابیں لکھی ہیں، ہندو نے نعت کہی ہے، لیکن ہندو ہی رہا ہے۔ حضورِ پاک ﷺ کے دین کو ماننا، حضورِ پاک ﷺ کی ذات کو ماننا اور حضورِ پاک ﷺ کے خیال کو ماننا، کم لوگوں کے نصیب میں آیا ہے۔ اس لیے میں آج آپ کو ایک نئی بات بتا رہا ہوں کہ یہ ضروری نہیں کہ نعت کہنے والا محبت کرنے والا بھی ہو اور نعت سننے والا بھی ضروری نہیں کہ محبت والا ہو حالاں کہ نعت Pure محبت کا تحفہ ہے۔ یہاں پر بھی ملاوٹ ہوگئی ہے۔ نعت میں بھی ملاوٹ ہوگئی

D:NaatRang-17
File: 5-Iqbal
Final

ہے۔ جامیؒ محبت میں نعت کہے گا، رومیؒ محبت میں نعت کہے گا، کچھ اور لوگ بھی محبت میں کہیں گے، باقی لوگ الفاظ کی بھرتی کرتے جائیں گے۔ ایسا ہوا ہے کہ ایک آدمی ایک دور میں نعت کے خلاف تھا اور جب کوئی اسلامی زمانہ آیا تو نعت لکھنی شروع کر دی۔ لوگ حاکم وقت کے مطابق چلتے ہیں، نعت کا زمانہ آجائے تو نعت کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں پر حضورِ پاک ﷺ کا فیض ہو، جب وہ نعت کہتے ہیں تو وہ اور ہی نعت ہوتی ہے۔ شیخ سعدیؒ تین دن تک یہ تین مصرعے لے کر پھرتے رہے:

بلغ العلیٰ بکماله

کشف الدجیٰ بجماله

حسنت جمیع خصاله

اس سے آگے کوئی مصرع نہیں آتا تھا۔ وہ روتے رہے اور پھرتے رہے۔ پھر آپ کو حضورِ پاک ﷺ کا مشاہدہ ہوا، دیدار ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا آگے لکھو:

صلوا علیه و آله

تو یہ ہوتی ہے محبت کی بات۔ یہ الگ بات ہوتی ہے۔ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ یہ عطا ہوتی ہے۔ اگر اللہ مہربان ہوجائے تو حضورِ پاک ﷺ کی محبت مل جاتی ہے اور حضورِ پاک ﷺ کی مہربانی ہوجائے تو عبادت ملنا شروع ہوجاتی ہے۔ پس ان دونوں کی بات ہے۔ زمین سے اللہ کی طرف پیغام جاتا ہے لا الہ الا اللہ اور اوپر سے آواز آتی ہے۔ محمد رسول اللہ حضورِ پاک ﷺ کے پاس جائیں تو لا الہ الا اللہ اور اللہ کے پاس جائیں تو محمد رسول اللہ سارا کھیل یہیں ہے۔ یہ دو جگ کا کلمہ ہے۔ توحید صرف اس کو سمجھ آئے گی جس کو بات رسالت سے سمجھ آئے گی، رسالت اس کو سمجھ آئے گی جس کو توحید نے بتایا۔ اپنی آنکھ سے دیکھا تو آپ ہی آپ نظر آیا، تیری آنکھ سے تجھے دیکھا تو تُو ہی تُو نظر آیا۔ اللہ کی آنکھ حضورِ پاک ﷺ کی آنکھ ہے اور اللہ کو دیکھنا ہو تو حضورِ پاک ﷺ کی آنکھ سے دیکھو... پھر آپ کو بات سمجھ آنا شروع ہوجائے گی۔ صرف بیان سے محبت نہیں ہوتی۔''☆۹

لحۂ فکر یہ ہے کہ جب ذرائع ابلاغ نہ ہونے کے برابر تھے تب تبلیغ دلوں میں اُترتی تھی۔ تب نگاہیں پُرتاثیر تھیں تب الفاظ انتہائی کم تھے مگر انتہائی قیمتی۔ اصولاً تقاریر و مواعظ کے اس دورِ پُرزور میں سامعین کی غالب اکثریت کو قلباً مومن اور قالباً نمونۂ اسلاف ہونا چاہیے مگر جوں جوں تبلیغ و تلقین بڑھتی جا رہی ہے توں توں اندھیرے اور گہرے اور گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ چپ رہنے کی نعمت ہم سے چھن گئی ہے۔ اظہار و بیان میں دوسرے روبرو ہوتے ہیں اور عالمِ سکوت میں انسان کو خود اپنے روبرو ہونا پڑتا ہے۔ اور ہم اس قیامت آفریں لمحے کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں۔ آج الفاظ پھیلتے جا رہے ہیں اور معانی کی دنیا سکڑتی جا رہی ہے۔ زبانیں تیز وطرار، دل زار و نزار اور سامعین بے نیاز و بیزار:

دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود دُرِّعدن

کاش ہم سمجھ لیں کہ... آواز حجاب ہے اور خاموشی کاشفِ راز ہے... کاش ہم جان لیں کہ کائنات کا ہر حسن خاموش ہے اور خود خالقِ کائنات بھی خاموش، مگر جب کبھی وہ زبان بے زبانی سے اپنے برگزیدہ بندوں سے بولتا ہے تو اُن اللہ کے بندوں کے مختصر بول، دلوں کی کائنات بدل دیتے ہیں کہ اُن کی زبانوں پر اُن کا دل بول رہا ہوتا ہے اور... انھیں غازۂ جاں بھی نصیب ہوتا ہے اور رقصِ جاں بھی... نفس کے بندوں اور اللہ کے بندوں میں زمین، آسمان کا فرق ہوتا ہے:

ہم وہ تھے جن کو خندۂ گل نے جگا دیا
ہم وہ ہیں جو خروشِ سلاسل میں سو گئے

آج خود پسندی اور شرکتِ نفس کی صورت یہ ہے کہ ہم نعتیں لکھتے ہیں مگر انھیں سنانے کی سعی نہیں کرتے، جن کے لیے لکھی گئی ہیں بلکہ "بیاض بردوش" محفل محفل، لوگوں کو مخاطب کر کر کے سناتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ حضرت شرف الدین علیہ الرحمۃ محمد بن سعید البوصیریؒ نے بھی ایک نعت کہی تھی جس کے طفیل بوصیریؒ، زیارتِ رسول ﷺ سے بہرہ ور بھی ہوئے اور فالج کے مرض سے صحت یاب بھی۔ اُسی شب کی صبح وہ گھر سے باہر گئے تو ایک اللہ والے نے اُن سے فرمائش کی کہ وہ نعت سنایئے جس کا مطلع یہ ہے، بوصیریؒ حیرت زدہ رہ گئے کہ یہ تو رات ہی کہی گئی ہے، انھیں مطلع کا علم کیسے ہوا؟ یہ ایک صداقت ہے کہ اگر نعت کو مکینِ گنبدِ خضریٰ ﷺ کی پسندیدگی کا شرف مل جائے تو سننے والے خود زنجیر کھٹکھٹائیں گے اور نعت گو کو دربدر اور محفل بہ محفل

D:NaatRang-17
File: 5-Iqbal
Final

جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی:

نغمے سے جب پھول کھلیں گے، چننے والے چن لیں گے
سننے والے سن لیں گے، تُو اپنی دُھن میں گاتا جاتا

تعلّیانہ خود نمائی

آج کل اپنے نعتیہ دیوان اور نعتوں کی تعداد شمار کرنے کی روش بھی چل نکلی ہے۔ کمپیوٹر کے اس دور میں لفظوں، نقطوں اور مصرعوں کی تعداد بھی بآسانی محفوظ ہوجائے گی۔ اس شمار و قطار کا اشتہار بھی دیا جا رہا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک یہ بھی احترازِ نفس کے ایسے مظاہرے ہیں جو ریاکاری کے زمرے میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معطی بھی ہیں اور محسن بھی۔ اُن کا سب سے بڑا احسان اور سب سے بڑی عطا نبی کریم ﷺ کی صورت میں ہمارے پاس ہے۔ اگر عطا کا یہ سلسلہ نہ ہوتا تو ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے بھی ناآشنا، اس کی حمد و ثنا سے بھی بے بہرہ اور اس کی عطاؤں کے اعتراف سے بھی بے توفیق ہوتے:

کس کے لطفِ خاص سے نغمہ فشاں ہے سانس کی
دھیمی دھیمی، دھیری دھیری یہ نفیری سوچیے
کس کی شانِ کن فکاں سے پھوٹتا ہے خاک سے
یہ گیاہِ سبز کا فرشِ حریری سوچیے
ہر دلِ بے مہر پر مہریں لگا دیتا ہے کون
کون کرتا ہے عطا روشن ضمیری سوچیے
وادیٔ بطحا میں اک اُمی پیمبر ﷺ بھیج کر
کس نے کی انسانیت کی دست گیری سوچیے

وہ ذاتِ پاک خوب جانتی ہے کہ نیت کی کیفیت اور توصیف کی نوعیت کیا ہے؟ کہ وہ علیم بھی ہے، خبیر بھی، سمیع بھی اور بصیر بھی۔ تو پھر شمار و قطار کا اشتہار کس کے لیے دیا جا رہا ہے؟ صرف سامعین و قارئین کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ ''میں ہی دورِ حاضر کا سب سے بڑا نعت گو ہوں'' نعت گوئی کے ضمن میں اس نوع کی خودستائی سے بھی احتراز ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ وہ بارگاہِ ناز ہے جہاں کمیت نہیں، کیفیت دیکھی جاتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طوفانِ نوح کے مقابل،

دل کی گہرائیوں سے اُبھر کر پلکوں پر لرزنے والے دو آنسو بھی کافی و شافی ہوا کرتے ہیں، افسوس! تعلّیانہ خودنمائی کے یہ سارے مظاہرے ''و رفعنا لک ذکرک'' کی آڑ میں ہو رہے ہیں:

رُسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ، آئینہ دل ہے مکدر

مختصر یہ کہ

آج نعتیہ مجموعوں کی کثرت اور بہتات ہے۔ کم و بیش سبھی مجموعے دیباچوں، تقریظوں اور فلیپوں سے آراستہ ہیں۔ میری نظر سے ایک مجموعہ بھی ایسا نہیں گزرا جس میں دیباچہ نگار (جو یقیناً نعت گو سے علمی، فکری اور نظری اعتبار سے برتر ہوتا ہے) نے، نعت نگار کی لفظی، شرعی اور فنی لکنتوں اور لغزشوں کی نشان دہی کی ہو اور اُسے سنبھلنے کی تلقین کی ہو۔ نعت نگار تو بہرکیف تحسین طلب ہی ہے جب کہ دیباچہ نگار بہر اعتبار پیشہ ور۔ اور وہ ایک ہی بات کو لہجہ بدل کر لکھ رہا ہے۔ اس کے نزدیک ہر ''باتخلص'' دورِ حاضر کا نمائندہ نعت گو ہے۔ اُس کی نعت کا ہر شعر جہت نما اور ہر نعت منزل نشاں ہے۔ ہر قلم کی جنبشِ ادنیٰ، لولوئے لالا ڈھال رہی ہے۔ ہر ایک کا کلام عہد ساز ہے۔ ہر ایک سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں بنا رہا ہے۔ ہر ایک رُخِ وقت پر الہام کی افشاں چن رہا ہے۔ ہر ایک خضرِ ادب ہے۔ ہر ایک نام لہروں نے بطور ایک عظیم نعت گو، سطحِ بحر پر لکھ رکھا ہے۔ ہر زمین، آسمان کے لیے ستارے ڈھال رہی ہے۔ ہر جگہ خونِ جگر کی رعنائیاں پائی جا رہی ہیں اور ہر صریرِ خامہ نوائے سروش ہے۔ دیباچوں سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سبھی نعت گو قرآنی بصیرتوں، شرعی بصارتوں اور شعری نزاکتوں سے کماحقہ آشنا ہیں اور سبھی فی الحقیقت نعت ہی کہہ رہے ہیں۔ کوئی بھی غزل کو نعت بنانے کی کوشش نہیں کر رہا اور سبھی تلوار کی دھار پر بخیر و خوبی رواں دواں ہیں... نتیجہ معلوم کہ دیباچے بے کیف، کلام بے سوز اور قاری بے تعلق ہو کر رہ گیا ہے۔ جب کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ شعر اور نثر دونوں کے لیے آمد کی ضرورت ہے۔ طبعی اور قلبی آمادگی کے بغیر ''خرامِ خامہ'' نہ نظر افروز ہے نہ فکر کشا۔ رسماً نعت نویسی اور جبراً دیباچہ نگاری، گنبدِ خضریٰ کی خوشنودی نہیں، ناراضی کا باعث ہے۔ نعت اگر ''دُرود کی نغماتی شکل ہے تو دُرودِ پاک کے بارے میں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کا خیال یہ ہے:

چوں بنامِ مصطفیٰ ﷺ خوام دُرود   از خجالت آب می گرد و وجود
چوں نداری از محمد ﷺ رنگ و بو   از دُرودِ خود میالا نام او

ضروری ہے کہ دیباچہ نگار کو مجبور نہ کیا جائے اور اس کی معذرت کو بطیّبِ خاطر قبول کرلیا جائے اور کلام کو کھلی فضا میں خود سانس لینے کا موقع دیا جائے کیوں کہ کتاب اپنی حیثیت اور وقعت کے اعتبار سے زندہ رہتی ہے۔ دیباچوں کے بل بوتے پر نہیں:

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا

نعت انتہائی نازک صنفِ سخن ہے۔ دیباچہ نگار کے لیے لازم ہے کہ وہ فنی، صوری اور معنوی لغزشوں کی نشان دہی کرے۔ ایک دینی بھائی کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کی اصلاح کرے اور دوسرا اُس اصلاح کو قبول کرے۔ جوں جوں نعت پھل پھول رہی ہے توں توں احتساب اور گرفت کی ضرورت بھی بڑھ رہی ہے۔ کوئی انسانی کلام، ہر نوع سے مکمل نہیں ہوتا، غلطیوں کی نشان دہی ضروری ہے تاکہ صاحبِ کلام کے ذوقِ سخن کو جلا اور قاری کے شوقِ مطالعہ کو ضیا نصیب ہو۔ بنابریں لازم ہے کہ نعت میں تحسینی دیباچوں سے بچا جائے۔

یاد رہے کہ

اصل نعت، حضورﷺ کی پسندیدگیوں کو اپنانا ہے۔ اُن کے نقوشِ پا کی چاندنی سے اپنے ظاہر و باطن کو منور کرنا ہے۔ اپنے رُخ کو چہرۂ رسولﷺ کے مطابق بنا کر، رُخِ کردار کے سنورنے کی التجا کرنا ہے۔ اوّل الذکر خود اختیاری عمل ہے جب کہ ثانی الذکر سراسر عطا، یہود و نصاریٰ سے ظاہری تشابہ، اُخروی رسوائی کا باعث ہے۔ ہم کیسے مسلمان ہیں کہ ''بے چہرگی'' کو رعنائی رُخ بنائے پھرتے ہیں، حق یہ ہے کہ عبادات و معاملات میں اسوۂ رسولﷺ کو رہنما بنانا ہی سب سے بڑی نعت ہے۔ بیدلؔ کتنی بڑی صداقت کو بیان کر گیا ہے:

ز لافِ حمد و نعت اولیٰ است، بر خاک ادب خفتن
سجودے می تواں کردن، دُرودے می تواں گفتن

اور دورِ حاضر کے محترم خورشید رضوی کیا خدالگتی کہہ گئے ہیں:

شان اُنﷺ کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہوجائیے

اعتذار و اعتراف

اس تحریر میں روئے سخن کسی کی طرف بھی نہیں ہے جو آنکھ نے دیکھا اور جو دل نے

محسوس کیا وہی قلم کی نوک پر آ گیا ہے اور اس اظہار و بیان کا مقصود یہ بھی نہیں کہ راقم الحروف پارسائی اور اتقا کے کسی بلند مقام پر فائز ہے ،حقیقت یہ ہے کہ اس کا اپنا باطن بھی نفس کی گھاتوں اور باتوں کے نرغے میں ہے۔ ہوس اس کے سینے میں بھی چھپ چھپ کے تصویریں بنا رہی ہے۔ وہ بھی اس عہد خود سپاس میں،''اعتباری'' بننے کے بجائے''اشتہاری'' کے شوق میں مبتلا ہے۔ چناں چہ انھی دنوں جب اُس نے اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے سے رجوع کیا کہ وہ نمود و نمائش اور توصیف و ستائش کی وبا سے کیسے محفوظ رہے تو انھوں نے درج ذیل اصول بتائے جو قابلِ قدر بھی ہیں، قابلِ تحسین بھی اور قابلِ تقلید بھی۔

☆ لوگ بہ سبب ان اوصافِ حمیدہ کے جو تجھ میں گمان کرتے ہیں، تیری توصیف کرتے ہیں تو بہ سبب ان بری خصلتوں کے جو تُو اپنے اندر جانتا ہے۔ اپنے نفس کی مذمت کر۔
☆ مومن حقیقی کی جب مدح ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس پر شرماتا ہے کہ اس کی ایسے وصف پر تعریف ہوتی ہے جس کا مشاہدہ اپنے نفس میں نہیں کرتا۔
☆ سب سے زیادہ جاہل وہ شخص ہے جو اپنی نسبت لوگوں کے خیالی اوصاف گمان کرنے پر اپنے یقینی عیوب کا خیال چھوڑ دے۔
☆ جب تیرا مولیٰ تیری ایسی تعریف میں خلقت کی زبان کو گویا کر دے جس کے تُو لائق نہیں ہے تو تُو اپنے مولیٰ کی تعریف میں جو اس کے لائق ہے، تر زبان ہو۔
☆ مومن کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اپنے نفس کی شکرگزاری اور تعظیم و تکریم سے روک دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بجا آوری کا خیال اپنے حظوظِ نفسانی کی یادداشت سے باز رکھتا ہے۔

اور آخر میں دو شعر:

تو گر باحق بہ شب در راز گوئی　　دگر روز آن بہ فخر و ناز گوئی
ریا و عجب کوہ آتشین است　　نمی دانی کہ کوہ دوزخ این است

(اگر تو ساری رات اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہا اور دوسرے دن فخر و ناز کے ساتھ لوگوں سے کہتا پھرا تو یقیناً یہی ریا و عجب کا آتشیں پہاڑ ہے تو نہیں جانتا کہ دوزخ کا آتشیں پہاڑ یہی ہے)

حوالہ جات

D:NaatRang-17
File: 5-Iqbal
Final

☆۱۔ محمد سعید شیخ
☆۲۔ پروفیسر سیف اللہ خالد...''دیباچے سے فلیپ تک'' صفحہ ۱۴۴، اسٹینڈرڈ بک سینٹر، اردو بازار، لاہور۔ ۱۹۹۹ء

☆۳۔ ''غالب کے خطوط'' جلد اوّل، خلیق انجم، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۸۴ء
☆۴۔ ''دیباچے سے فلیپ تک'' صفحہ ۵۴
☆۵۔ سرسیّد۔ مضمون خوشامد
☆۶۔ آغا شورش کاشمیری، ''نگارشاتِ شورش''، پروفیسر محمد اقبال جاوید، صفحہ ۳۳۲
☆۷۔ ''مظاہر حق جدید'' شرح مشکوٰۃ شریف اردو، علامہ محمد قطب الدین، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۸۳ء
☆۸۔ مجموعۂ نعت ''لامثال'' حفیظ صدیقی، ۱۹۹۵ء
☆۹۔ ''گفتگو ۳، واصف علی واصف، صفحہ ۲۵۴

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

نعت میں نعت

نعتِ رسول ﷺ سراسر انعامِ خداوندی ہے۔ لطف و کرم کی ہر آن روشنی لٹاتی کہکشاں ہے۔ بارانِ رحمت ہے جو دلوں کی بنجر کھیتوں میں چاہتوں کے گل و لالہ مہکاتی ہے۔ پیغامِ رحمت ہے جس کی بدولت بندگانِ خدا کو عرفانِ الٰہی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ زندگی پرور نغمہ ہے جو بے مقصد کاروانِ حیات کو محبتِ رسول ﷺ کے نام پر جینے کا سلیقہ عطا کرتا ہے۔ خدائے پاک کا کرمِ بے حد ہے جو زندگی کو بندگی کا شعور عطا کرتا ہے۔ ملاء اعلیٰ سے نازل ہوتا ہوا پیغامِ قدسی ہے جو خدا اور بزرگانِ خدا کے درمیان وجودِ مصطفیٰ ﷺ کو وسیلۂ اظہار بنانے کا جذبہ بخشتا ہے۔ ایسا روح پرور مرقعِ ایمانی ہے جس کے ہر پہلو سے توصیفِ مصطفےٰ ﷺ کے نام پر تحدیثِ نعمت کے انوار پھوٹ رہے ہیں۔

نعتِ رسول ﷺ خوش نودئ مصطفےٰ ﷺ ہے۔ سلطانِ دوعالم کی نگاہِ غریب نواز کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا بہانہ ہے۔ منتخب ترین لفظوں کا خزینہ ہے۔ لوحِ قلب وفکر پر نقش ہوجانے والا نگینہ ہے۔ غلاموں کا آقائے دوجہاں ﷺ سے اظہارِ عقیدت ہے۔ چاہنے والوں کے لیے پیغامِ رحمت ہے۔ دلوں کی پژمردہ کلیوں کے لیے پیغامِ شگفتگی، غم زدوں کے لیے سرمایۂ دل بستگی، وقت کی ٹھوکروں پر پلنے والوں کے لیے احساسِ زندگی ہے۔ غلاموں کو اور کیا چاہیے؟ نگاہِ الطافِ مصطفےٰ ﷺ چاہیے۔ سرکارِ دوعالم کے اکرام کے چشمۂ لازوال کی عطا چاہیے۔ سوالیوں کو حاصلِ مدعا چاہیے۔ زندگی کے صحرا میں جھلسنے والوں کو سمتِ طیبہ سے آنے والی ہوا چاہیے۔ سب سے بڑھ کر رحمتِ ربّ العلیٰ چاہیے اور اس کے لیے چودہ صدیوں سے یہی پیغامِ شوق سنائی دے رہا ہے کہ:

ظہورِ نورِ ازل کو نیا بہانہ ملا — حرم کی تیرہ شبی کو چراغِ خانہ ملا

خدا کے بعد جلال و جمال کا مظہر اگر ملا بھی تو کوئی ترے سوا نہ ملا
نیاز اس کا، جبیں اس کی، اعتبار اس کا وہ خوش نصیب جسے تیرا آستانہ ملا

نعتِ رسول ﷺ نغمۂ قدسی ہے۔ پیغامِ کامرانی ہے۔ وجہِ شادمانی ہے۔ جذباتِ دل کی ترجمانی ہے۔ حاصلِ سوز و ساز ہے۔ سرمایۂ ناز و نیاز ہے۔ ناز ان معنوں میں کہ فکر کی بلند پروازی کا احساس ہوتا ہے اور نیاز ان معانی میں کہ تمام تر بلند پروازی کے باوجود دربارِ رسول ﷺ میں عجزِ سامانی ہی سرخ روئی کا ذریعہ بنتی ہے۔ نعت فکرِ شاعر کا اعزاز ہے۔ احساسات کے مہک اُٹھنے کا نام ہے۔ جذبات کے ضوبار ہونے کا پیغام ہے۔ نطقِ شاعر سے حسنِ عقیدت کے جواہر پارے بکھرنے کا ادراک ہے۔ دریدہ دامن آرزوؤں کے چاک سلنے کی صدائے خوش آہنگ ہے۔ غلامانِ خاک بسر کے بلند بام ہونے کا آوازۂ صد رنگ ہے۔ تراکیب کا افتخار ہے۔ تشبیہات کا وقار ہے۔ برمحل استعارات کا حسنِ استعمال ہے۔ غزل کے ملبوسِ مجاز سے پہلو بچا کر توصیفِ رسول ﷺ کے گلزارِ نو بہار میں لطافت آشنا ہونے کی گھڑی ہے۔ غرض نور ہی نور۔ حدِ افکار تک الطافِ ربانی کا ظہور ہی ظہور کہ نعت لکھتے جایئے، کہتے جایئے، وقت ساکن و صامت آپ کے قرطاس و قلم کی معجز نمائیوں کا منظر دیکھ رہا ہے۔

اور پھر نعت کس کی! جو وجہِ تخلیقِ بزمِ دوعالم ہے۔ جو باعثِ تخلیقِ آدم بنی آدم ہے جو ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کی حقیقت آفرینی کا مظہر ہے۔ جو جمیل بھی ہے اور جمال بھی، جو نور بھی ہے اور مظہرِ انوار بھی، جو محمد ﷺ بھی ہے اور احمد بھی، جو وصافِ خدا بھی ہے اور ممدوحِ خدا و ملائکہ بھی۔ جس کا ذکر تمام صحائفِ آسمانی میں ہوتا رہا۔ جملہ انبیا و رُسل جس کی تشریف آوری کی دعائیں مانگتے رہے۔ مقتدر ترین رُسل جس کے اُمتی ہونے کی تمنا میں مناجاتوں کے پھول بکھیرتے رہے۔ جس کا ذکر حقیقت میں فکر کی معراج ہے۔ جس کے سرِ پُرانوار پر شفاعت کا تاج ہے۔ وہی فخرِ مرسلاں کہ جس کے ہاتھ روزِ قیامت عاصیوں کی لاج ہے۔ وہ رسولِ معظم کہ جو اتنا بلندتر ہے کہ اس کی مدحت و توصیف میں سب کچھ کہہ کے بھی انتہائے عجز کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ:

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

وہ جس کی نعت ڈھونڈنے نکلیں! تو سب سے پہلے قرآن مجید کا ورق ورق نگاہوں کو تجلی آشنا کرنے لگتا ہے۔ نعت میں نعت کی تلاش، قرآن مجید تو خود ایسا قلزمِ نعت ہے جس کا

کنارا نہیں۔ سرچشمۂ نعت ہے جس کا قطرہ قطرہ نعت کے انوار کی پہچان لیے ہوئے ہے۔ ایسا آسمانِ نعت ہے جہاں ایک ایک ستارہ تجلی گاہِ حضور بنا ہوا ہے۔ ایسا گلزارِ توصیفِ رسول ﷺ ہے جس کی کلی کلی نورِ محمد ﷺ سے جلوہ ریز، غنچہ غنچہ جمالِ مصطفےٰ ﷺ سے ضوبار، پتی پتی جلوہ ہائے بے کراں سے منور اور پھول پھول اپنے دامن میں ثنائے رسول ﷺ کی سدابہار جلوہ ریزی سمیٹے ہوئے ہے۔ جسے ایک نظر دیکھتے ہی دیدہ و دل پکار اُٹھیں:

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گُل میں ہر شجر میں محمد ﷺ کا نور ہے

محمد (ﷺ) پر قرآن اُتارا گیا۔ آپ کو قرآنِ ناطق قرار دیا گیا۔ آپ کے کردار کو عینِ قرآن سمجھا گیا۔ جب بھی کوئی صاحبِ ذوق کسی ایسے ایوانِ نعت کی جستجو کرتا ہے کہ جہاں سے نعتِ محمد ﷺ کے شہ پارے سمیٹ سکے تو قرآنِ حکیم کا متنِ نور اس کے سامنے صحیفۂ مدحتِ محمد ﷺ بن کر اُبھرتا ہے۔ یہ وہ تاریخ ساز ایوانِ نعت ہے جس کی ایک ایک سورت پیغامِ نعت دے رہی ہے۔

قرآنِ حکیم وہ صحیفۂ نعت کہ جہاں سے نعت کی پہچان اور عرفان اُبھرے۔ جہاں سے توصیفِ رسول ﷺ کے آداب عطا ہوں جہاں سے عشق و احترام وعقیدت کے تقاضوں کی عملی بجا آوری کا سلیقہ ملے۔ وہ قرآنِ نعت جو ہمیں نعتِ رسول کا بہترین انتخاب عطا کرے۔ جہاں سے نعت کے حقیقی مآخذ عطا ہوں۔ جہاں سے ممدوحِ نعت کی بابت بتایا جائے کہ وہ اللہ کا رسول بھی ہے اور خاتم النّبیین بھی۔ رحمۃ للعالمین بھی ہے اور شفیع المذنبین بھی۔ جس کی چوکھٹ پر آ کر خدا کے حضور عرض گزاری کرنے سے گناہوں کی تاریکیاں دُھل جاتی ہیں۔ جو گناہ گاروں کے لیے رؤف بھی اور رحیم ہے۔ شفیق بھی ہے اور کریم بھی۔ جس کی زبان ''وما ینطق عن الھوی'' کی ترجمان بن کر سراسر وحیِ الٰہی بن جاتی ہے۔ جس کا ہاتھ ''وما رمیت اذ رمیت'' کا مظہر بن کر خدا کے دستِ قدرت کی قوت کا امین بن جاتا ہے۔ جس کی آنکھیں ''ما زاغ البصر وما طغیٰ'' کی علامت بن کر شبِ معراج دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوتی ہیں۔ جس کی صورت پر ''والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ'' کی نورانی جھلک سجی ہوئی ہے۔ جس کی سیرت ''لقد کان لکم..'' کے مصداق صبحِ ازل کا نور اور شامِ ابد کا جمال ہے۔ جس کی اطاعت کو ''من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ'' کہہ کر اطاعتِ خداوندی کا عنوان دیا گیا۔ ''والعصر'' کہہ کر خدا جس کے زمانے کو محبوب تر رکھتا ہے۔ ''وللآخرۃ'' فرما کر جس کے آنے والے ہر دور کو گزرے

ہوئے زمانے سے بہتر قرار دیا گیا کہ:

تجھ سے پہلے کا جو ماضی ہے ہزاروں کا سہی
اب کے تا حشر جو فردا ہے وہ تنہا تیرا

جسے ''انا اعطینک الکوثر'' کی صورت میں تمام تر بلندیوں سے نوازا گیا۔ ''لااقسم بھذ البلد'' کہہ کر خدائے کریم جس کے شہرِ مقدس کی قسم کھاتا ہے۔ جس کا ہر دور وجہِ ستائش جس کا ہر عمل جانِ ادا جس کا ہر فعل سرمایۂ کونین جس کی گفتار سرمایۂ بصیرت اور جس کا کردار اعزازِ انسانیت قرار دیا گیا جس کے وجود کو ''لقد من اللہ علی المومنین'' کہہ کر مسلمانوں پر احسانِ عظیم کا نام دیا گیا کہ زمانے بھر کی راستی اسی سے عبارت ہے، حضرت مفتی احمد یار خاں گجراتی ''پیغمبرِ حق'' کے حوالے سے تشریح میں فرماتے ہیں:

> معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے اسما میں ایک نام حق بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ سب تو حق پر ہوتے ہیں اور حضور سراپا حق ہیں۔ جس نے ان کو دیکھا، اس نے حق کو دیکھا اور تو مومن ہیں مگر حضور ﷺ ایمان ہیں۔ اور عارف ہیں مگر حضور ﷺ عرفان ہیں۔ اور تو عالم ہیں مگر حضور ﷺ سراپا علم ہیں۔ آپ ہی کے حالات جاننا علم ہے۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

قرآن حکیم نے نعتِ محمد ﷺ کے حوالے سے آپ کو ''برھان من ربکم'' قرار دے کر دلیلِ خداوندی کہہ دیا۔ گویا توحیدِ خداوندی دعویٰ ہے اور وجودِ مصطفیٰ ﷺ دلیلِ دعویٰ ہے۔ دلیل جس قدر بے عیب، جامع، اکمل اور قابلِ قبول ہوگی دعویٰ اہلِ نظر کے نزدیک اتنا ہی زیادہ قبول ٹھہرے گا۔ اسی لیے ربّ کریم نے آپ کو بے عیب بنایا۔ خالق بھی بے عیب اور افتخارِ خلائق محمد مصطفیٰ ﷺ بھی بے عیب تا کہ آپ کو ایک جھلک دیکھنے والا ہی بلاتاخیر خدائے کریم کی وحدانیت پر ایمان لے آئے۔ آپ کو شاہد، ''مبشر''، ''نذیر'' اور ''داعیا الی اللّٰہ'' قرار دیا گیا۔ ''قل ان کنتم تحبون اللّٰہ'' فرما کر آپ کی محبت کو خدائے کریم کی محبت کا معیار ٹھہرایا گیا۔ قرآنِ حکیم کے صحیفۂ نعت نے ہی ادبِ احترامِ رسول ﷺ کے عملی تقاضے سکھاتے ہوئے اہلِ ایمان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے اپنی آوازیں پست رکھنے کا حکم دیا۔ ''لاترفعو اصواتکم فوق

صوت النبی'' کہہ کر غلامانِ مصطفٰے کو مقاماتِ نبوت سے آشنا کرکے لرزیدہ بدن کر دیا۔ آپ کے خُلق کو خُلقِ عظیم قرار دے کر آپ کے ذکر کی ابدی سرفرازی کی مہر ''ورفعنا لک ذکرک'' کی صورت میں صفحۂ ہستی پر ثبت کردی۔ آپ کے خاندان کو ''رجس'' سے پاک کرکے آپ کے صحابہ کو معیارِ ہدایت ٹھہرایا گیا۔ آپ کی مرضی کے مطابق قبلہ تبدیل کرکے آپ کے ہونٹوں سے نکلنے والی دعا کو تقدیرِ الٰہی کا پرتو قرار دیا گیا۔ قرآنِ حکیم خدا کا کلام ہے لیکن خدائے کریم نے اپنے کلام میں اپنے محبوب کو اس کی صفات سے پکارا ہے۔ اگر اسم محمدﷺ استعمال ہوا ہے تو اشد ضرورت کے تحت۔ مگر حضورﷺ سے خطاب کرتے ہوئے آپ کو مختلف حالتوں اور اداؤں کے حوالے سے پکارا گیا ہے۔ حالاں کہ قرآن مجید میں جن انبیائے کرام کو پکارا گیا ہے ان کا نام لیا گیا ہے۔ جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو القاب و اوصاف سے یاد کیا گیا ہے۔ کہیں ''یاایھا المزمل''۔ ''یا ایھا المدثر'' کہا گیا ہے تو کہیں یٰس و طٰہٰ کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ زندگی میں ہر انسان مختلف حالتوں سے دوچار ہوتا ہے۔ لیکن محبوب کی ہر حالت خدائے کریم کو اس قدر عزیز اور پسند ہے کہ انھیں حوالۂ لغتِ قرآن بنا دیا۔ قرآنِ حکیم تو نعت کے انوار کا بلند ترین نمونہ ہے۔ کس کس متن کو حوالہ دیا جائے۔ مفتی احمد یار خاں کی کتاب ''شانِ حبیب الرحمٰن من آیاتِ القرآن'' سے یہ اقتباس ہمارے مقصود کو خوب اُجاگر کر رہا ہے:

> حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن حکیم کو بنظرِ ایمان دیکھا جائے تو اس میں اوّل سے آخر تک نعتِ سرکارِ کائنات معلوم ہوتی ہے۔ حمدِ الٰہی ہو یا بیانِ عقائد، گزشتہ انبیائے کرام اور ان کی اُمتوں کے واقعات ہوں یا احکام، غرض قرآن حکیم کا ہر موضوع اپنے لانے والے محبوب کے محامد اور اوصاف کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص ''قل ھو اللّٰہ احد'' کو لیجیے کہ اس میں خدائے قدوس کی صفات کا ذکر ہے۔ اور سورۂ لہب کو دیکھیے ''تبت یدا ابی لھب و تب'' کہ اس میں بظاہر ابولہب کافر اور اس کی بیوی کا ذکر ہے۔ از اوّل تا آخر۔ مگر جب غور کرو تو یہ دونوں سورتیں محبوبﷺ کی نعتِ پاک سے بھری ہوئی ہیں۔

''قل ھو اللّٰہ'' کا ذکر اس لیے ہوا کہ اس میں خدا اپنی توحید کا ذکر بزبانِ مصطفٰےﷺ کروا رہا ہے۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

جب ہم کلامِ مجید کے متنِ نعت سے نعتِ مصطفیٰ ﷺ کا انتخاب کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ قرآن شاعری ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

وما علمنا الشعر وما ینبغی لہ (یٰسین۔۳۶:۶۹)

(نہ ہم نے انھیں شعر سکھایا اور نہ ہی یہ فن ان کے لیے سزاوار ہے۔)

مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شاعر نہیں ہیں۔ ان کا مقام و مرتبہ شاعری سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محبوب صحابہ شعرا کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ سیّدنا حسان بن ثابت کو منبرِ رسول پر عطا کر کے ان سے نعت سنی جاتی ہے۔ انھیں اکرامات و انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ آپ سیّدنا کعبؓ سے نعت سنتے ہیں اور ردائے رحمت بھی عطا کرتے ہیں بلکہ حضرت زہیرؓ کے ایک شعر کی اصلاح بھی فرماتے ہیں۔ حضرت بوصیریؒ کو خواب میں ردائے رحمت سے نواز کر انھیں شدید بیماری سے نجات دلاتے ہیں۔ غزوۂ حنین میں مشکل ترین ساعتوں میں آپ کی زبان یہ ارشاد فرما رہی تھی:

انا النبی لا کذب　　ان ابن عبدالمطلب

لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو آپ کا کوئی بھی عمل شاعری کے فروغ و ارتقا کے لیے نہیں تھا بلکہ آپ ابدی صداقتوں کی حوصلہ افزائی فرما رہے تھے۔ صحابہ نعت گو شعرا کو نوازنے کا مقصد انھیں اسلام دشمن قوتوں کے خلاف شعری صلاحیتوں کے ساتھ نبردآزما کرنا تھا۔ کعبؓ بن زہیر کے شعر کی اصلاح کا مقصد بھی صداقت کو اُجاگر کرنا تھا اور غزوۂ حنین میں آپ کی زبان جو کچھ ارشاد فرما رہی تھی وہ شاعری نہیں تھی بلکہ حقیقتِ ازلی کا اعلانِ عام تھا۔ اس طرح تو قرآن پاک میں بھی بہت سے مقامات پر موزونیت اور شعری توازن کا گمان گزرتا ہے۔ حالاں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تمام تر موزونیت کے باوجود کوئی بھی آیت شعر نہیں ہے۔ لیکن شعر نہ ہوتے ہوئے بھی یہ آیات نعتِ مصطفیٰ ﷺ کی صلائے عام دے رہی ہیں۔

قرآن حکیم میں شعرا کا تذکرہ یوں ہے:

والشعرا یتبعھم الغاون الم ترانھم فی کل واد تھمعون و انھم یقولون مالا یفعلون.

شاعری کی پیروی گم راہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ شاعر ہر وادی میں برگشتہ
پھرتے ہیں اور زبان سے وہ کہتے ہیں جس پر عمل نہیں کرتے۔
آگے ارشاد ہوتا ہے:

الا الذین امنوا و عملوا لصلحت و ذکر اللّٰہ کثیرا

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور صالح عمل کرتے ہیں اور
اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ (الشعراء۔۲۶ : ۲۲۴ تا ۲۲۷)

مندرجہ بالا آیات کی رُو سے ان شعرا کی پیروی گم راہی ہے جس کے گفتار و کردار میں فرق ہے اور وہ ہر وادی میں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ایمان لا کر اچھے اعمال کرکے ذکرِ خداوندی کرتے ہوں تو ان کی پیروی گم راہی نہیں۔

راجا رشید محمود لکھتے ہیں:

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین... اور پھر آج تک کے مسلمانوں نے حضورﷺ کی نعت اس لیے بھی کہی کہ حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان اللہ کا فرمان ہے۔ حضور کے ہاتھ کو اللہ کریم جل و علا نے علائے اپنا ہاتھ قرار دیا۔ حضور نے جو مٹھی کنکریوں کی جنگِ بدر میں کفار کی طرف پھینکی اس کو خالق و مالکِ حقیقی جل شانہ نے اپنے ساتھ منسوب فرمایا۔

قرآن حکیم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعتیہ تحسیصات کا ذکر کرتے ہوئے راجا رشید محمود لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے یہ احکام و ارشادات سامنے ہوں تو واضح ہوجاتا ہے کہ حضورﷺ کا ذکر خود خالقِ حقیقی جل جلالہ کا ذکر ہے... اور اعمالِ صالحہ کرنے والے اہلِ ایمان اگر اللہ اور اس کے محبوبﷺ کا کثیر ذکر ہوں تو ان کی پیروی گم راہی نہیں کیوں کہ وہ ہر وادی میں سرگزشتہ نہیں پھرتے اور ان کی گفتار و کردار میں بعد نہیں ہوتا یا نہیں ہونا چاہیے۔

(ماہنامہ ''نعت'' اپریل ۱۹۹۵ء)

وہ شعرائے ذی وقار جو توصیفِ مصطفیٰﷺ میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ محبوبِ خدا

کے تذکار میں گم رہنا اپنے لیے سعادتِ دارین سمجھتے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے بارگاہِ خدا و مصطفیٰ ﷺ میں سرخ رو رہے ہیں۔ کیوں کہ یہ اس مقدس فعل کو انجام دے رہے ہیں جو ربّ کریم اور اس کے فرشتے انجام دے رہے ہیں۔ یعنی درود کی صورت میں توصیفِ رسول۔ نعت ہو یا درود دونوں کا مقصد سلطانِ دوعالم کی بلندیٔ درجات اور مراتبِ عالیہ کا تذکرہ کرنا ہے۔ ربّ کریم نے تو اہلِ ایمان کو درود کے ساتھ سلام کا بھی حکم دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسے پڑھو جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ اس روحانی تناظر میں دیکھیں تو نعت گو شعرا درود و سلام کی سوغات انداز بدل بدل کر پیش کرتے ہیں۔ کبھی محبوبِ خدا ﷺ کے محامد و محاسن کا تذکرہ کرکے، کبھی آپ کے فضائل و کمالات کے تذکار سے قرطاسِ وقلم کو عنبر بار کرکے، کبھی استغاثے اور مناجات کی صورت میں اُمتِ اسلام پر ٹوٹنے والے آلام کا تذکرہ کرکے، کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسنِ طلب کے نام سے عنایاتِ خسروانہ کی استدعا کرکے، کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامات کی سرفرازی اور اپنی عجز سامانی کا تذکرہ کرکے، کبھی نبی مکرم ﷺ کے حسنِ ظاہری اور جمالِ باطنی کو عقیدتوں کا خراج پیش کرکے اور کبھی دنیا بھر کی زبانوں کے بہترین الفاظ کا ذخیرہ اور اثاثہ بصورتِ مدحت آپ کی بارگاہِ بے کس نواز میں پیش کرکے۔ اس جذبے کے ساتھ:

تقاضائے محبت ہے انھی کی آرزو کرنا
انھی کی گفتگو کرنا انھی کی جستجو کرنا

شہِ لولاک کی مدحت سرائی اک عبادت ہے
مگر اس کے لیے لازم ہے اشکوں سے وضو کرنا

خدا نے خود کہا ہے آپ کے بارے میں بندوں سے
ادب کے ساتھ کرنا جب بھی ان سے گفتگو کرنا

جہاں تک نعت کا تعلق ہے تو ہر ایسا شعر بلکہ ہر ایسا مصرع جس میں توصیفِ مصطفیٰ ﷺ رقم کی گئی ہے نعت ہی کہلاتا ہے۔ خطیب کی خطابت کا شہ پارا ہو یا کسی صاحبِ ادب و انشا کی نثری مدحت سرائی کا جمال، یہ بھی نعت ہی کی ایک صورت ہے۔ زمانے میں جدھر بھی دیکھیے، جہاں بھی نظر دوڑائیے، زمین کی پستیوں سے افلاک کی وسعتوں تک صل علیٰ محمد کے زمزمہ ہائے قدسی اُبھرتے محسوس ہوتے ہیں۔ دل و نگاہ شاد کام ہو رہے ہیں۔ احساسات کو فرحت مل رہی ہے، افکار کی ابدی تسکین کا سامان مہیا ہو رہا ہے۔ مدحتِ مصطفیٰ ﷺ رقم کرتے ہوئے قلم اور

زبان کو احساس ہونے لگتا ہے کہ جس مقصد کی خاطر انھیں تخلیق سے نوازا گیا وہ اس مقصد سے عہدہ برآ ہونے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ غرضے کہ جہاں بھی، جب بھی دیکھیے یہی زمزمۂ قدسی اُبھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ:

کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے

جہاں تک نعتوں کے انتخاب کا تعلق ہے تو اس ضمن میں درجنوں نعتیہ انتخاب شائع ہو چکے ہیں۔ اس لیے ہمارے مضمون ''نعت میں نعت'' کا تعلق نعتوں کے انتخاب سے نہیں بلکہ ہم نے زیرِنظر انتخاب میں وہ نعتیں دی ہیں یا ایسے نعتیہ اشعار دیے ہیں جن میں نعت نگاری کے آداب و لوازم دیے ہیں، اس نعتیہ انتخاب میں نعتیہ اشعار شامل کرتے ہوئے ہم نے چند امور مدِنظر رکھے ہیں:

☆ ایسی نعتیں جو مکمل طور پر مضامینِ نعت کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، جن کا ہر شعر قرآن و احادیث اور عشق و عقیدت سے مہک بار ہے۔ ان نعتوں میں پہلے شعر سے آخری شعر تک نعت کے اسلوبِ اظہار، علمی تقاضوں اور روحانی رجحانات پر بحث کی گئی ہے۔ ان میں بطورِ خاص یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نعت کہتے ہوئے نعت نگار کا رویہ کیسا ہونا چاہیے۔ عشقِ حضور ادب و عقیدت، احترام و محبت اور نعت کے فکری اور نظریاتی تقاضوں کی بجا آوری کی حتیٰ الامکان سعی کی گئی ہے۔ یہ نعتیں کیا ہیں عشق و سرمستی کی خوش بوئے جاں نواز ہیں۔ ایسی خوش بوئے جاں نواز جو شاعر کا خراجِ عقیدت بن کر قارئین کے ذوقِ ایمان کو تازگی عطا کرتی ہے۔

☆ بہت سے نعت گو شعرا کی ہمیں نعت کے مفہوم و اسلوب کے حوالے سے مکمل نعتیں نہ مل سکیں تو ہم نے ان کے نعتیہ مجموعوں سے ایسے اشعار کا انتخاب کیا جو نعت میں مفاہیمِ نعت کی ترجمانی کر رہے تھے اس طور ہمیں روحانی مسرت کا احساس ہوا کہ ایک بڑی تعداد میں شعرا کی ترجمانی ہوگئی۔ اس سلسلے میں جب آگے بڑھے تو ان میں سے کئی شعرا کی نعتوں میں مسلسل ایسے کئی اشعار میسر آگئے جو ہمارے مقصود و مدعا کے مطابق تھے۔

☆ ہم نے تبرکاً بعض شعرا کے کلام سے، ایک دو اشعار منتخب کیے یا کسی صاحب کا ایک شعر جو نعت میں فنِ نعت کے تقاضے پورے کر رہا تھا۔ اس طور ہمیں یہ سعادت میسر آئی کہ زیادہ سے زیادہ نعت گو شعرا کے جذباتِ عقیدت قارئین کی نذر کر سکیں۔

D:NaatRang-17
File: 6-Akram
Final

☆ نعت میں نعت گو کی داستانِ نور کو رقم کرتے ہوئے ہم نے ایسے اشعار کو حوالہ بنانے سے گریز کیا ہے جن میں مقاماتِ مصطفیٰ ﷺ کے بیان سے گریز کیا ہے یا آپ کی ذات کے حوالے سے ذم یا تنقیص کا پہلو نکلتا ہو یا پھر شوخیٔ فکر و فن میں شاعر حدود و مقاماتِ مصطفیٰ ﷺ سے صرفِ نظر کر گیا ہے۔ کیوں کہ نعت گو کا مقصد فقط خوشنودیٔ خدا و مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہے۔ جہاں جذبے لفظوں سے اور افکار اپنی وسعتوں سے آگے نکل جاتے ہیں وہاں احتیاط بہرصورت لازم ہے۔ اور یہی احتیاط ہی حسن و جمال نعت اور کمالِ مدحت کا اعزاز ہے۔

نعت کا قافلہ مسلسل آگے کی جانب رواں دواں ہے۔ تخلیق کے ساتھ تحقیق کا لازم و ملزوم کا ساتھ ہے۔ ہم نے جس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے اور جس عنوان کا انتخاب کرکے تحقیق و ترتیب کا اہتمام کیا ہے، وہ حرفِ آخر نہیں۔ اس ضمن میں ہم نے بھرپور کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تخلیق کاروں کے فکری شہ پاروں سے خوشہ چینی کرسکیں۔ کئی کتب میسر نہ آسکیں اور اس کے ساتھ ساتھ وقت کی تنگ دامانی بھی آڑے آتی گئی کہ مقالہ اشاعت کے لیے دینا تھا... اس مقالہ کی اشاعت کے بعد بھی ہمیں جن اصحابِ قلم کی نگارشاتِ نعت (''نعت میں نعت'' کے حوالے سے) میسر آتی گئیں ہم ان کو دامانِ فکر کی زینت بناتے رہیں گے تاکہ اس مقالہ کا نقشِ ثانی زیادہ بھرپور، مربوط، سیرحاصل اور جامع صورت میں ہمارے قارئین کے سامنے آسکے۔

ہمیں خوشی ہوگی اگر نعت گو شعرا اس عنوان کے حوالے سے ہمیں اپنی نگارشات سے نوازسکیں یا اپنی نعتیہ تحریر کی نشان دہی کرسکیں۔ جب کہ ہم پہلے بھی عرض کرچکے ہیں کہ جہاں تخلیق وتصنیف کا حسن اُبھرتا ہے وہیں تحقیق وتنقید اور ترتیب وتدوین کے مراحل سامنے آنے لگتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اُمید ہے کہ آنے والے ادوار کے محققین بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔ یہ تو نقشِ اوّل ہے، نشانِ منزل ہے۔ منزل تو نہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ اصحابِ عمل تو منزل کو بھی نشانِ منزل سمجھ کر آگے بڑھ جایا کرتے ہیں اور پھر یہ تو نعتِ مصطفیٰ ﷺ کا سلسلہ ہے۔ اس کی مدحت طرازیوں کی بات ہے جسے اس کے خالق نے محمدیت کا حسن بخش زمانے بھر کے محامد ومحاسن کا مرکز بنا دیا ہے۔ جب توصیفِ احمد کے سلسلے کا آغاز خدائے جلیل کر رہا ہو تو پھر زمانے صدیاں اور قرن راستہ نہیں روک سکتے۔ ہم جن شعرا کی نگارشات تک رسائی حاصل نہ کرسکے وہ سب ہمارے لیے بے پناہ محترم ومکرم ہیں۔ کون کتنا مقبول اور خوش بخت ہے اس کا

فیصلہ تو بارگاہِ مصطفوی ﷺ ہی میں ہوگا۔ ہم نے تو دامن میں عجز سامانی کے ساتھ ساتھ عشق و عقیدت کے پھول سجا رکھے ہیں۔ یہی پھول محترم اصحابِ ذوق کی نذر ہیں تاکہ وہ جان سکیں کہ نعت لکھنے والے نعت کو کس جمالِ فکر وفن کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

ما ان مدحت محمدا بمقالتی لکن مدحت مقالتی محمدا
(سیّدنا حسانؓ بن ثابت)

عرفی مشاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگِ سرودن نعتِ شہِ کونین و مدیح کے و جم را
(عرفی شیرازی)

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کا خلاف لو زینہ میں سیر تو نہ کھایا مجھ کو
ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بے جا سے ہے المنة للّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

☆

توشہ میں غم واشک کا ساماں بس ہے افغانِ دلِ زا حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو نقشِ قدمِ حضرتِ حسانؓ بس ہے
(شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی)

بابِ جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایا گیا
(خواجہ غلام فخر الدین سیالوی)

میں نہیں شاعر مدیح صاحبِ لولاک ہوں ہم صفیرو! مجھ کو اپنے کام ہی سے کام ہے
مغتنم ہے بس کہ دورِ مدح خوانی مدح خواں پھر زبان محشر تلک یہ عاطل و ناکام ہے
کافیٔ بیمار کو وصفِ جنابِ مصطفےٰ ﷺ قوتِ دل، راحتِ جاں موجبِ آرام ہے
(مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی)

نعت کیا ہے؟ سرورِ عالم کی سیرت کا بیاں نعت کیا ہے؟ آپ ﷺ کے لطف ومحبت کا بیاں
نعت کیا ہے؟ مصلحِ انساں کے اوصافِ جمیل نعت کیا ہے؟ مومنانہ فکر کی روشن دلیل

نعت کیا ہے؟ کیفِ حبِ سرورِ دنیا و دیں
نعت کیا ہے؟لازوال اک دولتِ حسنِ یقیں
نعت کیا ہے؟مرسَل ومرسِل میں فرق وامتیاز
نعت کیا ہے؟ جادہ منزل میں فرق و امتیاز
نعت کیا ہے؟ ذکرِ کردارِ محمد مصطفیٰ ﷺ
نعت کیا ہے؟ حسنِ گفتارِ محمد مصطفیٰ ﷺ
نعت کیا ہے؟ گلشنِ افکارِ ختم المرسلیں
نعت کیا ہے؟ راہِ ہستی میں سراج السالکین
نعت کیا ہے؟ شمع سبحان الذی اسریٰ کی ہے
نعت کیا ہے؟ چاندنی اس ناظر اقصیٰ کی ہے
نعت کیا ہے؟ داستانِ فاتح بدر و حنین
نعت کیا ہے؟ نکہت زلفِ امام القبلتین
نعت کیا ہے؟ اتباعِ حضرتِ حسانؓ ہے
نعت کیا ہے؟ موجِ کیفِ سورہِ رحمٰن ہے

جو اصولِ شرع کا پابند رہ سکتا نہیں
وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت کہہ سکتا نہیں

(راغب مراد آبادی)

نعتِ رسولِ کریم ﷺ وجہِ سکون و سرور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ کیفِ شرابِ طہور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ آبِ زلالِ حیات
نعتِ رسولِ کریم ﷺ موجہِ دریائے نور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ راحت قلب و جگر
نعتِ رسولِ کریم ﷺ سوز و گداز و سرور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ فکر و نظر کا کمال
نعتِ رسولِ کریم ﷺ عقل و خرد کا ظہور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ گنجِ خلوص و یقین
نعتِ رسولِ کریم ﷺ فقر و غنا کا وفور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ زمزمہ، جاں فروز
نعتِ رسولِ کریم ﷺ نغمگیِ صبحِ طور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ وردِ لبِ جبرئیل
نعتِ رسولِ کریم ﷺ لطفِ خدائے غفور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ حسن بقائے دوام
نعتِ رسولِ کریم ﷺ سلطنت بے ثغور
نعتِ رسولِ کریم ﷺ سلسلہ صبح و شام
نعتِ رسولِ کریم ﷺ کارِ سنین و شہور

نعتِ رسولِ کریم ﷺ میری متاعِ حیات
نعتِ رسولِ کریم ﷺ دولتِ فہم و شعور

(خالدعلم)

نعت کیا ہے؟ تپشِ دل کا وفورِ اظہار
نعت کیا ہے؟ دلِ بے تاب کو سامانِ قرار
نعت کیا ہے؟ نگہِ شوق کی تسکیں کا چمن
جس سے ملتی ہے ہر اک گلشنِ ایماں کو بہار
نعت کیا ہے؟ چمن دل کے لیے اذنِ حیات
جس سے ہوتی ہے ہراک چشمِ بصیرت بیدار

نعت کیا ہے؟ لبِ خاموش کا اعلانِ وجود جس کا ہر لفظ ہے ایمان کے چہرے کا نکھار
نعت کیا ہے؟ دمِ عیسیٰ کا بدل بحرِ خیال جس سے جاگ اُٹھتے ہیں آئینۂ دل میں افکار
نعت گر دل میں نہ ہو حمدِ خدا بے معنی نعت ہے، صیغۂ احمد میں احد کا اقرار
نعت ہے، فکرِ بشر کے لیے معراجِ شعور نعت ہے، ذکرِ محمد ﷺ میں فرشتوں کا شعار
نعت ہے، آئنۂ عرضِ ہنر کا جوہر جس سے ہوتی ہے نظر، نورِ بصیرت سے دوچار
نعت ہے، آئنۂ جاں کی جلا شام و سحر دُور ہو جاتا ہے جس سے غمِ دنیا کا غبار

حاصلِ تجربہ دہر، یہی ہے سجّاد
جو نثار احمد ﷺ مرسل پہ جہاں اس پہ نثار

(سجاد رضوی)

محمد صانع ہے ثنا مصنوع کی نعت احمد ﷺ ہے خدا کی حمد بھی
نعت توصیفِ رسول ﷺ ہاشمی در حقیقت فعل حق کی پیروی
نعت کا حق اور کس سے ہو ادا کر چکا نعتِ نبی ﷺ ربّ نبی ﷺ
بے محبت نعت کہنا ہے محال یہ رعایت تو نہیں الفاظ کی
ہے محبت کی بنا کشفِ جمال حسن و خوبی سے مکمل آگہی
نعت ہے تاثیر ادراکِ جمال نعت ہے اشک عقیدت کی جھڑی
مستحق اس کا نہیں غیر از رسول ﷺ نعت ہے مخصوص صنفِ شاعری
نعت کو کچھ شوق سے نسبت نہیں بندگی ہے یہ سراسر بندگی

''شمس'' حق ہے نعت کی تنویر سے
ہے منور نعت گو کی زندگی

(سیّد شمس الحق بخاری)

نغمہ جاں فزا ہے نعتِ رسول ﷺ حاصلِ مدعا ہے نعتِ رسول ﷺ
درد کی روشنی عطا کر دی ظلمتوں میں ضیا ہے نعتِ رسول ﷺ
قلب بے تاب کو سکوں بخشا زیست کا آسرا ہے نعتِ رسول ﷺ
درد مندوں کی آبرو اس سے آنسوؤں کی دعا ہے نعتِ رسول ﷺ
گلشنِ جاں میں ہے مہک اس کی ایسی رنگیں ادا ہے نعتِ رسول ﷺ

D:NaatRang-17
File: 6-Akram
Final

قرب کی لذتیں ہیں دوری میں — وہ حسیں سلسلہ ہے نعتِ رسول ﷺ
اس سے تازہ ہے وارداتِ دل — حسن اشعار کا ہے نعتِ رسول ﷺ
ہے خیالوں میں ایک ہی صورت — صورتِ حق نما ہے نعتِ رسول ﷺ
قبر میں جس سے روشنی ہوگی — وہ چراغِ وفا ہے نعتِ رسول ﷺ
وصف کیسے بیان ہوں اس کے — کیسے لکھوں کہ کیا ہے نعتِ رسول ﷺ
اس سے پائی ہے روح نے معراج — سوز کی انتہا ہے نعتِ رسول ﷺ
آستاں عارفوں کی منزل ہے — عاشقوں کی صدا ہے نعتِ رسول ﷺ

ان کے دربارِ قدس میں حافظ
صورتِ التجا ہے نعتِ رسول ﷺ

(حافظ لدھیانوی)

کیا بتائیں نثارؔ کیا ہے نعت — شاہِ کونین کی ثنا ہے نعت
ذکرِ اوصافِ مصطفٰے ﷺ ہے نعت — مدحِ محبوبِ کبریا ہے نعت
ان کے حسن و جمال کی مظہر — ان کی سیرت کا آئینہ ہے نعت
نعت معراجِ عشقِ احمد ﷺ ہے — سر بلندی کا راستہ ہے نعت
رومی، جامی، رضا ہو یا حسان — قلبِ عشاق کی صدا ہے نعت
وہ محمد ﷺ ہیں، احمد ﷺ و محمود ﷺ — ان کے ناموں کا تذکرہ ہے نعت

ان کی توصیف ہو تو کیسے ہو
ابتدا نعت، انتہا ہے نعت

(اصغر نثار قریشی)

میں نے اس قرینے سے نعتِ شہ رقم کی ہے — شعر بعد میں لکھا پہلے آنکھ نم کی ہے
ان کو سوچتے رہنا بھی تو اک عبادت ہے — اور یہ عبادت بھی ہم نے دم بدم کی ہے
میں غزل سے دُور آیا جب سے یہ شعور آیا — نعتِ مصطفٰے ﷺ لکھنا آبرو قلم کی ہے

☆

قلم خوش بو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں — مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعتِ نبی لکھوں
قلم کی پیاس بجھتی ہی نہیں مدحِ محمد ﷺ میں — میں کن لفظوں میں اپنا اعترافِ تشنگی لکھوں

(سیّد صبیح رحمانی)

بڑھ کے امکاناتِ تحسیں سے ہے ان کی ہر ادا کون کرسکتا ہے حقِ نعتِ پیغمبر ادا
اللہ اللہ مدحتِ خیر الوریٰ کے باب میں خود بہ خود ہوتا ہے مضمونِ دلِ مضطر ادا

☆

ادب شرط ہے یہ سخن عامیانہ نہیں ہے یہ ہے نعت کوئی غزل یا فسانہ نہیں ہے
قلم سر جھکاتا ہے اپنا درِ مصطفےٰ ﷺ پر یہاں بات کوئی سخن گسترانہ نہیں ہے

(جعفر بلوچ)

اک ایک نفس نعتِ شہِ ہر دوسرا ہے یہ ذوق مجھے ان کی عنایت سے ملا ہے
محمود کو کیا خوف بھلا روزِ جزا کا آقا کا ہے مداح بھلا ہے یا بُرا ہے

((راجا رشید محمود)

حسن کون و مکاں آپ ﷺ کی نعت ہے ظلمتِ دہر میں روشنی نعت ہے
یاد سرکار ﷺ کی واقعی نعت ہے جس طرح سے ہو ذکرِ نبی ﷺ نعت ہے
صبحِ حسنِ ازل آپ ﷺ کی نعت ہے روز میلاد لیکن بڑی نعت ہے
آپ کی بندگی، آپ کی زندگی گفتنی حمد ہے، دیدنی نعت ہے
ذکرِ ربّ العلیٰ ذکرِ خیرالوریٰ حمد ہی حمد ہے، نعت ہی نعت ہے
کون تعریف اسمِ محمد ﷺ کرے حمد کی حمد ہے، نعت کی نعت ہے

کوئی سمجھے تو قرآن کی آیتیں
بدؔر سارا یہ قرآن ہی نعت ہے

(بدر ساگری)

نعت کیا ہے، درحقیقت حمد ربّ ذوالجلال
نعت کیا ہے، رفعت و عظمت کی حدِ اتصال
نعت انسانی ذہانت کی درخشندہ مثال
نعت کے اجزائے ترکیبی ہیں حسانؓ و بلالؓ

نعت سے بیدار ہو جاتی ہے روحِ کائنات
اس کے سائے میں اماں پاتی ہے انساں کی حیات

D:NaatRang-17
File: 6-Akram
Final

نعت تقدیسِ رسالت، نعت تحریمِ رسول ﷺ
نعت اسلامی ثقافت کا نمائندہ اصول
نعت کے ہر لفظ پر ہوتا ہے رحمت کا نزول
نعت کی محفل میں شرکت بھی سعادت کا حصول

نعت کی تاریخ فکری طور پر سب سے قدیم
نعت گوئی کا سفر ہے اک صراطِ مستقیم

نعت فنِ شاعری کا اک دمکتا آفتاب
نعت گلزارِ صداقت کا تر و تازہ گلاب
نعت اصنافِ سخن کا سب سے بہتر انتخاب
نعت الہامی صحیفہ، کائناتی انتساب

لیکن اس کے واسطے تائیدِ غیبی چاہیے
یعنی جیسے آپ ہیں توصیف ویسی چاہیے
(قصری کان پوری)

نعت کیا ہے؟ مدحتِ خیر البشر ﷺ خیر الوریٰ
نعت کیا ہے؟ دونوں عالم میں محمد ﷺ کی ثنا
نعت کیا ہے؟ روح و جاں میں گرمیٔ صلِ علیٰ
نعت کیا ہے؟ دل کے آئینے میں عکسِ مصطفیٰ

کیا کہوں رعنائیوں کا کون سا انداز ہے
نغمہ عشقِ رسولِ پاک ﷺ کا آغاز ہے

نعت کیا ہے؟ سرمدی جذبات کی ترسیل ہے
نعت کیا ہے؟ لا الٰہ کے نور کی ترتیل ہے
نعت کیا ہے؟ قصرِ حسن و عشق کی تکمیل ہے
نعت کیا ہے؟ حکمِ ربی کی فقط تعمیل ہے

رحمت و بخشش کی ارزانی ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
دیدۂ دل کی ثنا خوانی ہے نعتِ مصطفیٰ ﷺ

نعت کیا ہے؟ عشق کے ساگر میں غرقابی کا نام
نعت کیا ہے؟ میر ہر جذبے کی سیرابی کا نام
نعت کیا ہے؟ ہجر میں سانسوں کی بے تابی کا نام
نعت کیا ہے؟ گنبدِ خضرا کی شادابی کا نام
نعت ہے بے آب صحراؤں میں پانی کی سبیل
نعت ہے اسمِ محمدﷺ ہی کا ایک نقشِ جمیل
(ریاض حسین چوہدری)

مریضِ عشقِ نبیﷺ کی دوا ہے نعتِ رسول — علاجِ درد، پیامِ شفا ہے نعتِ رسول
کلیم کیا کہیں اس میں کوئی کلام نہیں — کلام، بعد کلامِ خدا ہے نعتِ رسول
دکھائی دیتا ہے جس میں جمالِ مصطفوی — کمالِ حسن کا وہ آئنہ ہے نعتِ رسول
خدا کو بھائی جو محبوب کی ثنا کے لیے — کلامِ حق کی وہ دل کش ادا ہے نعتِ رسول
یہ جس کے نور سے کون و مکاں منور ہیں — اسی چراغِ حرم کی ضیا ہے نعتِ رسول
مری زبان کی معراج ان کا ذکرِ جمیل — مرے کلام کا اعزاز یہ ہے نعتِ رسول
میں بھیک نور کی دیتا ہوں چاند تاروں کو — مرے شعور میں جلوہ نما ہے نعتِ رسول
کہو بہاروں سے آ کر سمیٹ لیں خوش بو
کہ میرا ناطقہ مہکا رہا ہے نعتِ رسول
(سیّد راحت حسین نقوی)

نعت کیا ہے؟ نبیﷺ کی مدحت ہے — نعت کیا ہے؟ کلیدِ جنت ہے
نعت کیا ہے؟ درِ شفاعت ہے — نعت کیا ہے؟ عروسِ رحمت ہے
نعت کیا ہے؟ ثوابِ پھلواری — نعت کیا ہے؟ بہارِ نکہت ہے
نعت کیا ہے؟ متین و پاک غزل — نعت کیا ہے؟ سرورِ اُمت ہے
نعت کیا ہے؟ تہجد شاعر — نعت کیا ہے؟ ''سہی'' عبادت ہے
نعت کیا ہے؟ ترانۂ درویش — نعت کیا ہے؟ ملنگ بہجت ہے
نعت کیا ہے؟ ریاضتِ حسانؓ — نعت کیا ہے؟ سخن کرامت ہے
نعت کیا ہے؟ فقیر کا مشروب
نعت کیا ہے؟ ولی کا امرت ہے
(شیر افضل جعفری)

D:NaatRang-17
File: 6-Akram
Final

نعت گوئی سنتِ رحمٰن ہے　　جس پہ شاہد آپ خود قرآن ہے
نعت ہے حمد خداوندی کا در　　نعت ہی ہر حمد کی میزان ہے
نعت ہے روزِ ازل سے تا ابد　　نعت پر سارا جہاں قربان ہے
نعت ہے توفیقِ ربّ کبریا　　نعت خود ہی نعت کی برہان ہے
نعت ہے اس کی نوازش کا سبب　　نعت اس کی بارگاہ کا دان ہے
نعت ہے روحِ عبادت سرِ حق　　ہر طرف بس نعت کا اعلان ہے
نعت ہے کشاف اسرار و رموز　　نعت حسن و عشق کا فرمان ہے
نعت ہے استاد درسِ بے خودی　　نعت سے مضبوط ہر پیمان ہے

نعت ہے اصحاب و عترت کا عمل
اہلِ دل کے شوق کا سامان ہے
(سیّد امین علی نقوی)

نعت کیا ہے، وصفِ ختم المرسلیںﷺ کا تذکرہ
نعت کیا ہے، عظمتِ نورِ مبیںﷺ کا تذکرہ
نعت کیا ہے، نکہتوں کی سرزمیں کا تذکرہ
نعت کیا ہے، سب حسینوں سے حسیں کا تذکرہ

دل کے بنجر کھیت میں کرنیں اُگا دیتی ہے نعت
نقشِ باطل کے جبینوں سے مٹا دیتی ہے نعت

نعت کیا ہے، ہر صدی کے سر پہ دستارِ کرم
نعت کیا ہے، رونقِ دامانِ انوارِ حرم
نعت کیا ہے، آب و تابِ مصحفِ لوح و قلم
نعت کیا ہے، خطۂ افکار کا جاہ و حشم

شہرِ طیبہ کی گزرگاہوں میں جینا نعت ہے
جامِ حبِ سرورِ کونینﷺ پینا نعت ہے
(رفیع الدین ذکی قریشی)

نعت، توصیفِ حبیبِ کبریا نعت، مدحِ رہبرِ راہِ ہدا
نعت، عکسِ سیرتِ میرِ اُمم نعت، عنوانِ ثنائے مصطفٰے ﷺ
نعت، توقیرِ کلامِ اہلِ فن نعت، ذکرِ شافعِ روزِ جزا
نعت، درمان مریض حرص و آز نعت، درد زندگانی کی دوا
نعت، کردارِ رسالت کی مہک نعت، خوش بوئے خصالِ مجتبٰے ﷺ
نعت، شمع خلوت زہد و ورع نعت، نور مشعل غارِ حرا

نعت، الفاظِ حسیں کا امتزاج
نعت، معراجِ قلم صل علیٰ

(راسخ عرفانی)

نعت ہے بندہ مومن کے یقین کی تنویر نعت قرآن و احادیث کی احسن تفسیر
نعت توحید و رسالت کا ہے اک ربطِ حسیں نعت ہے مردِ مسلمان کا ایمان و یقین
خود خدا اور ملائک بھی پڑھیں نعتِ نبی ﷺ مومنو نعتِ پیمبر ﷺ ہی پڑھو تم بھی سبھی
ہے سبھی حمد ثنا خالقِ اکبر کے لیے خلق تخلیق ہوئی نعتِ پیمبر ﷺ کے لیے
جب نہ دنیا میں کہیں نعت کا چرچا ہوگا سانحہ یومِ قیامت کا ہی برپا ہوگا
نعت کیا ہے، مرے آقا ﷺ پہ درود اور سلام کلمہ پاک میں آتا ہے محمد ﷺ ہی کا نام

نعت ہے، حبِ نبی ﷺ آلِ نبی ﷺ سے اُلفت
نعت پڑھنے سے ملے دل کو سکون و راحت

(اکرم کلیم)

نعتِ نبی ﷺ ہے عشق رسالت کا انتساب نعتِ نبی ﷺ حریمِ محبت میں بازیاب
نعتِ نبی ﷺ دلیل ہے حبِ رسول کی نعتِ نبی ﷺ ہے ذوقِ مرصع کا انتخاب
نعتِ نبی ﷺ ہے سایہ دامانِ عافیت نعتِ نبی ﷺ ہے دافع ہر رنج و اضطراب
نعتِ نبی ﷺ سے رفعت فہم و شعور ہے نعتِ نبی ﷺ ہے روئے عقیدت کی آب وتاب

نعتِ نبی ﷺ ہے منزلِ عرفاں کی روشنی
نعتِ نبی سے جہل کے اُٹھتے ہیں سب حجاب

(غلام مصطفٰے قمر)

نعت کیا ہے؟ حسن کے سردار جذبے کا جمال
چشمِ عشق و اشک سے دیکھے ہوئے منظر کی آل
نعت کیا ہے؟ سنتِ پروردگارِ دوجہاں
خالق و مخلوق کے مابین ربط لازوال
نعت کیا ہے؟ ایک تلاوت کربلائے عصر میں
ہر یزیدی دور پر غالب رہا جس کا جلال
نعت صادق چاہتوں کے باغ کا کھلتا گلاب
حضرت حسانؓ بن ثابت کا گلزار خیال
نعت نسبت کے سہانے نور کی صبحِ ظہور
شب کے تنہا موسموں میں گونجتی بانگِ بلالؓ
نعت دل کی بستیوں میں عہدِ خوش حالی کا راز
اک عقیدت مند سرشاری کا شہر بے مثال
چارہ بے چارگاں ہے، زخم کا مرہم ہے نعت
اپنے آقا ﷺ سے عقیدت کا ہے عکس خوش خصال
سر زمین قلب میں سر سبزیوں کی فصل نعت
سبز گنبد کے سدا شاداب موسم سے وصال
حسنِ کامل کی ازل سے تا ابد توصیف نعت
جس کے وردِ پاک سے ''فیروز'' کٹتے ہیں ملال
(محمد فیروز شاہ)

نعت کیا ہے؟ طہارت دل و جاں		نعت کیا ہے؟ محبتوں کی زباں
نعت نسبت کا ایک قرینہ ہے		نعت شیرینی زبان و بیاں
نعت ہے اک سپردگی کا عمل		نعت وجہ ظہور ہر امکاں
ممکناتِ شہود کا باعث		غایتِ حق شعاری انساں
اس سے تازہ دلی تمنائیں
وجہ لمعان ایزدی اذہاں
(غلام رسول عدیم)

نعت کیاہے ذکرِ سلطانِ عرب کا اہتمام نعت کیا ہے راحتِ قلبِ حزیں لطفِ دوام
کیا ہے گلستانِ زندگانی کی بہار نعت کیا ہے انشراحِ لطفِ رب کا اہتمام
نعت کیا ہے آنکھ میں لرزیدہ آنسو کی چمک نعت کیا ہے تذکرۂ سرورِ عالی مقام
نعت کیا ہے مطلعِ حسنِ یقیں کی چاندنی نعت کیاہے دل کے گلشن میں ہواؤں کاخرام
نعت کیا ہے جلوۂ صبحِ ازل نورِ ابد نعت کیا ہے شوق کا پیغام بہرِ خاص و عام
نعت کیاہے دل کی چاہت حاصلِ سوزوگداز نعت کیا ہے شاعرِ پُرشوق کا حسنِ کلام
نعت کیا ہے جذب ومستی رفعتِ ذوقِ یقیں نعت کیا ہے خستہ سامانوں کا آقا کو سلام
نعت کیا ہے شوکتِ افکار کی رعنائیاں نعت کیا ہے عاصیوں کا اپنے آقا سے کلام
نعت کیا ہے افتخارِ جملہ اصنافِ سخن نعت کیا ہے کاروانِ عشق ومستی کی امام
نعت کیاہے من کے آنگن میں ستاروں کا طلوع نعت کیا ہے دل میں ہر پل عظمتِ خیرالانام
نعت کیا ہے حسرتِ دیدارِ شاہِ دوجہاں نعت کیا ہے کاش کہ ہوآپ کا دل میں خیام
نعت کیاہے ہر نفس عنبر فشانی کا گماں نعت کیا ہے ہدیۂ جاں الصلوٰۃ والسلام
نعت کیا ہے جذبۂ توصیفِ محبوبِ خدا نعت کیا ہےشوکتِ دل سے نبی ﷺ کا احترام
نعت کیا ہے دورِ حاضر کا نشانِ امتیاز نعت کیا ہے کلک شاعر سے عقیدت کا پیام
نعت کیا ہے زندگانی کی بہارِ جاوداں نعت کیا ہے کلک شاعر کے مہک جانے کا نام
نعت کیا ہے روشنی ہی روشنی ہی روشنی نعت کیا ہے شکر ربِّ ذوالجلال والاکرام

نعت کیا ہے روحِ انساں کو پیامِ آگہی
نعت کیاہے اے رضاؔ مدحِ محمد ﷺ کا نظام

(محمد اکرم رضا)

توحید کے نغموں کی زباں مدحتِ نبوی ﷺ اللہ کی رحمت کا نشاں مدحتِ نبوی ﷺ
سرشاری صہبائے وفا، ذکرِ محمد ﷺ رنگینی گلزارِ جہاں، مدحتِ نبوی ﷺ
ہر لمحہ نگاہوں میں سراپا ہو انھی کا ہر وقت رہے وردِ زباں، مدحتِ نبوی ﷺ
بے مہری حالات کے اس شور وشغب میں اک گوشہ تسکین و اماں، مدحتِ نبوی ﷺ

(محمد احمد اریب)

D:NaatRang-17
File: 6-Akram
Final

جذبۂ شوق فراواں ہو تو پھر نعت کہو
دل میں گر جوششِ ایماں ہو تو پھر نعت کہو
حق تعالیٰ نے کہی نعتِ محمد ﷺ کے لیے
عاشقِ شاہِ رسولاں ہو تو پھر نعت کہو
جس نے کی آپ سے اُلفت تو ہوئی حق کو خوشی
واقف رحمتِ یزداں ہو تو پھر نعت کہو
آپ ﷺ کا نام ہی ہے جملہ مصائب کا علاج
درد کا کوئی نہ درماں ہو تو پھر نعت کہو
آخرت کا ہے سفر، ہاتھ ہیں دونوں خالی
اس قدر بے سر و ساماں ہو تو پھر نعت کہو
نعت ہر فکر و تردّد کو مٹا دیتی ہے
ذہنِ بیزار و پریشان ہو تو پھر نعت کہو

کامیابی کا وسیلہ یہی بن جاتی ہے
جب بھی مشکل کوئی آساں ہو تو پھر نعت کہو

(سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی)

نہیں ہے ربط کسی اور کی ثنا سے مجھے
علاقہ نعتِ پیمبر سے ہے سدا سے مجھے
مجھے تو نعت کی لوری ملی ہے اماں سے
نبی کی نعت سے ہے پیار ابتدا سے مجھے
نعت ہے سنتِ ربّ اوجِ عقیدت کا نشاں
اس میں تشبیہہ، اشارات کنایہ کیسا
ہم کو بھی نعت گوئی کا کچھ حوصلہ ملا
خالق جو خود حضور کا مدحت سرا ملا

جو نعت گو ہے کیسے نہ ہو منزل آشنا
وہ خوش نصیب ہے اسے یہ راستا ملا

(راجا رشید محمود)

نعتِ نبی ﷺ سے فکر یہ میری پائے اوجِ کمال
نعتِ نبی ﷺ سے ہوتے ہیں دل سے دُور ملال
نعتِ نبی ﷺ سے بڑھتے دیکھا میں نے فہم شعور
نعتِ نبی ﷺ نے مجھ کو کیا ہے رنج و الم سے دُور
نعتِ نبی ﷺ سے ہم سب پر ہوں اللہ کے الطاف
نعتِ نبی میں ذکر کریں ہم آقا ﷺ کے اوصاف
نعتِ نبی ﷺ ہے اک سرمایا ہر عاشق کی جان
نعتِ نبی ﷺ سے روحِ عبادت، عشق کا ہے فرمان

(محمد اقبال نجمی)

یوں ہوئی سجّاد مرزا نعت کی صورت گری
داستانِ دل رقم اہلِ ہنر کرتے رہے
نعتِ نبی ﷺ سے قلب ہوا کیمیا صفت
ورنہ یہ جسم خاک میں تھا خاک کی طرح
(سجاد مرزا)

ارادہ نعت گوئی کا ہے دیکھو سادگی اپنی کہاں شانِ نبوت اور کہاں کم آگہی اپنی
خدا جو کام خود کرتا ہے وہ مجھ سے ہو ناممکن فقط مقصود ہے اس بارگہ میں حاضری اپنی
(منظورالحق مخدوم)

کس قدر ہے شان وعظمت سرورِ کونین کی خود خدا کرتا ہے مدحت سرورِ کونین کی
میں کہاں خاکی کہاں مدحِ رسولِ کائنات باخدا یہ ہے عنایت سرورِ کونین کی
(عزیزالدین خاکی القادری)

کیا فکر کی جولانی کیا عرضِ ہنرمندی توصیفِ پیمبر ہے توفیقِ خداوندی
(حافظ محمد افضل فقیر)

کشفؔی کے لیے نعت ہے تابوتِ سکینہ سرکارِ دوعالم کے سوا کس کا کرم ہے
(محمد ابوالخیر کشفی)

قرآن میں بھی ذکرِ محمد ﷺ ہے جابجا یعنی ہے خود خدا بھی ثناخوانِ مصطفےٰ ﷺ
نعتِ رسولِ پاک ہی لکھتے رہو قمرؔ بخشا ہے حق نے جب تمھیں عرفانِ مصطفےٰ ﷺ
(قمر یزدانی)

کتنی حسیں ہے ان کے ثناخواں کی گفتگو آٹھوں پہر ہے سرورِ دوراں کی گفتگو
کل روزِ حشر مدحِ نبی ﷺ کے طفیل میں اخترؔ سے ہوگی حضرتِ حسانؓ کی گفتگو
(سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی)

آتی ہے دھوپ رُت میں جو سر پر ردائے نعت جیسے محیط دونوں جہاں پر فضائے نعت
مہکا ہے نخلِ جانِ تمنا کچھ اس طرح آئی ہے ان کے دیس سے تازہ ہوائے نعت
صد ہدیۂ خراجِ ثناخوانِ مصطفےٰ ﷺ آقا کو بھا گئی ہے تمھاری ادائے نعت
(ریاض احمد قادری۔ فیصل آباد)

D:NaatRang-17
File: 6-Akram
Final

جب کیا میں نے قصدِ نعتِ حضور ہوئے یک جا شعور و تحتِ شعور
روحِ ممدوح دست گیر ہوئی شاملِ جاں تھا لطفِ ربِّ غفور
خود خدا جس کا ہے ستائش گر رحمتِ عالمیں ہے جو مذکور
صلۂ مدحِ مصطفیٰ ﷺ چاہوں یہ نہیں میری طبع کو منظور
کیا ہے اعزاز کم یہ میرے لیے نعتِ خیر الوریٰ پہ ہوں مامور

☆

نعتِ حضرت مری پہچان ہے سبحان اللہ یہی دنیا یہی ایمان ہے سبحان اللہ
جس سے پہلے کسی تخلیق کا عنوان نہ تھا وہ مرے شعر کا عنوان ہے سبحان اللہ

(حفیظ تائب)

تنہا ہوں میں جب بھی پڑھوں نعتِ مصطفیٰ ﷺ بخشے مجھے عجیب سکوں نعتِ مصطفیٰ ﷺ
آنکھوں سے آنسوؤں کے سمندر اُبل پڑیں قرطاسِ دل پہ جب بھی لکھوں نعتِ مصطفیٰ ﷺ
عصیاں زدہ ہوں دل میں تمنا ہے ہر گھڑی پڑھتے ہوئے میں کاش مروں نعتِ مصطفیٰ ﷺ
ہر وقت ان کی یاد کے روشن دیے رہیں بھیجا کروں ''درود'' کہوں نعتِ مصطفیٰ ﷺ

(خالد شفیق)

نورِ دل حسنِ زباں نعتِ رسولِ عربی نکہتِ گلشنِ جاں نعتِ رسولِ عربی
میری ہر سانس سے پھولوں کی مہک آتی ہے جب سناتی ہے زباں نعتِ رسولِ عربی

(غلام زبیر نازش)

روضۂ اقدس پہ ان کے جو کبھی اک نعت ہو
زندگی کا میری سرمایہ یہی اک نعت ہو
اتباعِ احمدِ مرسل ﷺ اگر شیوہ بنے
میرا ایماں ہے کہ میری زندگی اک نعت ہو
ماہ و انجم، عندلیب و گل، جہانِ رنگ و بُو
جیسے یہ نقاشِ فطرت کی لکھی اک نعت ہو
ہر زباں کے خوب صورت جتنے بھی الفاظ ہیں
جی میں ہے یہ ہوں اگر یک جا کبھی اک نعت ہو

(محمد عبداللہ جمال)

عشق کی داستاں ہے نعتِ نبیؐ　　رحمتِ جاوداں ہے نعتِ نبیؐ
خلقِ عالم کو جانبِ رب سے　　بہتریں ارمغاں ہے نعتِ نبیؐ
کم نہ ہوگی کبھی بہار اس کی　　گلشنِ بے خزاں ہے نعتِ نبیؐ
(حافظ محمد صادق)

اصنافِ شاعری میں یہی صنفِ تام ہے　　لاریب فی کہ نعت ہی حسنِ کلام ہے
ایوانِ نعت کتنا منور ہے ان دنوں　　یہ اہتمام اخترِ شیریں کلام ہے
سیرت کو نئے طور سے کرنا ہے عیاں اور　　لانا ہے قصائد میں بھی اندازِ بیاں اور
(سلیم اختر فارانی)

اک مدت سے ہے سودا نعت کہنے کا مجھے　　کاش آ جائے سلیقہ نعت کہنے کا مجھے
حالِ دل کہہ کر سکونِ قلب حاصل ہو سکے　　اور مل جائے بہانہ نعت کہنے کا مجھے
(عزیز لدھیانوی)

لفظوں نے جب وضو کیا تو نعت بن گئی　　جب نعت بن گئی تو مری بات بن گئی
جس رات مجھ حزیں کو ہوئی نعت کی عطا　　شاداب تر حیات میں وہ رات بن گئی
(امیر نواز امیر)

نعت منشائے الٰہی نعت نطقِ جبرئیل　　نعت ہے حکمت کی برہاں نعت عرفاں کی دلیل
نعت جذبِ جاودانی نعت کیفِ سرمدی　　نعت ہے مینائے کوثر نعت موجِ سلسبیل
نعت ہے مردِ مسلماں کے لیے فردوس گوش　　نعت ہے توصیفِ محبوبِ خداوندِ جلیل
(علیم ناصری)

نعت رستہ حصول نعمت کا　　نعت اک سلسلہ ہے چاہت کا
نعت میں سوز جاں ہویدا ہے　　نعت میں تزکیہ ہے نیت کا
نعت سے کائناتِ دل روشن　　نعت میں اک سماں ہے جنت کا
(عارف رضا)

یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور لطف ہے بزمیؔ　　وگرنہ کب مجھے نعتِ پیمبر کا سلیقہ ہے
(خالد بزمی)

نعت آتی نہیں کبھی لب تک　　کرمِ شاہِ دیں نہ ہو جب تک
(حسن رضوی)

D:NaatRang-17
File: 6-Akram
Final

زبانِ دل پہ جو مدحت حضور آئی تو حرف حرف سے خوش بو گلاب کی آئی

☆

جس قدر جنبشِ قلم دیکھوں مدحتِ مصطفےٰ ﷺ رقم دیکھوں

☆

ہے ازل سے اک یہی لے دے کے ارماں فکر کا
ہو مقدر مدحتِ محبوبِ یزداں فکر کا
یوں قلم وقفِ ثنائے احمدِ مختار ہے
سیرتِ خیرالوریٰ جیسے ہو ساماں فکر کا
(قمر وارثی)

عطا مجھ کو بھی ہو جائے سلیقہ نعت کہنے کا قلم میرا تمنائی ہے آقا نعت کہنے کا
سبھی کچھ محو ہو جائے مرے ادراک سے آقا مگر باقی رہے جذبہ خدایا نعت کہنے کا
(آثم فردوسی)

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی تو ابتدا سے طبعِ رواں منتہی ہوئی
ہر بیت میں جو وصفِ پیمبر رقم کیے کاشانہ سخن میں بڑی روشنی ہوئی
(مولانا ابوالکلام آزاد)

ہوا ہے دل کا تقاضا کہ ایک نعت کہوں میں اپنے زخم کے گلشن سے تازہ پھول چنوں
پھر ان پہ شبنم اشکِ سحر گہی چھڑکوں میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں
(نعیم صدیقی)

ریاضِ مدحِ رسالت میں راہ وارِ غزل چلا ہے رقص کناں آہوئے صبا کی طرح
نہ پوچھو معجزۂ مدحتِ شہِ کونین مرے قلم میں ہے جنبش پرِ ہما کی طرح
(سراج الدین ظفر)

ذکرِ سرکار مرے لب پہ رواں ہوتا ہے حسنِ گلزارِ سخن میرا بیاں ہوتا ہے
میرے افکار سے جب نعت کی خوش بو آئے شاد و آباد مرے دل کا جہاں ہوتا ہے
(عبدالغنی تائب)

مری قسمت میں لکھی تھی محمد ﷺ کی ثناخوانی مرے حصے میں بھی یوں ساقیٔ کوثر کا جام آیا

ظہوری قبر میں منکر نکیر یوں بولے   نبی کی نعت سنا دو کہ آپ آئے ہیں
(محمد علی ظہوری)

ہیں لفظ نور سے ڈوبے ہوئے ذہن روشن   ہے نعتِ شمعِ رسالت سے میرا فن روشن
سخن ہے ہدیۂ نعتِ رسول ہونٹوں پر   نہ ہو تو کیوں مرا پیرایۂ سخن روشن
(سجادسخن)

شہِ دنیا و دین کیا لکھے؟   نعت، یہ کم ترین کیا لکھے؟
تجھ سے اعلیٰ ترین کے اوصاف   مجھ سا ادنیٰ ترین کیا لکھے؟
کیسے آغازِ نعت ہو، یہ دل   خاتم المرسلین! کیا لکھے؟
نعتِ سرخیلِ احسنِ تقویم   اسفل السافلین کیا لکھے؟
تیری تقدیس نور کا احوال   کلکِ تیرہ جبین کیا لکھے؟
تُو ہی کہہ دے ترا ریاضؔ مجید   اے شہِ مرسلین کیا لکھے؟
(ریاض مجید)

نعت لکھنے کی سعادت مجھ کو جیسے ہی ملی   مرتبہ اہلِ ہنر میں بول بالا ہوگیا
بس ابھی مطلع کہا تھا نعت کا میں نے سہیلؔ   میرے کمرے میں اُجالا ہی اُجالا ہوگیا
(سہیلؔ غازی پوری)

میں کیسے نعت کہوں کس طرح سناؤں تجھے   کہ روکتا ہے برابر ترا ادب مجھ کو
لکھوں جو نعت تو ہوتا ہے ہر گھڑی محسوس   میں حرف ہوں تو مری لَے کا معجزہ تُو ہے

☆

یہ آرزو ہے کہ میں جب بھی تیری نعت کہوں   میرے بیاں سے جھلکنے لگے بیاں تیرا
(عارف عبدالمتین)

احباب کیا کریں گے مرا امتحانِ نعت   رُوح القدس کے فیض سے ہوں نکتہ دانِ نعت
اُٹھتا ہے شرقِ دل سے جو تحریر کے لیے   کوثر سے دھوکے لاتا ہے خامہ زبانِ نعت
دشوار تھا سمجھنا مقامِ رسول کا   قرآن نے دکھائی مسلماں کو شانِ نعت
تاثیر و جذب، رحمتِ اُمی لقب کا عشق   پیکر حروفِ نعت، معانی ہیں جانِ نعت
لایا ہے کوئی تقویٰ کوئی زہد کوئی حج   محشر میں مرے پاس ہے صرف ارمغانِ نعت
(اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی)

زباں ملی ہے جو نعتِ شہِ ہدیٰ کے لیے　　عطا ہوا ہے قلم آپ کی ثنا کے لیے
ثنائے خواجہ کا حق جن سے کر سکوں میں ادا　　وہ لفظ چاہییں توصیفِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے
(یزدانی جالندھری)

نعت کہنے کو جب بھی اٹھائے قلم، میرے جذبات کو جانے کیا ہوگیا
خامشی لب پہ مدحت سرا ہوگئی، اشک آنکھوں میں حرفِ دعا ہوگیا
(انور جمال)

کتنا عظیم ذکر ہے رحمت کے باب کا　　ہر لفظ نعت گو ہے خدا کی کتاب کا
جب بھی ہوا ہے شعر کوئی نعت کا سحر　　گلزار جاں میں پھول کھلا ہے گلاب
(حسین سحر)

ہے جسم و جاں میں خون رواں نعت کے لیے　　جذبے ہیں میرے سارے جواں نعت کے لیے
بادل ہوا یہ پھول ستارے یہ چاندنی　　پیدا کیے خدا نے یہاں نعت کے لیے
فکر و شعور اور نہ معراج علم و فن　　لازم مگر ہیں اشکِ رواں نعت کے لیے
(مسرور کیفی)

پڑھ کے قرآنِ خدا میں نے مظفر سیکھی　　مالک و سرورِ کونین کی مدحت کرنا

☆

لکھنے چلا جو نعت تو میرے حضور نے　　لفظوں کا ڈھیر ذہن کی تھالی پہ رکھ دیا
آہنگِ نو میں نعت مظفر نہ کیوں کہے　　کھلتا شعور خشک خیالی پہ رکھ دیا
(مظفر وارثی)

کلامِ حق کے سوا اور کوئی کلام نہیں　　درود و نعت سے بہتر کوئی سلام نہیں

☆

جب بھی نعت لکھوں گا میں یہ بات لکھوں گا　　آپ ہی کا صدقہ ہے کائنات لکھوں گا
(حیرت الٰہ آبادی)

نعتِ محبوبِ خدا ﷺ کا یہ پُر کیف سلسلہ جاری ہے۔ یہ سلسلہ فنا کے تصور سے ناآشنا اور زمان و مکان کی بندشوں اور رکاوٹوں سے بے نیاز ہے۔ نعت میں پیغامِ نعت کا حسین تر پہلو یہ ہے کہ اس کی بدولت شاعر اپنے ممدوحِ عظیم ﷺ سے نہایت روحانی قربت محسوس کرتا ہے۔ نعت

میں نعت رقم کرتے ہوئے اسے ہر گام پر بے خودی و سرشاری کا احساس ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ احساس ہے کہ وہ جس عظیم ہستی کی توصیف کے آداب پیغامِ نعت کی صورت میں سکھا رہا ہے وہ جمالِ جہاں آرا کی مظہر ہے مگر اس کے جمالِ بے حساب کی توصیف کرتے ہوئے حدِ ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بے خودی و سرشاری شاعر کا مقدر بنتی ہے۔ جہاں کیف و نور کے وفور کا سماں ہوتا ہے، جذباتِ عقیدت کے ہجوم میں ان کے افکار گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مرکزِ نعت ﷺ کی لمحہ افشانیاں شاعر کو نعت کے حقیقی مفاہیم کی طرف لے جاتی ہیں اور پھر وہ سرخوشی و سرشاری میں اپنے آپ سے بے نیاز ہو کر شہپرِ نعت کی بلند پروازی کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ خود میں گم ہو کر نعت نگاری کی عظمتوں کی تلاش کر لیتا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ:

شان ان کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہوجائیے
(خورشید رضوی)

نعت میں نعت کی عظمت کو اُجاگر کرنا بندگانِ خدا کو مدحتِ حضور ﷺ کی برکات سے آگاہ کرنا ہے۔ اس طور شاعر اپنی قلبی واردات، ذہنی کیفیات، نعتیہ جذبات اور مداحِ حضور میں اپنے احساسات کو دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اس کا مقصد فکر و فن کی نمائش نہیں بلکہ وہ فقط یہی آرزو رکھتا ہے کہ:

دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

حقیقت بھی یہی ہے کہ ممدوحِ دوعالم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور آپ کی مدحت لازم و ملزوم ہیں۔ جب تک شاعر مقامِ نعت سے آشنا نہیں ہوگا۔ جب تک وہ فارانِ نعت سے اُبھرنے والی تجلیات سے قلب و جان کو مستیز کرنے کا اہتمام نہیں کرے گا۔ جب تک وہ قرآن حکیم کی آیاتِ نور سے راہنمائی نہیں لے گا۔ جب تک وہ اپنے دل کے خلوت کدوں کو ''محمدیت کے جلوہ ہائے تاب دار سے آباد نہیں کرے گا۔ جب تک وہ سیرتِ حضور ﷺ کے پہلو بہ پہلو صورتِ حضور ﷺ کی بے مثال جلوہ افزیوں کو جزوِ ایمان نہیں بنائے گا، وہ صحیح معنوں میں نعت نہیں کہہ سکے گا۔ نعت فقط الفاظ کی بوقلمونی یا تخیلات کی گل کاری کا نام نہیں۔ نعت فقط خوب صورت مصرعوں کی بے محل اُٹھان کا نام نہیں۔ نعت فقط چند اشعار کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ نعت کہتے ہوئے شاعر کو احساس ہونا چاہیے کہ میں نعت کیوں کہہ رہا ہوں۔ نعت کہتے ہوئے اس کے باطن سے عشق و عقیدت

کے سرچشمے پھوٹنے چاہییں۔ محبت و وارفتگی کی کہکشاں سپہر شوق پر جگمگانی چاہیے۔ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے مصداق اسے متاعِ فکر ونظر نعت کی نذر کر دینی چاہیے۔ ورنہ فقط لفظ ''نعت'' ادا کر دینے سے ہمارا مدعا پورا نہیں ہوتا۔ ہم نے تو یہ دیکھنا ہے کہ شاعر اس لفظ ''نعت'' کی حرمت، اس کی فضیلت اور اس کی لذاتِ روحانی سے کس قدر نا آشنا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ:

ان کا احساں ہے خدا کا شکر ہے — دل ثنا خواں ہے خدا کا شکر ہے
غم نہیں کوئی کہ ان کا اسمِ پاک — راحتِ جاں ہے خدا کا شکر ہے
ذکر حمد و نعت سے آراستہ — محفلِ جاں ہے خدا کا شکر ہے
میرے فکر وفن کا، میری زیست کا — نعت عنواں ہے خدا کا شکر ہے

(صبیح رحمانی)

پروفیسر محمد فیروز شاہ۔ میانوالی

نعت میں جدید طرزِ احساس

زمانہ بدلتی رُتوں کا آشیانہ ہے۔

وقت سدا رواں دواں رہتا ہے، جواں رہتا ہے۔ اس کی جوانی لمحوں کی روانی اور تغیر و تبدل کی جولانی سے عبارت ہے اور اس کا آغاز و انجام نبی ﷺ، خیرالانام کے قدومِ میمنت لزوم کے صدقے میں اپنے وجود کے معلوم و معدوم کا ادراک کرتا ہے۔ حضورِ مکرم ﷺ کی نبوت ہر زمانے کی جبیں اور ہر زمیں کے آسمان پر تاباں و درخشاں رہے گی۔ اس لیے سرکار ﷺ کی نعت بھی ہر دور کی زندگی میں تابندگی کا طور منور کرتی رہے گی۔ یہ وہ آفاقی صداقت ہے جو ہر عہد کی پیشانی کو تابانی عطا کرتی ہے۔ ممتاز اسکالر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر رقم طراز ہیں:

> نعت کے دائرے کو محدود سمجھنا درست نہیں، کیوں کہ جتنا دائرہ حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کا ہے، اُتنا ہی دائرہ اُن اوصافِ حمیدہ کا ہے جو نعت پر کام کرنے والوں کی کوششوں سے انسانیت تک پہنچ رہے ہیں۔ تمام اسلامی زبانوں میں نعت اور سیرت پر سب سے زیادہ ذخیرہ اردو زبان میں ہے۔

(ماہنامہ ''نعت'' لاہور، اگست/ستمبر ۱۹۹۸ء، ص ۵۸)

اور جب ہم اس بے بہا ذخیرۂ نعت پر عقیدت مندانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو گہرہائے اَن مول کی چکاچوند کے سامنے زمانے بھر کی روشنیاں ماند پڑنے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ صرف ایک ہی ابدتاب روشنی باقی رہ جاتی ہے بلکہ ہر شے پر چھا جاتی ہے۔ پھر یہ صدق نصیب روشنی لہو کی روشنائی میں گھل کر قلم کی توانائی بنتی ہے تو زندہ لفظ وجود میں آتے ہیں۔ عصری دانائی جن کی تابندہ گواہی سے

نمود پاتی ہے اور محبتوں کے سدابہار گلاب کھل اُٹھتے ہیں... وہ گلِ نوبہار جن کی آغوش میں پرورش پانے والی نگاہوں میں خواب اور انقلاب کا فرق مٹ جاتا ہے اور آرزو کامران زبانوں کی خوش بو سے مملو ہوکر عہد بھر کو سرخ رُو کر دیتی ہے۔ میں نے پہلے بھی کہیں لکھا ہے...نعت، درِحبیب ﷺ پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے۔ جسے یہ قرینہ نصیب ہوگیا اس کا نصیبہ کھل گیا... زمانوں، جہانوں اور آسمانوں تک اس کے جذبوں اور لفظوں کی مہکاریں پھیل گئیں۔ خالقِ کون و مکاں کی رحمتوں کی پھواریں اس کی ہستی کو عشق سے سرشار سرمستی میں شرابور کرگئیں اور وہ خوش بخت اپنے لکھے حرفوں کے عقیدت نامے محبوبِ ﷺ خدا و کائنات کے دربارِ عالیہ میں پیش کرکے رازِ حیات پا گیا۔ رازِ محبوب ﷺ سے منسوب ہوکر حیات بھر کا اعزاز بن جاتا ہے...یہیں سے سرفراز زیست کا آغاز ہوتا ہے جو دوام لمحوں کی برکتوں سے جگمگا رہی ہوتی ہے کہ عزت و ذلت جس کے ہاتھ میں ہے اس نے ہمیشہ ذکرِ محبوب ﷺ کو ہمیشگی کی سند عطا کی ہے۔ **و رفعنا لک ذکرک** کے سربلند پرچم تلے ثناخوانِ مصطفےٰ ﷺ زندگی کرنے کا عہد کرتا ہے تو جاوداں ساعتوں کی بشارتوں میں اس کا نام ارفع مقام کی وہ ضمانت حاصل کرلیتا ہے جسے دستِ اجل بھی چھونہیں سکا کبھی! یہ سلسلۂ خیر و برکت وہ چشمۂ محبت ہے جس کی دوامیت کو استناد خالقِ کائنات نے عطا کر دیا۔ ہر زمانے کی سرزمین پر محبتوں کی رفعتوں کا علم لہرا دیا...اب وقت کیسے ہی رنگ بدلے عشقِ رسول ﷺ ہر لمحے کی اُمنگ کو ترنگ عطا کرے گا! رنگ بدلتے منظروں اور رُوپ نکھرے موسموں کے آنگن میں ماہِ طیبہ کا اُجالا ہر عہد کا روشن تر حوالہ بن کر زندگی کو تابندگی کی سوغات بانٹتا رہے گا۔ الحمدللہ... یہ سوغات ہم فقیروں کے کاسۂ خیرات کو وہ تنویر عطا کر رہی ہے جو تازہ کار صبحوں اور تر و تازہ پھولوں کے اشتراک سے خیر و مسرت کا ادراک تخلیق کرتی ہے۔ یہ فروغِ نعت کا دور ہے۔ ہر لمحہ سرکار ﷺ کے نعلینِ پا کی دُھول سے کامرانی کے پھول حاصل کرتا ہے اور جدید دور کے نئے طور سے ہم آہنگ ہوکر عقیدتوں کے خوش رنگ گلوں کے سنگ زندگانی کو دائمی شادمانی سے ہم کنار کرتا ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں نعتِ محبوب ﷺ لکھنے/ پڑھنے والے خوش مقدر عمر بھر کے وہ سکندر ہوتے ہیں جو اگرچہ قلندر ہوتے ہیں مگر کامرانیوں کے سمندر اُن کے اندر ٹھاٹھیں مار رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے وہ نئے زمانے سے نہیں، زمانہ اُن سے ہم آہنگ ہوکر چلتا ہے اور اُن کے رنگ میں رنگ کر زندگی کی ترنگ حاصل کرتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جب ہم آج کی نعتیہ شاعری پڑھتے/ سنتے ہیں تو ایک پُرسرور سرشاری... بادِ بہاری کی طرح ہمیں اپنے حصار میں لے لیتی ہے اور یہی وہ مقام ہے

جہاں آکر حصار موسمِ بہار بن جاتا ہے۔ نعت میں جدید طرزِ احساس کو جب ہم مختلف پہلوؤں سے دیکھتے ہیں تو اس کا خوب رُو منظر نامہ کچھ اس طرح ترتیب پاتا ہے۔

اسلوب کا تنوع

شاعری طرزِ ادا سے دلوں کی ساحری بنتی ہے۔ اسلوب پڑھنے/ سننے والے کو محبوب ہوجائے تو دلوں کے طلسم شعر کے اسم سے کھلتے چلے جاتے ہیں، اسی لیے میں شاعری... بلکہ اب صرف نعتیہ شاعری کو تسخیرِ قلوب کا عمل کہا کرتا ہوں۔ دلوں پر پڑے قفل زنگ آلود ہوجائیں تو آشنا صدا کی کلید بھی انھیں کھولنے کی نوید نہیں دیتی...تب صرف ایک اسم کام آتا ہے۔ سچائی کا اسم...اور سچائی عشقِ صادق کی ہم راہی کا نام ہے۔ رفاقتیں سچی ہوں تو مسافتیں بجائے خود منزلوں کی بشارتیں بن جایا کرتی ہیں...اور لاریب...جس کا عشق جوازِ تخلیقِ کائنات ہوا اور جو خالقِ کائنات عزوجل کا محبوب ہوا...اس سے منسوب ہوکر تو اسلوب طرزِ مرغوب کے سوا اور کیا ہوگا...سو میں سمجھتا ہوں نئے دور کی نعتیہ شاعری کا اوّلین خاصہ اسلوبِ تازہ کا دروازہ کھولنا ہے جس کی اوٹ سے آنے والے بہاریں جھونکے مشامِ جاں میں تازگی اور اقصائے روح میں بالیدگی کی سرشاری بھر دیتے ہیں:

اس کی خلوت ہواؤں پہ کیا چھاپنی، اس کے سجدوں کی اونچائی کیا ناپنی
پھول غارِ حرا میں کھلاتا رہا اور پھل سدرۃ المنتہیٰ سے چُنے
(مظفروارثی)

اس کی سانسیں سناٹے میں خوش بو کا اظہار بنیں
نیندیں تھک کر سو جاتی تھیں اور وہ جاگتا رہتا تھا
(سلیم کوثر)

اس کی مسافرت کا زمانہ بھی روشنی
اور ساتھ ہی نقوشِ کفِ پا بھی روشنی
(بیدل حیدری)

جس نے سوچا انھیں
وہ خدا کی قسم

ماورائے زمان و زمیں ہوگیا
جس نے لکھا انھیں
اس کا معجز قلم
شہپرِ جبریلِ امیں ہوگیا
جس نے چاہا انھیں
اس کی چاہت
بقا کی نگارش ہوئی
اس پہ دن رات پھولوں کی بارش ہوئی
جس نے چاہا انھیں
اس کو چاہا گیا
اس کی دہلیز تک ہر دوراہا گیا!

(شبنم رومانی)

سکوتِ حرف کو اذنِ بیان دیتا ہے وہ دشتِ فکر میں اب بھی اذان دیتا ہے

(محسن نقوی)

آسمانوں پہ کوئی بادلہ کھل جاتا ہے جب سحر جاگنے لگتی ہے کھجوروں میں ترے

(محمود علی محمود)

پھر آسمانوں کی آخری حد پہ جا کے بھی تیرے دل میں دھرتی دھڑک رہی تھی
ترے زمانے جو حشر سے بھی فنا نہ ہوں گے، ہماری مٹی میں سو رہے ہیں

(محمد اجمل نیازی)

صرف مدینے میں
اور کہاں پر اُگتے ہیں
سورج سینے میں

(سیّد صبیح رحمانی)

تنگ مزاجوں کی سلطنت میں
بتایا جس نے

سخن حدودِ دعا میں کرنا
لباس نا آشنا رواجوں کی سلطنت میں سکھایا جس نے
نمو کی مشتاق بے ہنر خوئے شعلگی کو
طریقِ قطع و بریدِ جامہ
حریم شمعِ صفات ہونا
مکاشفے میں
مباحثے میں
مباہلے میں
دلیلِ قاطع، دعائے فاتح، ثبوتِ آخر کو
اپنے اوزان کی صداقت میں تولتا تھا
وہ نرم لہجے میں بولتا تھا!

(اختر حسین جعفری)

کھلے ہیں جس میں محبت کے پھول ہر جانب
وہی ہے گلشنِ بے خارِ گفتگوئے رسول ﷺ
(راجا رشید محمود)

جہاں پیوندِ ظلمت بن گئے روزن مکانوں کے
وہیں کھولے گئے سارے دریچے آسمانوں کے
(غلام محمد قاصر)

کوئی فکر لَو نہیں دے رہی کوئی شعر تر نہیں ہو رہا
رہِ نعت میں کوئی آشنا مرا ہم سفر نہیں ہو رہا
(سعود عثمانی)

خزاں کا بطلان کرکے آخر بہار ہی سرخ رُو ہوئی ہے
تری صدا کے محیط میں آکے زندگی خوب رُو ہوئی ہے
(محمد فیروز شاہ)

D:NaatRang-17
File: 7-Feroz
Final

جدتِ تشبیہات و استعارات

شاعری خوب صورت تشبیہات و استعارات سے آراستہ ہوکر نکھر آتی ہے، مگر جہاں ممدوح بے مثل اور بے مثال ہو وہاں مثالیں کہاں سے ڈھونڈی جائیں... کسی ایسے ہی تحیر میں کبھی میں نے کہا تھا۔

یہ رنگ و بو کا جہاں تو خود اک گدا ہے دربارِ عالیہ کا
میں نعت لکھوں تو سوچتا ہوں کہاں سے لاؤں مثال آقا! ﷺ

لیکن یہ عشق وعقیدت کی گلاب رُتیں ہیں کہ جن کی جولانیاں جذبۂ صادق کی کمک سے کامرانیاں پا جاتی ہیں۔ لمحۂ موجود میں صدق بھری چاہتوں کی رفاقتوں میں خیال کے جمال نے ایسے کامیاب تشبیہاتی اور استعاراتی نظام کی تشکیل کی ہے کہ جسے پڑھ کر دل ونظر میں اعترافات کے پھول کھل اُٹھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ قلم کی وہ کامرانی ہے جو عشقِ رسول ﷺ کے علم تلے سانس لینے والوں کے نصیب ہی میں آیا کرتی ہے۔ کائنات کا سارا حسن محبوبِ ﷺ کائنات کا صدقہ ہے۔ رات واللیل والی زُلفوں کی بارات ہے۔ چاند ان کے رُخ انور کے آگے ماند ہے۔ خورشید اُن کی چشمِ ضیابار سے اذن لے کر روشنی کی نوید بنتا ہے۔ ستارے ان کی دہلیز سے روشنی کے استعارے بنتے ہیں، اُن کی گفتگو سے پھولوں کو خوش بو ملی۔ ان کے ہونٹوں سے گلابوں میں رنگ اُترے، اُن کے تبسم نے گلوں کو کھلنا سکھایا۔ اُن کے تکلم سے لفظ کو حیات ملی... حیات اُن پر نثار ہوکر ثبات پا جاتی ہے اور شاعری نعت میں ڈھل کر اثبات کی کائنات بن جاتی ہے... یہ بھی سرکار ﷺ کا ایک بے نظیر معجزہ ہے کہ آپ ﷺ بے مثل و بے مثال ہوتے ہوئے بھی جب اہلِ عشق کی عقیدتوں کا مرکز بنتے ہیں اور حرف وصوت اُن کے دربار گہر بار میں حاضری دے کر شرفِ حضوری پاتے ہیں تو تشبیہات و استعارات کی کمیابی قدم بوسیٔ حضور ﷺ کے صدقے میں انوکھے مگر پُرتاثیر تخیل وتشبیہ کی باریابی سے بدل دی جاتی ہے اور شاعر کے لفظوں کی جھولیاں نئے دور کی ہم طور تشبیہات و استعارات سے بھر جاتی ہیں!

ترے پنگھٹ سے بادل اپنی گاگر بھرنے آتے ہیں
زمانے بھر کے پیاسے پیاس عمروں کی بجھاتے ہیں
(مظفر وارثی)

پانی ہوتا اُداس چشموں کا تیرے قدموں پہ بہہ گیا ہوتا
(حسن نثار)

کی دعا ختم تو پھر صلِ علیٰ پڑھتے ہوئے ہاتھ یوں جسم پہ پھیرے کہ زرہ پہنی ہے
(محمد ثناء اللہ ظہیر)

سیاہ شب کی ہتھیلی پہ کاڑھ کر جگنو وہ رہ رووَں کو سحر کا نشان دیتا ہے
(محسن نقوی)

کھلا یہ قلزمِ نعتِ محمد ﷺ میں فنا ہوکر کہ ملتا ہے کسی قطرے کو کیا کچھ اس سمندر سے
(قیصر نجفی)

کاسۂ جاں میں لیے نور کی لوٹے خیرات جو گدا اُن کے درِ فیض رسا تک پہنچے
(سیّد صبیح رحمانی)

سبیل ہے اور صراط ہے اور روشنی ہے اک عبدِ مولیٰ صفات ہے اور روشنی ہے
(افتخار عارف)

شامِ ابد کا ایک ستارہ کتنے چراغ جلا سکتا ہے
(ثروت حسین)

تکے جاتی ہے اس کو اُم معبد جو مہتاب اس کے گھر اُترا ہوا ہے
(حفیظ تائب)

دُور تلک، مروہ تلک جگنو بکھر جاتے ہیں مٹھی جب کھولتی ہے چاندنی چشموں میں ترے
(محمود علی محمود)

زمینِ نعت نورِ مصطفےٰ ﷺ سے جگمگاتی ہے ستارے لفظ بن جاتے ہیں جب صلِ علیٰ کہیے
(سیّد منیر)

اس رشکِ نو بہار کی سانسیں بھی خوش بوئیں اس روشنی بدن کا پسینہ بھی روشنی
(بیدل حیدری)

سب آنکھیں ہیں اس کی گواہی چہرے اس کی امانت ہیں
عکس بچھڑ کر بھی اس کے ہیں وہ اک ایسا آئینہ تھا
(سلیم کوثر)

D:NaatRang-17
File: 7-Feroz
Final

ہمارے لمحے تری دعا کے شفیق ہالے میں جی رہے ہیں
ہمارے زخموں کو تیری یادوں کے شبنمی ہاتھ سی رہے ہیں
(محمد فیروز شاہ)

ندرتِ فکر و خیال

خیال کا جمال نئے پن کی انفرادیت سے اوجِ کمال تک پہنچتا ہے پھر تخلیقی عمل کی کٹھالی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔ شاعر متخیلہ کا وہ ماہر ہے جسے تغیر و تبدل کے عناصر کا ادراک بطریقِ احسن ہوتا ہے وہ وقت کا نباض ہوتا ہے۔ ساعتوں کی دھڑکنیں اس کے وجدان میں گونجتی ہیں ہم عصر صداقتوں کا عرفان اس کے شعری منظرنامے کا ارمغان بنتا ہے اور اس کی شاعری کا عنوان ہوا کرتا ہے۔ میں نے سپنڈر کے اس مشہور عام نظریہ سے کبھی اتفاق نہیں کیا کہ ''شاعری سچ کا نہیں، صرف احساسات کا اظہار کرتی ہے۔'' میں سمجھتا ہوں تخلیق شعر تصدیقِ صدق کیے بغیر ممکن ہی نہیں۔ سو میں شاعری کو سچے احساسات کی ترجمانی سے الگ کوئی چیز نہیں سمجھتا... وقت کا فیصلہ بڑا کڑا اور اٹل ہوتا ہے جھوٹ تو اسے گوارا ہی نہیں۔ ورڈز ورتھ کی بات مجھے زیادہ اپیل کرتی ہے جس نے شاعری کا مدعا ہی تلاشِ صداقت قرار دیا تھا۔ البتہ یہ اضافہ کرنے کی اجازت میں ضرور چاہوں گا کہ سچائی ہم عصر صورتِ حال سے توانائی لے کر ہی تخلیقی دانائی کی ثروت بنتی ہے اور اس کارِ شیشہ گری میں تخیل کی جدت اساسی اثاثہ کی سی اہمیت رکھتی ہے۔ علامہ ابنِ خلدونؔ نے اسی جانب اشارہ کیا تھا جب کہا تھا، ''انسان جو کچھ دیکھتا ہے... اس کا تخیل اس پر سبقت لے جاتا ہے کیوں کہ تخیل میں وسعت کی بہت گنجائش ہوتی ہے...'' بس اسی وسعتِ خیال سے ندرتِ فکر و خیال جنم لیتی ہے جو نئے دور کے تناظر میں جذبہ و احساس اور تجربہ و مشاہدہ کی آمیخت سے کشتِ قرطاس میں ایسے گلاب رنگ خواب کاشت کرتی ہے جن کی تعبیر نئی صبحوں کی تازہ کار تنویر سے تاثیر لے کر دلوں کو اپنی جاگیر بناتی چلی جاتی ہے۔ نعتیہ شاعری میں یہ ندرتیں کیسے کیسے خوب رُو گلابوں میں عکس پذیر ہوتی ہیں، چند مثالیں دیکھیے:

دراڑوں کو بھی تیری رحمتوں نے باندھ رکھا ہے
فضا کتنی شکستہ ہے مگر منظر سلامت ہیں
(مظفرؔ وارثی)

نگاہ پڑ رہی تھی دل چراغ ہو رہے تھے — یہ خواب تھا زرِ تعبیر بھی عنایت ہو
(علی زریون)

ایک اوڑھے تو سب کے جسم ڈھکیں — ایسی چادر تو مصطفیٰ ﷺ ہی دے
(قتیل شفائی)

اللہ کو مرغوب ہیں کیا تیری ادائیں — "قل" کہہ کے سنی بات بھی اپنی ترے لب سے
(حافظ مظہر الدین)

کون اس بھید کو پا سکتا ہے — کوئی کہاں تک جا سکتا ہے
(ثروت حسین)

بادِ صبا نے وردِ درود و ثنا کے بعد — اسمِ رسول ﷺ اَدھ کھلی کلیوں میں رکھ دیا
(ریاض حسین چوہدری)

سمجھیں تو یہ اک لفظ بھی کیا نعت سے کم ہے — خود نامِ محمد ﷺ ہی محمد ﷺ کی ثنا ہے
(محشر بدایونی)

حرف کو میزانِ لب پر تولنا آیا ہمیں — نعت کے صدقے میں ہی سچ بولنا آیا ہمیں
(ساجد رضوی)

رستہ ہوتا ترے گزرنے کا — اور ترا رستہ دیکھتا ہوتا
(حسن نثار)

میں حرف وصوت کی خیرات اس سے مانگتا ہوں — جو پتھروں کو بھی رزقِ زبان دیتا ہے
(محسن نقوی)

پہنچنا چاند پر تو اک بہانہ تھا مرے آقا! ﷺ — یہ دنیا آپ ﷺ کا نقشِ کفِ پا ڈھونڈتی ہوگی
(وسیم بریلوی)

حرفِ مدحت میں نے لکھا معتبر تُو نے کیا — دل کو میں نے صاف رکھا اور گھر تُو نے کیا
(قیصر نجفی)

سرائے دہر میں مہمان تھے صدیوں کے سناٹے — تمھارا نام لے کر کارواں اُترے اذانوں کے
(غلام محمد قاصر)

D:NaatRang-17
File: 7-Feroz
Final

اُتاری روح کی بستی میں جلووں کی دھنک اس نے
شکستِ شب پہ ہو جیسے سحر آہستہ آہستہ
(سیّد صبیح رحمانی)

ایک آہٹ کی تحویل میں ہیں زمیں آسماں کی حدیں
ایک آواز دیتی ہے پہرا بہت اور گہرا بہت
(سلیم کوثر)

ہوتی ہے کہاں ایسے رقم نعتِ پیمبرﷺ جبریلؑ کا پر کلک ہو میری تو لکھوں میں
(عبدالعزیز خالد)

میرے آقاﷺ کو جو فیروز پسینہ آیا دوڑ کر آئی صبا نکہت و خوش بو لینے
(محمد فیروز شاہ)

ہم عصر فضا کی صدا

شاعری اپنے عہد کی عکاسی نہ کرے تو اس کی تاثیر خوابِ بےتعبیر کی طرح فضا میں گم ہوکر رہ جاتی ہے۔ اس لیے شعر... زندہ شعر... وہ ہوتا ہے جو اپنے دور کا ہم طور ہو اور پھر نعتیہ شاعری تو نام ہی زمانے بھر کی عقیدتوں کو طشتِ حرف وصوت میں سجا کر سرکارﷺ کے دربارِ گہربار میں پیش کرنے کا ہے سو حرفوں میں زمانہ کی گونج موجود نہ ہو تو اذن حضوری نہیں ملتا اور نعت تو ہے ہی سراپا عطا۔ اذن اور اجازت کے بغیر لفظ وجود نہیں پاتے اور حرف مدعا بے صدا رہتا ہے۔ میرا نظریۂ نعت یہ ہے کہ جب تک آرزو بھی باوضو نہ ہو، نعت گوئی ہو ہی نہیں سکتی... سرکارِ دوعالمﷺ نے سب سے پہلی گواہی سچ بیانی اور حق گوئی کی طلب فرمائی اور جانی دشمنوں نے بھی صادق ہونے پر صاد کیا... اور اسی لیے حضورِ مکرمﷺ کی شان میں کہی جانے والی نعت کے لیے میں نے صداقت شرطِ اوّل قرار دی ہے۔ جذبہ و احساس اور وقت اور ماحول کی سچی عکس کاری ہی عقیدت کو بادِ بہاری بناتی ہے اس لیے نعتیہ شاعری میں جدید طرزِ احساس کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے بطورِ خاص عہدِ حاضر کی نعت میں ہم عصر فضا کو زبان دیتی آواز کے راز دریافت کیے تب علم ہوا کہ ہم عصر صداقت کی رفاقت میں تخلیقی لمحے کیسی دل نواز بشارت کے امین بنتے ہیں... فلپ سڈنی نے عالمِ آب وگل کو حس قرار دیتے ہوئے جب شعرا کو اسے کندن بنانے کی ذمہ داری سونپی تھی... تو اس تخیلاتی نظریہ کی تشکیل میں اس کے خواب و خیال میں بھی یہ پُر جمال منظر نہ ہوگا کہ واقعتاً ایک

ایسی شعری صنف بھی ہے جس کے ہر لفظ اور ہر حرف میں مس خام کو کندن بنانے کا ہنر چمکتا ہے کہ یہ اس عظیم آقا ﷺ کے غلاموں کا تخلیقی سرمایہ ہے جس نے اوّل اوّل مس خام کو کندن بنانے کا سلیقہ عام کیا تھا۔ آج کی نعت اپنے ماحول، اپنے زمانے اور اپنی فضا کے دُکھ سکھ پوری سچائی کے ساتھ اپنے آقا ﷺ کے حضور میں پیش کرتی ہے کہ سچ ہی کلیدِ حضوری ہے!

یہ قریۂ عشقِ مصطفیٰ ﷺ ہے کہ خواب اور انقلاب کا فرق مٹ گیا ہے
یہ ایک شہرِ دعا ہے جس میں ہمارے آنسو لہو کے ہم راز ہو رہے ہیں
(محمد اجمل نیازی)

مسائلِ زندگی کے کہہ رہے ہیں یہاں تو کلیہ تیرا چلے گا
(روحی کنجاہی)

شہر کے شہر ہی پتھرانے لگے ہیں اب تو گونج اُٹھے مری گلیوں میں بھی نغمہ تیرا
(اشرف جاوید)

چٹائی اور پیوند اور یہ زرپوش اُمت حرا اور ثور کے غاروں میں جا کر رو پڑوں گا
(محمد اظہار الحق)

جس طرح ملتے ہیں لبِ نامِ محمد ﷺ کے سبب کاش! ہم مل جائیں سب نامِ محمد ﷺ کے سبب
(یعقوب تصور)

نفرتوں کے گھنے جنگلوں میں شہا
عہدِ حاضر کا انسان محصور ہے
مشعلِ علم و اخلاق سے دُور ہے
(صبیح رحمانی)

آقا ﷺ! فقیہہِ شہر نے آئینۂ حیات اُڑتی ہے جن پہ دھول انھی رستوں پہ رکھ دیا
(ریاض حسین چوہدری)

نہ عشق ہے نہ اذاں ہے نہ ہے بلالؓ کہیں "یہ دور اپنے عمل کا حساب کیا دے گا"
(سعید اکرم)

اس وقت اک دھیان ہے اوران کا دھیان ہے یہ وقت دل کو آئینہ کرنے کا وقت ہے
(جمال احسانی)

D:NaatRang-17
File: 7-Feroz
Final

خدا کے گھر کو بھی ہم نے مقتل بنا دیا ہے
حسینؓ کے خانۂ عزا میں بھی خوں کا دریا بہا دیا ہے
نمازیوں کی صفوں پہ بوچھاڑ گولیوں کی
ابھی ہم نے کی ہے
حسینؓ کے سوگواروں کی جاں
بھی ہم نے لی ہے
ہماری وحشت کی سب کی سب ہیں
یہ داستانیں
پولیس کے پہرے میں لوگ پڑھتے ہیں اب نمازیں
پولیس کے پہرے میں لوگ دیتے ہیں اب اذانیں
یہ کھیل اندھے شعور کے ہیں
یہ قصے جرم وقصور کے ہیں
خدا ہے شاہد خدا سے زیادہ
ہم آج مجرم حضور ﷺ کے ہیں

(قیصر نجفی)

ہم اپنی آنکھوں کو رہن رکھ کر شبوں سے خورشید مانگتے ہیں
ہماری بے ذہن سوچ کو پھر بصیرتوں سے اُجال آقا ﷺ
(محمد فیروز شاہ)

والہانہ وابستگی کا اظہار

نعت وہ مبارک اور مقدس صنفِ شعر ہے جو کامل وابستگی بلکہ والہانہ پن کا تقاضا کرتی ہے۔ سرکارِ عالی تبار ﷺ سے قلبی عقیدت لہو میں خوش بو اُتارتی ہے تب نعتیہ شاعری اپنے شاعر کا مقدر سنوارتی ہے۔ یہ وہ شعبۂ فن ہے جس میں من کی لگن سے وضو کیے بغیر نمازِ عشق ادا ہوتی ہی نہیں... اقبالؒ نے سچ کہا تھا یہاں تو نماز بھی نظارۂ جمال کا بہانہ بنتی ہے... یہ عشق کی کوکھ سے جنم لینے والی عقیدتوں کی روایتیں ہیں بشارتیں جن سے اذن لے کر طلوع ہوتی ہیں محبت اپنی اصل میں فطرتِ انسان کا لازمہ ہے۔ اب یہ اپنے اپنے مقدر کی بات ہے۔ جس نے اس لافانی جذبے

کو محبوبِ خدا ﷺ و کائنات سے منسوب کرلیا... زندہ ہوگیا ورنہ محبتوں کی رائیگانیوں کے نوحے پڑھتا پھرا اور سننے والا بھی کوئی نہ ملا... جب کہ دوسری جانب وہ خوش بخت لوگ کہ جنھوں نے صدقِ عشق کے تقدس کو دل و نظر میں اُجاگر کیے رکھا اور دل کے دروازے اُن کے لیے وقف رکھے دردِ دل کشا کا اسم جن کے تصدق میں وجود پذیر ہوا۔ بس اسی شاعری کو نعت کا درجۂ اولیٰ ملا اور لمحۂ موجود کے تقاضوں پر پوری طرح پورا اُترتے ہوئے نئے طرزِ احساس کے پہناوے میں اپنی عقیدتوں کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ مجھے رومن شاعر ہورلیس یاد آگیا جس نے شاعری کو لطف و راحت اور اصلاح کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا... اب نعت سے بڑھ کر کون سی صنفِ سخن ایسی ہے کہ جو راحتِ جاں اور لطفِ قلب و نظر اور کیفِ روح کا باعث ہے اور بہ ایں ہمہ اصلاح انسان کا فریضہ بھی بطریقِ احسن ادا کرتی ہے کہ مصلحِ اعظم ﷺ سے وابستہ ہر حرف و خیال فلاح و اصلاح انسانیت کے اس عالم گیر و عالم آرا نظامِ حیات کا سفیر ہوتا ہے جس نے زمین کے ذرّوں کو ہم دوشِ ثریا کر دیا تھا! چناں چہ میرے نزدیک نعتیہ شاعری سرورِ دل و جاں اور بہبودِ انساں، دونوں حوالوں سے اُجالوں کی سفارت کار ہے اور موجودہ زمانے میں اس کا انداز ہم عصر آگہی کی آواز بن رہا ہے:

دلوں میں غوطہ زن ہوتی ہے گہرائی محبت کی
کنارہ ان کو ملتا ہے جو تجھ میں ڈوب جاتے ہیں
(مظفر وارثی)

میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوش بوئیں جاتی نہیں
میں نے اسمِ محمد ﷺ کو لکھا بہت اور چوما بہت
(سلیم کوثر)

تیرے حجرے کے آس پاس کہیں میں کوئی کچا راستا ہوتا
(حسن نثار)

حضوری و حاضری کے آداب جانتے ہیں درِ مطہر پہ گفتگو کم سے کم کریں گے
(افتخار عارف)

پاؤں رکھ رکھ کے گھروندے وہ بنایا کرتے میں خنک ریت کا بے نام سا ٹیلا ہوتا
(ریاض حسین چوہدری)

D:NaatRang-17
File: 7-Feroz
Final

میں اپنے جسم کو اس خواب پر قربان کر دوں　　　میں تیرے شہر کے رستوں کی مٹی ہو گیا ہوں
(محمد اظہار الحق)

کاش! ہوتا رکاب گھوڑے کی　　　اور ترے پاؤں چومتا ہوتا
(افتخار شفیع)

بے پوچھے فرشتے لوٹیں گے یہ کہہ کے لحد سے میری صبیحؔ
یہ جسم مدینے والا ہے یہ روح مدینے والی ہے
(سیّد صبیحؔ رحمانی)

میرے آقا ﷺ! مری گرتی ہوئی بینائی کو　　　بس تری دید کا ارمان سنبھالے ہوئے ہے
(جنید آذر)

کریں ہم کیوں نہ اپنی آبرو سرکار ﷺ پر قرباں　　　کہ قائم ہے ہماری آبرو سرکار ﷺ کے دم سے
(راجا رشید محمود)

ازل سے دل ہے اسی مہرباں سخی کا اسیر　　　جو حوصلوں کو ابد تک اڑان دیتا ہے
(سیّد محسنؔ نقوی)

تمنا ہے کسی شب خواب میں اُن کی زیارت ہو　　　تمنا ہے کسی شب خواب ہی تعبیر ہو جائے
(عاصی کرنالی)

آجائے کبھی دل کے سفینے میں مدینہ　　　دن رات دھڑکنے لگے سینے میں مدینہ
(عدیم ہاشمی)

سیاہ رنگ ہو میرا زباں میں لکنت ہو　　　مجھے بھی آپ ﷺ سے کوئی بلالؓ نسبت ہو
(علی زریون)

ورقِ جاں ہے تیرے نورِ صفا سے روشن　　　صفحۂ دل پہ ہر اک تیری ادا لکھی ہے
(اسلم فرخی)

ہر پل ہے اُن ﷺ کی ذات سے وابستگی کا پل
ہر وقت اُن ﷺ کی گفتگو کرنے کا وقت ہے
(جمال احسانی)

صدیاں حیرانی میں گم ہیں　　　کون وہ نام بھلا سکتا ہے
(ثروت حسین)

میری آنکھیں مرا رستہ جو نہ روکیں اقبالؔ
میں مدینے میں ملوں راہنما سے پہلے
(اقبالؔ عظیم)

تمام عمر جو مشقِ سخن رہی سرشار
بس اس لیے کہ ثناخوانِ مصطفےٰ ﷺ ہوجاؤں
(سرشار صدیقی)

پھر اپنی آنکھوں کے واسطے میں ترے زمانے کی خاک ڈھونڈوں
تری تمنا کی وادیوں میں حیات اک جستجو ہوئی ہے!
(محمد فیروزؔ شاہ)

جذبہ واحساس کا ترفع

ہمارے عہد کی سوکھی دھرتی پر محسنِ انسانیت ﷺ کی رحمتوں کا ابرِ باراں رم جھم کے ترنم کی پھوار برسائے تو سوندھی مٹی کی مہکار سرکار ﷺ کے نعلینِ پاک کو بوسہ دینے والے ذرّہ ہائے خاک سے آمدِ بہار کی نوید پا کر لحہ لحہ خوش بو بانٹتی پھرے۔ سچی عقیدتوں کی یہ مہک قلم سے مس ہوکر قرطاس پر اُترے تو اس دور کا نعتیہ منظرنامہ رقم ہوجائے... یہ خواب ہے جو میری نیندوں میں بیداری کی سرشاری تقسیم کرتا ہے۔ اہلِ دل نے ہمیشہ بند آنکھوں کے دریچوں میں کشادہ ظرف منظروں کے خواب اُجاگر کیے ہیں۔ کیسے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے جذبہ واحساس میں عشقِ رسول ﷺ ترفع بانٹتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کرتے ہیں تو مناظر کے در کھل جاتے ہیں۔ جن کی عشق سے قوی بصارتوں میں بصیرتوں کی معطر روشنی تیرتی ہے۔ ہمارا زمانہ روزافزوں دکھوں کا تازیانہ بنتا جا رہا ہے۔ رنج والم کی کڑی کڑکتی دو پہروں میں جلتی جھلتی احساس کی زمین تانبے کی ہوتی جا رہی ہے۔ دُور دُور تک کوئی سایہ کوئی چھاؤں دکھائی نہیں پڑتی۔ ہمارا سفر بے اجر محنتوں کی طرح بے ثمر ہوتا محسوس ہو رہا ہے... اس درد آمیز تاثر کے جہنم میں ایک خیال جنت کی اعلیٰ وادیوں سے آتے ہوئے جھونکے کی طرح ہمیں اپنی ملائم آغوش میں لیتا ہے تو جیسے سارے دُکھ کٹ جاتے ہیں۔ حدت کا جبر بے اثر ہوتا چلا جاتا ہے اور ذکرِ محبوب ﷺ کی شادمان برکھا چھم چھم برس پڑتی ہے۔ لاریب دُکھ کیسا ہی جاں گداز کیوں نہ ہو یادِ محبوب ﷺ کی ترنم ریز خنک ہوائیں چل پڑیں تو حرارتوں کی شرارتیں ختم ہوجاتی ہیں۔ دلوں کو سکون مل جاتا ہے روح پر وجد طاری ہوجاتا ہے اور وجدان کیف و سرور سے معمور ہوجاتا ہے... یہی وہ مرحلۂ احساس ہے جب زمین کے سینے سے اُٹھتی دعاؤں کے خوش بو سے معمور خزینے محبت کے مطہر و منزلہ جذبہ کی حلاوت بھری رفاقت میں

شاعری میں ڈھل جاتے ہیں۔ اہلِ زمین کے دل اس مہکتی یاد سے آباد ہوکر دھرتی سے اُٹھنے والی سوندھی باس میں دھڑکنے لگتے ہیں۔ تب دھڑکنیں شعر بنتی ہیں۔ شعر خوش بو ہوتا ہے اور خوش بو محبوب ﷺ کی آرزو بن کر نعت کے پیکر میں ڈھل جاتی ہے۔ عشق ایک پیاس ہے نعت وصلِ محبوب ﷺ کی آس ہے... پیاسی دھرتی پر ابر چند چھینٹے برسا دے تو ممنون مٹی کی باس حرفِ سپاس بن کر فضا کو معطر کر دیتی ہے... ہمارے عہد کی نعتیہ شاعری عشق کی اسی عطر بیزی سے عبارت ہے جو بہشت بریں کی سفارت بھی ہے اور صدقِ جذبہ و احساس کی بشارت بھی... جو قلب و روح کو ترفع بھی عطا کرتی ہے اور سرشاری بھی!

ہر رت جگا ہے، میلہ لگا ہے اس کا　　اس زندگی سے لے کر آئندہ زندگی تک
(مظفرؔ وارثی)

نطقِ بیمار کو صحت ہے درودوں سے ملی　　لفظ نے نعت کے صدقے میں شفا پہنی ہے
(ثناء اللہ ظہیرؔ)

تمام پھول شگفتہ چمن میں رہتے ہیں　　مرے حضور ﷺ گلوں کے بدن میں رہتے ہیں
(بیکلؔ اتساہی)

چلا ہوں سوئے دربارِ رسالت　　ہے میرے ساتھ اک خوش بو سفر میں
(سیّد صبیحؔ رحمانی)

گلوں کی تمکنت کو کس نظر سے دیکھتی ہوگی　　جو خوش بو آپ ﷺ کو چھو کر کسی قابل ہوئی ہوگی
(وسیمؔ بریلوی)

مثالِ نکہتِ گل ہو سفر مدینے کا　　زمانہ دیکھتا رہ جائے میں ہوا ہوجاؤں
(سرشارؔ صدیقی)

دن رات درود کی اک محفل ہم دل میں سجائے رہتے ہیں
ویسے بھی نسیمؔ حقیقت میں یہ گھر تو اسی مہمان کا ہے
(وضاحت نسیمؔ)

وقت کا سیل بہا لے نہ گیا کس کس کو　　پر ترے پاؤں کے تلووں کی لکیریں نہ مٹیں
(اعظمؔ چشتی)

آنکھ سے اشک بہے کوئی قرینے والا　　اس میں آئے گا نظر نور مدینے والا
(حکیم مظفر عزیز)

نبیﷺ کو جس نے پہلی بار دیکھا　　میں اُس لمحے کی بیعت کر رہا ہوں
(مظفؔر وارثی)

کلکِ ثنا کو نور کی موجوں میں رکھ دیا　　یعنی گدازِ عشق کو ہونٹوں میں رکھ دیا
(ریاض حسین چوہدری)

خیال پہنچا ریاضِ رسولِ اکرمﷺ تک　　تو لایا پھول تلطف کے واں سے چن چن کر
(راجا رشید محمود)

تو نے میری سمت جب بھی روشنی پیغام کی　　نعت کا مصرع بنا دی ہر کرن الہام کی
(صہؔبا اختر)

شہد سا دوڑ گیا ہے مری شریانوں میں　　جب کبھی پڑھ کے درود اپنا انگوٹھا چوما
(مظفؔر وارثی)

ہستیٔ خیرِ عالمیں کے لیے　　سوچتا ہوں اور اپنے جذبے کو
جب بھی حرفِ ثنا میں لاتا ہوں　　عشق کی لَو نوا میں لاتا ہوں
(حسن اکؔبر کمال)

مگر ہے پھر بھی مرے دل میں تیرا عکسِ جمال　　میں اک نشیب کی ندی ہوں تو ہے ماہِ فراز
(محمد فیرؔوز شاہ)

جمالِ محبوبﷺ کے تذکار

ہر عہد کی نعت کا امتیاز عشق کی پاکیزہ اور ارفع کیفیات سے سرفراز ہوتا رہا ہے۔ یہ دور بھی اپنے باسیوں کی تمام تر گم راہیوں اور کج رویوں کے باوجود نعت گوئی کے مذکورہ بالا اعلیٰ ترین اعزاز کا ہم راز ہے۔ نئے طرزِ احساس کی انفرادیت میں عشقِ صادق کی گل رنگ کیفیت جب ورود کرتی ہے تو ساری کائنات درود پڑھتی محسوس ہوتی ہے...محبت تو نام ہی جمالِ محبوب کے ورد کا ہے۔ وہ دل ہی کیا جس میں عکسِ جمالِ یار نہ ہو۔ وہ زباں ہی کیا جس پر حسنِ یار کے تذکار نہ ہوں۔ وہ آنکھیں ہی کیا جن میں رعنائی محبوب کے جلوے خوابوں کو گلابوں کے رنگ نہ دے رہے ہوں۔ وہ لفظ ہی کیا جس میں مطلوبِ قلب و نظر کی دل کش یادوں کی چاشنی نہ ہو وہ صوت ہی

کیا جس میں مقصودِ حیات کے چرچے نہ ہوں۔ وہ زباں ہی کیا جو دل داریٔ محبوب کا بیاں نہ کرے، وہ زندگی ہی کیا جس میں جلوہ ہائے رنگیں کی تابندگی نہ ہو... یہ کائناتِ عشق کے رموز ہیں جو سب پرنہیں کھلتے۔ مگر جس پر کھل جائیں اس کا نصیبہ کھل جاتا ہے۔ یہ سچ سہی کہ ہم گناہوں کی آلودگیوں میں لتھڑے تمدن میں جی رہے ہیں۔ یہ بھی درست... کہ یوں جینا زہر کا پیالہ پینا ہے... مگر اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار کی مجال نہ ہوگی کہ رات جتنی تاریک ہوتی ہے، چاند کی مانگ اتنی ہی بڑھ جاتی ہے... سو میرا عہد عشق کی پیاس کا عہد ہے۔ ہم جیتے ہیں کہ ذکرِ محبوب ﷺ سے سرشار تنویر سے آنکھوں اور دلوں کو منور کریں۔ جمالِ یار کے تذکار سے زندگی میں تابندگی کی مہکار بھر لیں کہ ذکرِ رسول ﷺ کرنے والوں کے حرف و بیاں سے وہ روشنی پھوٹتی ہے۔ جس میں جاوداں بہاروں کی مہک شامل ہوتی ہے اور جو سکون و سرور کے وہ بے مثال خزانے عطا کر دیتی ہے، زمانے جن کی آرزو میں زیست بھر کو سراپا جستجو بنائے پھرتے ہیں... سو اس عہد کا شاعرِ نعت اپنے طرزِ ادا میں سرمدی عشق کی صدا عام کرتا ہے اور ارض و سما اس کی آواز میں آواز ملا دیتے ہیں کہ دراصل یہی عمل جوازِ تخلیقِ کائنات ہے!

آیا ہے جہاں بھی ذکر تیرا قرآن بھی مسکرا دیا ہے
(نجیب احمد)

انسانیت کے حسن کی یکتا مثال بھی تیرے وجود میں ہے خدا کا جمال بھی
(یوسف حسن)

روح سورج کی طرح، جسم اُجالے کی مثال کیسے الفاظ میں ڈھالوں میں وہ تصویرِ جمال
(سیّد صبیح رحمانی)

جمالِ مصطفےٰ ﷺ سے منسلک ہوتی ہیں جب آنکھیں
فرشتے میرے اشکوں کی زیارت کرنے آتے ہیں
(مظفر وارثی)

تو وہ دل جو، تری دل جوئی کو اُتریں آیات حکم قدسی کو دوزانو رہے قدموں میں ترے
(محمود علی محمود)

اس کے بعد اس کو کسی چیز کی حاجت نہ رہی جس نے ایمان کی حالت میں وہ چہرہ دیکھا
(شہزاد احمد)

اس روشنی کے پیڑ کا سایہ بھی روشنی اس پیکرِ جمال کی پرچھائیں بھی جمال
(بیدلؔ حیدری)

جب اس مصور نے جلوہ گاہِ جمال احمدﷺ کی ابتدا کی
تو ان نگاہوں سے مہر و ماہ و نجوم کو روشنی عطا کی
(اجملؔ سراج)

سورج، چاند، ستارے اس کے سائے میں ستاتے تھے
بچپن کی گلیوں میں اس کے ساتھ زمانہ کھیلتا تھا
(سلیمؔ کوثر)

تیری یاد کو تیرے خواب کو میری آنکھ رکھے سنبھال کے
میری زندگی کا جواز ہیں یہی عکس تیرے جمال کے
(محمد فیروزؔ شاہ)

حسنِ سیرت کی ضو

سرکارِ دو جہاں ﷺ کا فرمان ہے... ''فضیلت اس گواہی کی ہے جو دشمن بھی دے۔'' آج سارا زمانہ میرے حضور ﷺ کی عظمتوں کے ترانے گا رہا ہے۔ وہ تھامس کارلائل ہو یا جارج برنارڈ شا... برٹرینڈ رسل ہو یا پنڈت ہری چند اختر... بے شمار نام ہیں کہ جنھیں گنوانے ہی بیٹھیں تو ایک طویل دفتر درکار ہو... مائیکل ہارٹ نے تو ''سو عظیم شخصیات'' (The Hundred) کا آغاز ہی حضور محمد ﷺ کے احوالِ عظمیٰ سے کر کے ''خاصۂ خاصانِ کائنات'' کے بے مثل و بے مثال منصبِ جلیلہ کو سرکار ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا... درحقیقت آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ معراجِ انسانیت ہے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ نے آدمیّت کو عظمت و رفعت کا جادۂ مستقیم دکھلایا۔ یہ اس محسنِ انسانیت ﷺ کا عظیم کردار ہی تو تھا کہ جس نے دشمنِ جاں سے بھی صادق و امین کہلوایا۔ چناں چہ نعت نگار اسی عظمتِ کردار کا پرچار کرتے ہوئے ہر دور میں لفظوں کے عقیدت مند نذرانے پیش کرتا رہا۔ حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت کعبؓ بن زہیر اور حضرت کعبؓ بن رواحہ سے لے کر آج کے بلکہ قیامت تک کے شعرائے نعت کے لیے حسنِ سیرت کی ضو سے اپنے جذبہ و احساس کی لَو فروزاں رکھنے کا قرینہ باعثِ اعزاز ہوا۔ اس عہد میں بھی سیرتِ پاک کے حوالے سے اُجالے نکھرتے رہے اس نکھار میں قلبی عقیدتوں کی بہار شامل ہوئی تو حرف وصوت میں سحر دم نکھرتی

کرنوں کی روشنی، چودھویں رات کی میٹھی چاندنی اور موسمِ گل کے اوّلین لمحے کی مہک بھری چاشنی دلوں میں سرشاریوں کی فصلیں کاشت ہوتی چلی گئیں اور نعت کہتے ہونٹوں کی آواز اہلِ عشق کا اعزاز بن کر چار دانگ عالم میں گونج اُٹھی۔ پیغمبرِ انقلاب ﷺ کا پیغام عمروں کا نظام مرتب کرتا ہے تو اس حسنِ ترتیب کی تہذیب اہلِ زمیں کے تمدن کو ہم دوشِ فلک کر دیتی ہے۔ ایک ایسا انقلاب محبت جس کی اساس بھی ہے اور اثاثہ بھی... جو دلوں کو جوڑ کر نفرتوں کے بت توڑ دیتا ہے، جس کی قیادت میں انسانیت، امن، پیار، اخوت، عدل، مساوات اور سربلند حیات کے ایسے لامثال معاشرتی مناظر دیکھتی ہے جن کی نظیر کسی اور نظام کے پاس نہیں... نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کی پُرتاثیر تقریر یاد کیجیے۔ ایک ایک حرف کو متشکل کر لیجیے اور پھر تاریخ سے اس کی مثال طلب کر دیکھیے... ہر زمانے اور ہر تہذیب کا دامن خالی ہوگا... جھولی تو صرف مدینہ کا خزینہ بھرتا ہے... یہ ہمارے ماضی کا بہت بڑا سچ ہے جو اس نے حال کی جبیں پر رقم کیا ہے اور اسی کی چمک دمک سے آج کی نعتیہ شاعری کا ایوان جگمگا رہا ہے۔ نئے طرزِ احساس کی روشنی!

جتنا سوچا محمد ﷺ کے کردار پر اتنے موتی چنے اتنے ہیرے چنے
کتنے جھونکے ہواؤں سے میں لے اُڑا، کتنے ساحل سمندر سے میں نے چنے
(مظفر وارثی)

میں نے ہر دور کی تاریخ میں جھانکا فخری کوئی انسان محمد ﷺ سا مثالی نہ ہوا
(زاہد فخری)

سر تا پا معجزہ تھا آپ ﷺ کا اندازِ حیات کم تھا کیا خلق کو توحید پہ یک جا کرنا
(حفیظ تائب)

وہی ابد کے دیے ہیں وہی ازل کے چراغ جلائے ہیں مرے آقا ﷺ نے جو عمل کے چراغ
(اعجاز رحمانی)

میں نے قرآن کی تفسیر میں سیرت کو پڑھا نور کو دائرۂ نور کے اندر رکھا
(افتخار عارف)

تری سیرت تری سنت چلے گی ترا مسلک ترا شیوہ چلے گا
(روحی کنجاہی)

سرکارﷺ کا انصاف ہے احسان کی تاریخ دنیائے عدالت میں عدالت کا نمونہ
(شبنم رومانی)

نشاں قدموں کے سینوں میں اُترے جا رہے تھے رسالت کن زمینوں میں ستارے بو رہی تھی
(محمد اظہار الحق)

مرکز انسانیت سے آشنا اس کو کیا جب بھٹکتی پھر رہی تھی زندگی کی روشنی
(سیّد معراج جامی)

تو نے وہ دیا جلا دیا ہے ذرّات کو جگمگا دیا ہے
(نجیب احمد)

گفتگو خوش بو کے لہجے میں سکھائی آپﷺ نے خارِ نفرت چن لیے دے کر محبت کے گلاب
(سیّد صبیح رحمانی)

ایک دن وہ تھا کہ ہونا پڑا دہلیز بدر ایک یہ دن ہے کہ دنیا تری دہلیز پہ ہے
(ماجد خلیل)

سدا بہار ہیں اک یادِ مصطفےٰﷺ کے گلاب ابد نصیب زمانے میں ہے نبیﷺ کا نصاب
(محمد فیروز شاہ)

فریاد کی لَے

ہمارے دور کی نعت میں فریاد کی لَے بہت اونچی ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ جب دُکھ بڑھ جاتے ہیں تو سکھ دینے والے بہت یاد آتے ہیں... انسان ہو یا قوم... بے سہارا ہونے لگے تو سہاروں کی جستجو بڑھ جاتی ہے۔ جن کے آسرے پہ جیتے ہیں اُن سے فریاد کی لَے میں اضافہ ہوتے چلے جانا دراصل اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ دُکھوں کی گمبھیرتا میں اپنائیت کا سہارا جہت نما ستارہ اور منزلوں کا استعارہ بن کر دھیرے دھیرے دل کو دھیرج دیا کرتا ہے۔ اماوس راتوں میں روشنی کی آرزو جس پرشوقِ جستجو کا سُر نامہ بنتی ہے اس کی بُنت میں نالہ و فریاد کی بازگشت دلوں کے غم زدہ رازوں کو طشت از بام کرتی ہے تو کھلتا ہے کہ دل درد سے بھر جائیں تو لبوں پر آوازوں کے ہجوم بڑھنا شروع ہوجاتے ہیں... غمگین قلوب کو حرف وصوت کا ہم سفر ہونا مرغوب ہوجاتا ہے کہ اس طرح اُن کا ماجرائے غم درِ محبوب تک رسائی کی سعادت تو حاصل کر سکے گا اور بالخصوص جب محبوب بھی وہ ہو کہ جس نے ہر بے سہارا کا سہارا اور بے آسروں کا آسرا ہونے کو طرزِ زیست

بنا رکھا ہو تو دل اس کی دہلیز بوسی کے سوا اور کس جانب کی سوچیں گے؟ اس سوال کے جواب میں فریاد کا سارا فلسفہ پوشیدہ ہے... داغستان کے دانش ور شاعر رسول حمزہ کی اس بات سے مجھے صدفی صد اتفاق ہے کہ خزاں کے جابر لمحوں میں ٹوٹتے پتوں کا شور دراصل بہار کو پکارتے جذبہ و احساس کا منفرد طور ہے جس کے ذریعے وہ زرد یاس کے موسم کے دل میں سرخ گلابوں کی آس کے ہرے بھرے منظر بوتے ہیں... آج ہمارے تمدن پر ایک اجتماعی پت جھڑ کی جو کیفیت غالب نظر آتی ہے اس کی ہُوک شاعر کی تخلیقی ساعتوں میں اس کوئل کی کوک بن جاتی ہے جسے دُکھوں کے نیزوں نے چھید ڈالا مگر محبوب کی آرزو نے اس کی آواز میں جینے کی اُمنگ اور زندگی کی ترنگ بھر دی۔ دورِ جدید میں نعت گو اپنے دُکھوں کی چارہ جوئی کے لیے جب اپنے آقا کریم ﷺ کی رحمتِ عمیم سے فریاد رسی کی التجا کرتا ہے تو اس کی شعری صدا اس عہد بھر کی ترجمان نوا بن کر فضا کو محبوب آشنا خوش بوؤں سے بھر دیتی ہے... خوش بوئیں جو درماندہ ذہنوں اور یاسیت بھرے دلوں کو تابندہ زندگی کی اُمنگ ترنگ سے معمور کر دیتی ہیں! یاس میں آس کے یہ پھول اس تر و تازہ اور سدابہار احساس کے نمائندہ ہیں جو غلامانِ محبوب خدا ﷺ کو کسی دور میں، کسی حال میں بے حال نہیں ہونے دیتے۔ دُکھ کتنا ہی کڑا ہو عشقِ رسول ﷺ کا سائبان بہت بڑا ہے۔

پھر گدڑیوں کو لعل دے جاں پتھروں میں ڈال دے
حاوی ہوں مستقبل پہ ہم ماضی سا ہم کو حال دے
دعویٰ ہے تیری چاہ کا اس اُمتِ گم راہ کا
تیرے سوا کوئی نہیں
یا رحمت للعالمیں!
(مظفر وارثی)

حضور! ﷺ آپ نے تو گردنیں چھڑا دی تھیں مجھے بھی حکم ہو پھر سے مری بحالی کا
(سعود عثمانی)

اپنی اُمت کے برہنہ سر پہ رکھ شفقت کا ہاتھ پونچھ دے انسانیت کی چشمِ تر، خیرالبشر ﷺ
(حفیظ تائب)

ہم پہ بھی ایک نظر آقائے مقامِ محمود ہم کہ جیتے ہیں فقط آس میں خوابوں میں ترے
(محمود علی جعفری)

قیامتیں گزر رہی ہیں کوئی شہ سوار بھیج وہ شہ سوار جو لہو میں روشنی اُتار دے
(افتخار عارف)

اے نویدِ مسیحا دعائے خلیل
روک دے نفرتوں کی یلغار کو
پختگی ایسی دے میرے کردار کو
تیری رحمت زمانے میں مشہور ہے
(سیّد صبیح رحمانی)

جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اب گھر میں خدا کے مسجد ہوئی ویران خبر لیجیے آقا! ﷺ
(قیصر نجفی)

ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا
(احمد ندیم قاسمی

مرے لیے میری راہ آسان کر کہ پھر سے
میں تیری رحمتوں کے شفیق سائے میں لوٹ آؤں
طلب کا موسم خزاں رسیدہ ہے
اس کو رنگِ بہار دے
اور مجھے روشنی عطا کر
گزر گہِ وقت کے کنارے جو کھو چکا ہوں
مجھے وہی آگہی عطا کر
(ایوب خاور)

سرکار! ﷺ ناصحانِ قدامت پسند نے حرفِ وفا پرانی کتابوں میں رکھ دیا
(ریاض حسین چوہدری)

آسمانوں کے مسافر! تری اُمت کے جواں پاشکستہ ہیں سرِ خاک بتاؤں کیسے
(شاہ نواز زیدی)

شبِ سفر کی مسافتوں میں دعا کا زادِ سفر عطا کر
کہ رہ گزاروں کی دُھول بننا ہماری نسلوں کی خو ہوئی ہے
(محمد فیروز شاہ)

لج پال نسبتوں کا تفاخر

شعر کا تعلق شعور کی اس رَو سے ہے جو نورِ قلب سے ضو پاتی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے شاعری کو یوں ہی تو ''جہانِ دگر کی سیر'' قرار نہیں دے دیا تھا۔ یہ جہانِ دیگر ہمارے اس جہانِ ظاہر سے بالکل الگ بلکہ مختلف زمان و مکان رکھتا ہے۔ یہاں تخلیق شعر کی شرطِ اوّل محبت ہے اور محبت محبوب سے قلبی نسبت استوار کیے بغیر ممکن ہی کیسے ہے؟ سو دلی تعلق شاعری کی بنیاد ٹھہرا اور یہ رشتہ محبوب سے زندگی بھر کو... ہر عمل کو... منسوب کیے بغیر قائم ہی نہیں ہوتا اس کے لیے ارادوں، جذبوں اور عملوں میں صداقت ضروری ہے۔ سچائی کے بغیر نسبت میں توانائی نہیں آتی اور اس سے بھی ضروری بات یہ ہے کہ نسبت محبت کے خمیر میں گندھی روشن ضمیر تنویر کی تاثیر رکھتی ہو۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب محبت کو فنا کی آلودگیوں سے دُور... سچے محبوب کے حضور میں عقیدتوں کے جلو میں پیش کر دیا جائے... سچ لافانی ہے۔ محبت امر ہے۔ اسی لیے سچے محبوب سے منسوب ہوکر نسبتیں بھی زندہ تر ہوجاتی ہیں... میں نے اکثر کہا ہے... نسبتیں بڑی لج پال ہوتی ہیں۔ خود سے وابستہ لوگوں اور لمحوں کو مرنے نہیں دیتیں... زندہ رکھتی ہیں... امر کر دیتی ہیں۔ مزاروں پر جلتے چراغوں کی روشنیاں گواہی دیتی ہیں، جن کی محبتیں سچی ہوتی ہیں جن کے محبوب سچے ہوتے ہیں اور جن کی نسبتیں راست باز ہوتی ہیں... ان کی خاک بھی ہم سرِ افلاک ہوجایا کرتی ہے... ذرّے ستارے بن جاتے ہیں اور فضا میں ابدی مسرتوں کا ذائقہ کیف بانٹ رہا ہوتا ہے۔ یہ نور و سرور سے معمور کیفیت نئے دور کی نعتیہ شاعری میں تمکنت بانٹتی ہے۔ یہی وہ مرحلۂ عظمیٰ ہے جہاں آ کر شاعری خواجہ حیدر علی آتش کے لفظوں میں نسخۂ اکسیر کا درجہ اختیار کر جاتی ہے اور جسے یہ فن درست طرح سے آجاتا ہے وہ مستغنی ہوجاتا ہے اور غنی بھی... اور فن کی درستی من کی تندرستی سے ہی تو وابستہ ہوتی ہے جس کے من میں سچی نسبتوں نے چراغاں کر رکھا ہو اس کے فن میں کیسے کیسے روشن چراغ فروزاں ہوں گے۔

عہدِ موجود کی نعتیہ شاعری اس کی جگمگاتی مثالوں کا میلہ لگا دیتی ہے۔

فرشتوں نے مری لوحِ عمل پر روشنی رکھ دی　　ثناخوانِ محمد ﷺ لکھ دیا اوّل سے آخر تک
(صبیح رحمانی)

یہ کمالِ معجزہ بھی آپ سے ہے یا نبی! ﷺ　　آپ سے نسبت ہوئی اور ہم کو جینا آگیا
(غضنفر ہاشمی)

میری نسبت میرا رشتہ میرا ناتا ہے یہی نعتِ سرکارِﷺ مدینہ جو حوالہ ہے مرا
(شوکت ہاشمی)

بہ فیضِ نسبتِ سرکارﷺ ہر تلاطم میں بھنور خود آئے ہمارے لیے کنارے لیے
(افتخار عارف)

کبھی جو مجھ سے اُلجھتا ہے دوپہر کا عذاب وہ میرے سر پہ کرم اپنا تان دیتا ہے
(محسن نقوی)

سر اُٹھاتا ہوں تو افلاک کو مَس کرتا ہے کہ جو محبوبِﷺ خدا ہے مرا اپنا بھی وہی
(احمد ندیم قاسمی)

تعلق ہے مرا اہلِ نظر کے اس قبیلے سے خدا کو جس نے پہچانا محمدﷺ کے وسیلے سے
(قتیل شفائی)

چادرِ زہراؓ کا سایہ ہے مرے سر پر نصیرؔ فیضِ نسبت دیکھیے نسبت بھی زہرائی ملی
(سیّد نصیر الدین نصیر)

اُن سے گر ربط نہ ہوتا تو گلِ ہستی کو کن عذابوں سے گزرنا تھا بشر ہونے تک
(عاصی کرنالی)

اویسی نسبتیں دُوری میں بھی سرشار رکھتی ہیں
کہیں پر بھی رہیں سرکارﷺ کی خدمت میں رہتے ہیں
(ریاض مجید)

میں تیری نسبت کو اوڑھ کر جاوداں سعادت کا ہم سفر ہوں
تری مہک عام میری دنیائے قلب میں کو بہ کو ہوئی ہے
(محمد فیروز شاہ)

احیائے تہذیبِ اسلام کی خوش بو

ہمارے عہد کی نعتیہ شاعری میں ایک قلبی آرزو موسمِ گل کے اوّلین گلاب جیسی خوش بو بکھیر رہی ہے وہ زمانہ... آج جس کا ترانہ ہر خوب رُو تمدن کی جستجو کرتی تہذیب کی زبان پر ہے... لمحۂ موجود کے معروف ماہرِ عمرانیات ایلون ٹافلر نے سرخ رُو اور سربلند معاشرہ کے قیام کے لیے

جسے آئیڈیل قرار دیا... مدینہ کی فراست مند ریاست کی معاشرت کا پروردہ وہ عہد ہے جس کی مہکار زماں و مکاں کی حدیں اور سرحدیں پار کرتی ہر عہد اور ہر دھرتی پر اپنا اعتبار قائم کرتی چلی گئی۔ زمین کو جس نے سرزمین اور انسان کو رشکِ آسمان بنا دیا۔ ملائک جس کی عظمتوں کے گیت گا رہے تھے۔ وہ بریت کا دور جس زندگی کا طور عام کرتا تھا۔ اس کی پیاس آج محسنِ انسانیت ﷺ کے عطا کردہ ضابطۂ حیات کے اثبات کی آس ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ رات کی گھات جتنی گہری ہوتی جاتی ہے روشنی کی طلب اتنی ہی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور نور سے معمور صبحوں کا ہراول ہم سے کتنا ہی دُور کیوں نہ ہو... ہمارے دلوں میں اس کی چاہتوں کی صداقتیں دھڑکنوں کے تال پر نئی تمنائیں رقم کر رہی ہیں اور دل اُجڑ بھی جائیں اپنی آواز کی تاثیر کبھی نہیں گم کرتے بلکہ اُجڑے ہوئے دلوں کی ہوک تو برہا کی ماری کوئل کی کوک کی طرح تاثیر کی جاگیر قائم کرتی چلی جاتی ہے... چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کی شاعری میں ان سنہرے دنوں کی بازیافت کی خواہش برکھارت کی موسلادھار بارش کی طرح ترفع بانٹتی ہے جب انسانی تہذیب اپنی ترتیب میں اعلیٰ قدروں کی ترویج کرتی ایک ایسی جان دار ثقافت کی جاوداں روایت قائم کر رہی تھی... آنے والے کامران زمانوں میں جس کی رفاقت زندگی کی مسافت میں منزل نصیبی کی بشارت روشن تر کرنے والی تھی۔ اس موجودہ دورِ بے طور میں گئے دنوں کی اس خوش اطوار تہذیب کی بازگشت شاعری کی روشنی اور خوش بو سے بھر دیتی ہے۔ آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ پستیوں سے بلندیوں تک جانے والے راستوں پر روشن چراغوں کی لو سے اپنی حیاتِ مستعار میں ضو بھر لیں تاکہ دنیا ایک بار پھر دیکھے کہ سچ کے راج میں انسانیت کیسے سرخ رُو ہوتی ہے۔ محبت معاشرت کی روایت کیسے بنتی ہے۔ اور عشقِ رسول ﷺ سے سرشار انسان زمانے بھر کو کیسے کامران و شادمان زیست کی نوید عطا کرتے ہیں۔ یہ سارے خوابِ دل نشیں ہماری سرزمیں کی آنکھ میں زندہ ہو رہے ہیں اور ایک نیا طرزِ احساس تشکیل پا رہا ہے جو شاعری کو اسی پرانی تہذیب کا ورثہ عطا کر رہا ہے جو کسی دور میں پرانی نہ ہوئی بلکہ جس نے روایت کو جدت کی مسافرت میں قیادت کا استناد عطا کر دیا۔

تاریخ محمد ﷺ کا نشانِ کفِ پا ہے
انسان کو معراج ملی اُن کے قدم سے

(سیّد ابوالخیر کشفی)

فروغ اسمِ محمد ﷺ ہو بستیوں میں منیرؔ
قدیم یاد نئے مسکنوں سے پیدا ہو

(منیر نیازی)

شامِ میلاد ہے ہر کوئی شاد ہے وجد میں چاندنی رقص میں نکہتیں
اپنے گھر کی منڈیروں پہ پھر شوق سے موم کی بتیاں اب جلائیں گے ہم
(ریاض حسین چوہدری)

سو میں گھر گھر فتوحاتِ مدینہ دیکھتا ہوں زمانہ اور مواخاتِ مدینہ کا زمانہ
(شوکت ہاشمی)

شکست و ریخت کی اس تیرگی میں
اک یہی اُمید کا روشن حوالہ ہے
کہ اس عہدِ قتال و جنگ میں
وہ خیرخواہوں کا امامِ اوّل و آخریں
اک بار سب کو یاد آجائے

(سیّد صبیح رحمانی)

پھر اپنی ہم عصر یاد کوئی مرے زمانے کو بخش آقا! ﷺ
کہ خود فراموشیوں کے جنگل سروں سے اونچے نکل رہے ہیں
(محمد فیروز شاہ)

حرفِ آخر

اسلام کے جہانگیر و جہاں آرا نظام میں قدرت نے وہ شان دار لچک رکھی ہے کہ ادوار کے بدلتے تقاضوں کا عکس اس سے ہم آہنگ ہو کر رنگ پاتا ہے۔ اسی لیے یہ نظامِ زیست تا قیامت ہر زمانے کا سُر نامہ بن کر درخشاں رہنے کی صلاحیت و قوت رکھتا ہے۔ اسلام کی فطرت میں تغیر و تبدل کے ہم راہ رہنے کی یہ خصوصیت دراصل خالقِ کائنات کے اس اصول سے مطابقت رکھتی ہے کہ ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں'' اللہ کریم دن میں سے رات اور رات میں سے دن پیدا فرماتا رہتا ہے۔ موسموں کو تبدیل ہوتے رہنے کا دائمی حکم ہے۔ گھڑیاں اور ساعتیں فقط گزرتی ہی نہیں احوال و مناظر میں تبدیلیاں بھی پیدا کرتی چلی جاتی ہیں۔ اس لیے لازم تھا کہ نظامِ حیات بھی ایسا عطا ہو جو ان تغیرات پر حاوی ہو۔ چناں چہ اسلام ہر دور اور ہر زمانے کے تقاضوں کی تکمیل کی خصوصیت لے کر آیا اور پیغمبرِ اسلام حضور محمد مصطفےٰ ﷺ اس نظام کو تمام زمانوں اور سبھی جہانوں میں نافذ کرنے کے لیے تشریف لائے سو ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مدح سرا اس

خوبی کو پیشِ نظر رکھیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی نعت کہتے ہوئے ایسا پیرایۂ اظہار اختیار کرنا ضروری ہے جو ہم عصر طرزِ احساس کی نمائندگی بھی کرتا ہو اور جذبہ وفکر کی تابندگی بھی مترشح ہو۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے نعت گو شعرا جدید طرزِ احساس کو اپناتے ہوئے اپنی عقیدتوں اور والہانہ وابستگیوں کو زبان دے رہے ہیں۔ جذبہ وعقیدہ راسخ ہو تو شعر کی تاثیر دلوں کو اپنی جاگیر بنا لیا کرتی ہے۔ میں نے چند مثالیں اس مضمون میں پیش کی ہیں ایسے بے شمار اشعار اہلِ عشق کے دلوں میں اور اہلِ دل کے لبوں پر گونج رہے ہیں جو اس زمانے کی جدید روایات کے سفیر بھی ہیں الفاظ، تراکیب تشبیہات و استعارات طرزِ احساس اندازِ اظہار... کئی حوالوں سے جدید مگر اس کے باوصف عقیدتیں اور نسبتیں وہی جو بلالؓ کی خاکِ پا کو چوم کر نکھرتی ہیں!!!

میرے عہد کو بھی نصیب ہوں تیری ذات سے وہی نسبتیں
وہ جو عظمتیں تھیں اویس کی، وہ جو رابطے تھے بلالؓ کے!

کتابیات

۱۔ ''میرے اچھے رسول ﷺ'' (مظفر وارثی)
۲۔ ''دل سے درِ نبی ﷺ تک'' (مظفر وارثی)
۳۔ ''قوس'' (مسعود عثمانی)
۴۔ ''پری زاد'' (محمد اظہار الحق)، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۴ء
۵۔ ''خالی ہاتھوں میں ارض وسما'' (سلیم کوثر)
۶۔ ''دیوارِ آب'' (محمد اظہار الحق)
۷۔ خواب دریچہ'' (جلیل عالی)، ہجرہ انٹرنیشنل پبلشرز، لاہور ۱۹۸۵ء
۸۔ ''پاکستانی ادب ۱۹۹۰ء'' (مرتب: شہزاد احمد)، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء
۹۔ ''چمن'' (عاصی کرنالی)، مکتبۂ اہلِ قلم، ملتان، ۱۹۸۶ء
۱۰۔ ''پاکستانی ادب... شناخت کی نصف صدی'' (غفور شاہ قاسم)، ریز پبلی کیشنز، راول پنڈی ۲۰۰۰ء
۱۱۔ ''گل دستۂ نعت'' (مرتب: مقصود احمد)، ادارۂ مطبوعاتِ طلبہ، لاہور، ۱۹۹۷ء
۱۲۔ ''و رفعنا لک ذکرک'' (راجا رشید محمود)، اختر کتاب گھر، لاہور، ۱۹۹۳ء
۱۳۔ ''پشت پہ گھر'' (بیدل حیدری)، کاروانِ ادب، کبیر والہ، ۱۹۹۶ء
۱۴۔ ''سفر صدیوں کا'' (سعید اکرم)، کمال پبلی کیشنز، راول پنڈی، ۲۰۰۱ء
۱۵۔ ''آئینہ دار'' (شاہنواز زیدی)، ''اساطیر''، میاں چیمبرز، ٹیمپل روڈ، لاہور ۱۹۹۰ء
۱۶۔ ''رؤف رحیم'' (خواجہ عابد نظامی)، مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، لاہور، ۱۹۹۰ء
۱۷۔ ''انتخابِ نعت'' (عبدالغفور قمر)، EE ۱۹، فیز ۴، لاہور، ۱۹۹۳ء

۱۸۔ ''نئی آوازیں'' (مرتبہ: یونس عزیز ملک)، ادارۂ تخلیقاتِ پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء
۱۹۔ ''منظر'' (محمد فیروز شاہ)

رسائل و جرائد

۱۔ ''معاصر''۔۴، عطاء الحق قاسمی، امجد اسلام امجد، ادارۂ معاصر، مزنگ روڈ، لاہور، ۱۹۹۶ء
۲۔ ماہنامہ ''نعت''، لاہور، راجا رشید محمود، اگست، ستمبر ۱۹۹۸ء
۳۔ ماہنامہ ''شام و سحر''، لاہور، خالد شفیق، نعت نمبر
۴۔ ''نعت رنگ''، کراچی، سیّد صبیح رحمانی، ۲۰۰۴ء
۵۔ مجلّہ ''ثناخوانِ محمد ﷺ'' (سیّد صبیح رحمانی نمبر)، کراچی، محمد عارفین خان، پاک لورز کلب، کراچی، ۲۰۰۴ء
۶۔ ماہنامہ ''بیاض'' (نعت نمبر)، لاہور، خالد احمد، عمران منظور، دسمبر ۲۰۰۰ء، جنوری ۲۰۰۱ء
۷۔ ''آثار''، اسلام آباد، فیصل عجمی، ثمینہ راجا
۸۔ سہ ماہی ''ادبیات''، خالد اقبال یاسر، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد
۹۔ سہ ماہی ''ادبیات''، نگہت سلیم، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد
۱۰۔ ''اوراق''، ڈاکٹر وزیر آغا، لاہور
۱۱۔ ''فنون''، احمد ندیم قاسمی، لاہور
۱۲۔ ''اوج'' (نعت نمبر)، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، گورنمنٹ کالج، شاہدرہ، لاہور ۱۹۹۲ء
۱۳۔ ''آفاق''، راول پنڈی، قیوم طاہر، ستمبر ۲۰۰۳ء
۱۴۔ سہ ماہی ''تسطیر''، لاہور، نصیر احمد نصیر
۱۵۔ ''نعت رنگ''۔۱۲، کراچی، سیّد صبیح رحمانی

☆

D:NaatRang-17
File: 7-Feroz
Final

گوہر ملسیانی۔ صادق آباد

ضلع رحیم یار خاں کے نعت گو

دنیا کا وہ کون سا خطہ ہے جہاں محبت سے لبریز بادِ بہاری محوِ خرام نہ ہو۔ چاہت اور تمنائے حضوری سے معمور اُمنڈتے ہوئے سحاب دوشِ ہوا پر اُڑتے پھرتے نہ ہوں۔ قلب ونظر کی آرزوئیں غنچوں کی چٹک اور پھولوں کی مہک میں بسی ہوئی نہ ہوں۔ اشتیاقِ دید میں خیالات و تصورات کی آنکھیں بچھی نہ جا رہی ہوں۔ جذبوں کی کلیاں مسکرا نہ رہی ہوں۔ عقیدت و سعادت کے شبنمی قطرے سبزہ و گیاہ پر موتیوں کی بہار نہ دکھا رہے ہوں۔ ہر قریہ، ہر علاقہ، ہر میدان، ہر صحرا اور ہر کوہسار اپنے اپنے رنگ کی ضیائیں بکھیر رہا ہے حُسن کے نئے نئے زاویے دکھا رہا ہے۔ جمال کی پُر کیف، پُرکشش اور پُر بہار کرنیں لٹا رہا ہے۔ یہ عمل صدیوں سے جاری ہے بلکہ ہبوطِ آدمؑ سے یہ سلسلہ جاری ہے اور عالمِ رنگ و بو میں ہر انسان اپنی بساط، اپنی فکر اور اپنی تخلیقی قوت کے مطابق مختلف رنگوں، شعبوں اور اسالیب میں اظہارِ خیال کے خزانے لٹا رہا ہے۔ کبھی اس کائنات میں بکھرے حسن کی صباحتوں کو احاطۂ تحریر میں لاتا ہے تو کبھی انسانیت کے مختلف روپ... عشق و محبت، درد و الم، ایثار و قربانی، فراق و وصال اور جور و جفا کی تصویریں منصۂ شہود پر اُجاگر کرتا ہے۔ قلم کے ان لوگوں کے تجربات ان کی استعداد کے مطابق مختلف اصناف کی شکل میں رعنائیاں پھیلاتے چلے رہے ہیں۔ ہر دور، ہر زمانے اور ہر فصل میں رنگ رنگ کے پھول کھلتے رہے ہیں، لیکن عقیدت و محبت کے وہ پھول، جن کی خوش بو میں، جن کے رنگوں میں اور جن کی رعنائیوں میں حقائقِ خیر، افکارِ صداقت اور تذکارِ مقدس جلوہ افروز رہے ہیں، وہ مختلف اداؤں میں اور مختلف نواؤں میں موجود رہے ہیں۔ اس میں کسی علاقے کی قید نہیں ہے۔ تخلیق کی بالیدگی تو ہر جگہ پروان چڑھتی ہے۔ البتہ ثنائے آفتابِ نو بہار، شافعِ یومِ قرار اور صدرِ انجمنِ لیل و

D:NaatRang-17
File: 8-Gohar
Final

نہارﷺ کہیں بہاروں کا نکھار بنی ہے اور کہیں ریگ زاروں کے انوار بنی ہے۔

رحیم یار خاں بھی ایک ایسا ہی خطۂ سرسبز و شاداب ہے جس میں صنفِ نعت کی آبیاری میں کئی قلم کار اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں اور عقیدت کے جاں نواز انوار لٹا رہے ہیں۔ عصرِ حاضر میں جس قدر فروغ نعتِ محسنِ انسانیتﷺ کو حاصل ہوا ہے، دوسری کسی صنف کو وہ مقام حاصل نہیں ہوا۔ اسی لیے اس دور کو نعت کا دور کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں ہے۔ اس درد و الم سے لبریز زمانے میں پریشاں حال، مصائب کا شکار انسان، امن وسکون اور راحت و انبساط کی تلاش میں سرگرداں ہے اور ایسے سایۂ عاطفت میں رہنے کا متمنی ہے، جس میں قلب و نظر کو قرار ملے، فضائے پُر بہار ملے، نشاط انگیز اسلامی اقدار ملیں اور سکون پرور لمحات میسر آئیں۔ تو اس اضطراب انگیز موسم میں انسانیت کو اگر پناہ ملتی ہے، قرارِ جاں نصیب ہوتا ہے تو سرورِ کائنات، ارفع الدرجات اور اکمل البرکاتﷺ کے اسوۂ کامل میں، سیرت کی عطر بیز فضائیں اور جہدِ مسلسل کی گنگناتی ہواؤں میں۔

رحیم یار خاں میں شعر وسخن کی محافل جگہ جگہ منعقد ہوتی ہیں جن میں نعت کی مخصوص تقاریب بھی نہ صرف شعرائے کرام کے لیے باعثِ افتخار ہیں بلکہ رحمت للعالمینﷺ سے عقیدت ومحبت رکھنے والے اصحاب بھی شافعِ محشر، ساقئ کوثرﷺ کے ذکرِ خیر اور گلزارِ صداقت کے تر و تازہ پھولوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ نعت تو درِ شفاعت وا کرتی ہے، اسلامی ثقافت کی فضا مہکاتی ہے، انسانی شعور کو جلا بخشتی ہے۔ آیئے رحیم یار خاں کے چند نمائندہ نعت گو شعرائے کرام کے اشکِ عقیدت کے موتیوں کو چنیں۔ ان کے اظہارِ محبت اور فکرِ سلیم کی قندیلِ نور سے چند کرنیں آج کی محفل کو منور کرنے کے لیے پیش کریں۔

۱۔ نادم صابری

گلزار احمد اسمِ مبارک ہے۔ رحیم یار خاں کے شہر خان پور کی ادبی فضاؤں کو انوارِ مدحت سے منور کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں کپورتھلہ مشرقی پنجاب بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور خان پور میں سکونت اختیار کی۔ شفا میڈیکل اسٹور میں ادویات کے درمیان بیٹھے علم و ادب کی محفلیں سجاتے رہتے۔ آج سے تین چار سال قبل اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ عمر بھر شعر وسخن کے دیپ جلاتے رہے۔ ''شاہنامۂ کربلا'' دو جلدیں اور ''نخلستانِ نعت'' ان کی تخلیقات ہیں۔ ان کے علاوہ قومی نظمیں بھی ان کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ بہت سا کلام ابھی شائع

نہیں ہوا۔

''نخلستانِ نعت'' ان کی سیّدابرار، حبیبِ غفار، شافعِ یومِ قرار ﷺ سے محبت وعقیدت کا ایک گل دستہ ہے۔ ان کے اِن گل ہائے عجز و نیاز میں صداقت کی بلندیاں، حقیقت کی رفعتیں، سیرتِ سیّدالمرسلین ﷺ سے چمکتی، دمکتی دنیائیں میسر آتی ہیں۔ نعت کی سرزمین ان کے ذہن کی شادابی سے گلزار بن گئی ہے۔ آفتابِ ہدیٰ ﷺ سے محبت اُن کی زندگی کا اثاثہ ہے۔ صاحبِ جود و سخا ﷺ کے گلِ رحمت کی تلاش اُن کے فکر کی دولت ہے۔ کتاب کے آغاز میں حمد و ثنا کے غنچے چٹکتے ہیں جب کہ بعد میں مدحت کی کلیاں بوئے اُلفت بکھیرتی ہیں۔ حمد کا یہ شعر دیکھیے:

تری پاک جستجو نے مجھے روشنی عطا کی
کہ ہزار ظلمتیں تھیں مری رہ گزر کے آگے

رحمتِ دارین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا رنگ دیکھیے:

صداقتیں بے نیام تیری ﷺ، حقیقت سب غلام تیری ﷺ
نوازشیں خاص و عام تیری ﷺ، عنایتیں تیری ﷺ ذوالجلالی

نادم کی تمناؤں میں ایک اضطراب ہے، چاہتوں میں ایک سوز ہے۔ عشقِ سرورِ کونین ﷺ میں تڑپتے ہیں تو اس درد کی دوا کی تمنا میں جیتے ہیں۔ وہ قلب و نظر کی تسکین کے لیے ایسا غم چاہتے ہیں جو جاودانی ہو اور جس کے پانے سے قلبی سرور مل جائے۔

میٹھا میٹھا سا مجھے درد دیا خوب کیا　　روگ شیریں ہے تو پھر شیریں دوا مل جائے
جذبِ دل، سوزِ جگر، زورِ قلم، حسنِ بیاں　　یاأخی! مجھ کو یہی نامِ خدا مل جائے
فکرِ دنیا بھی نہیں، دہشتِ عقبیٰ بھی نہیں　　غم تو یہ ہے کہ محمد ﷺ کی رضا مل جائے

نادم صابری تو عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر اپنی محبت کے پھول کشتِ نعت میں بوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی مدحت کی وجد آفرینی قاری کو مسحور کرتی ہے۔ اُن کی عقیدت سے لبریز خیالات پلکوں کی منڈیروں پر آنسوؤں کے چراغ جلاتے چلے جاتے ہیں۔ وہ محبت کی ایسی شمعیں جلاتے ہیں جن پر پروانے نثار ہوتے ہیں:

نامِ حق، عشقِ نبی ﷺ، حسنِ وفا رکھا ہے　　ہم نے سینے میں ہر گنجینہ چھپا رکھا ہے
آس کے پھول، تمنا کی ندی، غم کے چنار　　تیری اُلفت نے چمن دل کا سجا رکھا ہے
اے غمِ عشقِ نبی تیری تمازت پہ نثار　　تو نے مجھ ذرّے کو خورشید بنا رکھا ہے

نادم صوفیانہ عجز و نیاز کے پیکر ہیں۔ ان کے کلام میں وفورِ شوق سے لبریز تصورات نگینوں کی طرح دمکتے ہیں بلکہ وہ اپنے ان خیالات کو نعت کے اشعار میں سمو کر قلبی آسودگی پاتے ہیں۔ ان کی زندگی کی خوشیاں، ان کی زبان کی حلاوتیں سب کا تعلق عشقِ سرورِ عالم ﷺ سے ہے۔ ان کے افکار کی ہر ادا مظہرِ اوّلین و حجتِ آخریں ﷺ کے لیے وقف ہے بلکہ ہر اسلوب وقف ہے اور ہر خیال وقف ہے۔

میرے دہن میں زباں ہے حضور ﷺ کے لیے — یہ سارا حسنِ بیاں ہے حضور ﷺ کے لیے
یہ گرم گرم سلگتی ہوئی جبینِ نیاز! — یہ نرم نرم دھواں ہے حضور ﷺ کے لیے
جھکی جھکی سی نگاہیں رُکے رُکے سے آنسو — دبی دبی سی فغاں ہے حضور ﷺ کے لیے
یہ سارا فکر و تخیل یہ سارا ذوقِ کلام — حضور ﷺ ہی کا بیاں ہے حضور ﷺ کے لیے

نعت کی روایت میں جمالِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ضیائیں سدا روشن رہی ہیں۔ خاص طور پر فارسی کے شعرا نے رسولِ اکرم ﷺ کے حسنِ ادا، موجۂ تبسم، زلفِ عنبرفشاں اور سراپا کے جاں فزا انوار کو اشعار کی زینت بنایا ہے۔ نادم صابری کے اشعار میں اس اسلوب کی جلوہ سامانی بھی فراواں ہے اور حسن و جمالِ محبوبِ خدا ﷺ کی تجلیات اُن کی مدحت سے پھوٹتی نظر آتی ہیں:

بدن سرکار کا جانِ تجلی — دلیلِ حسنِ برہانِ تجلی
بجا ہے گر کہیں نقشِ قدم کو — نگارِ لامکاں شانِ تجلی

زلفِ دوتا میں سورۂ واللیل ہے اسیر
والشمس والضحیٰ کی پناہ و ضیا ہیں آپ ﷺ

اسی طرح قریۂ جمال کی تمنا بھی ہر دل میں تڑپتی ہے۔ دیارِ فخرِ جہاں ﷺ میں انوارِ صبح اور جلوہ ہائے شام کو سمیٹنے کی آرزو نادم کو بھی بے قرار رکھتی ہے۔ وہ شہرِ بے مثال میں بار بار جانے کی خواہش بحرِ دل میں موجزن دیکھتے ہیں۔ ان کے لیے یہ بستی ستاروں کی بستی ہے بلکہ اس کا ریگ زار جنت نشاں ہے۔

مدینہ ترے جاں نثاروں کی بستی — مدینہ ترے شہ سواروں کی بستی
وہ عدل و حیا کے ستاروں کی بستی — وہ مقتل میں سجدہ گزاروں کی بستی

☆

دکھا دے الٰہی! دیارِ مدینہ — وہ زینت گہِ تاجدار ﷺ مدینہ

پھر نادم صابری خیرالوریٰ ﷺ کے در پر شمس و قمر کو بھی سوالی دیکھتے ہیں اور خود بھی کیف پرور فضا میں پہنچنے کے لیے مضطرب ہیں۔

سہما کھڑا ہے سورج شمس الضحیٰ ﷺ کے در پر
مہتاب دم بخود ہے بدرالدجیٰ ﷺ کے در پر
مجھ بے نوا کو اپنا تو ہم سفر بنا لے
اے جانے والے! لے چل صل علیٰ ﷺ کے در پر
سو بار تیرے حق میں دل سے دعا کروں گا
اک بار مجھ کو لے چل خیرالوریٰ ﷺ کے در پر

نادم صابری نظم کے شاعر ہیں، ''نخلستانِ نعت'' میں زیادہ تعداد منظوم نعتیہ کلام کی ہے۔ مسدس، مخمس اور دیگر اصنافِ سخن میں ان کے اسلوب کی چاشنی اور دل کشی موجود ہے۔ الفاظ و تراکیب کا انتخاب اور تشبیہات و استعارات کا حسن دیدہ زیب ہے۔ وہ مدح سرائی کو فیضِ ربّ کائنات سمجھتے ہیں:

کہاں یہ نادمِ حزیں کہاں ثنائے مصطفیٰ ﷺ
کرم ہے اس کریم کا جو قادر و قسیم ہے

وہ اتباعِ محسنِ انسانیت ﷺ کی تلاش میں ہر وقت سرگرداں رہے۔ اپنی وضع قطع میں بھی بے حد حسین و جمیل اور اپنے اخلاق کے لحاظ سے بھی بے حد ملنسار اور ہمدرد۔ حقیقتاً اُن کی زندگی ایک سچے مسلمان کی زندگی تھی۔

اتباعِ حبیب ﷺ کر نادم　　　　ورنہ ہر گام پُرخطا ہوگا

۲۔ ندیم نیازی

ندیم نیازی ضلع رحیم یار خاں کے ایک اور بزرگ نعت گو ہیں۔ محمد عبداللہ خاں نام ہے۔ آبائی وطن عیسیٰ خیل ضلع میانوالی ہے۔ آپ رئیس گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والدگرامی غازیِ کشمیر سردار آغا محمد حبیب اللہ خاں صاحب ثروت ہی نہیں صاحبِ عزیمت بھی تھے۔

ندیم نیازی کی بہت سی تصانیف منصۂ شہود پر آئی ہیں۔ تقریباً ہر صنفِ ادب میں طبع آزمائی کی ہے۔ غزلیات، منظومات، قطعات، نغمات اور بچوں کے لیے اصلاحی نظمیں، اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں میں طباعت کے مراحل طے کرچکی ہیں۔ ان کی نعتیہ تخلیق ''وما

ارسلنک الا رحمة للعالمین'' صلی اللہ علیہ وسلم حال ہی میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی ہے۔ ندیم ضلع بھر کی بہت سی علمی، ادبی اور سیاسی تنظیموں کے کرتا دھرتا ہیں۔ کئی ایوارڈ اور سندات پا چکے ہیں۔ شاعرِ خوش فکر وخوش بیاں اور رئیس القلم کے خطابات سے نوازے گئے ہیں۔

ندیم نیازی اس لحاظ سے خوش قسمت انسان ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ سے عقیدت و محبت اُن کی زندگی کا اثاثہ اور صوفیائے کرامؒ، اولیائے عظامؒ سے دلی لگاؤ ان کا سرمایۂ حیات ہے۔ صاحبِ اخلاق، بالغ نظر اور انسانیت سے پیار ان کے اوصافِ حمیدہ ہیں۔ اُن کا کلام ان کے حسین وجمیل تصورات اور خیالات ادبی رنگینیوں سے مزین ہیں۔ وہ اس دور میں اسلامی اقدار کے داعی ہیں۔ وہ آسمانِ نعت کے تابندہ ستارے ہیں۔ گلشنِ نعت میں انھوں نے نعت کے ایسے دل پذیر اور پُر بہار پھول کھلائے ہیں کہ ان کی خوش بو مشامِ جاں کو معطر کرتی چلی جاتی ہے۔

ادبِ اسلامی میں قرآن حکیم وہ منبعِ نور و ہدایت ہے جس کی مثال کسی اور ادب میں موجود نہیں۔ خالقِ کائنات نے انسانیت کو معراجِ کمال تک پہنچانے کے لیے فطرتِ انسانی کے مطابق اس مرقعِ ہدیٰ میں علمی، اخلاقی، سماجی اور معاشرتی تجلیات کو محفوظ کر دیا ہے تاکہ اس کی مخلوق عبودیت کا حق ادا کرسکے اور رضائے الٰہی پانے کے ساتھ دنیوی اور اُخروی فلاح و کامرانی حاصل کرسکے۔ اس صحیفۂ نورانی میں ربّ ارض و سماوات نے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے اخلاقِ حسنہ، جمال و کمال، سیرت و کردار اور کارِ انسان سازی کو دل کش اور مرصع پیرائے میں بیان فرما دیا ہے۔ دراصل ربّ جلیل نے اپنی سنت کا اظہار فرما دیا ہے کہ خود ربّ العالمین اپنے پیارے رسول رحمت للعالمین ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی اس کی اتباع کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم فرما دیا ہے کہ اہلِ ایمان بھی سیّدالانبیا، احمد مجتبیٰ ﷺ پر سلام وصلوٰۃ بھیجیں۔ یوں مدحتِ سیّدالمرسلین ﷺ مومن کا فریضہ ٹھہرا۔ اس لیے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ جزو ایمان ہے۔ یوں مجھے کہنے دیجیے کہ نعت گو شعرائے کرام اپنا فریضہ ادا کرتے ہیں اور ان کی شعری کائنات میں حسن و جمالِ مصطفےٰ ﷺ اور ذکرِ اخلاق، اظہارِ سیرت و کردار اور دیگر متعلقاتِ نعت حاملِ آیاتِ مبین ﷺ پر حقیقتاً درود وسلام ہیں۔

ندیم نیازی بھی اپنی شعری جمالیات میں نیرِ اعظم ﷺ کے انوار سموتے چلے جاتے ہیں جمال کی یہ رعنائیاں الماس و جواہر بن کر دمکتی ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں شہنشاہِ زمین و زماں ﷺ کے یہی گہر ہائے آبدار قلب ونظر کو ایک نئے انداز سے خیرہ کرتے چلے جاتے ہیں:

کرن جو نور کی دل میں اُتر گئی ہوگی حریمِ جاں میں وہ مثلِ سحر گئی ہوگی

وہاں وہاں گلِ صد رنگ کھل گئے ہوں گے　　　　جہاں جہاں بھی تمھاری ﷺ نظر گئی ہوگی

☆

زمانہ اس مہِ کامل ﷺ کے انتظار میں تھا　　　　جو نور بار ہو کونین میں ضیا کی طرح

زندگی کو رعنائیاں عشق سے میسر آتی ہیں۔ منزل پانے کی جرأتیں عشق سے جلا پاتی ہیں۔ رفعت و عظمت کی شان و شوکت عشق کی بدولت ہے۔ جذبۂ شوقِ فراواں اور ذہن و دل کا سرورِ عشق کا مرہونِ منّت ہے، صداقت کے تر و تازہ گلاب کشتِ زیست میں عشق سے نمو پاتے ہیں۔ پھر یہ عشق جب نعتِ نبی ﷺ میں اپنی توانائیاں کھپانے لگے اور خونِ جگر دینے لگے تو مدحت کلیدِ جنت بن جاتی ہے۔ یہ پاکیزہ کسک بن کر محبت و عقیدت میں ڈھل جاتی ہے۔ پھر نعت ادراکِ جمال بن جاتی ہے، فکر کا نور اور عمل کی روشنی بن جاتی ہے۔ ندیم نیازی کے ہاں مدحت میں جب یہ عشق ایک خاص اسلوب میں ڈھل کر قلب و نظر کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو ذوق و شوق کی قندیلیں جلنے لگتی ہیں اور ندیم کو صحرا نوردی میں نورِ دانشِ برہانی میسر آتا ہے وہ پکار اُٹھتے ہیں:

بھٹک رہا تھا میں صحرائے تیرگی میں کبھی　　　　دل و نظر کو ملی روشنی ترے دم سے

کمالِ عشقِ محمد ﷺ ہو زیست کا حاصل　　　　ہر ایک لفظ ہو مقبول جب دعا کی طرح

حبِ خدا ہے مدعا عشقِ رسول ﷺ آرزو　　　　دونوں مرے لیے ندیم نغمہ گرِ حیات ہیں

رنگِ بہار کا یہ اثر آپ ﷺ ہی سے ہے　　　　شاداب چارسُو ہے ہر نخلِ آرزو

نعت موضوعات کا ایک سیلِ رواں ہے، مضامین کی ایک قوسِ قزح ہے جو جہانِ ادب کو رنگین بناتی چلی جاتی ہے۔ کہیں حبِ مہرِ رسالت ﷺ کے الفاظ نور برساتے ہیں کہیں ماہِ صداقت کی تراکیب ٹھنڈک پہنچاتی ہیں تو کہیں سیرت و کردار کی مختلف جہتیں ضیائیں پھیلاتی ہیں۔ کہیں مدینہ پہنچنے کی آرزو مضطرب رکھتی ہے تو کہیں معجزات اور خصوصاً سفرِ معراج کے تذکار کی شمعیں جلنے لگتی ہیں۔ اصنافِ سخن میں مدحتِ ساقیِ کوثر ﷺ کے رنگا رنگ پھول کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔ ندیم نیازی کے نعتیہ کلام کا کینوس بھی وسیع ہے، مختلف مضامین ان کے خیالات کی تصویریں اُبھارتے چلے جاتے ہیں۔ دیکھیے معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے کیسا دل کش انداز اپناتے ہیں۔

عرشِ علیٰ پہ آپ ﷺ گئے جا کے لوٹ آئے
صدیوں کا ایک لمحے میں طے ہوگیا سفر

معلمِ اعظم ﷺ کی تعلیمات سے گلشنِ نعت میں گل ہائے افکار کھلاتے ہوئے کبھی کہتے ہیں:

کوئی بھی فرق یہاں مفلس و سلطان میں نہیں
بھائی چارے کی، اخوت کی ضیا میرے حضور ﷺ
کر دیا تیرگیِ کذب و ریا کو معدوم!!
دہر میں عدل و صداقت کی ضیا میرے حضور ﷺ

کبھی مدینے کی فضاؤں میں نور و نکہت کا سرور پاتے ہیں تو پکار اُٹھتے ہیں:

جو تیرے در پہ رہے کیفِ زیست ہیں پائے وہاں پہ کیفِ فراواں کا کچھ شمار نہیں

☆

پھر جا رہے ہیں اہلِ محبت کے قافلے پھر یاد آرہا ہے مدینہ حضور ﷺ کا
جب سے قدم پڑے ہیں رسالت مآب ﷺ کے جنت بنا ہوا ہے مدینہ حضور ﷺ کا

☆

شہرِ نبی ﷺ ہے چرخ کا منظر صلی اللہ علیہ وسلم ذرّہ ذرّہ غیرتِ اختر صلی اللہ علیہ وسلم

خالقِ کائنات نے حضورِ اکرم ﷺ کی مدحت بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید میں رحمت للعالمین کی ترکیب سے آں حضرت ﷺ کی عظمت کا ایک خاص وصف بیان فرمایا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہے اسی طرح سرورِ عالم ﷺ دونوں جہانوں کے لیے رحمت کا بے کراں سمندر ہیں۔ اسی طرح خیرالبشر ﷺ کو **انک لعلی خلق عظیم** کی صفتِ لازوال سے نوازا ہے۔ نعت گو شعرائے کرام کے ہاں یہ دل کش مضامین فنی خصوصیات کا مرقع بنے ہیں۔ یوں نعت اسلامی ثقافت کا مظہر بن گئی ہے۔ یہ توصیفِ رسولِ ہاشمی ﷺ حیاتِ انسانی میں فکر کی روشن دلیل بن جاتی ہے۔ ندیم نیازی کے ہاں یہ مضامین نگینوں کی طرح دمکتے ہیں:

محفلِ دہر میں رحمت کا اُجالا اُن ﷺ سے
بزمِ امکاں میں عنایت کی ضیا میرے حضور ﷺ

☆

میرے خدا کے بعد ہے رُتبہ مرے حضور ﷺ کا
مرے خدا کے بعد آپ ﷺ رحمتِ کائنات ہیں

بزمِ ہستی کا کنول، قاطعِ ظلماتِ جہاں
حسنِ اخلاق و مروّت کی ضیا میرے حضورﷺ

☆

دشمنوں پر بھی ہے سایہ آپﷺ کے الطاف کا
مجھ کو اک دنیائے اُلفت کے امیں لگتے ہیں آپﷺ

☆

ہیں عاصیوں پہ شفیق آقا ہیں غم زدوں کے رفیق آقا
مری جو کیفیتِ الم ہے حضورِ خیرالانامﷺ کہنا

ندیم نیازی کی مدحت کا زیادہ حصہ غزل کی صنف میں ہے۔ ان کے ہاں تغزل کی پاکیزگی ایک خاص پہلو رکھتی ہے بلکہ عشق و محبت کا اظہار جو تغزل کی روح کہلاتا ہے۔ ندیم کی نعت میں سوز و گداز اور کیف و سرور کا رُوپ لیے ہوئے ہے۔ جس طرح غزل کا موضوع غم بھی ہے اسی طرح نعت نگاروں کے ہاں غمِ رسولﷺ ہے، کیوں کہ حسن کی شوخی اور عشق کا ایثار، غم کے جذبات کو جنم دیتے ہیں اور ان چاہتوں میں کیف و سرور کی لہر بھی ہوتی ہے جو زندگی کی متاعِ عزیز کہلاتی ہے۔ ندیم کے اشعار میں یہ عشق و محبت کی رو جب در آتی ہے تو سرورِ غم عطا کرتی ہے اور قاری مسحور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان اشعار کی رنگینی اور دل پر اثر انداز ہونے والی کیفیت دیکھیے:

عشق والوں کو مدینے سے ضیا ملتی ہے　　　جب بھی ملتی ہے طلب سے بھی سوا ملتی ہے

☆

کتنے حسین لگتے ہیں ان کے دہن کے پھول　　　قربان ان پہ کردوں میں سارے چمن کے پھول

☆

وفورِ شوقِ زیارت میں کھو گیا ایسا　　　زباں پہ آتا نہیں حرفِ مدعا آقاﷺ

☆

عبادت کا جوہر ہے عشقِ رسولﷺ　　　یہی ہے شریعت کا پہلا اصول
نہ ہو عشقِ احمدﷺ اگر مدعا　　　رہے گی سدا من کی دنیا ملول

D:NaatRang-17
File: 8-Gohar
Final

جدید اسلوب کا رنگ پہلی مرتبہ ہمیں علامہ اقبالؒ کے کلام میں ملتا ہے، پھر مختلف علامتیں، مختلف استعارے اور فکر و آگہی کی جہتیں نعت گو شعرا کے ہاں نکھرتی چلی گئیں۔ تراکیب

کی جدید تشکیل، تشبیہات و الفاظ میں نئے معانی کا رنگ ادب کو حسن عطا کرتی ہیں۔ پھر موضوعات شاعر کی ذات کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں۔ نعت کے شعرائے کرام روایت کی سراپا نگاری سے نکل کر سرورِ کائنات ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور جہدِ تشکیلِ انسانیت کے مضامین کو جدید استعاراتی رُوپ میں پیش کرنے لگے۔ پھر عصرِ حاضر کے مضطرب کرنے والے واقعات کی تعبیر ہجرت کی مشکلات میں پانے کی کوشش ظاہر ہونے لگی۔ یوں ایک نئی صورت اور غم کی اندر ہی اندر بہنے والی روظہور میں آنے لگتی ہیں ۔ نعت نورِ بصیرت بن گئی، ایمائیت کی تنویر بن گئی اور احساسِ حیات میں ڈھل گئی۔ ندیم نیازی بھی کسی حد تک ان احساسات و جذبات کو اپنی نعتوں میں سموتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ہاں حسنِ بیان کی دل کشی بھی ہے اور جدید رنگ کی رعنائی بھی:

نہ غرور حسنِ بیان پر، نہ گھمنڈ زورِ کلام پر
مری زندگی کی ہر اک خوشی ہے نگاہِ خیرالانام ﷺ پر

☆

مصائب میں انسان کے کام آیا ہے سارے دُکھوں کی دوا اسمِ اقدس

☆

بھر جائے مرا مخزنِ دل دولتِ غم سے آنکھوں میں جو پنہاں ہیں انھیں آبِ گہر دیں
ہجرت کے تقدس کو پذیرائی عطا ہو جامد جو ستارہ ہے اسے اذنِ سفر دیں
کب تک شبِ فرقت میں اندھیرے کا ہو چرچا اب شہر مقدر کو مرے نورِ سحر دیں

ندیم نیازی کے کلام میں کہیں کہیں صنعتِ سہلِ ممتنع بھی جلوہ گر ہے۔ سادہ و پرکار اسلوب، الفاظ کا انتخاب حسیں اور مختصر بحر، قاری کو متاثر کرتے ہیں۔ میں ندیم نیازی کو اس کیف پرور انداز پر مبارک پیش کرتا ہوں۔

میرے دل کی صدا یہ کہتی ہے کوئی صورت نہ آپ ﷺ سی دیکھی

☆

ترے دیدار سے محروم رہنا کوئی اس سے بڑی بھی کیا سزا ہے

☆

خالی لفظوں کو دیے معنی حسیں خلق کو ایماں کا درجہ دیا

☆

وہی دنیا میں ہوگی سرخ رُو قوم　　　کہ جس کے آپ ﷺ رہبر ہوگئے

کس قدر بے ساختہ پن اور شگفتہ انداز ہے۔ زبان سے نکلتے ہی اشعار دل میں اُترتے چلے جاتے ہیں۔ میرؔ اور مومنؔ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

۳۔ ضیاء الدین نعیم

ضیاء الدین نعیم رحیم یار خاں کے پُرمغز اور جامع افکار کے حامل نعت گو ہیں۔ آپ ماہرِ تعلیم، خطیب اور ادیب ہیں۔ تحصیل لیاقت پور میں تعلیم و تعلم کے شعبہ سے منسلک ہیں۔ سرسیّد ہائر سیکنڈری اسکول کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر ہیں۔ آپ کا ادارہ علمی تفوق کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیوں کا بھی مرکز ہے۔ بزمِ احساس لیاقت پور کے صدر نشیں ہیں۔ شعر وسخن میں نظم اور غزل دونوں جدید ڈکشن اور عمیق فکری انداز آپ کی پہچان ہے۔ حمد و نعت میں خصوصاً قرآنی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کی دل کش ضیائیں ان کی اسلامی سوچ کی آئینہ دار ہیں۔ حمد و نعت معیاری جرائد کی زینت بنتے ہیں اگرچہ ابھی کوئی مجموعہ حمد و نعت منصۂ شہود پر نہیں آیا لیکن نعتیہ مشاعروں میں آپ کا کلام سامعین کو اپنی گرفت میں لے آتا ہے۔ نغماتِ ربانی اور مدحتِ محبوبِ ربانی ﷺ سے محفل کو پُرضیا و پُربہار بناتے چلے جاتے ہیں۔ نعت اگرچہ عقیدت و محبت کا اظہار ہے لیکن نعیم اسے فکر وفن کا سرمایہ، دنیوی اور اخروی زندگی میں کامیابی کا وسیلہ اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نعیم کے نعتیہ کلام میں تخلیقی قوت کی ایک خاص حدت اور فکر کی گہرائی موجود ہے۔ وہ فلسفہ اُبھارتے نہیں بلکہ جمالیاتی اشاروں سے سوچوں کے پھول مہکاتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے احساسات و خیالات خالصتاً شرک گریز اور وحدت کا حسن لیے ہوئے ہیں۔ یہ رنگِ نعت اور یہ جمالِ فکر ان کو دیگر نعت گو شعرائے کرام سے جدا کرتا ہے، دیکھیے:

روشن کیے قلوب میں توحید کے چراغ!　　　ایک اک شرارِ شرک بجھایا رسول ﷺ نے
بھولا ہوا تھا اپنی حقیقت کو آدمی　　　آئینہ آدمی کو دکھایا رسول ﷺ نے

☆

کیسے کیسے تیرہ قسمت ہوگئے روشن جبیں　　　اُن ﷺ کی خدمت میں جو پہنچے روشنی کے واسطے

☆

انھیں ﷺ بے تاب کر رکھتی تھی، کج فہموں کی گم راہی
بھلے کے تھے تمنائی بہت وہ ﷺ نوعِ انساں کے

عصرِ حاضر میں نعت اپنی صوری اور معنوی جمالیات کی وجہ سے بامِ عروج پر پہنچ رہی ہے۔ شاعر اس صنف میں جس رویے کا اظہار کرتا ہے اگرچہ اس کا تعلق چشمۂ عرفاں، نازشِ قدسیاں اور شہریارِ مرسلاں ﷺ کی ذاتِ اقدس سے مخصوص ہے لیکن اس میں چمنِ دل کے لیے اذنِ حیات اور ندرتِ افکار کی برہان ہے جس کی ادنیٰ ضو اور معمولی سی چمک دیگر اصنافِ سخن میں کہیں کہیں ملتی ہے۔ نعت کا ہر لفظ تازگی، شگفتگی اور ایمانی حرارت سے لبریز ہوتا ہے۔ اس میں بیان کی صداقت، معانی کی لطافت اور خیال کی صلابت ہوتی ہے، لہٰذا نعت کی تخلیق ایک خاص جذبہ، احساس اور فکر کا عمق رکھتی ہے۔ نعت کا شاعر ربّ کائنات کی سنت ادا کرنے کے لیے اپنے اندر ایک خاص قوتِ تخلیق پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے جس میں نورِ مبیں، سیّدالمرسلیں، اکرم الاکرمین ﷺ کی حقیقی صفات پر جذبات کے پھول نچھاور کرنے کے لیے مکمل احترام، انتہائی درجے کی محبت وعقیدت اور زبان و بیان کی طہارت درکار ہے۔ اسی لیے نعت درحقیقت پلِ صراط سے گزرنے کا عمل ہے۔ نعیم کی نعت نگاری میں دانائے سبل، ختم الرسل ﷺ کی ایسی ہی محبت و عقیدت اور جذبات کی طہارت موجود ہے۔ ان کے احساسات کی آنچ سے جب مدحت کے غنچے چٹکتے ہیں تو صلوٰۃ و سلام کی صدا بن جاتے ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دل کش گوشے اپنی بہار دکھانے لگتے ہیں:

مطیعِ ربّ جلیل و برتر، فلک نے دیکھا نہ اُن ﷺ سے بڑھ کر
خدا نے وصف اُن ﷺ کے خود گنائے، صلوٰۃ اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

☆

کتابِ حق کی تفسیر مکمل زندگی اُن ﷺ کی   مجسم ہوگیا قرآن گویا اُن ﷺ کے پیکر سے

☆

آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی رب کی اطاعت میں نہیں
آپ ﷺ نے جو کچھ کہا اُس کی خوشی کے واسطے

☆

رؤف ایسا نہیں دیکھا، رحیم ایسا نہیں دیکھا
کوئی انسان دل کا نرم اس درجہ نہیں دیکھا

حاملِ وحی و کتاب، مخزنِ دینِ مبیں ﷺ کے ارشاداتِ جمیلہ اس کائنات کے ہر انسان کو اسرارِ حیات سے روشناس کرتے ہیں۔ معرفتِ حق اور رضائے ربّ قدیر کی تابانیوں سے روشن کرتے ہیں۔ توحید و رسالت کی رعنائیاں، تعلیماتِ ربانی کی جلوہ نمائیاں اور آدمیّت کے فضائل و خصائل کے حقائق صاحبِ آیاتِ بینات ﷺ کی تعلیم و تربیت کا اوّلین سبق ہے۔ ان فرموداتِ عالیہ کو نعت کی حدود میں لانا اور شریعت کی چاشنی کو برقرار رکھنا ایک مشکل تخلیقی عمل ہے، لیکن نعیم کے ہاں مقامِ رسالت اور منصب و مقصدِ نبوت کا ادراک بے حد نمایاں رنگ میں ملتا ہے۔ ان کے ہاں شافعِ یوم النشور ﷺ کی احادیث کو حسن و خوبی سے نعت کی قلم رو میں لانے اور دل کش مضمون میں ڈھالنے کا جذبہ بڑا فراواں اور پُرتاثیر ہے۔ ذرا ان اشعار کا مطالعہ کیجیے کیسے کیسے تاب دار خیالات قلب و ذہن کو منور کرتے جاتے ہیں۔

کھینچتا کیوں ہے یہ دائرے آدمی؟ ''خاک سے ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں''

☆

یہ درس دیتے رہے عمر بھر خدا کے رسول ﷺ ''الٰہ اور نہیں ہے کوئی مگر اللہ''

☆

حدیثیں ہیں وہی میری مطابق ہوں جو قرآں کے
تصدق جائیں اس قولِ رسولِ پاک ﷺ داماں کے

☆

قرینہ بندگی کا سکھایا، فلاح کا راز یہ بتایا
کہ شرک دل میں نہ راہ پائے صلوٰۃ اُن ﷺ پر سلام اُن پر

نعت کے مضامین میں ایک تنوع دورِ حاضر کے نعت گو کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کے تجربات اس قدر زندگی کے قریب ہیں کہ ماضی کے نعتیہ کلام میں تصورات و خیالات کم کم ہیں۔ اُس دور میں اگرچہ عشقِ نبی ﷺ کی سرشاری ملتی ہے لیکن احساس کی یہ حیات پرور رو قدرے محدود ہے۔ زیادہ تر عجزِ بیان اور صداقتِ خیال پر توجہ مرکوز دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے حسنِ سراپا اور خط و خالِ محبوب ﷺ کی ترجمانی نمایاں ہے۔ ان قدیم شعرائے مدحت کے برعکس آج اظہارِ عشق کے کئی زاویے، نامساعد حالات کے تجربے، حق و باطل کی کش مکش کے اُمنڈتے ہوئے مصائب اور ملتِ اسلامیہ پر ڈھائے جانے والے مظالم کے نقوش سلطنت نعت کی حدود میں نئی سوچ کے

مظہر ہیں۔ میں یہاں عرفِ عام میں موزوں طبع اور تشبیہات و استعارات کے انبار لگانے والے شعرائے کرام کی بات نہیں کرتا بلکہ میرے سامنے عصرِ حاضر کے وہ نعت نگار ہیں جنھوں نے حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں نعت کو مضامینِ نو بہ نو اور شگفتہ و شستہ بیان و انداز سے مالامال کیا ہے۔ حفیظ تائب ہوں یا عاصی کرنالی، حنیف اسعدی ہوں یا مظفروارثی، راجا رشید محمود ہوں یا صبیح رحمانی سب کے ہاں ایک ایسے گنجینۂ معانی کا گلشن کھلا دکھائی دیتا ہے کہ نعت میں نزاکت و نظافت بھی ہے، جذبات و احساسات کی آنچ اور زبان و بیان کی شیرینی بھی۔ نعیم کو اس لحاظ سے ایک شگفتہ اور حالاتِ حاضرہ سے متاثر ہوکر نعت کا ایک حساس شاعر تصور کرتا ہوں۔ ان کی نعت میں حاملِ وحی و کتاب، واقفِ اسرارِ کائنات ﷺ کی انسانیت نوازی اور اخلاقی اقدار کی بہار بھی ہے اور جدید اسلوب میں رچی بسی مسلمانوں کے حالات کی کیفیات سیرتِ اقدس کے انوار کے حوالے سے مستنیر بھی ہیں:

وہ عفو اُن ﷺ کا، وہ اُن ﷺ کی شفقت، وہ فتح کے دن بھی یہ عنایت
کہ جائے ہر شخص امان پائے، صلوٰۃ اُن ﷺ پر، سلام اُن ﷺ پر
یتیم نے لطفِ خاص دیکھا، غریب نے فیضِ عام پایا!!
ستم زدوں کے وہ ﷺ کام آئے، صلوٰۃ اُن ﷺ پر، سلام اُن ﷺ پر

☆

نہایت خندہ پیشانی سے ہر تلخی گوارا کی رویہ اُن ﷺ کا لوگوں نے کبھی روکھا نہیں پایا

☆

توہمات سے یکسر گریز سکھلایا کہا کہ دھیان بھی جائے نہ اس گلی کی طرف

☆

ایک ایک نقش اُن ﷺ کی سیرت کا صفحۂ زیست پر فروزاں ہے

قرآنِ حکیم وہ کتابِ ہدایت ہے جس میں انسان کی سیرت سازی کی پُرانوار راہیں متعین کر دی گئی ہیں اور شارحِ قرآن مبیں ﷺ نے ان ہدایات کو عملی طور پر اُمتِ مسلمہ اور انسانیتِ عالم کے سامنے پیش کر کے بتلا دیا ہے کہ رضائے خالقِ کائنات کیا ہے؟ جہالت کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس نظرِ کیمیا اثر نے حقیقت شناسی کا نور پھیلایا اور اس دور کے افعال و کردار اور اعمال و توجہات کو تبدیل کر دیا۔ جو ظلم و ستم، دہشت و وحشت، قتل و غارت اس دور کا

رجحانِ خاص تھا اُسے انس و محبت، مؤدت، اخوت اور شائستگی کی صفات سے مملو کر دیا۔ اس حوالے سے حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیا جائے تو وہی دیوِ استبداد انسانیت کو ہڑپ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ پھر نعت کے کینوس پر دافع الآفات و الشرور، رحمت للعالمین ﷺ کی سیرت کی دل آویز تصویریں دکھائی دیتی ہیں اور اذہاں کو متاثر کرتی چلی جاتی ہیں۔ یہ لطف عمیم، یہ شیریں زبانی اور یہ شانِ دل ربائی نعت کی روح اور مدحت کی جان بن جاتی ہیں۔ شعرائے کرام نے اس خاص رنگ کو اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے۔ نعیم بھی اس ہنر اور اس اسلوب میں اپنے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں:

آئی نہیں زباں پہ کبھی کوئی تلخ بات
کیا ان سے بڑھ کے بھی کوئی شیریں مقال ہے؟
تکلیف دینے والوں کو بھی بددعا نہ دی
تکلیف دینے والوں کا کتنا خیال ہے

☆

جس کو خیر القرون کہتے ہیں		آپ ﷺ کا عہدِ خیر ساماں ہے
آپ ﷺ جس راستے سے گزرے تھے		راستہ اب بھی وہ درخشاں ہے

نعیم کے ہر مقطع میں عجز کی دولت اور آرزو کی ثروت ہے اور خاص طور پر اطاعتِ سرورِ کائنات ﷺ کی طلب انھیں بے قرار رکھتی ہے۔ توفیقِ اطاعت کی تمنا دل میں تڑپتی دیکھیے:

نعیم اللہ توفیقِ اطاعت بھی تمھیں بخشے
کہ بس حسنِ بیاں کافی نہیں مدحِ پیمبر ﷺ میں

☆

اطاعت اُن ﷺ کی میں چھوڑ بیٹھوں، میں رابطہ رب سے توڑ بیٹھوں
نعیم وہ دن کبھی نہ آئے، صلوٰۃ اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

☆

رحمت للعالمیں کا اُمتی ہونا نعیم		سر بسر اک امتحاں ہے اُمتی کے واسطے

D:NaatRang-17
File: 8-Gohar
Final

۴۔ حفیظ شاہد

حفیظ شاہد کا تعلق بھی خان پور سے ہے جو ادبی لحاظ سے بے حد زرخیز ہے۔ حفیظ

شاہد، نادم صابری، آسی خان پوری، حیدرقریشی، پروفیسر نذر خلیق جیسے شاعر و ادیب یہاں تخلیق کے گل ہائے رنگ رنگ کھلا رہے ہیں۔ حفیظ شاہد پاکستان کے صفِ اوّل کے ان چند شعرائے کرام میں شامل ہیں جن کی غزل کا جمال رنگِ بہار بن کر برصغیر سے باہر بھی پھیل رہا ہے۔ غزل کی جو تخلیقات اہلِ علم وفن سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں اُن میں ''سفر روشنی کا''، ''چراغِ حرف''، ''مہتاب غزل''، اور ''یہ دریا پار کرنا ہے'' زندگی کی پہلوداری اور اظہار کی تہ داری سے مالامال ہے۔ غزل کے اتنے آبگینے شائقینِ غزل کو عطا کر کے اب صنفِ نعت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ ان سے گفتگو ہوئی تو کہنے لگے کہ عشق و محبت کی جنوں پرور وادیوں میں گھوم کر احساس ہوا ہے کہ حقیقی عشق و عقیدت تو جلالِ عظمتِ آدم، آبروئے چشمۂ خورشید اور پیکرِ صدق و صفا ﷺ کی بہارِ محبت سے جذبات و احساسات کو مہکانے کا نام ہے۔ انسانیت کے منور گوشے تو سیرتِ رسول ہاشمی ﷺ سے میسر آتے ہیں۔ تخیلات میں وسعت اور تصورات میں عمق بھی مدحت کی پُرضیا اور کیف آور وادیوں میں گھومنے اور فکر و بیان کے انوار کو دامنِ دل میں سمیٹنے سے ملتا ہے۔ عجز و نیاز اور حسن و جمالِ قلم نعت کی شیریں بیانی میں ہے بلکہ اہلِ دانش کے احساسات میں ایک خاص آنچ سراج منیرا ﷺ کی شعاعوں سے آتی ہے۔ حفیظ اسے ایک شاعر کی متاعِ فن کہتے ہیں۔

شاہد کے نعتیہ کلام کے مطالعے سے محسنِ انسانیت ﷺ کی سیرت کے درخشاں پہلو پُرضیا انداز میں ملتے ہیں جو اس دنیا کے ہر انسان کو زندگی کے قرینے دیتے ہیں۔ حسنِ اخلاق کی کرنیں مخزنِ خلقِ عظیم ﷺ کی انوارِ زیست سے پھوٹتی ہیں۔ جن کے متعلق ربّ کائنات اپنی کتابِ مبیں میں خود فرماتا ہے **انک لعلی خلق عظیم**۔ یہ کلمہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ انسانیت نے اگر اس دنیا میں دولتِ اخلاق پانی ہے تو ہادیٔ برحق ﷺ کے خزانۂ اخلاق سے حاصل کرے۔ حفیظ شاہد نے اپنے نعتیہ کلام میں فنی محاسن کے ان غنچوں کو چمنستانِ طیبہ کے باغباں ﷺ سے حاصل کیا ہے۔ ان کے اشعار میں ان اوصاف کا تذکرہ شعریت کی مٹھاس اور اسلوب کی جدیدیت میں سمویا ہوا ملتا ہے۔

ہیں جو انساں کی زینتِ کردار سب سے بڑھ کر ہیں ان صفات میں آپ ﷺ
ہیں دوامی بہار ایماں کی موسموں کے تغیرات میں آپ ﷺ
بے سہاروں کا اک سہارا ہیں اس زمانے کے حادثات میں آپ ﷺ

مظہرِ شانِ آدمیّت ہیں زندگی کی تجلیات میں آپ ﷺ

شارعِ لاالٰہ، خاتم الانبیا ﷺ پر تکمیلِ دین ہوئی۔ انسانیت کو معراجِ کمال آپ ﷺ کی تعلیمات نے عطا کی۔ انسان دہر کی تاریکیوں میں بھٹکتا پھرتا تھا، آپ ﷺ کی ضیائے کردار، جرأتِ گفتار اور حسنِ اخلاق نے حقیقی منزل کا پتا دیا۔ آج بھی ظلمت سے معمور ان فضاؤں میں شعرائے نعت نے چراغِ رہ نورداں اور قندیلِ صحنِ عالمیاں سے حقیقت و صداقت کی میٹھی میٹھی روشنی لے کر اُجالا کرنے کی سعی کی ہے اور اہلِ دہر کو جمالِ شمس الضحیٰ ﷺ سے نورِ محبت و عقیدت پانے کا سلیقہ دیا ہے۔ اشعار کی یہ نغمگی دل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ شاہد کے اشعار میں بھی یہ شیرینی رس گھولتی ہے اور عقیدت کے جذبات کو اُبھارتی ہے۔ ان کے ہاں ایک ایسی طہارت و لطافت ہے جو کردار کو پاکیزگی اور ملائمت سے لبریز کرتی ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کی جہدِ مسلسل جو آج خصوصاً تعمیرِ حیاتِ انسانیت کی سب سے بڑھ کر معاون ہے شاہد کی نعت میں رنگِ جدید لیے ہوئے ہے۔

تیرے ﷺ آنے سے نئی سوچ زمانے کو ملی　　　ہم نے ہر نقشِ کہن، نقشِ خیالی پایا

☆

درسِ کتابِ صدق و صفا آپ ﷺ نے دیا　　　دنیا کو اک پیامِ خدا آپ ﷺ نے دیا
صدیوں سے بے وقار تھا دنیا میں آدمی　　　انسان کو مقام نیا آپ ﷺ نے دیا
کردارِ اہلِ دہر کی تعمیر کے لیے　　　سیرت کی روشنی کا دیا آپ ﷺ نے دیا
کب سے بھٹک رہی تھی اندھیروں میں زندگی　　　اس زندگی کو نورِ ہدیٰ آپ ﷺ نے دیا

شاہد غزل کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے مگر رحمتِ عالم ﷺ سے محبت و عقیدت کے اظہار میں ایک نشاطگی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اب خوش قسمت سمجھتے ہیں کہ ان کو راحتِ قلبِ پریشاں، حاصل کشتِ ارماں ﷺ سے دولتِ ایمان ملی، جس کی بدولت وہ حسنِ قدرت سے آشنا ہوئے۔ وہ عالمِ ہستی میں صحیح منزل کو پانے کے لیے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے۔ انھیں رہبرِ کامل، ہادیٔ برحق ﷺ کی تعلیمات کا نور ملا۔ انھیں زندگی کا خلوص ملا، چاہت کی شیفتگی ملی، سوچ کی ایک نئی موج ہے جو ان کے بحرِ احساس میں رواں دواں ہے۔ اب ایک تمنا ہے جو لگن بنتی ہے۔ شاہد نے در در بھٹکنے کے بعد اب ایک قصرِ محبت کو پالیا ہے۔ وہ اسے اب اپنا ایمان اور اپنی سلامتی سمجھتے ہیں:

میں خوش قسمت ہوں، نسبت ہے تری ذاتِ گرامی ﷺ سے
میرا ایماں سلامت ہے، تیری ذاتِ گرامی ﷺ ہے

اک آسرا ہے مجھ کو ترےﷺ پاک نام کا دنیا میں اور کون ہے تیرےﷺ غلام کا

☆

بڑے آرام سے اب کٹ رہی ہے زندگی میری
میسر مجھ کو راحت ہے، تری ذاتِ گرامیﷺ سے

حفیظ شاہد کے کلام میں غزل کی ایمائیت، رمزیت اور چاشنی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان کی عمر غزل کے دشت کی سیاحی میں گزری ہے۔ اب نعت کی محبت انھیں اس گلشن پُرنور میں کھینچ لائی ہے۔ فن کی پختگی ہے، مگر اب روایت میں بھی ایک جدید رنگ ہے۔ ان کی نعت میں محبوب کا حقیقی حسن ہے، وہ دنیوی خواہشات معدوم ہوگئی ہیں بلکہ نعت کے بلند اور پُر بہار مضامین ایک خاص جمال لیے ہوئے ہیں۔ ایک کیفیت اُمنڈتی چلی آتی ہے جس کا تعلق عشقِ سرورِ کائناتﷺ سے ہے۔ اب وہ کشتِ نعت میں عشق و محبت کے ایسے پھول کھلاتے ہیں جن کی خوش بو میں کامل و اکمل نبیﷺ کے جسمِ مطہر کی بو ہے۔ شعر کی رمزیت بحر و عروض کی پختگی ان کے فن کی معراج ہے یوں ان کی نعت شعری معائب سے پاک اور محاسنِ سخن سے زرخیز ہے۔ ان کے ہاں ایک ایسا رنگ اور آہنگ ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ کیوں کہ اس میں کرافٹ کی خوبی ہے۔ اشعار دیکھیے:

وہﷺ مری کائنات کا سورج چشمۂ نورِ ماہ و اختر ہے
اُسﷺ کی سیرت کے غنچہ و گل سے عالمِ آب و گل معطر ہے
اُسﷺ کی نسبت سے معتبر ہوں میں وہﷺ مری زندگی کا محور ہے

☆

جس دل پہ پڑ گئی کرن اس آفتاب کی گوہر بھی اس کے سامنے رخشاں نہیں ملا

شہرِ طیبہ کی لگن، روضۂ اقدس کے دیدار کی پیاس اور گلستانِ مدینہ کی روش روش کو آنکھوں میں بسانے کی آرزو ہر نعت گو کا محبوب مضمون رہا ہے، مگر شاہد کے ہاں یہ رنگ تو رنگِ دیگراست۔ ان کے ہاں اس تمنا کا اظہار ہی جدا ہے۔ وہ اس شخص کو محرومِ تمنا سمجھتے ہیں جسے درِ مصطفیٰﷺ پر پہنچنے کی آگ جلائے نہیں رکھتی۔ وہ اس آرزو کو دنیا کی دیگر تمناؤں سے افضل اور سرمایۂ حیات گردانتے ہیں۔ اسلوب کی یہ دل کشی دیکھیے:

مجھ کو دولت کی تمنا ہے نہ دنیا کی لگن دل کو روز و شب لگی ہے شاہِ بطحاﷺ کی لگن

یوں ہے میرے دل میں شوقِ روضۂ خیرالوریٰ　　تھی دلِ موسیٰؑ میں جیسے طورِ سینا کی لگن
دیکھیے ملتا ہے اذنِ باریابی کب مجھے　　مدتوں سے ہے مرے دل میں بھی طیبہ کی لگن

☆

جس کو نبی ﷺ کا سایۂ داماں نہیں ملا　　ایماں نہیں ملا، اُسے عرفاں نہیں ملا
شاہد جو بن سکا نہ غبارِ رہِ حجاز　　اس کو سراغِ منزلِ ایماں نہیں ملا

شاہد نے استعارات وتشبیہات کا دل کش استعمال کیا ہے۔ الفاظ کا انتخاب جامع اور دیدہ زیب ہے۔ ان کے زبان وبیان میں ایک عالمانہ رنگ ہے۔ ردیف وقافیہ کا امتزاج حسین و جمیل ہے۔ الفاظ کی تکرار میں فنی محاسن نمایاں ہیں۔ صنعت گری کے لوازمات ان کے نعتیہ کلام کو پُرشکوہ بناتے ہیں۔

سب پہ ہے تیری ﷺ چشمِ عنایت، عالم عالم، محفل محفل
سب پہ ہے تیرا ﷺ سایۂ رحمت، عالم عالم، محفل محفل
ذرّہ ذرّہ روشن روشن، گوشہ گوشہ وادیٔ ایمن
پھیلا ہوا ہے نورِ رسالت، عالم عالم، محفل محفل

☆

سرزمینِ حرم روشنی روشنی　　تیرے نقشِ قدم روشنی روشنی
تیرے انوار ہیں انجمن انجمن　　موجزن یم بہ یم، روشنی روشنی

۵۔ گوہر ملسیانی

راقم الحروف بھی ضلع رحیم یار خاں میں مدحت کی شمع جلائے سرورِ کائنات ﷺ کا ایک ادنیٰ سا غلام ہے۔ اب تک تین مجموعہ ہائے نعت، ''مظہرِ نور''، ''متاعِ شوق'' اور ''جذباتِ شوق'' منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ میں اپنے بارے میں اپنی نعت نگاری کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ البتہ چند ناقدانِ نعت، صاحبانِ علم و ادب اور بحرِ مدحت کے شناور حضرات کے خیالات اپنے نعتیہ کلام کے بارے میں مختصر سے اقتباسات میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ میرا شمار بھی نعت گوؤں اور آقائے نام دار، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت و عقیدت رکھنے والے غلاموں میں ہوجائے۔

جناب ڈاکٹر عاصی کرنالی

گوہر ملسیانی فروغِ نعت کے سلسلے میں مختلف پیرایوں اور زاویوں سے سرگرمِ عمل ہیں۔ انھوں نے ''عصرِ حاضر کے نعت گو'' کے نام سے ایک تنقیدی اور تحقیقی کتاب ۱۹۸۳ء میں مرتب کی جو اہلِ ذوق کے لیے ایک علمی و ادبی ذخیرہ ہے...گوہر ملسیانی کی نعتیں جہاں ان کے جذبۂ عقیدت و اطاعت کا مظہر ہیں وہیں مقامِ نبوت، مقاصدِ نبوت کے مبارک و مقدس مضامین سے معمور ہیں۔ گوہر ملسیانی نے حضورﷺ کو کائناتِ بشری کی ہدایت و راہ بری کے طور پر پیش کیا ہے اور حضورﷺ کی تعلیماتِ مقدسہ اور سیرتِ طیبہ سے اپنے اوراقِ نعت کو منور کیا ہے۔

اخلاق کی دولت کے ملتے ہیں خزینے کیا ان صاحبِ طیبہﷺ سے ملتے ہیں قرینے کیا
عرفان کی دولت سے معمور ہیں سینے کیا ہر آنکھ میں جلوے ہیں اس مہرِ ہدایتﷺ کے
انسان کو بخشی ہے معراجِ نبیﷺ نے کیا اک فقر کی دولت تو مومن کا اثاثہ ہے

جناب نعیم صدیقی

گوہر ملسیانی نے حضورِ اکرمﷺ کی محبت میں زمزمہ پیرا ہو کر اپنے جذبۂ والہانہ کا خراج اس ضیاپاس اور نور افروز ہستی کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ دنیائے شوق یقیناً ''مظہرِ نور'' کا خیر مقدم کرے گی۔

جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

گوہر ملسیانی کی نعت گوئی، اُس ذوق و شوق کی آئینہ دار ہے جو ہر مسلمان کے ایمان کا جزو ہے۔ آپﷺ سے محبت و عقیدت کا وہ جذبۂ فراواں جس نے اردو کے بے شمار شعرا کو نعت گو بنایا۔ گوہر کی زیرِ نظر نعتوں کا سب سے نمایاں وصف ہے... گوہر ملسیانی کو آپﷺ کی ذات میں انقلابی شخصیت نظر آتی ہے جس نے اپنے کردار و سیرت سے عالمِ انسانیت کے سامنے اسوۂ کامل پیش کیا۔

گوشۂ سلیم کوثر

سلیم کوثر کا شمار ہمارے عہد کے خوب صورت اور تازہ کار شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی غزلوں کے اشعار صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری اردو دنیا میں گونج رہے ہیں۔ سلیم کوثر نے نعتیں بھی بہت خوب صورت کہی ہیں اور خصوصاً ان کا یہ شعر تو اہلِ محبت کی آنکھوں میں آنسو بن کر چمک اُٹھتا ہے۔

میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوش بوئیں جاتی نہیں
میں نے اسمِ محمد ﷺ کو لکھا بہت اور چوما بہت

ہم ''نعت رنگ'' میں سلیم کوثر کی خوب صورت نعتوں کا ایک بھرپور گوشہ پہلے بھی پیش کر چکے ہیں مگر یہ گوشہ بھی کم اہمیت کا حامل نہیں۔ سلیم کوثر اس سال حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں۔ یہ اُن کا سفر نہیں تھا بلاوا تھا اور اس بلاوے میں ان کا دامن حمد و نعت کے جن گلابوں سے بھرا گیا وہ اس گوشے میں ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ہمارا تجربہ ہے کہ سفرِ حرمین حیرت اور خود فراموشی کا سفر ہوتا ہے، جس میں انسان اپنا وجود اور گفتار کھو بیٹھتا ہے۔ کم ہی لوگ ہوں گے جنھوں نے وہاں جا کر شعر کہے ہوں اور وہ بھی اتنے تسلسل کے ساتھ۔

ہمارے نزدیک یہ ایک شاعرانہ گوشہ نہیں ہے بلکہ ایک شاعر کا روحانی سفر نامۂ حجاز ہے۔ یہ وہ پل ہیں جو اب بھی طوافِ خانۂ کعبہ میں مصروف ہیں۔ یہ وہ لمحے ہیں جو سیّد کونین ﷺ کے قدموں میں روشن ہوتے ہیں، یہ وہ ساعتیں ہیں جن میں کسی کی آرزو مجسم ہو کر سامنے آگئی ہے یہ وہ الفاظ ہیں جن میں محبت کے خد و خال دکھائی دیتے ہیں خاص طور پر نظم ''سیّد المرسلین'' کے حضور ملاحظہ کیجیے یہ ایک استغاثہ ہے جو ملتِ اسلامیہ کی بے چہرگی کو وہ چہرہ دینے کی تمنا ہے جس چہرے پر حضور ﷺ کی محبت کے رنگ ہوں۔

(صبیح رحمانی)

صحنِ حرم میں

طواف کرتے ہیں گاتے ہیں طائرانِ حرم
فضا میں نور لٹاتے ہیں طائرانِ حرم

اذانِ صبح کی تطہیر میں نہائے ہوئے
سحر کو کیسے جگاتے ہیں طائرانِ حرم

نصابِ وقت میں تحریر کر رہی ہے ہوا
جو حمد و نعت سناتے ہیں طائرانِ حرم

وہ دستِ غیب اشارہ کرے ہے جس جانب
اُسی کا دانہ اُٹھاتے ہیں طائرانِ حرم

کبھی سلیمؔ مرے پاس بیٹھ جاتے ہیں
کبھی قریب بلاتے ہیں طائرانِ حرم

صحنِ حرم میں

ہم شکستہ دلوں کو نیا حوصلہ صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے
سب کا حاجب روا سب کا مشکل کشا صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے

رحمتِ دوجہاں، سیّد المرسلاں، عاصیوں کی اماں صرف میرے نبی صرف میرے نبی ﷺ
خالق و مالکِ صبحِ روزِ جزا صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے

خواہشوں کی غلامی میں جکڑے ہوئے لوگ جھوٹی اناؤں کی تکمیل میں صرف ہونے لگے
خیر کا اور سچائی کا راستہ صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے

سارے علم و ہنر ایک پل کی خبر، سارے فکر و نظر لحہ لحہ زمانے میں ہیں بے اثر
قائماً دائماً ابتدا انتہا صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے

چاند سورج ستاروں کی ترتیب میں، شاخ در شاخ پھولوں کی تہذیب میں اور ابابیل میں
کون ہے سوچنا، سوچنا تم ذرا صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے

جس نے فتحِ مبیں کی خبر دی ہمیں عزتوں والی اک رہ گزر دی ہمیں اور گھر بھر دیا!
کون ہے جس نے وعدوں کو پورا کیا صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے

کوئی آخر بھٹک کر کہاں جائے گا، ہر مسافر سلیمؔ ایک ہی سلسلے سے بندھا ہے یہاں
سارے کھوئے ہوؤں کا اَتا اور پتا صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے صرف اللہ ہے

D:NaatRang-17
File: Saleem
Final

صحنِ حرم میں

میں بابِ فتح سے گزرا ہوں پہلی بار اے یار
بدن لہو ہے مرا روح اشک بار اے یار

میں اک ہجوم میں شامل قطار سے باہر
پھر ایک ہاتھ بناتا گیا قطار اے یار

کوئی رفو کیے جاتا ہے میرا ایک اک زخم
کہ سینہ چاک مرا اور دل فگار اے یار

میں جاں سمیٹ کے بیٹھا تھا ایک کونے میں
وہ کہہ رہا تھا کہ یہ قرض بھی اُتار اے یار

وہ بے شمار ہے اپنی صفات و بخشش میں
تُو اُس کا ذکر نہ دانوں پہ کر شمار اے یار

خدا کرے کہ اُٹھے ایسی اضطراب کی لہر
دلوں کو آنے نہ پائے کبھی قرار اے یار

نہ چھو سکے گی مجھے گردشِ زمانہ کبھی
طوافِ صحنِ حرم ہے مرا حصار اے یار

سوائے اُس کے نہیں کوئی بخشنے والا
مرے سوا نہیں کوئی گناہ گار اے یار

مری اَنا کو کچلتے ہوئے گزرتے ہیں
ہر اک سمت سے آتے ہوئے سوار اے یار

مجھے بلایا گیا بزمِ نور و نکہت میں
پھر آئینے سے اُتارا گیا غبار اے یار

یہ وہ جگہ ہے کہ ہر پل جہاں مہ و خورشید
اُتر رہے ہیں زمیں پر ستارہ وار اے یار

یہی ہے نغمۂ ہجر و وصال کا آہنگ
فضا میں گونجتی لبیک کی پکار اے یار

چراغِ اشکِ ندامت بجھے ہوئے ہیں یہاں
ذرا سنبھل کے سنبھل کے ذرا اے یار اے یار

شکوہِ قیصر و کسریٰ غرورِ لات و منات
پڑے ہوئے ہیں یہاں ٹھوکروں میں خوار اے یار

یہ سیڑھیاں ہیں وہ دہلیز اور وہ پیکرِ نور
اب اس کے بعد کہاں خود پہ اختیار اے یار

یہاں بہار کی کیفیتیں کھلیں مجھ پر
یہاں بہار کے معنی نہیں بہار اے یار

کسی نے کھینچ لی منہ زور خواہشوں کی لگام
کسی نے ڈال دی جیسے مجھے مہار اے یار

یہاں پہ نرخ گھٹائے بڑھائے جاتے ہیں
یہیں سے چلتا ہے دنیا کا کاروبار اے یار

وہ ایک بار کہ پھر لوٹ کر نہ آؤں کبھی
خدا کرے کہ یہاں آؤں بار بار اے یار

میں جس کا تھا اُسی جانب پلٹ گیا آخر
زمانہ کرتا پھرے میرا انتظار اے یار

منیٰ سے حرم کی طرف آتے ہوئے
آخری اشعار صحنِ حرم میں

کبھی ہوا سے کبھی خود سے گفتگوئے حرم
کہ آج میرا سفر ہے منیٰ سے سوئے حرم

یہ ایک رنگ کے خیموں میں رنگ رنگ کے لوگ
سمیٹ لیتا ہے کس طرح جانے کوئے حرم

ہر ایک چشم پہ سیرابیاں نہیں کھلتیں
ہر ایک دل سے گزرتی رہی ہے جوئے حرم

درِ حبیب ﷺ کے آداب سیکھنے کے لیے
تمام عمر جگاتی ہے آرزوئے حرم

اسی لیے میں کبھی راستہ نہیں بھٹکا
کہ میرے ساتھ سفر میں رہی ہے بوئے حرم

خدا کے ذکر میں ہے عشقِ مصطفٰے ﷺ کی مہک
مئے مدینہ سے لبریز ہے سبوئے حرم

وفا کی لَے پہ دھڑکتا ہوا دلوں کا ہجوم
طواف کرتے ہوئے دیکھ آبروئے حرم

یہی سفر مرے بچوں کا بھی مقدر ہو
حرم سے سوئے مدینہ وہاں سے سوئے حرم

بس اک اشارۂ بخشش کا منتظر ہوں سلیمؔ
میں شرم سار کھڑا کب سے رُو بروئے حرم

D:NaatRang-17
File: Saleem
Final

صحنِ حرم میں

کچھ اس طرح سے مجھے آئینہ دکھایا گیا ۔۔۔ میں سنگ دل تھا مجھے خوب ہی رُلایا گیا
مجھے دکھایا گیا میری مجلسوں کا غرور ۔۔۔ مری نگاہ میں میرا زمانہ لایا گیا
مجھے ملایا گیا میرے خوابِ غفلت سے ۔۔۔ پھر اس کے بعد مجھے نیند سے جگایا گیا
مجھے سنائی گئی میری زندگی کی کتاب ۔۔۔ میں کیا ہوں، کون ہوں آخر مجھے بتایا گیا
بہت طویل تھی فہرست میرے وعدوں کی ۔۔۔ کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ جو نبھایا گیا
میں غرق ہوتا ہوا آدمی تہہِ گریہ ۔۔۔ پھر ایک لہر اُٹھی اور مجھے بچایا گیا
میں بے شناخت زمانے کی ٹھوکروں میں رہا ۔۔۔ پھر ایک ہاتھ بڑھایا اور مجھے اُٹھایا گیا
وہ جانتا تھا کہ توہین کی گئی ہے مری ۔۔۔ وہ جانتا تھا مجھے کس قدر ستایا گیا
جو صرف اُس کی عطا تھے سنے گئے مجھ سے ۔۔۔ پھر اس کے بعد مرا حوصلہ بڑھایا گیا
سنی گئیں میری نعتیں بڑی توجہ سے ۔۔۔ پھر اُس کے بعد کوئی فیصلہ سنایا گیا
مرے لیے بھی نکالی گئی جگہ کوئی ۔۔۔ مرے لیے بھی کوئی راستہ بنایا گیا
ہوا کو حکم ملا ہے مجھے سمیٹنے کا ۔۔۔ کہ ساری عمر مجھے خاک میں ملایا گیا

مرے لیے یہی اعزاز کم نہیں ہے سلیمؔ
مجھے بلایا گیا پاس بھی بٹھایا گیا

صحنِ حرم میں

سوچ رہا ہوں دنیا کیا ہے، دنیا داری کیا ہے
نام و نمود کی تہمت کیا ہے شہرت ساری کیا ہے

یہ بھی اہلِ عشق ہی پہ کھلتا ہے رفتہ رفتہ
جس کو آسانی کہتے ہیں وہ دُشواری کیا ہے

پہلی نظر کعبے سے اب تک ہٹی نہیں ہے میری
اور مری پلکوں پہ رقصاں نور کی دھاری کیا ہے

روتی ہوئی آنکھیں اُس کو اچھی لگتی ہیں، ورنہ
رونا دھونا کیا ہے میرا، گریہ و زاری کیا ہے

رُوح درود کا وِرد کرے اور تو زم زم پیتا جا
اس کے بعد میں پوچھوں گا تجھ کو بیماری کیا ہے

ایک کتاب اک جائے نماز اور اک تلوار تھی اس میں
جی چاہا دیکھوں دل میں یہ اک الماری کیا ہے

اِدھر اُدھر کے سارے رستے کھلے ہوئے ہیں مجھ پر
جو تجھ تک لے کر جاتی ہے وہ رہ داری کیا ہے

روزِ ازل سے وقت نے اب تک آنکھ نہیں جھپکی ہے
صحنِ حرم میں بیٹھ کے دیکھو شب بیداری کیا ہے

اُس کی یاد میں رونے سے یہ بھید کھلا ہے مجھ پر
دل رکھنا کس کو کہتے ہیں اور دل داری کیا ہے

D:NaatRang-17
File: Saleem
Final

صحنِ حرم میں

میں اپنی راہ میں دیوار تھا بکھرتا گیا
کہ خود پہ پاؤں رکھا اور میں گزرتا گیا

وہاں بھی خواہشِ دنیا ستا رہی تھی مگر
طواف کرتا گیا میں طواف کرتا گیا

میں ایک کاسۂ تاریک ملتزم پہ کھڑا
درود پڑھتا گیا روشنی سے بھرتا گیا

نہ جانے کون رُلاتا تھا ہچکیوں سے مجھے
میں آنسوؤں میں نہاتا گیا نکھرتا گیا

نگارِ خانۂ ہستی تجھے خبر ہی نہیں
میں اپنی رُوح کے اندر کہیں سنورتا گیا

بلا رہا تھا بلندی کی سمت کوئی سلیمؔ
اک ایک کرکے میں سب سیڑھیاں اُترتا گیا

صحنِ کعبۃ اللہ میں

وداع و وصل کے دل میں چراغ جلتے ہیں
چلو سلیمؔ حرم سے مدینے چلتے ہیں

شکستہ عکس یہاں ٹھیک ہونے آتے ہیں
یہ وہ جگہ ہے جہاں آئینے بدلتے ہیں

یہ وہ زمیں ہے جہاں ایک ایک ذرّے میں
کہیں ستارے کہیں آفتاب پلتے ہیں

یہ شہر وہ ہے کہ دن رات جس کی گلیوں میں
ہوائے شہرِ نبی ﷺ کے چراغ جلتے ہیں

کسی جبیں کا جو سجدہ قبول ہو جائے
پھر اُس جبیں کے لیے آستاں مچلتے ہیں

وہ جن کے قدموں کی آہٹ سے صبح جاگتی ہے
کچھ ایسے لوگ یہاں سیر کو نکلتے ہیں

جو پستیوں سے اُٹھے ہیں وہ جانتے ہیں سلیمؔ
کہ جو گرے ہی نہیں وہ کہاں سنبھلتے ہیں

D:NaatRang-17
File: Saleem
Final

مدینے میں

یہ سیلِ نور ہے یا خوابِ شہرِ مصطفویﷺ
کسی نظر کو نہیں تابِ شہرِ مصطفویﷺ

خدا کرے کہ یہاں سب کو داخلہ مل جائے
کھلا ہے سب کے لیے بابِ شہرِ مصطفویﷺ

پھر ایک صبح مدینے میں میری آنکھ کھلی
میں دیکھتا تھا بہت خوابِ شہرِ مصطفویﷺ

کرم کی حد ہے کہ مجھ سے گناہ گار کو بھی
بہم کیے گئے اسبابِ شہرِ مصطفویﷺ

دلوں کی سمت ہوا چاہتا ہے رُخ کہ ابھی
نواحِ چشم میں ہے آبِ شہرِ مصطفویﷺ

زمانے اپنے زمانے کی دُھوپ چھاؤں کے ساتھ
ہیں سرنگوں تہہِ محرابِ شہرِ مصطفویﷺ

وفائیں پوچھتی ہیں جن سے ضابطے اپنے
وہ جاں نثار ہیں احبابِ شہرِ مصطفویﷺ

کہ جیسے رحلِ نظر پر کوئی صحیفۂ نور
میں دیکھتا رہا مہتابِ شہرِ مصطفویﷺ

مسجدِ نبوی میں

سلام کے لیے دہلیز پر کھڑا ہے غلام، حضورﷺ آپ پہ لاکھوں درود اور سلام
مقام آپ کا اونچا بڑا ہے آپﷺ کا نام، حضورﷺ آپ پہ لاکھوں درود اور سلام

وہ سامنے شہِ کون ومکاں کی جالی ہے، میں خود بھی خالی ہوں کب سے ورق بھی خالی ہے
حضور آپ کی جانب سے نعت ہو الہام، حضورﷺ آپ پہ لاکھوں درود اور سلام

نہ کوئی کیفِ عبادت نہ کوئی حسنِ عمل، شبوں کی سجدہ گزاری نہ نیند ہی میں خلل
اور اس کے بعد بھی ہم پر ہیں اس قدر انعام، حضورﷺ آپ پہ لاکھوں درود اور سلام

ہر اک محاذ پہ تھی برتری یہ سوچتے ہیں، تمام ہارے ہوئے لشکری یہ سوچتے ہیں
جو آپﷺ کے ہیں وہ ہوتے نہیں کبھی ناکام، حضورﷺ آپ پہ لاکھوں درود اور سلام

یہ راہِ طیبہ ہے قدموں پہ اپنے آپ کو ڈال، بدن کو اشک بنا اور اپنی رُوح میں ڈھال
یہاں کی جاگتی راتیں یہاں کی روشن شام، حضورﷺ آپ پہ لاکھوں درود اور سلام

درود و نور میں لپٹی ہوئی سحر آئی، حضورﷺ آپ کی مسجد میں دھوپ اُتر آئی
اسی کی چھاؤں میں ہے ہم کو کس قدر آرام، حضورﷺ آپ پہ لاکھوں درود اور سلام

کتاب و لوح وقلم روشنی کے دھارے ہیں، حضورﷺ آپ کی تعلیم کے ادارے ہیں
جہاں میں جاری وساری ہے، آپﷺ ہی کا نظام، حضورﷺ آپ پہ لاکھوں درود اور سلام

D:NaatRang-17
File: Saleem
Final

دونوں عالم گلی کوچوں میں بسائے ہوئے ہیں
ایسے اِک شہر کو ہم دیکھ کے آئے ہوئے ہیں

ایک ایسا بھی اُفق جذب ہے آنکھوں میں جہاں
آسماں اور زمیں ہاتھ ملائے ہوئے ہیں

ایک ایسی بھی ہوا چلتی ہے، جس کے جھونکے
لَو چراغوں کی ازل ہی سے بڑھائے ہوئے ہیں

منزلِ خیر کی جانب ہے مسافت جن کی
راستے آپ ﷺ ہی کے سارے بتائے ہوئے ہیں

شجرِ زیست دُرودوں سے ہوا بار آور
دھوپ ہی دھوپ جہاں تھی وہاں سائے ہوئے ہیں

ورنہ سورج تو زمیں پر اُتر آتا کب کا
آپ ﷺ کی نقشِ قدم بیچ میں آئے ہوئے ہیں

گردشِ وقت نے خود راستے ہموار کیے
اُس کو معلوم تھا ہم کن کے بلائے ہوئے ہیں

میں نے سوچا تھا سلیمؔ اسمِ محمد ﷺ لکھوں
رنگ کیا کیا مری تحویل میں آئے ہوئے ہیں

سیّد المرسلین ﷺ کے حضور

سیّد المرسلیں ﷺ
میں کہیں بھی نہیں

نیک نامی سے تہمت چھلکنے لگی
صرف رُسوائیاں میرے اطراف ہیں
میرے چاروں طرف بھیڑ ہی بھیڑ ہے
پھر بھی تنہائیاں میرے اطراف ہیں
جسم جن کا نہیں رُوح جن میں نہیں
کیسی پرچھائیاں میرے اطراف ہیں
محفلوں کے تسلسل میں زندہ ہوں میں
اور ویرانیاں میرے اطراف ہیں
کوئی مشکل نہیں اور مشکل یہ ہے
سخت آسانیاں میرے اطراف ہیں

میری ترتیب و تقویم کے لاحقے
سارے تبدیل ہوتے چلے جا رہے ہیں
بتاؤں کسے
میرے پیروں میں سورج ہے سر پر زمیں

D:NaatRang-17
File: Saleem
Final

سیّد المرسلیں ﷺ
میں کہیں بھی نہیں

زندگی بابل و نینوا کی کہانی ہوئی
میرے بغداد و بصرہ کی تہذیب سب اہلِ علم و ہنر کی نشانی ہوئی
ایک دُھندلی سی تصویر تھی ذہن میں میرے اجداد کی
اور وہ تصویر بھی اب پرانی ہوئی
گم ہوئے میرے اُم القصر
آنے والے زمانوں کی تبدیلیوں پر نہیں ہے کسی کی نظر
وقت کی قید میں ہے ابھی میری تاریخ کا نوحہ گر

دُور صحرا میں اُڑتی ہوئی ریت کے دائروں میں سمٹتی ہوئی داستانیں
جو ہر عمر کے خوں سے لکھی گئیں
اک نئی کربلا کے دوراہے پہ بکھری پڑی ہیں
کہیں ریگِ عبرت کے ذرّوں میں لپٹی ہوئی سازشوں کا تماشہ
کہیں اپنے شانوں پہ رکھے ہوئے اپنی ہی آرزوں کا لاشہ
کہیں رقص کرتی ہوئی وحشتیں بے تحاشہ
کہیں قتل ہوتی ہوئی سوچ
بلکتے ہوئے خواب
جلتے ہوئے شہر، گلیاں، محلّے
محلّوں میں پھیلا ہوا بے بسی کا دُھواں
اور دُھویں کی سیاہی میں چھپتا ہوا آسماں
آسماں سے اُدھر رقصِ سیارگاہ
آفتاب اور مہتاب کی کہکشاں
کہکشاؤں کی گردش میں لپٹا ہوا میرا علم الیقیں

سیّد المرسلیں ﷺ
میں کہیں بھی کہیں
پھول شاخوں سے گر کر بکھرتے چلے جا رہے ہیں
پیڑ اپنے ہی سایوں میں مرتے چلے جا رہے ہیں
یہ جواب وقت کے زہر آلود لمحے گزرتے چلے جا رہے ہیں
خوش بوؤں کے سبھی راستے بند کرتے چلے جا رہے ہیں
جبر کی دُھوپ میں جل گئے امن کے شامیانے مرے
میرے ہاتھوں سے نکلے چلے جا رہے ہیں خزانے مرے
یا تو ہتھیار ہی زہر آلود تھے یا خطا ہو گئے سب نشانے مرے
یا مرے دشمنوں کو دکھائے گئے ہیں ٹھکانے مرے

کون ظاہر ہے اور کون معدوم ہے
کون حاکم ہے اور کون محکوم ہے
کوئی ظالم ہے اور کون مظلوم ہے
پردۂ عالمِ غیب میں جو بھی تحریر ہے
وہ فقط آپ ہی کو تو معلوم ہے
اور کسی کو نہیں
سیّد المرسلیں ﷺ
میں کہیں بھی نہیں

بے بسی حد سے بڑھتی چلی جا رہی ہے
شاخِ زیتون ہاتھوں میں جلتی چلی جا رہی ہے
شمعِ امکانِ تازہ پگھلتی چلی جا رہی ہے
موجِ خوں

D:NaatRang-17
File: Saleem
Final

خشک دریاؤں کی راہ داری میں چڑھتی چلی جارہی ہے
مرے سیّدی
ان دنوں زندگی مجھ میں بے کل ہوئی جارہی ہے
بچا لیجیے
شاخِ ہستی پہ میں اک بکھرتا ہوا پھول ہوں
میری خوش بو معطل ہوئی جارہی ہے
میں تو بس آپ ﷺ کی سمت جاتے ہوئے سب زمانوں کے رستوں میں
بیٹھی ہوئی دُھول ہوں
آپ ﷺ کی نسبتوں ہی سے میں یاد رہ جاؤں گا
ورنہ میں تو گزرتے ہوئے وقت کے حافظے میں فقط
بھول ہی بھول ہوں

جو مجھے آپ ﷺ کے راستوں پر چلا دے وہ کیفیتیں چاہییں
چاہیے آپ ﷺ کا عشق اور آپ ﷺ کے عشق کی شدتیں چاہییں

وہ جو علم و ہنر میں، محبت میں احسان تک میں مثالی رہے
آپ ﷺ کے دوستوں اور غلاموں سے ملتی ہوئی عادتیں چاہییں

میرے چاروں طرف مجھ کو گم راہ کرنے کے اسباب موجود ہیں
مجھ گنہ گار کو تو مسلسل حضور آپ کی رحمتیں چاہییں
میرا ہر فیصلہ دشمنوں کی برآمد پہ مامور ہے اب مجھے
آپ ﷺ کی روشنی میں نئے فیصلے کی نئی قوتیں چاہییں

زندگی کی طرف جانے والے سبھی راستے بند ہونے لگے
صاحبِ غارِ ثور و حرا حوصلہ چاہیے ہمتیں چاہییں

اسی خوشامد کدے میں کسی کو نمود و نمائش سے فرصت نہیں
جو دلوں میں دھڑتی نظر سے جھلکتی ہیں وہ عزتیں چاہییں
اک نظر سیّدی
سیّدی اک نظر
اپنے بیمار پر
مجھ گنہ گار پر
ورنہ میں بے خبر
گردِ راہ سفر کے سوا
کچھ نہیں
سیّدالمرسلیں ﷺ
میں کہیں بھی نہیں

☆

D:NaatRang-17
File: Saleem
Final

اردو ادب میں قدیم و جدید رجحانات کا ترجمان

ماہنامہ سخن ور کراچی

مدیر: نقوش نقوی

...... رابطہ ......

پوسٹ بکس نمبر 17830، ہیڈ پوسٹ آفس، گلشنِ اقبال، کراچی۔ 75300
Email: sukhanepak@hotmail.com

راجا رشید محمود کے 18 مجموعہ ہائے نعت کا علمی و تحقیقی جائزہ

شاعرِ نعت

تحقیق و تحریر: ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ

صفحات: 536 ہدیہ: 200/روپے

...... ناشر ......

الجلیل پبلشرز، اردو بازار، لاہور

الجامعہ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

مدیر: مبارک حسین مصباحی

...... رابطہ ......

دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔ 27640 (بھارت) فون: 250149
Email : aljamiatulashrafia@rediffmail.com/

ملت کا ترجمان

ماہنامہ جامِ نور دہلی

مدیر: خوشتر نورانی

...... رابطہ ......

422، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی (بھارت)

فون: 011-23281418 فیکس: 23243019
Email : jnoormonthly@yahoo.com

نعتیہ صحافت کے اُفق پر ایک اور باوقار جریدے کا طلوع

ماہنامہ کاروانِ نعت لاہور

مدیر: شوکت علی

......رابطہ......

نعت لورز کلب : روم نمبر 208، سیکنڈ فلور، شہزادی رفاقت مارکیٹ
برانڈرتھ روڈ، نزد چوک گراں، لاہور۔ فون : 0300-9439938

افکارِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

مدیر: صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری

......رابطہ......

25/ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی۔ 74400

دینی اور علمی مزاج کے حامل قارئین کے لیے ایک خاص تحفہ

ماہنامہ سبیلِ ہدایت لاہور

مدیرِ اعلیٰ: سیّد قمر احمد سبزواری

...... رابطہ......

بزمِ ندائے مسلم پاکستان 3/8، B-1، ٹاؤن شپ، لاہور۔ 54770
Email : sabeelehidayat@islamonline.net

ایک سنجیدہ علمی و دینی رسالہ

ماہنامہ کاروانِ قمر کراچی

مدیرِ اعلیٰ: محمد صحبت خان کوہاٹی

...... رابطہ......

دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ، پنجاب کالونی، کراچی
فون : 5378793-5376884

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

پروفیسر جعفر بلوچ۔ لاہور

اسد ملتانی کا حمدیہ اور نعتیہ کلام

حضرت اسد ملتانی کا شمار ہمارے ان قومی، ملّی اربابِ علم و ادب میں ہوتا ہے جن کا قلم ہمیشہ زندگی اور استحکام و بقا کا پیام بر رہا۔ انھوں نے حضرت علامہ اقبالؒ اور سیّد سلیمان ندوی جیسے اکابر کی آنکھیں دیکھی تھیں اور ان کی حیات پرور صحبتوں سے فیض یاب ہوئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اسد صاحب کو ان جلیل القدر حضرات کی جوہر شناسانہ اورحوصلہ افزایانہ داد و تحسین سے بہرہ یاب ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ حضرت اسد ملتانی عمر بھر راست نہاد، دین دوست اور اسلام اساس ادبی اور تخلیقی رویوں کے ترجمان اور مبلغ رہے۔ دین کی ضرورت و اہمیت کی توضیح و تشریح، اسلامی نظریات و عقائد کی صحیح تعبیر وتفسیر، انسانی معاشروں میں اسلامی آئین کے نفاذ اور اسلامی اقدار و شعائر کی پاسبانی کے لیے انھوں نے تاحیات اَن تھک کوشش کی۔

حضرت اسد ملتانی کا تصورِ دین بہت وسیع اور ثقافت آگیں تھا۔ دینی معاملات میں ان کے علمی وفکری آفاق کی وسعت اور گیرائی کا اندازہ ان کی شاعری کے علاوہ ان کے مضامین و مقالات سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ ان کی منظومات کی طرح ان کی نثری نگارشات بھی برعظیم کے اہم اور موقر جرائد و رسائل مثلاً معارف اعظم گڑھ، طلوعِ اسلام (دہلی و لاہور)، فاران کراچی، ماہِ نو، کراچی اور نمکدان وغیرہ میں شائع ہوتی تھیں۔ دینی مسائل میں ان کی دقیقہ رسی کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ اپنے ایک مقالے بعنوان ''زبان کا اثر مذہب پر''☆[۱]

انھوں نے بتایا ہے کہ بیشتر اسلامی اصطلاحات کا انگریزی ترجمہ نہ صرف ان اصطلاحات کی حقیقی معنویت کا خون کر دیتا ہے بلکہ وہ ان کی تخفیف وتضحیک کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے اذان، الہام، وحی، ہجرت اور نبی کی اصطلاحات اور ان کے

انگریزی تراجم کے معنوی اختلاف پر نہایت عالمانہ اور ایمان افروز بحث کی ہے۔ لفظ ''نبی'' کے بارے میں اسد صاحب رقم طراز ہیں:

> نبی کے لیے انگریزی میں پرافٹ(Prophet) کا لفظ مستعمل ہے جس کا عام مفہوم محض ایک پیشین گوئی کرنے والے کا ہے۔ اس کی اصل کاہنوں اور بطریقوں کے تصور سے معلوم ہوتی ہے اور انگریزی کے موجودہ لٹریچر میں تو یہ نہایت ہی ادنیٰ مفہوم میں مستعمل ہے۔ پیشین گوئی تو ایک طرف رہی، اگر کوئی شخص آئندہ کے متعلق محض کسی خیال کا اظہار بھی کر دے تو اس پر لفظ پرافٹ کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ مسلمان آں حضرت ﷺ کے لیے بالعموم ہولی پرافٹ یعنی مقدس پرافٹ کا امتیازی لقب استعمال کرلیا کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت انگریزی زبان میں لفظ پرافٹ اس قدر حقیر اور مبتذل ہے کہ ''مقدس'' کا اضافہ بھی اس کے بُرے اثر کو زائل نہیں کرسکتا۔ اس لفظ کی تذلیل کا ایک سبب عیسائیوں کا الوہیتِ مسیح کا عقیدہ بھی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ انسان کے پردے میں خدا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) اور ان کے علاوہ باقی سب انبیا محض پرافٹ ہیں۔ مسیح کے اس خصوصی تصور سے جو ہندوؤں کے اوتار اور مجوسیوں کے حلول کے عقیدے سے ملتا جلتا ہے، پرافٹ کا درجہ نگاہوں سے اور بھی گر جاتا ہے۔ حالاں کہ اسلام میں اوتار کا عقیدہ ناپید ہے۔ انبیائے کرام انسانوں میں بلند ترین درجے کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا یہ مرتبہ انگریزی کے لفظ پرافٹ سے کسی طرح بھی ظاہر نہیں ہوسکتا۔

حضرت اسد ملتانی کے اس اقتباس سے ان کی گہری دینی بصیرت اور اسلام فہمی میں ان کے بلند معیار کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

حضرت اسد ملتانی کا نظریۂ ادب بھی دینِ اسلام اور اس کے نظامِ اخلاقیات کا سایہ پرور تھا۔ ان کے نزدیک ادبیت اور اسلامیت لازم وملزوم تھیں۔ وہ اس تحریر کو ادب ماننے پر تیار نہیں تھے جو دین و اخلاق کے انوار سے بے نصیب ہو۔ وہ ادب کو انسانیت کے لیے رشد و

ہدایت کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے اور دین و اخلاق کو ادب کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ چناں چہ جب اردو ادب میں اشتراکیت پرستی اور مزدکیت ستائی کا شور وغوغا بلند ہوا اور مادّی اغراض کے مقابلے میں روحانی اور اخلاقی اقدار نظرانداز کی جانے لگیں تو اسد صاحب نے ایک نظم بعنوان ''نیا ادب'' میں لکھا:

نیا ادب ہے کہ سعیِ فروغِ بے ادبی
نہ پاسِ خلق، نہ خوفِ خدا نہ شرمِ نبی ﷺ

کہیں حیات کا آئینہ، وائے بوالعجبی
ہوائے نفس کی تصویرِ شوخ و عریاں کو

ہے دل میں جوش بہ مقدارِ بادۂ عنبی
ہے سر میں ہوش بہ اندازۂ پریشانی

ادب میں ڈھونڈ رہے ہیں علاجِ تشنہ لبی
وہ بوالہوس بھی جنھیں جرأتِ گناہ نہیں

وہی کہ اصل ہے جن کی شرارِ بولہبی
نئے ادب میں چمک اور تپش سہی لیکن

جدید بھی تو نہیں یہ ادب کہ ہے اس میں
وہی قدیم ہوس جوئی و طرب طلبی ☆۲

اسی طرح انھوں نے اپنی ایک اور نظم بعنوان ''معیارِ شعر و ادب'' میں بھی اپنے نظریۂ شعر و ادب کو واضح کیا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

نہیں ہے اس میں جدید و قدیم کی تقسیم
ادب کے حسن کا معیار ہے مذاقِ سلیم

کوئی بتائے یہ جلوے جدید ہیں کہ قدیم؟
ظہور ہر گلِ تازہ، نمودِ ہر یہ نو

فقط زباں ہی میں کیا لطفِ کوثر و تسنیم
مزا تو جب ہے کہ مضمون بھی ہو پاکیزہ

ہے سیمیا جو نظر میں رہے فقط زر و سیم
ہے کیمیا وہ ادب جس سے زندگی بدلے

جو ہے مفیدِ خلائق وہی ادب ہے صحیح
جو بہرِ نفعِ مصنف ہو وہ کتاب سقیم ☆۳

ان اشعار سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب اسد ادب کو پاکیزہ اور انسانیت آموز دیکھنا چاہتے تھے اور ان کے نزدیک شعر کو انسانیت کے لیے ''علمِ نافع'' وہ ہی علمِ نافع ہونا چاہیے جس کی دعا ہمیں اللہ کے آخری نبی ﷺ نے سکھائی ہے۔

ادب اور زندگی کے بارے میں جناب اسدملتانی کے لیے یہ نظریات صرف زبانی جمع خرچ پر مشتمل نہیں تھے۔ انکے حال و قال میں تفاوت نہ تھا۔ ان کے وہ تمام معاصرین جو ان سے شناسا

تھے، اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جناب اسد اسلامی سیرت و کردار اور حسنِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ وہ ان خوش کردار شعرا میں سے تھے جن کا قلم انسانیت کی خدمت اور رہنمائی کے لیے قرآن و حدیث کی شعاعوں کو سطروں اور مصرعوں میں ڈھالتا ہے۔ انھیں ان یاوہ گو اور ہرزہ سرا شعرا سے کچھ علاقہ نہ تھا جو غاوونیت کے سرخیل اور ''**یقولون ما یفعلون**'' کا مصداق ہوتے ہیں۔ چناں چہ ان کی حمد نویسی اور نعت نگاری کی غرض و غایت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ انسانیت کو امن وسلام اور فوز و فلاح کی طرف دعوت دیں۔

''تحفۂ حرم'' پہلی بار ۱۹۵۴ء کے اواخر میں ادارہ روزنامہ ''شمس'' ملتان کے زیرِاہتمام شائع ہوئی تھی اور ساڑھے پانچ × آٹھ انچ سائز کے پچاس صفحات پر مشتمل تھی۔ اس میں جناب اسد کے سفرِ حج کی منظومات پیش کی گئی تھیں۔

اسد صاحب نے ۱۹۵۴ء ہی میں فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس سعادت کے حصول کی تمنا تو وہ نہ جانے کب سے کر رہے ہوں گے۔ حج کے لیے روانہ ہونے سے پہلے انھوں نے ۲۲راپریل ۱۹۵۴ء کو اپنے ایک دوست اور معروف شاعر جناب حیرت شملوی کے نام ایک خط میں اپنے اس ارادے کا اظہار کیا۔ اس خط سے زیارتِ حرمین کے لیے ان کے ذوق وشوق کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ اسد صاحب نے لکھا:

> اس سال حج کا ارادہ ہے۔ پچھلے سال درخواست دی تھی مگر قرعے میں نام نہیں آیا تھا۔ اس سال آ گیا ہے۔ برادران اکرم، اسلم کے ہمراہ ان شاء اللہ ۴رجولائی کو روانگی کا پروگرام ہے۔ بقول جوش صاحب ملیح آبادی:
>
> جا رہا ہوں حسن سے آنکھیں ملانے کے لیے
> زندگی کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے
>
> آج کل یہی تیاریاں ہیں اور اسی کے متعلق ہدایت نامے زیرِ مطالعہ۔☆[۴]

لیکن اسد صاحب ۴رجولائی کو روانہ نہ ہو سکے۔ چناں چہ انھوں نے اپنے بارہ جولائی ۱۹۵۴ء کے خط میں حیرت صاحب کو لکھا:

> ۴رجولائی کو سفینہ ''نصرت'' سے حجاز کو روانگی کا پروگرام تھا مگر بوجہ علالت سفر ملتوی کرنا پڑا۔ چناں چہ اب ان شاء اللہ کل ۱۳رجولائی کو ''سفینۂ عرب'' پر روانگی ہوگی۔ اتفاق دیکھیے کہ سفینہ ''نصرت'' ۴رکو روانہ ہوکر

تین روز بعد انجن کی خرابی کے باعث کراچی واپس آ گیا اور تین روز بعد
پھر روانہ ہوا۔ ہمارا التوا بہت اچھا رہا۔ ورنہ اس آمد و رفت سے بہت
کوفت ہوتی۔☆۵

اسد صاحب جہاز ''نصرت'' سے رہ جانے اور پھر اس جہاز کی فنی خرابی کے واقعے کو محض ''اتفاق'' پر محمول فرما کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ ورنہ اسی واقعے میں کرامات طرازی کا اچھا خاصا لوازمہ موجود تھا۔ اس سے اسد صاحب کی سلامتِ طبع کا اظہار ہوتا ہے۔

جناب اسد ملتانی کے سفرِ حج کی نظموں کا یہ مجموعہ اگرچہ پہلی بار ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا تھا لیکن یہ سال ان کی حمد و نعت نگاری کا سال آغاز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حمد و نعت تو وہ غالباً اُسی زمانے سے لکھ رہے تھے جب انھوں نے قلم پکڑنا سیکھا تھا۔

مولانا ظفر علی خاںؒ کا یہ شعر اسد صاحب کے بھی حسبِ حال معلوم ہوتا ہے:

خدا کی حمد، پیغمبر ﷺ کی نعت، اسلام کے قصے
مرے مضموں ہیں جب سے شعر کہنے کا شعور آیا

اسد صاحب کا بالکل ابتدائی کلام ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ۱۹۲۱ء میں جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں سالِ اوّل کے طالب علم تھے، انھوں نے کالج میں نظم نگاری کے مقابلے کا پہلا انعام حاصل کیا تھا۔ حالاں کہ اس مقابلے میں جناب تصدق حسین، خالد جیسے سینئر طالب علم شاعر بھی شریک تھے۔ اس مقابلے کا فیصلہ حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا اور انھوں نے اسد صاحب کی نظم کے بعض مقامات پر خود اپنے قلم سے اصلاح بھی فرما دی تھی۔ اس اصلاح کو اسد صاحب اپنے لیے ہمیشہ فخر و مباہات کا سرمایہ قرار دیتے رہے۔ اس نظم کا عنوان ''قطرۂ شبنم'' تھا اور یہ ۱۲ر فروری ۱۹۲۱ء کو لکھی گئی تھی۔ یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اسد صاحب کی اس نظم کا موضوع عارفانہ اور متصوفانہ تھا۔ نظم کا آخری بند ملاحظہ ہو:

قطرۂ ناچیز ہوں لیکن جہاں دیدہ ہوں میں   تجربہ کار انقلابِ آسماں دیدہ ہوں میں
میری ہستی، ہستی انسان سے کچھ کم نہیں   غافل انساں، لیکن ان اسرار سے محرم نہیں
محرمِ رازِ بلندی، واقفِ پستی ہوں میں   بہرِ انساں رہ نمائے منزلِ ہستی ہوں میں
ہاں مجسم تجربہ ہوں اور سراپا ہوش ہوں   ہوں ذرا سا قطرہ لیکن بحر در آغوش ہوں☆۵

اسی سال ۲۵ر نومبر کی شام کو گورنمنٹ کالج لاہور کی ''بزمِ سخن'' کا اس سال کا پہلا اجلاس ہوا۔

D:NaatRang-17
File: 1-Asad
Final

اجلاس میں پطرس بخاری اور مشہور شاعر اور ڈراما نگار حکیم احمد شجاع بھی شریک تھے۔ جناب تصدق حسین خالد بٹالوی بھی بطورِ سابق طالب علم اس اجلاس میں بلائے گئے تھے۔ اس موقع پر ایک مشاعرہ بھی منعقد ہوا تھا۔ گورنمنٹ کالج کے علمی و ادبی مجلّہ ''راوی'' کے دسمبر ۱۹۲۱ء کے شمارے میں اس یادگار اجلاس کی روداد محفوظ ہے۔ اس شمارے کے ادارتی نوٹ میں لکھا گیا ہے کہ:

> مشاعرے میں جناب محمد اسد صاحب اور صدیق حسین صاحب اختر کی غزلیں نہایت کامیاب تھیں۔ دونوں صاحبوں کے کلام میں پختگی اور روانی ہے اور بزم کی بہت سی اُمیدیں ان احباب سے وابستہ ہوگئی ہیں۔

''راوی'' کے اسی شمارے میں ''انتخابِ بزمِ سخن'' کے زیرِعنوان اسد صاحب کی دو غزلوں کے پندرہ اشعار بھی شائع ہوئے ہیں ایک غزل شاید مکمل ہے اور دوسری غزل کے چار شعر ہیں۔ ان پندرہ اشعار میں ذیل کے چھ شعروں کو تو وثوق کے ساتھ حمدیہ یا نعتیہ تاثرات کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے۔ باقی اشعار بھی اسد صاحب کے صاف ستھرے، پاکیزہ اور تعمیری ذوقِ سخن کے شاہدِ ناطق ہیں۔

وہ دل ہی نہیں جن میں ترا درد نہیں ہے — وہ سر ہی نہیں جو ترا سودا نہیں رکھتے
نیرنگیاں قدرت کی ہمیں کیا نظر آئیں — ہم آنکھیں تو رکھتے ہیں مگر وا نہیں رکھتے
کہتے ہیں کہ ہر رنگ میں ہے یار کا جلوہ — افسوس کہ ہم دیدۂ بینا نہیں رکھتے
جاں دی ہے اسد گر کے جو قدموں پہ کسی کے — ہم حشر میں اُٹھنے کی تمنا نہیں رکھتے

☆

کب ہوسکے وہ بحرِ حقائق میں غوطہ زن — مثلِ حباب جس کے ہوا سر میں بھر گئی
نامِ خدا ہماری زبانوں پہ چڑھ گیا — اتنا کہ اس کی یاد دلوں سے اُتر گئی[☆۷]

اس سے اگلے سال اسد صاحب نے ملتان سے ہفت روزہ ''الشمس'' کا اجرا کیا۔ یہ اخبار ۲/۲۶×۲۰ انچ سائز کے آٹھ صفحوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ افسوس کہ یہ اخبار چھ ماہ کے بعد بند ہوگیا۔ ''الشمس'' کا پہلا شمارہ ۲۸/نومبر ۱۹۲۲ء (بمطابق ۸/ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ) کو شائع ہوا۔ ملتان میں صحافتی سرگرمیوں کے جائزہ نگاروں نے ہفت روزہ ''الشمس'' کی قومی، ملّی اور سماجی خدمات کا خاطرخواہ اعتراف کیا ہے۔ ''الشمس'' کی پیشانی کو ''وجعل الشمس سراجا'' کے قرآنی الفاظ کے طغرے سے چمکایا جاتا تھا۔ ''الشمس'' کے پہلے شمارے میں اخبار کے انتساب کی سطور بھی شائع کی

گئی تھیں، حالاں کہ ہمارے ہاں اخبارات و جرائد کی حد تک ایسی انتساب نگاری کی کوئی باقاعدہ روایت نہیں ہے۔ اسد صاحب نے یہ انتساب ختم المرسلین ﷺ کی ذاتِ پاک سے کیا تھا۔ اس انتساب کے الفاظ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

بحضور عالی جناب عرش رکاب جناب رسالت مآب، سرورِ کائنات فخرِ موجودات، خاتم الانبیا، سرچشمۂ نور و صفا، حضرت محمد مصطفیٰ شمس الضحیٰ علیہ التحیت والثنا:

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر
من وجهک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثنا کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

طلبائے اسلامیہ اسکول ملتان ایک گدائے بے نوا کی طرح حضور جیسے شہنشاہ دوجہاں کی دربار دُربار میں اخلاص وعقیدت سے یہ نذر محقر اخبار ''الشمس'' لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی یہی التماس ہے۔

اے فرش عرش زیرِ لولائے مبارکت
کونین سر نہادہ بپائے مبارکت
اے ذوالکرم ز رحمتِ عام تو دُور نیست
گر جا وہی مرا بہ عبائے مبارکت

یہ بات توجہ طلب ہے کہ انتساب کی عبارت میں ''شمس الضحیٰ'' کا لقب الگ سطر میں اور جلی حروف میں لکھا گیا ہے۔ اس سے شاید یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ''الشمس'' کو اصلاً ''شمس الضحیٰ ﷺ'' ہی سے نسبت ہے۔

''الشمس'' کے دوسرے شمارہ بابت ۸؍ دسمبر ۱۹۲۲ء میں ایڈیٹر کی درج ذیل مختصر فارسی نظم بعنوان ''تاریخ اجرائے اخبار'' شائع ہوئی۔

بہ افضال خلاق افلاک و انجم — شد ایں مہرِ تہذیب، طالع بہ ملتاں
شود ترجمانِ سیاسی و ملّی — بہ دل متحد ساز ہندو مسلماں
بہ نزدِ احبا، گلِ باغِ رحمت — بہ چشم عدو، مثل خارِ مغیلاں

D:NaatRang-17
File: 1-Asad
Final

بود مالک الملک، مالک حقیقی مجازی بظاہر محمد اسد خاں
کسے گر پرسد ز تو سال اجرا بگو زیب قرطاس الشمس ملتاں[٨]

''زیب قرطاس الشمس ملتاں'' کے حروف سے اخبار کا سالِ اشاعت (یعنی ۱۹۲۲ء یا ۱۳۴۱ھ) برآمد نہیں ہوتا۔ بصورت موجودہ ان فارسی اشعار کے بعض مصرعے لسانی اور فنی طور پر بھی محلِ نظر، معلوم ہوتے ہیں لیکن نظم میں حمد نگاری اور ملت دوستی کا آہنگ بہرحال نمایاں ہے اور جناب اسد ملتانی کی حمد و نعت کے ان ابتدائی نمونوں کے مطالعے ہی سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ:

بالائے سرش ز ہوش مستی
می تافت ستارۂ بلندی

جناب اسد کی حمدیہ اور نعتیہ نظمیں صرف وہی نہیں ہیں جو ان عنوانات کے تحت شائع ہوتی ہیں۔ اسد صاحب برعظیم میں ہمارے قومی، ملّی شعرا کی صفِ اوّل کے اکابر میں تھے اور ان کا موضوعِ سخن اوّل و آخر اسلام تھا۔ ان کی قریباً تمام قومی اور ملّی نظمیں حمد و نعت اور اسلامیت ہی کی بنیاد پر تخلیق ہوئی ہیں اور ان کی سوچ کا ہر زاویہ قبلہ رُو نظر آتا ہے۔ وہ دین و دنیا کو باہم بے تعلق کرنے اور انھیں الگ الگ خانوں میں بانٹنے کے قائل نہیں ہیں۔ دیگر بڑے اسلامی شاعروں اور مفکروں کی طرح دین جناب اسد کے یہاں بھی دنیا کو محیط نظر آتا ہے۔

یہاں بطور مثال چند نظموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اسد صاحب کی ایک نظم ''سطوت اسلام'' کا مطلع ہے:

نہ ہو اسلام کیوں ممتاز دنیا بھر کے دینوں میں
وہاں مذہب کتابوں میں یہاں قرآن سینوں میں

یہ چوبیس اشعار کی نظم ہے اور ہر شعر سے اسلامیت کا نور چھن رہا ہے۔ حمد و نعت کے متعدد مضامین بھی اس نظم میں بڑی دل آویزی سے ادا ہوئے ہیں۔ یہاں صرف چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔ پوری نظم ''تحفۂ حرم'' کے متن میں ملاحظہ ہو:

سوادِ کعبہ کو ہم کیوں نہ سمجھیں نور کا مرکز
یہیں سے روشنی پھیلی جہاں کی سرزمینوں میں
کروڑوں عابدوں کا رُخ اسی کی سمت رہتا ہے
عجب رُتبہ ملا مکے کو دنیا کے مدینوں میں

یکا یک توڑ ڈالے مے کشوں نے ساغر و مینا
بھرا ساقی ﷺ نے کیا اُن کے دلوں کے آبگینوں میں
یہ تیزی ارتقا کو صاحبِ معراج نے بخشی
بشر نے طے کیا صدیوں کی منزل کو مہینوں میں
ہمارے دل سدا معمور ہیں عشقِ الٰہی سے
یہی بارود رکھتے ہیں ہم اپنے میگزینوں میں[☆۹]

اپنی نظم بعنوان ''سائنس اور مذہب'' میں جناب اسد نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سائنس کی روزافزوں ترقی سے وجودِ حق تعالیٰ کا اثبات ہو رہا ہے۔

سائنس کا شیدائی حیراں نظر آتا ہے　　الحاد کی سرحد پر ایماں نظر آتا ہے
دل آنکھ کے بندے کا ناچار پکار اُٹھا　　کچھ ہے جو نگاہوں سے پنہاں نظر آتا ہے
اب مادّہ ٹھہرا ہے قوت ہی کی اک صورت　　اور پردۂ قوت میں یزداں، نظر آتا ہے
''کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شد''　　دانش کی تگ و پو کا پایاں نظر آتا ہے[☆۱۰]

حضرت علامہ اقبالؒ نے جناب حسین احمد مدنیؒ سے وطنیت اور ملت کی بحث کے سلسلے میں اپنا یہ مشہور قطعہ کہا تھا جو اب ''ارمغانِ حجاز'' میں شامل ہے:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ　　ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرور برسرِ منبر کہ ملت از وطن است　　چہ بے خبر ز مقام محمد ﷺ عربی است
بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

علامہ طالوت نے حضرت اقبالؒ اور مولانا مدنی کے اس فکری اختلاف کا تصفیہ کرانے کے لیے دونوں حضرات سے خط کتابت کی، حتیٰ کہ حضرت علامہ اقبالؒ نے فرما دیا کہ:

> مولانا (حسین احمد مدنی) اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔[☆۱۱]

جناب یوسف سلیم چشتی اور بعض دیگر ماہرین اقبالیات کی یہ رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ''ارمغانِ حجاز'' حضرت علامہ اقبال کی نگرانی میں شائع ہوتی تو وہ مولانا حسین احمد مدنی کے

خلاف اپنا مندرجہ بالا قطعہ شامل کتاب نہ فرماتے۔

جناب اقبال سہیل علیگ نے اس علامہ اقبال اور مولانا مدنی کی اس بحث کے سلسلے میں مولانا مدنی کی حمایت اور علامہ اقبال کے قطعہ کے جواب میں اسی زمین میں ایک نظم کہی تھی اس نظم کے دو شعر یہ ہیں:

بہ دیوبند گرا گر نجات می طلبی　　که دیو نفس سلحشود و دانشِ تو صبی ست
بگیر راہِ حسین احمد را خدا خواہی　　که نائب است نبیﷺ راوہم آل نبیﷺ ست

ترجمہ: اگر نجات چاہتا ہے تو دیو بند کی طرف متوجہ ہو۔ دیو نفس مسلح ہے اور تیری دانش طفلانہ ہے۔ اگر خدا چاہتا ہے تو حسین احمد کی راہ لے۔ وہ نبی ﷺ پاک کا نائب اور ان کی آل میں سے ہے۔

جناب اسد ملتانی نے بھی اسی زمین میں جناب اقبال سہیل کے ان متعارضانہ اشعار کے جواب میں لکھا تھا:

ز آستانِ محمدﷺ بہ دیوبند شدن　　چہ خوب راہِ نجات و عجب خدا طلبی ست
ز نورِ حق شدہ بیگانہ مسلم ہندی　　عجب چراست اگر شکوہ سنج تیرہ شبی ست
سخن ز معنیٔ الفاظِ قوم و ملت نیست　　کلام در وطنیت ز رُوئے دینِ نبیﷺ ست ☆۱۲

ترجمہ: آستانِ محمدﷺ سے اُٹھ کر دیو بند جا پہنچا؟ یہ عجیب راہِ نجات اور عجیب خدا طلبی ہے۔ ہندی مسلمان نورِ حق سے بیگانہ ہوگیا ہے۔ اس لیے اگر وہ تاریک رات (میں گھر جائے) کا گلہ کرتا ہے تو اس میں حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ (اس بحث میں) سوال یہ نہیں ہے کہ قوم اور ملت کے معنی کیا ہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ دینِ نبی ﷺ کی رُو سے وطنیت کی کیا حیثیت ہے؟

جناب اسد ملتانی نے حضرت علامہ اقبال کے تتبع میں اسلامی اور نبوی نقطۂ نظر سے وطنیت کے مفہوم کا تعین کرنے پر زور دیا ہے۔ ویسے بھی یہ ساری بحث قرآن و حدیث ہی کے حوالے سے ہو رہی تھی اور اس ساری بحث کا حاصل تو حضرت علامہ اقبال کا وہ مشہور نعتیہ شعر ہے جو پوری نعتیہ شاعری بلکہ شاید پورے اسلامی ادب کے خزانوں کا گوہر یک دانہ ہے۔ یعنی:

بہ مصطفٰے ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اپنی ایک نظم بعنوان ''رعب فرنگ'' (''طلوعِ اسلام'' ستمبر ۱۰۳۸) میں مغرب کی التباس آفرینی سے مسلمانوں کی مرعوبیت کا خوب صورت تجزیہ کرنے کے بعد اسد صاحب نے فرمایا:

کیا اسے مسلماں کا ایمان بھی ہے ایماں
مانے جو محمد ﷺ کو فرنگی کی سند ہے

اسی طرح اپنی ایک اور نظم بعنوان ''مآلِ تہذیب'' (''طلوعِ اسلام''، اگست ۱۹۴۱ء) میں وہ لکھتے ہیں:

ہاں بہت سے رہبروں کو آزمایا جاچکا
نوعِ انساں اب محمد ﷺ کا بھی دامن تھام دیکھ!

حضرت اسد ملتانی اپنی ملت دوستی کے تقاضوں کے پیشِ نظر مسلمانانِ برعظیم کے حالات، مسائل پر بھی گہری نظر رکھتے تھے وہ اپنے دینی اور ملّی تشخص کو نمایاں کرنے کے لیے کوشاں رہے اور ظاہر ہے کہ ان کے مخاطب اوّل اسلامیانِ برعظیم ہی تھے۔ اس سلسلے میں ان کی متعدد نظموں کے حوالے پہلے دیے جاچکے ہیں اور اس مضمون کی مزید طوالت کا خوف نہ ہوتا تو کئی اور نظموں سے بھی مثالیں پیش کی جاسکتی تھیں۔ مختصر یہ کہ حضرت اسد برعظیم کے مسلمانوں کو متحد و منظّم ہم مرکز، ہم قیادت، آبرومند اور صاحبِ جاہ چشم دیکھنے کے متمنی تھے۔ اور جب ''تحریکِ پاکستان'' کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو اسد ملتانی صاحب قرطاس وقلم کے محاذ پر اس تحریک کے ہراول دستے میں نظر آئے۔ ان کا درج ذیل شعر مارچ ۱۹۳۵ء کے ''معارف'' میں شائع ہوا تھا:

گر کنوں تشکیلِ پاکستان شود
مرکز آں مملکت ملتاں شود

اور ممکن ہے انھوں نے اس سے پہلے بھی پاکستان کے خصوصی حوالے سے نظم و نثر میں اظہارِ خیال کیا ہو۔ وہ قیامِ پاکستان کے لیے ذہنی فضا بندی کرنے والے میں ہمیشہ نمایاں رہے۔ دیکھیں وہ اپنی ایک نظم بعنوان ''حقائق'' میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مشورہ بالواسطہ کتنے خوب صورت انداز میں دیتے ہیں:

نظام آنست شایانِ قیامے | کہ باشد موجب امن و سلامے
وگرنہ آں ہم آئینے بدارد | اگر گیری ز قزاقاں نظامے ☆[۱۳]

ان کی قیامِ پاکستان سے پہلے کی نظموں میں کفر و ایماں اور حق و باطل میں امتیاز کے مضامین

جا بہ جا ملتے ہیں اور پاکستان بننے کے بعد تو انھوں نے استحکامِ پاکستان کے لیے اور بھی زیادہ جوش و ولولے سے تخلیقی خدمات سرانجام دیں۔ پاکستانیات کے موضوع پر اگر ان کی نظموں کو یک جا کیا جائے تو ایک دل آویز مجموعۂ مرتب کیا جاسکتا ہے۔ اس موضوع پر ان کا تخلیقی سرمایہ اتنا اہم اور وقیع ہے کہ انھیں، بعد از وفات ہی سہی، پاکستانی ادب کا بڑے سے بڑا اعزاز پیش کیا جانا چاہیے۔ افسوس ہے کہ قوم نے حضرت اسد ملتانی کی ان خدمات کے اعتراف و استحسان میں اب تک بخل یا تجاہل و تغافل سے کام لیا ہے۔ اگر ہم خدانخواستہ آئندہ بھی یہ قرض ادا کرنے سے گریزاں رہے تو تاریخ ہمیں حق ناشناسی اور ادب فراموشی کا مجرم ٹھہرانے میں حق بجانب ہوگی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت اسد کی قومی اور ملّی خدمات کا اعتراف کرنا خود ہماری اپنی زندگی کا ثبوت ہوگا ورنہ اسد صاحب تو اس معاملے میں صلہ و ستائش سے بالکل بے نیاز تھے۔ ان کا مؤقف تو عمر بھر یہی رہا:

مخلصانہ خدمتِ ملت عبادت ہے اسدؔ
کوئی بھی اس کا صلہ چاہا تو مزدوری ہوئی

اس جملۂ معترضہ سے قطعِ نظر یہاں مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ اسد صاحب نے پاکستانیات کے سلسلے میں اپنی نظموں میں بھی جا بہ جا حمد و نعت کے فانوس روشن کیے ہیں۔ ایسے اکثر اشعار ''تحفۂ حرم'' کے متفرق اشعار کے حصے میں شامل کر دیے گئے ہیں تاہم چند اشعار کا ذکر اس تحریر میں بھی کیا جاتا ہے۔

سابق گورنر جنرل پاکستان جناب غلام محمد نے کسی موقع پر اس مفہوم کا بیان دیا کہ پاکستان ایک لادینی ریاست (سیکولر اسٹیٹ) ہوگی۔ اس پر اسد صاحب نے بڑی جرأتِ ایمانی کے ساتھ اپنے ردِّعمل کا اظہار کیا:

نیا ملک ہم کو دیا ہے خدا نے　　　کہ ہو اس میں جاری نظامِ محمدﷺ
اسدؔ ہم اس اُمید پر جی رہے ہیں　　　کہ گردش میں آئے گا جامِ محمدﷺ
حکومت کا آئین دینی نہ ہوگا　　　یہ کیا کہہ رہا ہے غلامِ محمدﷺ☆[۱۴]

جناب اسد کے بھائی جناب محمد اکرم خاں بتایا کرتے تھے کہ یہ نظم اسد صاحب نے خود گورنر جنرل کے سامنے ایک جلسۂ عام میں پڑھی تھی۔

اسی طرح انھی دنوں چودھری خلیق الزماں☆[۱۵] نے کچھ اس مضمون کا بیان دیا کہ ابھی

پاکستان میں آئین شریعت کے نفاذ کا وقت نہیں ہے۔ اس موقع پر بھی جناب اسد ملتانی نے مصلحت آمیز خاموشی اختیار نہ کی بلکہ برملا فرمایا:

اغیار سے یاری سہی، اتنی رواداری سہی
ذہنِ مسلماں یہ مگر فرقِ حق و باطل تو ہو
مانا کہ مدت چاہیے قطعِ سفر کے واسطے
دل طالبِ محمل تو ہو، رُخ جانبِ منزل تو ہو
یوں ٹھوکریں کھاتے رہیں کیوں راہِ ترکستان میں
ہم قبلہ رُو تو ہو چلیں، کعبہ مرادِ دل تو ہو[۱۶]

اسد صاحب کی اسلامیت دوستی اتنی وسیع ہے کہ اپنے مطائبات اور پیرایہ ہائے ظرافت میں بھی وہ دینی اور اسلامی نقطۂ نظر کو فراموش نہیں کرتے۔ ان کا یہ قطعہ ان کے اس اسلوب کی ایک شگفتہ مثال ہے:

کہتے تھے اس خدا پہ جو آتا نہیں نظر — ہے عقل سے بعید کہ ایماں لائیے
میں نے کہا کہ آپ کا کہنا بجا سہی — لیکن ذرا وہ عقل تو مجھ کو دکھائیے[۱۷]

غرض بعض دیگر برگزیدہ قومی شعرا کی طرح حضرت اسد ملتانی کی یہاں بھی حمد و نعت کا موضوع عام انسانی زندگی اور تمدن و معاشرت سے علاحدہ اور بے تعلق موضوع نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ تمام حیات و ادب کی روحِ سار یہ ہے۔ یہ ان کے فکری اور وجدانی وجود کی شریانِ اعظم ہے کہ اعضا و جوارح کو پہنچنے والا ہر قطرۂ خوں اسی سے گزر کے جاتا ہے۔

یوں تو حمد و نعت کہنے والے ہر شاعر کا کلام کسی نہ کسی حد تک نورِ اسلامیت سے مستیز اور اس نور کی تبلیغ و اشاعت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا ہے لیکن ایسے اسلامیت نگاروں کی تعداد بہت کم ہے جو قرآن و سنت کے ''دقائق'' پر گہری نظر رکھتے ہیں اور تدبر و تفکر کے مراحل میں مغزو استخواں میں امتیاز کرتے ہیں۔ جناب اسد کی فکریات میں باریک بینی بھی ہے گہرائی بھی۔ وہ بحر کی تہ سے گہر اندازی کرنے والے غواص ہیں۔ چناں چہ وہ اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ کا ذکرِ خیر بھی سطحی اور سرسری طور پر نہیں کرتے۔ اصول و فروع کا فرق ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہتا ہے اور وہ اپنے مؤقف کا برملا اظہار کرتے ہیں:

نبی ﷺ کا عشق، خدا کی اطاعت کامل
یہ دین کی اصل ہے باقی تمام افسانے

نفاق، نفسِ انسانی کے چند مہلک عوارض میں سے ہے جو اللہ کے نزدیک معتوب ہے تو خلق اللہ کے نزدیک مطعون۔ اس سلسلے میں حضرت غالبؔ کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

ز نہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بہ سجودے و نبی ﷺ را بہ درودے!

جناب اسد بھی چاہتے تھے کہ مسلمان زبانی عقیدت و ارادت کی تائید و توثیق اپنے عمل سے کریں۔ چناں چہ اپنی ایک نظم ''طوافِ حرم'' میں وہ کہتے ہیں:

ہزار حیف ہے اس شخص پر جو علم کے بعد
عمل مقاصدِ اسلام کے خلاف کرے

اسی طرح وہ اپنی نظم بعنوان ''نصر من اللّٰہ'' میں ''اقرار باللسان تصدیق بالقلب'' کی مزید تاکید یوں فرماتے ہیں:

جو خدا کا بندہ بھٹک گیا ہے خدا کے دیں کی حدود سے
کبھی دب رہا ہے ہنود سے کبھی ڈر رہا ہے یہود سے
بہ زباں، درود و ثنائے رب، بہ عمل حمایتِ بولہب
یہ ثنا و حمد تو ہے عجب، یہ تو دل لگی ہے درود سے ☆۱۸

اسلام کی صحیح تفہیم و اشاعت کے سلسلے میں اسد صاحب کی ژرف نگاہی اور آفاق افروزی کی ایک شہادت ان کی نظم ''فیضِ رسالت'' سے بھی ملتی ہے۔ اس نظم میں بھی مسلمانوں کو رسولِ پاک کے اسوۂ حسنہ کی طرف بڑے حکیمانہ اور دل نشیں اسلوب میں متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خدائے پاک کے پیغام آخریں سے ملی ہدایت ایسی جو کافی رہے قیامت تک
نمونہ سب کے لیے ہے نبی ﷺ کی سیرت میں کہ جو نظیر بھی ڈھونڈی گئی یہیں سے ملی
ذرا بھی حشر، جزا و سزا میں شبہ نہیں کہ یہ خبر ہمیں اک صادق و امیں سے ملی
بھلا کسے تھی تمیز حقوقِ انسانی یہ مصطفےٰ ﷺ ہی کے اعلانِ آخریں سے ملی
اسد فیوضِ درِ مصطفےٰ ﷺ کا کیا کہنا بشر کو جو بھی سعادت ملی، یہیں سے ملی

اسد صاحب عمر بھر مسلمانوں کو متحد اور منظم رہنے کا درس دیتے رہے۔ اس کارِ خیر میں وہ اپنے جلیل القدر پیش روؤں مثلاً جمال الدین افغانی، اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں،

مولانا محمد علی جوہر وغیرہم کے ہم نوا تھے۔ وہ عالمِ اسلام کو اپنے حقیقی مرکز پر جمع ہونے کی دعوت بار بار دیتے ہیں:

جو اپنے مرکز اصلی سے انحرف کرے وجود ہی نہیں رہ سکتا ایسی ملت کا
وہی ہے دین کا دشمن جو اختلاف کرے جب اتحاد پہ بنیاد اس کی ہے قائم [☆۱۹]

ان کی نظم ''دعائے تنظیم'' کا بنیادی مضمون بھی یہی اتحادِ ملت ہے؟

یاالٰہی جاہلیت سے نکال پھر ہمیں اسلام کے رستے پہ ڈال
کر ہمیں تنظیم کی طاقت عطا زندگی میں دین کی صورت دکھا
عالمِ اسلام سارا ایک ہو حاکمِ اعلیٰ ہمارا ایک ہو
ہو طوافِ کعبہ سے حاصل ثبات گرد مرکز کے کرے گردش حیات
منظرِ توحید پھر دکھلائے دیں ملتیں مٹ کر بنیں اجزائے دیں [☆۲۰]

اسلام اور ارکانِ اسلام کی تفسیر کرنے والے بعض حضرات فروعی اور لاطائل باتوں میں اُلجھ جاتے ہیں اور دین کی غایت حقیقی سے بے خبر رہتے ہیں۔ انھی حضرات کے لیے اسد صاحب نے کہا تھا:

یوں نئے واعظ بیاں کرتے ہیں اس کی حکمتیں
دین جیسے اک دروغِ مصلحت آمیز ہے

جناب اسد ارکانِ اسلام پر بھی حکیمانہ نگاہ ڈالتے ہیں، مثلاً وہ حج کو مسلمانوں کی اجتماعیت کا ایک نشان سمجھتے ہیں اور یہ نکتہ ان کی نظموں میں بہ تکرار بیان ہوا ہے۔ مثلاً یہ مذکور بالا نظم ''طوافِ حرم'' میں کہتے ہیں:

جو عہد کرتا ہو کعبے کی پاسبانی کا وہ آ کے سنگ کو چومے وہی طواف کرے
جو ہم نے وحدتِ ملت کو پارہ پارہ کیا یہ وہ خطا ہے کہ شاید خدا معاف کرے
ہے کعبہ مرکزِ ملت، امیر حبل اللہ اسد یہ راز ہے کون اس کا انکشاف کرے

نظم ''عرفات'' میں بھی انھوں نے حج کے اسرار و رموز کو تفصیل اور لطافت سے بیان کیا ہے:

عرفات آ کے جو اربابِ نظر غور کریں حج کعبہ کے سب اسرارِ نہانی سمجھیں
جمع ہونے پہ ہے زور اور نمازوں میں کمی حق نے دی جن کو نظر، اس کے معانی سمجھیں

اپنی اس نظم کو وہ اس پیغام پر تمام کرتے ہیں:

ہے یہ لبیک کا مطلب کہ جو فرمائے امیر اس کی تعمیل میں دِقت نہ گرانی سمجھیں

ایسا حج آئے میسر جو مسلمانوں کو　　　بے تامل اسے جنت کی نشانی سمجھیں☆۲۱

اپنی مذکورہ بالا نظم بعنوان ''طوافِ حرم'' میں وہ اسلام کی عالم گیریت اور جہاد فی سبیل اللہ کی برکات کو یوں اُجاگر کرتے ہیں:

بہت ہی تنگ سمجھ لی گئیں درودِ حرم　　　کوئی وسیع انھیں قاف تا بہ قاف کرے
حرم کے امن کے دامن کو اتنا پھیلائیں　　　زمانہ دینِ محبت کا اعتراف کرے
ہمارا ضعف ہے ورنہ مجال کفر کہاں　　　کہ آ کے دین کی دیوار میں شگاف کرے
بپا ہے معرکۂ کفر و دیں زمانے میں　　　یہ ہے گریز جو اب کوئی اعتکاف کرے

اسد صاحب کے حمدیہ اور نعتیہ کلام میں اسلام کی برکتوں اور سعادتوں کا اظہار اس تواتر اور تسلسل ہوا ہے کہ اس کا احصا کرنا اور اس کے گوناگوں فکری اور معنوی محاسن کو پوری طرح بیان کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ قرآنی اوامر و نواہی کی تفسیر و توجیہہ، صحابہ کرام کی عظمت و شان کا بیان، حرمین شریفین کی مدح و توصیف، جنت البقیع میں انہدامِ قبور کے مسئلے پر عام مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی، مسلمانوں کے تمام طبقات کی اسلامی خطوط پر تعلیم و تربیت، معاصر عالمی مسائل کا تجزیہ و محاکمہ اور متعدد دیگر موضوعات پر اسد صاحب کے خیالات کا مطالعہ ان کے حمدیہ و نعتیہ کلام کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن:

دامان نگہ تنگ و گل حسنِ تو بسیار
گلچینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

حوالے وحواشی

☆۱۔ یہ مقالہ سیّد نذیر نیازی کی مرتب کردہ کتاب ''ادبیاتِ ملّیہ'' میں شامل ہے۔
☆۲۔ نظم ''نیا ادب'' مشمولہ ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، شمارہ بابت مارچ ۱۹۴۳ء
☆۳۔ ماہنامہ ''ہمایوں'' لاہور، جنوری ۱۹۵۰ء
☆۴،۵۔ مکاتیبِ اسد ملتانی بنام حیرت شملوی، ماہنامہ ''فاران''، کراچی، جون ۱۹۶۰ء
☆۶۔ جعفر بلوچ (مرتب) ''اقبالیاتِ اسد ملتانی''، (طبع دوم)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۵۸
☆۷۔ مجلّہ ''راوی'' گورنمنٹ کالج، لاہور، شمارہ بابت دسمبر ۱۹۲۱ء
☆۸۔ ثمینہ نذیر، ''ملتان میں صحافت''، مقالہ ایم اے صحافت، زیرِ نگرانی ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، مخزونہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، لاہور، مقالے میں ''الشمس'' کے اوّلین شمارے کے پہلے صفحے کا عکس بھی پیش کیا گیا ہے۔
☆۹۔ ماہنامہ ''معارف''، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۳۴ء
☆۱۰۔ ایضاً، اگست ۱۹۳۴ء　　☆۱۱۔ ایضاً، مارچ ۱۹۳۵ء

☆۱۱۔ ماہنامہ ''طلوعِ اسلام''، لاہور، دسمبر ۱۹۴۱ء

☆۱۲۔ طالوت (مرتب) ''نظریۂ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی و علامہ اقبال''، ص۴۸، بحوالہ روزنامہ ''احسان'' لاہور، نیز ''اقبال کے ممدوح علما''، مرتبہ افضل حق قرشی، ۱۹۷۷ء، ص۸۷

☆۱۳۔ ''ملت اور وطن'' (کتابچہ) مرتب و ناشر۔ روزنامہ ''شمس''، ملتان، سالِ طباعت قیاساً ۱۹۳۸ء، ص۱۷

☆۱۴۔ ''طلوعِ اسلام''، اکتوبر ۱۹۳۹ء

☆۱۵۔ ایضاً، شمارہ جنوری۔ فروری ۱۹۴۸ء

☆۱۶۔ خلیق الزماں چودھری، ''قراردادِ لاہور کے موید''، پاکستان مسلم لیگ کے سابق صدر، ولادت ۲۵/ دسمبر ۱۸۸۹ء، وفات ۱۸/ مئی ۱۹۷۳ء

☆۱۷۔ حضرت اسد کی یہ نظم ''عزمِ حرم'' کے عنوان سے ''طلوعِ اسلام'' کے اگست ۱۹۴۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ آخری شعر میں شیخ سعدی شیرازی کے اس مشہور شعر سے استفادہ کیا گیا ہے:

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

☆۱۸۔ ''طلوعِ اسلام''، اگست ۱۹۴۰ء

☆۱۹۔ ایضاً، جون ۱۹۴۸ء

☆۲۰۔ ماہنامہ ''فاران''، کراچی، فروری ۱۹۵۹ء

☆۲۱۔ اسد ملتانی، ''تحفۂ حرم''، ایڈیشن ۱۹۵۴ء، ص۲۰

D:NaatRang-17
File: 1-Asad
Final

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم۔ میانوالی

ملک منظور حسین منظور کی نعت گوئی

(''جنگ نامۂ اسلام'' اور ''ارمغانِ عقیدت'' کے حوالے سے)

فردوسیٔ ملت ملک منظور حسین منظور بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے بہت عمدہ رزم نگار شاعر تھے۔ آپ کا تعلق میانوالی کے معروف قصبہ داؤدخیل کے ایک دینی، علمی اور ادبی خانوادے سے تھا۔ ملک صاحب تقریباً اڑتالیس برس تک شعبۂ تدریس سے وابستہ رہے۔ ملک منظور حسین منظور دین اور سرزمین، اعتقادات اور معتقدات کے شاعر تھے۔ اس لیے انھوں نے وہی طرزِ اظہار اپنایا جس کے ذریعے اُن کے معتقدات کا بخوبی ابلاغ ہوسکتا تھا۔ اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ وہ اپنے معتقدات کو شعری تجربہ بنانے میں کامیاب رہے۔ ''جنگ نامۂ اسلام'' اور ''ارمغانِ نعت'' اُن کے دینی جذبے کا اظہار ہیں۔ ''حدیثِ درد''، ''جہادنامہ پاک'' اور ''درسِ بیداری'' اُن کے قومی اور ملی جذبے کی عکاس منظومات کے مجموعے ہیں۔ ''کیفِ دوام'' اور ''سوزِ ناتمام'' اُن کی اردو اور فارسی غزلیات پر مشتمل مجموعہ ہائے کلام ہیں۔

''جنگ نامۂ اسلام'' منظور حسین منظور کی سب سے اہم شعری تصنیف ہے۔ یہ طویل رزمیہ مثنوی تین جلدوں پر مشتمل ہے اس کے اشعار کی تعداد چار ہزار چھ سو اٹھاسی ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی عسکری تاریخ بالخصوص غزواتِ نبوی ﷺ کو ''جنگ نامۂ اسلام'' میں منظوم شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی بلند پایہ رزمیہ مثنوی ہے جس میں شاعر نے جملہ فنی لوازمات اور شعری محاسن کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ شاعر نے اس طویل نظم کے لیے ایک مترنم، رواں دواں اور بزمیہ بحر یعنی ہزج مثمن سالم کا انتخاب کیا ہے۔ حفیظ جالندھری کا ''شاہنامۂ اسلام'' حالؔی کی ''مسدسِ مدو جزرِ اسلام'' اور اقبالؔ کی مشہور نظمیں ''تصویرِ درد'' اور ''طلوعِ اسلام'' اسی بحر میں لکھی

گئی ہیں۔ اس بحر کی نغمگی اور غنائیت پڑھنے والے کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ یہاں اس دلچسپ اور معلومات افزا امر کا ذکر ناگزیر ہے کہ ہزج ایک بزمیہ بحر ہے جب کہ ''جنگ نامۂ اسلام'' کا موضوع رزمیہ ہے لیکن منظور ناموافق بحر کے باوجود اس کے بہترین شناور ثابت ہوئے ہیں اور نہایت مشاقی اور چابک دستی سے اس کی عدم موافقت پر غالب آئے ہیں۔

ملک منظور حسین منظور کی نعت نگاری کے حوالے سے ''جنگ نامۂ اسلام'' اور ''ارمغانِ عقیدت'' میں شامل کلام کا مطالعہ لازم ہے۔ بلاشبہ نعت نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے اظہارِ عقیدت کا ایک مؤثر اور دل نشیں ذریعہ ہے۔ باعثِ تکوینِ کائنات ﷺ کی ذات سے لے کر صفات تک اقوال سے لے کر اعمال تک شمائل سے لے کر مقائل تک زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو نعت کا موضوع نہ بنا ہو۔ صنفِ نعت کا دامن آپ ﷺ کی سیرت، معجزات، خطبات، غزوات، معمولات، معاملات، عادات اور تعلیمات تک پھیلا ہوا ہے۔

ملک منظور حسین منظور کی لکھی نعتوں کا اہم موضوع حضورِ اکرم ﷺ کے غزوات رہا ہے، تاہم انھوں نے نعت کے دوسرے پہلوؤں کو بھی مرکزِ توجہ بنایا ہے۔

اردو شاعری میں مولود ناموں، نورناموں، معجزات ناموں، غزوات ناموں، شمائل ناموں اور وفات ناموں میں جزوی طور پر حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت کے بیان کی قابلِ قدر روایت موجود رہی ہے۔ منظور کا ''جنگ نامۂ اسلام'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں غزوات کی تاریخ کے تناظر میں حضور ﷺ کی سیرت اور طرزِ عمل کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ منظور کی اس تصنیف کی نمایاں خوبی صحت واقعات اور حقیقت بیانی ہے۔ ''جنگ نامۂ اسلام'' جلد اوّل کے دیباچے میں وہ خود لکھتے ہیں:

> دورانِ تصنیف میں نے اسلامی تاریخ کے جملہ معتبر مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔ (ص۵۳)

''جنگ نامۂ اسلام'' غزواتِ نبوی ﷺ پر مشتمل مکمل منظوم داستانِ رزم ہے۔ اس کا مطالعہ بتاتا ہے کہ شاعر حضور ﷺ کی یاد اپنے قلب اور قلم کے ہمراہ ہر وقت موجود پاتا ہے۔ چناں چہ وہ عشقِ رسول ﷺ کی مختلف کیفیات کو بڑی روانی اور آسانی سے شعری قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ طویل مثنوی ایک طویل نعت ہے ڈاکٹر ریاض مجید اس مثنوی کو بجا طور پر نعتیہ ادب میں شمار کرتے ہیں اور اس رائے کا اظہار کرنا ضروری خیال فرماتے ہیں کہ:

> عصرِ حاضر میں نعت کے خوب صورت مجموعے شائع ہوئے۔ ذیل میں ان

معروف نعتیہ کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے جس سے کسی حد تک
نعتیہ ادب کی تیز رفتاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ فہرست معروف نعت گو
حفیظ تائب نے مرتب کی ہے اسی زمرے میں منظور حسین منظور کا ''جنگ
نامۂ اسلام'' بھی آتا ہے۔

(ڈاکٹر ریاض مجید ''اردو میں نعت گوئی'' ص۵۳۴۔۵۳۵)

''جنگ نامۂ اسلام'' میں سیکڑوں بلند پایہ اور پُر تاثیر نعتیہ اشعار موجود ہیں جس سے نہ صرف قاری کے جذباتِ عقیدت تسکین پاتے ہیں بلکہ اس پر تدبر و تفکر کے بھی نئے در وا ہوتے ہیں۔ درج ذیل اشعار ''جنگ نامۂ اسلام'' جلد اوّل کے آغاز میں مرقوم نظم ''ساقی نامۂ اسلام'' سے ماخوذ ہیں۔ شاعر نظم کے اس آغاز کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''ساقی نامۂ اسلام'' کے زیرِ عنوان صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے اور
خمستانِ یثرب کی بے لوث صہبائے اخوت سے جملہ فرزندانِ توحید کو حقیقی
معنوں میں سرشار ہونے کی پُرزور دعوت دی گئی ہے۔

(''جنگ نامۂ اسلام'' جلد اوّل، ص۴۵)

اشعار ملاحظہ فرمایئے:

ہاں وہی دشتِ عرب کا اک یتیم ہاشمی ﷺ
غیب سے سیکھا تھا جس نے شیوۂ ساقی گری
جس نے بچپن میں نہ دیکھے تھے کوئی ناز و نعم
وادیٔ بطحا نے چومے بارہا جس کے قدم
اونٹنی کا دودھ بچپن میں پیا کرتا تھا جو
دھوپ کی شدت میں چوپانی کیا کرتا تھا جو
جس کے دل میں شوقِ دنیا تھا نہ حبِ جاہ تھی
گوشۂ غارِ حرا جس کی ریاضت گاہ تھی
جس کے ان اوصاف سے خوش ہوگیا ربِّ جلیل
مل گئی اک روز آخر جس کو میراثِ خلیل

''جنگ نامۂ اسلام'' میں ''رسولِ اکرم ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ'' کی ذیلی سرخی کے تحت

جو اشعار درج ہیں ان میں سے صرف دو نعتیہ شعر دیکھیے :

فقط وہ ملہم ازلی حقیقت دانِ اُو ادنیٰ
کہ جس کی تفسیر ہے اک آدم الاسما
اُسی ﷺ کی ذات کو اک علم تھا ساری حقیقت سے
کہ مخفی یہ نہ رہ سکتی تھی اعجازِ نبوت ﷺ سے

ان شعروں کے پہلے مصرع میں پارہ پندرہ کی آیت ''**فکان قاب قوسین او ادنی**'' اور دوسرے مصرع میں پہلے پارہ کی آیت ''**و علم آدم الاسماء**'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں اس علمِ لدنی کی طرف استدلال کیا گیا ہے جو عالمِ ملکوت پر فضیلتِ آدم ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے حضرت آدمؑ کو ودیعت ہوا اور اس کی تکمیل رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ہوئی۔ ان اشعار سے مترشح ہے کہ چشمِ نبوت جو کچھ دیکھ سکتی ہے عام نگاہیں وہاں نہیں پہنچ سکتیں۔ حضور ﷺ نے نگاہِ نبوت سے یہ دیکھ لیا تھا کہ کفارِ مکہ مدینہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔

مہاجر اور انصار ایک دوسرے سے بڑھ کر حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی قدر سے محبت کرتے تھے۔ انصار کی جانب سے حضرت ابنِ معاذؓ کفار سے متوقع جنگ کی صورت میں اپنی وفاداری کا یقین ان الفاظ میں دلاتے ہیں۔

خدا کے بعد ہر اک سے تجھے ﷺ برتر سمجھتے ہیں
رضا تیری رضائے خالقِ اکبر سمجھتے ہیں
دلوں سے شکر کرتے ہیں اُسی کی مہربانی کا
کہ بخشا ہے شرف جس نے ہمیں تری غلامی کا

☆

گدائی سے تری ایسا ملا ہے فیضِ روحانی
نہیں جچتی نظر میں شوکتِ تاج جہاں بانی

میدانِ بدر میں جب ممدوحِ کائنات ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ داخل ہوئے۔ حضور ﷺ کے ورودِ مسعود نے وادیٔ بدر کی شان بڑھائی اور اسے رفعتیں عطا کیں۔ اس حوالے سے ''جنگ

نامۂ اسلام‘‘ کے یہ شعر قابلِ توجہ ہیں:

خوشی کے جوش سے اِترا رہی تھی بدر کی وادی
فروکش جس کے دامن میں ہوا اسلام کا ہادی ﷺ
قدم بوسی کو جس کی عرشِ اعظم بھی ترستا تھا
وہی ابرِ کرم اس خاک پر اس دم برستا تھا
فرازِ دشت پر اک جھونپڑے کی پھر بنا ڈالی
ہوا ضو ریز جس کے فرش پر کونین کا والی ﷺ

نعت کا سب سے بڑا مآخذ قرآنِ کریم ہے کیوں کہ حضورِ نبی اکرم ﷺ کا سب سے بڑا وصف خود خالقِ کائنات ہے۔ اس لیے ایک نعت گو شاعر کو قرآنِ حکیم کا گہرائی اور یکسوئی سے مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ قرآنِ مجید کے مشن سے واضح طور پر رہنمائی حاصل کرکے اسے شعر کے پیکر میں ڈھال سکے۔ رسولِ اکرم ﷺ پر کفار کی سنگ باری کے حوالے سے ان نعتیہ اشعار میں قرآنِ حکیم کے متن کی روشنی ملاحظہ ہو:

وہی عالم کی زینت مظہر نورِ خدا چہرہ
وہی شمس الضحیٰ چہرہ وہی بدرالدجیٰ چہرہ
جسے حور و ملائک دیکھ کر مسرور ہوتے تھے
ضیا سے جس کی دُکھ انسانیت کے دُور ہوتے تھے

حضورِ اکرم ﷺ دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ آپ ﷺ کی رحمتوں اور شفقتوں کا سایہ دونوں عالمین کو محیط ہے۔ تمام نعت گو شعرا نے حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کو نعت کا موضوع بنایا۔ منظور نے بھی اس طویل مثنوی میں بعض مقامات پر اس کو موضوع بنایا ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ جنگِ خندق میں ابنِ قیمیہ نے حضورِ اکرم ﷺ پر حملہ کیا اس موقع کی عکاسی شاعر نے ان نعتیہ اشعار میں کی ہے:

دُرِ دنداں شکستہ تھے لہو زخموں سے بہتا تھا
مگر وہ محسنِ نوعِ بشر ﷺ پھر بھی یہ کہتا تھا
عطا کر زیورِ انسانیت ان چیرہ دستوں کو
دکھا دے حق کا رستہ فضل سے باطل پرستوں کو

D:NaatRang-17
File: 2-Ghafoor
Final

حلقۂ تدریس کے طالبانِ حق (اصحابِ صفّہ) کے عنوان سے ''جنگ نامۂ اسلام'' جلد سوم میں درج اشعار کا نعتیہ آہنگ ملاحظہ فرمائیے:

اِدھر قرآنِ ناطق آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی
اُدھر نطقِ مبارک سے عیاں وہ خوش کلامی تھی
کہ خلقت خود کھنچی آتی تھی دامانِ مدینہ میں
کشش کچھ اس طرح کی تھی دبستانِ مدینہ میں

ملک منظور حسین منظور کے قلب میں عشقِ رسول ﷺ کا چراغ روشن تھا۔ اُس نے اُن کی نعتیہ شاعری کو چاندنی کا مزاج عطا کر دیا۔ اُن کے نعتیہ کلام کی ملائمت، مٹھاس، وسعت اور کشادگی یہ سب عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی برکات ہیں۔ اسی مثنوی سے یہ دو نعتیہ اشعار بھی دیکھیے:

پکڑ رکھا ہے جس نے دامنِ دینِ محمد ﷺ کو
عمل اپنا بنا رکھا ہے آئینِ محمد ﷺ کو

☆

وہ حق کے راستے سے دُور جاسکتا نہیں ہرگز
کہ خوفِ ماسوا دل میں وہ لا سکتا نہیں ہرگز

''جنگ نامۂ اسلام'' صنفِ نعت کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے ایک طویل اور مسلسل نعت ہے۔ کیوں کہ جب لفظ و خیال میں ذکرِ رسول ﷺ کی خوش بو شامل ہوجاتی ہے تو تخلیقِ نعت کے دائرے میں داخل ہوجاتی ہے۔ اس مثنوی کا ہر شعر اور شعر کا ہر مصرع نبی اکرم ﷺ کی محبت و عقیدت کے جذبات سے معمور ہے۔

منظور کے اردو اور فارسی کلام میں عشقِ رسول ﷺ کئی زاویوں سے نہایت عمدگی سے اظہار پاتا ہے۔ اُن کا نعتیہ مجموعہ ''ارمغانِ عقیدت'' ۱۹۷۰ء میں گوجرانوالہ سے چھپا۔ اس مجموعے میں اردو کے ساتھ ساتھ اُن کا فارسی کلام بھی شامل ہے۔ اس مجموعے کا اردو پیش لفظ ڈاکٹر محمد باقر اور فارسی ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی نے تحریر فرمایا۔ اس کے حصہ اردو میں سینتیس اور حصہ فارسی میں چودہ نعتیں شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد باقر ''پیش گفتار'' کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے منظور حسین منظور کو اپنے فضل و کرم سے اس طرح نوازا ہے کہ وہ ایک قادرالکلام شاعر اور ماہر فن کار ہیں اور ان دو خوبیوں کے

ساتھ وہ مخلص دل رکھتے ہیں جو سر تا سر عقیدتِ خواجہ کونین ﷺ سے لبریز ہے۔　　　(''ارمغانِ عقیدت'' ص ۷)

منظور نے ''ارمغانِ عقیدت'' کو جناب ختمی المرتبت حضور سرورِ کائنات ﷺ کے نامِ نامی سے منسوب کرتے ہوئے انتساب زیرِ عنوان لکھا ہے:

وجۂ نمود خلق ظہورِ محمد ﷺ است　　　تزئینِ کائنات ز نورِ محمد ﷺ است

ایں ہدیۂ عقیدت ناچیز و نا کسے　　　باصد نیازِ دل بحضورِ محمد ﷺ است

وجۂ تخلیقِ کائنات کے حضور یہ تحفۂ عجز و انکسار یعنی ''ارمغانِ عقیدت'' منظور کے سرورِ کائنات ﷺ سے گہری عقیدت اور قلبی ارادت کا اظہار ہے۔

منظور نے نعت میں خصوصاً قرآنِ مجید کے اسمائے صفات کو ماخذ کے طور پر بہت استعمال کیا ہے۔ ''ارمغانِ عقیدت'' میں مرقوم پہلی نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

شبِ معراج سبحان الذی اسریٰ کے پردے میں　　　سرِ عرشِ بریں زینت وہ ارض و سما تم ﷺ ہو

ہوئے جن کی ضیا سے بالیقیں چودہ طبق روشن　　　وہی بدرالدجیٰ تم ہو وہی شمس الضحیٰ تم ﷺ ہو

قرآنِ پاک کے علاوہ بہت سی احادیث کے زیرِ اثر بھی منظور نے نعتیں کہی ہیں ان میں سے چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔ اس شعر میں ایک حدیثِ نبوی ﷺ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ردا الفقر فخری کی لیے دوشِ مبارک پر
شہنشاہوں کے آقا دوجہاں ﷺ کے پیشوا آئے

ایک اور حدیثِ مبارکہ کے ملک منظور نے بکثرت حوالے اپنے نعتیہ اشعار میں دیے ہیں، یہاں دو صرف اشعار درج کیے جا رہے ہیں:

شۂ لولاک ﷺ ہو محبوبِ ربّ دوجہاں تم ﷺ ہو
متاعِ دردِ اُلفت کے ازل سے پاسباں تم ﷺ ہو
تمھاری شان کے شاہد ہیں معنیٔ لولاک
قبائے فقر میں سردارِ دوجہاں تم ﷺ ہو

اس شعر میں ایک اور حدیث کا حوالہ ملاحظہ ہو:

وہ رحمت جس کا وعدہ ہو چکا، الطالح لی میں
زہے بختِ رسا اُس کے سزاواروں میں ہوں میں بھی

منظور کی نعت پر علامہ اقبالؔ اور ظفر علی خان کے رنگِ نعت کے اثرات موجود ہیں۔ درج ذیل اشعار کے مطالعے سے واضح ہوجائے گا کہ ان دونوں نعتوں کا مجموعی آہنگ اور فضا ظفر علی خان کی نعتوں کے زیرِ اثر تشکیل پذیر ہوئی ہے۔

تخلیقِ کائنات پہ لولاک ﷺ ہے گواہ سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ بھی آپ ﷺ ہیں

☆

بزمِ جہاں میں شمع فروزاں تمھیں ﷺ تو ہو حسنِ ازل کا نورِ درخشاں تمھیں ﷺ تو ہو

درج ذیل نعت کی زمین، لہجے تلمیحاتی اور استعاراتی نظام سارے کا سارا اقبالؔ سے مستعار ہے۔ آشوبِ عصر کی جھلک بھی اس نعت کے ہر شعر سے نمایاں ہے۔ اس کے چند شعر دیکھ لیجیے:

کبھی اے صبا جو گزر ترا ہو دیارِ میر حجاز ﷺ سے
تُو پیام میرا یہ عرض کر تُو ادائے عجز و نیاز سے
کہ وہ سوزِ درد وہ سازِ دل وہ گدازِ جاں وہ گدازِ دل
جو عطا ہوا تھا ہمیں کبھی ترے لطفِ بندہ نواز سے
وہی سوزِ عشق افروز تھا کہ جو بن کے درد کی چاشنی
دلِ غزنوی کو دلا گیا تب و تاب زلفِ ایاز سے
مگر حیف منزلِ زیست میں مرا کاروانِ حیات اب
رہِ رفتگاں سے بھٹک گیا ہے فنونِ حسنِ مجاز سے
نہ قیام میں نہ قعود میں نہ رکوع میں نہ سجود میں
وہ سُرور وکیف کہ تھا عیاں تیرے عاشقوں کی نماز سے

گناہوں کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو حضورِ اکرم ﷺ نے صراطِ مستقیم پر ڈال دیا۔ نبی کریم ﷺ کے ہمہ گیر انقلاب کی بازگشت منظور کی نعت میں سنی جاسکتی ہے:

سبق دے کر زمانے کو محبت کا اخوت کا منظّم کر دیا عالم کے اوراقِ پریشاں کو
غریبوں بے نواؤں کا سہارا بن کے عالم میں کیا آ کر رفو انسانیت کے چاکِ داماں کو
نسیمِ رحمتِ حق نے تمھارے ہی اشارے سے گلستاں کردیا خاکِ عرب کے دشتِ ویراں کو

موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر میں نعت گوئی کے اسالیب اور ہیئتوں

میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ قصیدہ و مثنوی کی بجائے غزل اس دور کی مقبول ہیئت ہے۔ اب ترجیع و ترکیبِ بند مخمس اور رُباعی عام مستعمل ہیں۔ منظور نے بھی ''ارمغانِ نعت'' میں ہیئت کے دو کامیاب تجربے کیے ہیں۔ مخمس کی جدید تجرباتی شکل میں لکھی منظور کی ایک نعت کے کچھ شعر دیکھیے ۔ یہ شاعر کا ذاتی اور انفرادی تجربہ ہے:

محمدﷺ سرورِ کون و مکاں ہے   محمدﷺ رازدانِ کن فکاں ہے
محمدﷺ دست گیرِ بے کساں ہے   محمدﷺ محسنِ اہلِ جہاں ہے
محمدﷺ رحمتِ حق کا نشاں ہے

اُس نے نقشِ باطل کو مٹایا   اُس نے راستہ حق کا دکھایا
رہینِ دردِ دل اس کا جہاں ہے   بشر کو خوابِ غفلت سے جگایا
محمدﷺ رحمتِ حق کا نشاں ہے

منظور کے نعتیہ اشعار میں اسوۂ رسول ﷺ کے زرّیں نقوش ملتے ہیں۔ ان کی نعت میں استغاثہ و استمدادطلبی کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ جن میں شاعر نے آپ ﷺ کے حضور فریاد اور التجا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمتِ محمدی ﷺ کو صراطِ مستقیم کی طرف مراجعت کی توفیق اور شعور عطا فرمائے۔

کرم اے مصدرِ انوارِ رحمت نیّرِ یثرب
تری چشمِ عنایت کے طلب گاروں میں ہوں میں بھی
مدد اے حامئ درماندگانِ عرصۂ گیتی
رہِ دُشوار منزل کے گراں باروں میں ہوں میں بھی

اور یہ فارسی شعر بھی ملاحظہ ہو:

برائے کشتئ بے چارگاں از اُمتِ عاصی
بطوفانِ حوادث خود کفیل و ناخدا ہستی

نبی اکرم ﷺ ختمی مرتبت کے اوصافِ جمیلہ اور کمالاتِ حمیدہ کے حوالے منظور کے نعتیہ کلام میں بکثرت ملتے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

تمھارے خلق نے دنیائے دل تسخیر کر ڈالی
کہ دشمن پر بھی ازراہِ مروّت مہرباں تم ہو

محسنِ انسانیت ﷺ کی شانِ رفعت کے بارے میں یہ دو شعر بھی دیکھیے:

وہی ختم المرسلیں ﷺ تم ہو وہ فخر الانبیا تم ہو ابد تک ناز ہے جس پر رسالت کو نبوت کو

☆

نبوت ﷺ ختم ہے جن پر وہ ختم الانبیا آئے امام المرسلین ﷺ کی شان میں جلوہ نما ہوکر

منظور نے سیرتِ طیبہ ﷺ کے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک گوشہ کو موضوعِ نعت بنانے کی کوشش کی ہے۔ آپ ﷺ کے شمائل و خصائل کا بیان ملاحظہ ہو:

تمھارے حسن کے چرچے زمینوں آسمانوں میں
نہ ہو کیوں حسنِ یوسفؑ بھی تمھارے مدح خوانوں میں

☆

تمھارے حسنِ عالم گیر کا اعجاز تھا جس نے
بدل ڈالا عداوت کو محبت کے ترانوں میں

ہر سچے عاشقِ رسول ﷺ کی طرح منظور کی نعت میں بھی دیارِ حضور ﷺ میں جا کر دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری کی خواہش کا اظہار جابجا ملتا ہے۔ یہی وہ قریۂ اماں ہے جو آلامِ زمانہ کی یورش میں انسان کے لیے واحد پناہ گاہ ہے۔ بطورِ نمونہ یہ شعر پڑھ لیجیے:

دیدارِ مدینہ سے ہو منظور مشرف
سرکارِ مدینہ سے یہی اُس کی دعا ہے

اور فارسی زبان میں لکھا یہ شعر بھی قابلِ توجہ ہے:

بصیرت را ہم از راہِ بصارت تیز تر سازم
کہ در چشمانم از خاکِ مدینہ توتیا دارم

منظور کا کلام ایسے ہی بلند پایہ اور پُر تاثیر نعتیہ اشعار سے معمور ہے جس سے نہ صرف قاری اپنے روحانی جذبات کی تسکین کرتا ہے بلکہ اس پر فکر کے نئے در بھی وا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ منظور کی نعت کے مجموعی جائزہ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اُن کی بیشتر نعتیں رنگِ قدیم کی حامل ہیں لیکن اُن کی بعض نعتوں میں رنگِ جدید اور آشوبِ عصر کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں نے نعت گوئی میں قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اُن کی کئی نعتیں فکری و فنی محاسن، اخلاقِ حسنہ اور سراپا رسول ﷺ کا حسین و جمیل مرقع ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ

کی عظمت اور رفعتوں کے عکاس واقعۂ معراج کا ان کی لکھی نعتوں میں جابجا حوالہ ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے پیش رو نعت گو شعرا کے اثرات بھی قبول کیے ہیں۔ مختصر یہ کہ صنفِ نعت کا کوئی مؤرّخ اور نقاد نعتیہ ادب کے حوالے سے ملک منظور حسین منظور کی مساعی کو کسی صورت نظرانداز نہیں کرسکتا۔ وہ حضور ﷺ کے سچے چاہنے والوں میں تھے اور یقیناً یہ بڑے اعزاز اور افتخار کی بات ہے۔ منظور کے اس شعر پر اس تحریر کا اختتام احسن سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے:

عیاں ہے بے گماں تجھ پر مری بے مائیگی لیکن
تری جنسِ محبت کے خریداروں میں ہوں میں بھی

D:NaatRang-17
File: 2-Ghafoor
Final

شاہ مصباح الدین شکیل۔ کراچی

شاعرِ جہاد... رحمان کیانی

(قومی اور نعتیہ شاعری... تعارف اور جائزہ)

منصۂ شہود سے جب رحمان کیانی روپوش ہوگئے (تاریخ وفات ۲۷؍فروری ۱۹۹۰ء تدفین لاہور) تو بڑی شدت سے احساس ہوا کہ ایک منفرد لب و لہجے، انوکھی آن بان اور جارحانہ طرز وفکر کا قادرالکلام شاعر جس نے رزم اور جہاد کو مستقل موضوعِ سخن قرار دیا ہمارے درمیان سے اُٹھ گیا۔ اب جو وہ ہم سے چھن گئے تو قدر نعمت بعد از زوال کے مصداق ''پلکوں کے چراغ'' بن گئے۔ خیال آیا صاحب سیف وقلم کا لقب جس طرح ان کی قامت کو زیب دیتا تھا شاید ہی اب کسی اور پر موزوں ہو۔ تحت اللفظ میں ان کا مجاہدانہ اندازِ سخن، ایسا کہ:

مصرع زبان پہ آتا ہے زورِ کلام سے
تلوار کی طرح سے نکل کر نیام سے

الفاظ کے دروبست، زیر و بم پر وہ قدرت کہ ہنرمندانہ چابک دستی سے بزم میں رزم کا نقشہ کھینچ کے رکھ دیں۔ عہدِ حاضر کی تباہ کن جنگیں جو ٹینکوں اور طیاروں سے لڑی جاتی ہیں ان کا آنکھوں دیکھا حال ہی نہیں بلکہ ذاتی مشاہدہ بھی شعر کی زبان میں بول اُٹھتا ہے۔ یہ رزمیہ شاعری اردو ادب کو رحمان کیانی کی دین ہے۔ ہر چند انیس و دبیر کے عظیم مرثیوں میں میدان جنگ کے بڑے موثر معرکے ہیں لیکن یہ ضمناً ہیں۔ مستقل موضوع نہیں۔ رزمیہ شاعری کا مقصد دلوں کو گرمانا رگوں میں لہو کی گردش تیز کرنا اور اعلیٰ مقاصد کی خاطر نذرانۂ جاں وتن پیش کرنا ہے نیز سپاہیوں اورلوگوں میں سرفروشی اور شہادت کی تمنا بیدار کرنا ہے۔

علامہ اقبال نے اِسے نیا آہنگ اور جذبہ عطا کیا۔ قومی شاعری میں رزمیہ انداز بیان کی اوّلیت کا سہرا اقبال کے سر پر سجتا ہے۔ ''شاہنامۂ اسلام'' میں حفیظ جالندھری نے رزمیہ شاعری

کو کمال پر پہنچایا۔ مغازیٔ رسول اللہ ﷺ پر ان کی موثر شاعری میدان جنگ کو نظروں کے سامنے کر دیتی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی سترہ روزہ پاک بھارت جنگ نے ہمارے شاعروں کو اس موضوع کی طرف متوجہ کیا۔ ولولہ انگیز گیتوں، ترانوں اور نظموں نے ہر پاکستانی کے دل میں جذبۂ جہاد کو بیدار کر دیا، محشر بدایونی کا مرتبہ رزمیہ نظموں کا مجموعہ ''جاگ رہا ہے پاکستان'' اس کا گواہ ہے۔ اس جنگ نے پاکستان کو دو عظیم تحفے دیے۔ ایک قومی تشخص کا احساس دوسرا تحفہ رحمان کیانی کی شاعری جو اسلام، نظریۂ پاکستان اور قومی امنگوں کی آئینہ دار ہے۔

معرکۂ چھمب و جوڑیاں میں ٹینکوں کی لڑائی کی منظر کشی میں الفاظ و معانی کا در و بست دیکھیے:

آئی الٹ کے ٹینک، بڑھی توپ کی طرف
اس مورچے کو توڑ کے پلٹی ادھر کی صف
بکھریں ادھر صفیں تو بنائے ہوئے ہدف
ان موذیوں کی سمت بڑھی فوج سربکف
جو مورچوں کو چھوڑ کے گھاٹی میں چھپ گئے
سانپوں کی طرح بھاگ کے بانبی میں چھپ گئے
جب گھاٹیوں میں جا کے پڑی گولیوں کی باڑھ
ایسا لگا پہاڑ پہ بھونا کسی نے بھاڑ
راکٹ کی چیخ، بم کی دھمک، توپ کی دہاڑ
لرزا چڑھا زمین کو شق ہوگئے پہاڑ
پتھراڑے ہوا میں، چٹانیں درک گئیں
راہوں کو اپنی چھوڑ کے ندیاں سرک گئیں

(سیف و قلم)

فضائی جنگ کی نقشہ کشی اردو شاعری میں رحمان کیانی کا انمول اضافہ ہے۔ الفاظ کا زیر و بم، جذبہ کی ترجمانی اور بحر کی روانی کس کس ہنر کی داد دیجیے۔ یہ منظر کشی تخیلی نہیں بلکہ عملی ہے۔ وہ پاک فضائیہ میں اسلحہ ساز افسر تھے۔

ہم نے دیکھا جو نیلی فضا کی طرف دور پیڑیوں کی چوٹی سے اوپر ذرا

چھ جہازوں کا بیڑا بڑی شان سے آرہا ہے جھپٹے میں بڑھتا ہوا
خاص جنگی جہازوں کے انداز میں نیچا ہوتا ہوا اپنی پرواز میں
گولیاں جیسے جاڑوں کی برسات میں تڑتڑاتے ہوئے خشک اولے گریں
دونگڑوں میں زمیں پر برستی ہوئی تیز جھونکوں میں جس طرح بوندیں گریں
گر کے دھنستی ہوئی اور پھٹتی ہوئی یا اچٹ کر فضا میں چٹختی ہوئی
چاند تارے زمیں پر بناتی ہوئی خشک مٹی سے لو کے اٹھاتی ہوئی
اور دھرتی کے سینے پہ گرتے ہوئے تیز پھٹتے ہوئے راکٹوں کی دھمک
چوب پڑتے ہی اٹھتی ہے جس طرح سے اک بڑے ڈھول سے وحشیانہ گمک

☆

نیچے اوپر اٹھا، دائیں بائیں مڑا جان اپنی بچانے کو سب کچھ کیا
پھر بھی پیچھا نہ چھوٹا کسی طرح سے جھک کے پیڑوں کی چوٹی تلک آگیا
اور یکدم ہوا سے عموداً اُٹھا اپنی دانست میں داؤں پھر دے گیا
لیکن اپنے ہواباز کچے نہ تھے شست باندھے ہوئے اس کے پیچھے چلے
عین اس وقت اپنے جہازوں سے اک تلملاتا ہوا سا شرارہ چلا
آن واحد میں جس نے لپکتے ہوئے اپنے دشمن کو بھرپور چرکا دیا
اک دھماکا ہوا ایک شعلہ اُٹھا اور دشمن فضاؤں میں جلتا ہوا
آگ نیلی فضا میں لگاتا ہوا نیچے گرنے لگا ڈگمگاتا ہوا

(شاہیں بچے)

اے پاک فضاؤں کے جواں سال عقابو!
میں بھی ہوں اسی فوج کا دیرینہ سپاہی دیتا ہوں دعا تم کو کہ تا حشر الٰہی
قائم رہے، دائم رہے، یہ طرفہ کلاہی حاصل رہے تم کو یہی افلاک کی شاہی

معرکہ ستمبر سے پہلے رحمان کیانی غالب کے پرستار تھے۔ ان کی شعرگوئی کی ابتدا ۱۹۳۸ء سے ہوئی ہے۔ ترقی پسند تحریک سے اس درجہ متاثر تھے کہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو کامریڈ کہا کرتے تھے۔ ان کی بھابی طیبہ محسن کا بیان ہے کہ بارہ بنکی میں مجروح سلطان پوری کے ساتھ شاعری کی مشقیں ہوتی تھیں۔ سرور اور خمار بارہ بنکوی بھی شریک محفل ہوتے۔ اس سے

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

پہلے کہ ہم ان کی ماہیت قلب اور نعتیہ اور جہادی شاعری کا جائزہ لیں ان کے کچھ ذاتی کوائف درج کرتے ہیں تاکہ ان کے ذہن کو سمجھنے میں مدد ملے۔

عبدالرحمان کیانی یو۔پی (موجودہ اتر پردیش) کے موضع منڈیاؤں چھاؤنی لکھنؤ میں ۲۹؍محرم ۱۳۴۳ء۔ مطابق ۳۰؍اگست ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ نسلی تعلق پوٹھوار میں رہنے والے کیانی قبیلے سے تھا۔ والد کا اسمِ گرامی حافظ محمد عبدالحق تھا جو فرنگی محل اور ندوۃ العلما لکھنؤ کے فارغ التحصیل تھے۔ وہ تحریک خلافت اور تحریک پاکستان کے پرجوش حامی تھے۔ رحمان کیانی نے عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد سے قصبہ صفی پور ضلع اناؤ کے مدرسے میں پائی۔ تکمیل لکھنؤ جاکر فرنگی محل میں کی۔ مروّجہ تعلیم بھوپال کے برجیسیہ مڈل اسکول اور امیرالدولہ اسلامیہ کالج لکھنؤ میں حاصل کی جہاں سے میٹرک کیا۔ ان ہی دنوں مطالعہ کا شوق بھی بڑھ گیا۔ ۱۹۳۹ء میں ان کا تعلق مسلم لیگ، نیشنل گارڈ، خاکسار تحریک اور ترقی پسند مصنفین سے ہوا۔ اسی دور میں شاعری کا چسکا پڑا۔ لکھنؤ کے روایتی ماحول میں لڈن صاحب بہار کے شاگرد ہوئے۔ مجروح سلطان پوری، عابد حشری اور سیّد علی مظہر رضوی جیسے ترقی پسند شعرا کی ادبی نشستوں میں بیٹھنے لگے ایک مکمل اور باضابطہ دینی ماحول میں پرورش کی بنا پر ذہن ترقی پسند تحریک کے خوب و ناخوب میں تمیز کرنے لگا۔ والدین نے ذہنی انتشار کے مدِّنظر (۱۸) کی عمر میں شادی کردی۔ ۱۹۴۳ء میں انڈین رائل ایئرفورس میں آرمرر (اسلحہ ساز) ہوئے اور ٹیکنیکل تعلیم و تربیت حاصل کی۔ تین سال برصغیر کے علاوہ برما، ملایا، انڈونیشیا، فلپائن، ایران، عراق اور عدن میں ڈیوٹی انجام دیتے رہے۔ دوسری جنگ عظیم (۴۵۔۱۹۳۹ء) کے اختتام پر تخفیف میں سبکدوش ہوئے۔ ایک نجی ادارے ''پلائی وڈ پروڈکٹس'' سیتاپور میں بحیثیت سیلز مین شامل ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کی ابتدا میں اس ادارے کی لاہور برانچ کے مینیجر بنائے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ ادارہ بند ہوگیا۔ چند ماہ انشورنس ایجنٹ بھی رہے۔ پھر لائل پور کی چنیوٹی برداری کی ایک فرم میں کام کیا۔ ۱۹۴۸ء میں کراچی آئے۔ والدین اور دو بھائی بھی ہجرت کرکے آگئے۔ حالات نے گڑھی یاسین (نزد شکارپور) کے پاور ہاؤس میں کلرکی قبول کرنے پر مجبور کردیا۔ ان ہی دنوں وزیرِاعظم نواب زادہ لیاقت علی خان نے اپیل کی کہ سابق فوجی ملک کے دفاع کے لیے پچھلی آسامیوں پر ہی رجوع ہوں۔ اس طرح ۱۹۴۹ء میں پاکستان ایئرفورس کے آرمامنٹ انجینئرنگ کے شعبہ میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۵۳ء میں ٹیکنیکل ڈپلوما حاصل کیا۔ ۱۹۵۸ء میں ایئرفورس یونیورسٹی امریکا سے ارمامنٹ ٹیکنالوجی کی سند حاصل کی۔ ۲۵؍سالہ

ملازمت میں کوئی بارہ سال ''اسکول آف ایروناٹیکل انجینئرنگ'' میں پڑھاتے یا امتحانی بورڈ کے ممبر کی حیثیت میں گزارے۔ ۱۲رجون ۱۹۷۴ء کو بحیثیت ماسٹر وارنٹ آفیسر ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۵۸ء تک فوج کی ملازمت کے باوجود ذہنی وابستگی ترقی پسند مصنّفین سے رہی۔ پولینڈ، رومانیہ، ہنگری میں روسی افواج کے جبر و استبداد نے سوچ کے دھارے بدل دیے۔ ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کی فیلڈ مارشل ایوب خان کی مدح سرائی اور سرمایہ داروں سے خفیہ گہرے روابط نے اس تحریک کے کارکنوں کا کھوکھلا پن ظاہر کردیا۔ ۱۹۶۴ء تک ان ہی باتوں پر غور کرتے رہے۔ فوجی ملازمت نے حزم و احتیاط کا حصار باندھ دیا تھا۔ اندر ہی اندر فکر اور جذبہ کی تہذیب ہوتی رہی۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں پاکستانی سپاہیوں نے جس جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر اسلامی نظریۂ حیات کی خاطر جان وتن کا نذرانہ پیش کیا اور شہادت کا تاج سروں پر سجایا اس نے شاعر کے ذہن سے تمام شکوک وشبہات مٹادے اور ان کا قبلہ درست کر دیا۔ قرآنی ارشادات نے ذہن کی گرہیں کھول دیں۔

> ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔
>
> (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۴)
>
> ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انھیں مردہ نہ سمجھو وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے رزق پارہے ہیں۔
>
> (سورہ آل عمران آیت ۱۶۹)

ابدی زندگی کی نوید نے عبدالرحمان کیانی کی رگوں میں لہو کی گردش کو جذبۂ جہاد سے گرما دیا۔ اسی پس منظر میں علامہ اقبال کا پیام ''شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن'' ذہن کو مزید صیقل کرگیا۔ وہ کہتے ہیں، ''بات ایقان و ایمان کی حدوں سے گزر کر بالآخر اعلان تک آپہنچی اور یہیں سے میری شاعری اور زندگی کا رخ مقرر ہوا۔'' (ایک ملاقات۔ زین المساکین)

ایک سال بعد چھ ستمبر ''یومِ دفاع'' کے طور پر سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر اعلیٰ پیمانے پر منایا گیا۔ گلڈ کے رائٹرز کلب نے بھی جشنِ یومِ دفاع منایا جس میں شاعروں، ادیبوں، مطربوں اور فن کاروں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ ڈھاکہ کے مارننگ نیوز کے ایڈیٹر جناب سیّد بدرالدین نے صدارت کی۔ اس میں پہلی بار ایک چالیس سالہ شاعر نے نظم پڑھنے سے پہلے

کہا۔ میں پاک فضائیہ میں کام کرتا ہوں آپ لوگوں کی خدمت میں کچھ عرض کیا ہے۔ تحت اللفظ میں نظم شروع کی۔

محترم شاعرو! مہرباں مطربو!　　بحر و بر اور فضاؤں کے خدّام کو
اپنے شعروں میں جس حسنِ اظہار سے　　اپنے گیتوں میں تم جس قدر پیار سے
یاد کرتے رہے، گیت گاتے رہے　　حوصلوں کو ہمارے بڑھاتے رہے
اس توجہ، عنایت، کرم کے لیے　　جوشِ آواز، زورِ قلم کے لیے
بحر و بر اور فضا کے سپاہی تمھیں　　اور کہنا بھی چاہیں تو کیا کہہ سکیں

شہریارانِ شہرِ سخن! شکریہ
کج کلاہانِ اقلیمِ فن! شکریہ

(سبحان اللہ۔ ممدوح اپنے مداحوں کو ان ہی کی زبان میں جواب دے رہا تھا)

شاعرو، مطربو، دوستو، ساتھیو
ہر سپاہی، ہوا باز، ملاح کو

لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کی قسم　　مسکراتی ہوئی، بستیوں کی قسم
مقبروں مدرسوں مسجدوں کی قسم　　اپنے اجداد کی عظمتوں کی قسم
باوفا چاند سی بیویوں کی قسم　　باحیا پھول سی بیٹیوں کی قسم
دستِ ہمشیر کی چوڑیوں کی قسم　　ماں کے سر، پاؤں کی جوتیوں کی قسم
ہم نے جو کچھ کیا اس وطن کے لیے　　چاند تاروں کی اس انجمن کے لیے
شاعرِ خوش بیاں، مطربِ باہنر　　ہر سپاہی ہواباز ملاح پر
مسلکاً فرض تھا مذہباً فرض تھا　　اپنی جاں قرض تھی اپنا سر قرض تھا
خوش بیاں شاعر و خوش نوا مطربو　　تم بھی شامل ہماری دعاؤں میں ہو
حق و انصاف کی ہر لڑائی میں ہم　　بحر و بر اور فضا کے سپاہی بہم
دین فطرت کی فتحِ مبیں کے لیے　　ملتِ پاک کی سرزمیں کے لیے
جاں دیتے رہیں سر کٹاتے رہیں　　ہم شہادت کے انعام پاتے رہیں
اور تم شاعرو، مطربو، دوستو!　　ملتِ پاک کی، ہر نئی نسل کو

کارنامے ہمارے سناتے رہو
گیت لکھتے رہو، گیت گاتے رہو

محفل دم بخود تھی۔ ایک سحر تھا کہ ہر سامع پر طاری تھا۔ دو چار دن بعد جمیل الدین عالؔی نے روزنامہ ''جنگ'' (کراچی) کے اپنے کالم میں لکھا، ''کیا آپ نے ایسی دل کش اور عجیب و غریب شاعری سنی ہے... نہیں معلوم تاریخ اس نظم کا کیا مقام متعین کرے گی جب میں سن رہا تھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ زبان کی یہ روانی، بیان کی پاکیزگی، خیال کی یہ وسعت یہ ہمہ جہتی اس امر کا ثبوت ہے کہ کہنے والے ذہن و روح میں اس کے وطن اور اہلِ وطن نے کبھی نہ اُکھڑنے والی جڑیں پکڑ لیں جن سے ایسے دلآویز اور خوش بودار شگوفے پھوٹ رہے ہیں... اپنے کارناموں کو اپنا فرض سمجھ کر ہماری مدح سرائی پر مجوب ہونا بڑی بات ہے۔'' اس نظم میں پاک فضائیہ کی بے خوف اور بلند پروازیں جھول رہی ہیں یہ نظم قومی سپاہی کے پورے وجود کی ترجماں ہے۔ اس نظم میں ہم سب عوام، دانش وروں، مطربوں اور فن کاروں کے دل ایک آہنگ کے ساتھ دھڑک رہے ہیں۔ اگر میں نصابی کمیٹی میں ''صاحبِ امر'' ہوتا تو اس نظم کو قومی نصاب میں ضرور شامل کرتا۔'' یوں لگتا ہے کہ عالی جی نے اس نظم ''حرف سپاس'' کا تعارف کراتے ہوئے خراجِ تحسین کا قلم توڑ دیا ہے۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۶۶ء تک کی ۲۸ رسالہ مشقِ سخن نے رحمان کیانی کو وہ شہرت عطا نہیں کی جو اس نظم ''حرفِ سپاس'' نے دی۔ شاعر ایک دن میں اہلِ پاکستان کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔

ایں سعادت بہ زور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

کسی کو کیا معلوم کہ اس ایک دن کی پشت پر رُبع صدی کی مشقِ سخن کا انبار ہے۔ ایک انٹرویو میں رحمان کیانی نے بتایا ''میں نے لکھنؤ میں ہوش سنبھالا جہاں تقریباً ہر پانچواں آدمی شاعر تھا۔ مشق سے شاعری میں ملکہ حاصل ہوگیا۔ فوجی ملازمت کی بنا پر اچھا مقرر ہونے کے باوجود اسے اظہارِ خیال کا ذریعہ نہ بنا سکا اور پھر تقریر کی زندگی صرف جلسہ گاہ تک ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت چند سالوں کے بعد ختم ہوجاتی ہے۔ شعر ایک دفعہ تخلیق ہونے کے بعد اگر مؤثر ہے تو صدیوں تک زندہ رہتا ہے۔ اسی لیے میں نے شاعری کو تقریر پر ترجیح دی۔ ۱۹۵۴ء سے مختلف رسالوں میں لکھتا آیا ہوں۔ میں اپنی شاعری میں متاثر ہوا ہوں انیس، غالب اور اقبال سے... ان کے علاوہ فارسی شاعری میں قآنی کے الفاظ کا آہنگ اور دروبست مجھے پسند ہے۔ انگریزی میں ملٹن اور عربی میں امراء القیس جیسے شعرا میرے پسندیدہ شاعر ہیں۔ میرے یہاں آپ کو شاعری

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

میں خطابت جو عرب شعرا کا طرۂ امتیاز ہے، الفاظ کا در و بست و آہنگ جسے میں نے قاآنی سے لیا ہے۔ غالبؔ سے آفاقیت، فکرِ اقبالؔ سے نظریۂ حیات اور انیسؔ سے فصاحت و بلاغت یہ تمام چیزیں لے کر اپنی شاعری میں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے اپنے لیے ایک منفرد لب و لہجہ اور اسلوب حاصل کرلیا ہے۔'' (ایک ملاقات... زین المساکین)

تصانیف کی تفصیل یوں ہے:

۱۔حرفِ سپاس ۱۹۶۶ء ۲۔سیف و قلم ۱۹۷۰ء

۳۔شرار سنگ ۱۹۷۳ء ۴۔شمشیر ضیاء بار ۱۹۷۶ء (نعتیہ مجموعہ)

۵۔ پلکوں کے چراغ ۱۹۷۶ء ۶۔شعلہ مشرق ۱۹۷۷ء

۷۔ اذاں (انتخاب) ۲۰۰۲ء (بعد از مرگ) مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن۔کراچی

اردو شاعری پر فارسی کے گہرے اثرات سے ادب کا کوئی طالب علم انکار نہیں کرسکتا۔ ابتدائی دور میں اکثر ایسی مثالیں ملتی بھی ہیں کہ فارسی شعر اردو قالب میں ڈھال لیا گیا۔جہاں تک نعتیہ شاعری کا تعلق ہے جامی، قدسی، سعدی اور رومی کا اندازِ فکر اور طرزِ بیاں سکۂ رائج الوقت رہا۔عشقِ مجازی لطیف تر ہوکر عشق نبیؐ کی صورت اختیار کرنے لگا۔سراپا اظہارِ خیال کا دل پسند موضوع بن گیا۔شعرا نے نازک خیالی اور نکتہ آفرینی سے سدابہار گل کھلائے محبوبِ مجازی کے بارے میں فکر کے جو روایتی زاویے تھے وہی نعت گوئی میں برقرار رکھے گئے۔شاعر کے تخیل کی رفعت کو قاری محسوس کرکے نکتہ آفرینی، تشبیہ، استعارے، شعری صنعتوں کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس پس منظر میں مولانا نورالدین جامی کی نعتیہ غزلیں جو کیف، سرور، سوز، گداز اور لطافت سے روح کو گرماتی ہیں اس کا تعلق عالم محسوسات ہی سے ہے۔اس کے سحر میں آدمی کھو جاتا ہے، مثلاً:

گل از رخت آموختہ نازک بدنی را بدنی را بدنی را
بلبل زتو آموختہ شیریں سخنی را سخنی را سخنی را
ہر کس کہ لبِ لعل ترا دیدہ بہ دل گفت
حقا کہ چہ خوش کندہ عقیق یمنی را یمنی را یمنی را
خیاطِ ازل دوختہ برقامت زیبا
در قدّ تو ایں جامۂ سروِ چمنی را چمنی را چمنی را

از جامیؔ بیچارہ رسانید سلامے
بر درگہِ دربار رسول مدنی را مدنی را مدنی را مدنی را

یہ اندازِ فکر اور طرزِ بیان اور شیریں سخنی اس قدر مسحور کن ہے کہ ہر شاعر اس سے متاثر ہوا بلکہ آج تک اس فضا سے باہر نہیں نکلا۔ سراپا کے بیان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ شروع ہوئی۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ، رسول اللہ ﷺ ''معشوق'' بن گئے۔ شاعر بزعمِ خود ''عاشق'' اس میں تقدیس کا عنصر شامل ہوگیا اور ''عاشقِ رسول'' کا لاحقہ یا سابقہ بلند درجات کی علامت بن گیا۔ ایک لمحہ کے لیے ذرا غور کرلیجیے کسی درجہ میں اُس ذات اقدس و اطہر ﷺ سے قربت کی یہ نسبت ممکن ہوسکتی ہے؟ کیا یہ ''نادانستہ گستاخی'' تو نہیں جس کے ہم مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس میں ''ذم'' کا پہلو تو نہیں نکلتا؟ ممتاز سیرت نگار قاضی محمد سلیمان، سلمان منصور پوری نے ''رحمۃ للعالمین'' جلد دوم باب ہفتم میں ''حبِ النبی ﷺ'' کے تحت لکھا ہے ''غزلیات، ابیات کے شیدا لفظ ''عشق'' کا استعمال اکثر کیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث پاک کے ماہرین سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ہر دو کلام پاک میں لفظ عشق کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ قاموس میں ہے کہ جنون کے بہت سے اقسام ہیں عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے اس مرض کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود وارد کرلیا کرتا ہے۔

پس جب عشق کے معنی قسمے از جنوں ہوئے تو ضروری تھا کہ خدا و رسول کے پاک کلام میں اس لفظ کا استعمال نہ کیا جاتا اور اسے فضائل محمودہ یا محاسن جمیلہ سے شمار نہ کیا جاتا۔ بے شک قرآن حکیم اور احادیث رسول کریم ﷺ میں لفظ ''محبت'' کا استعمال ہوا ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ محبت ہی صفت کمال انسانی ہے۔

محبت اور عشق میں یہ بھی فرق ہے کہ محبت روح کے میلان صحیحہ کا نام ہے اور عشق میں اس شرط کا پایا جانا ضروری نہیں۔ محبوب وہ ہے جو فی الواقع اپنے کمالات عُلیہ کی وجہ سے محبت کیے جانے کے شایان شان ہو۔ معشوق معشوق نہیں جب تک کوئی اس کا عاشق موجود نہ ہو۔ غالباً مشہور مثل ''لیلیٰ را بہ چشم مجنوں بایددید'' کے واضع نے انھی معانی کو ایک دوسرے اسلوب میں بیان کردیا ہے۔ بعض نے محبت کے معنی شوق الی المحبوب بیان کیے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ محبت ایثار للمحبوب کا نام ہے۔ بعض نے کہا محبت اسے کہتے ہیں کہ قلب کو مراد محبوب کا تابع بنا دیا جائے۔ میرے نزدیک تعریف محبت تو وہی ہے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور یہ معانی تو صرف

ثمراتِ محبت کو بیان کرتے ہیں۔

محبت روحِ انسانی کی وہ صفت نورانی ہے جو جسم انسانی کے آنے سے پیشتر بھی روح میں موجود اور کارفرما تھی۔ حدیث شریف ''الارواح جنود مجنّد'' الخ اس معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ نسبت کے مدارج محبوب کے مدارج پر منحصر ہوتے ہیں محبوب جتنا زیادہ ارفع و اعلیٰ ہوگا محبت کا درجہ بھی اسی قدر ارفع اور دائمی ہوگا۔ محبت کو ذات و صفاتِ محبوب سے جس قدر زیادہ عرفان ہوگا اسی قدر استحکام سے اس کی جانب میلان ہوگا۔

محبت وہ ہے جس کی صفت میں حبیب اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے (صحیح بخاری عن ابی موسیٰ باب علامۃ الحب) ''ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے واضح رہے کہ محبت کی بنیاد کسی کمال اصلی پر ہوتی ہے۔''

نظم ''عشق'' کے فٹ نوٹ میں رحمان کیانی لکھتے ہیں:

''عشق'' یہ لفظ عشقہ سے مشتق ہے۔ اردو میں عشقہ کو آکاس بیل کہتے ہیں۔ اس کے پتے نہ جڑ لیکن جس درخت پر گرتی ہے خشک کر دیتی ہے۔ لغوی طور پر اس کے معنی شدید شہوت کے ہیں۔ اردو زبان میں بھی ماں، بہن، بیٹی جیسی محرمات سے تعلق خاطر ظاہر کرنے کے لیے اس لفظ کو مذموم سمجھ کر کبھی استعمال نہیں کیا جاتا۔ ہر بوالہوس کو عشق کا دعویٰ ہے اور عشق، قرآن اور حدیث میں یہ لفظ ہی نہیں۔

سورۂ آلِ عمران آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ''(اے پیغمبر) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔''

پیروی یعنی اپنے کردار کو محبوب کے کردار کے موافق کرنا۔ اس کے ارشاد پر پورا پورا عمل کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے صدقِ مقال اور اکلِ حلال کی تاکید فرمائی ہے۔ زبان سچ بولے اور جسم کی پرورش پاک روزی سے ہو۔ اسی سے ایک مومن کمال اصلی حاصل کرتا ہے۔ شاعر کے تحت شعور میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی۔ بیت اللہ کی حاضری کے موقع پر دستِ دعا بلند کیا تو بے اختیار ایک سوال زبان پر آیا:

سب کی مثال مجھ کو بھی حسبِ سوال کر عطا
شاعرِ بے نوا ہوں میں اوجِ کمال کر عطا

ندا آئی:

شاعرِ بے نوا اگر اوجِ کمال چاہیے — اوجِ کمال کے لیے حسنِ خیال چاہیے
حسنِ خیال کے لیے صدقِ مقال چاہیے — صدقِ مقال کے لیے اکلِ حلال چاہیے
اکلِ حلال کے بغیر صدقِ مقال بھی نہیں — حسنِ خیال بھی نہیں اوجِ کمال بھی نہیں

اس دعائے مستجاب سے رحمان کیانی کے مومنانہ ذہن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ذہن بنانے کے لیے علم ضروری ہے۔ کیسا علم؟ ایک شعر میں خود تشریح کرتے ہیں۔

علم امام عقل و ہوش، محتسبِ قصور ہے
علم حرا کا چاند ہے، علم خدا کا نور ہے

ہر بڑا شاعر اپنے مافی الضمیر کو بہتر طور پر بیان کرنے کے لیے چند الفاظ اور تراکیب اپنا لیتا ہے۔ انھیں خاص معنیٰ پہنا کر اپنی فکر کی علامت بنا دیتا ہے۔ اظہار کے یہ سانچے اس کی اپنی خاص لفظیات اور اصطلاحیں ہوتی ہیں۔ علامہ اقبال کے کلام میں شاہین، شہباز مخصوص علامتیں ہیں۔ لفظ ''عشق'' کو انھوں نے نئے معنی پہنائے ہیں مثال کے طور پر صرف ایک شعر کافی ہے۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

اسی طرح جناب رحمان کیانی کے منتخب کلام ''اذان'' مطبوعہ فاراں فاؤنڈیشن (جنوری ۲۰۰۳ء) رسم اجرائی ستمبر ۲۰۰۳ء کے بالاستیعاب مطالعہ کے دوران تلوار، تیغ، شمشیر کو علامتی الفاظ اور ''الجہاد'' پسندیدہ موضوع ہی نہیں مقصود و مطلوبِ شاعر بن کے ابھرا۔ ایک مومن جن تین چیزوں سے محبت رکھتا ہے وہ قرآن (احکام) تلوار (اسلحہ) (گھوڑا) (ذریعۂ جہاد) ہیں۔ قرآن مجید تو تاقیامت محفوظ اور نافذ ہے۔ اس کے احکام ہمیشہ کے لیے ہیں۔ جہاں تک ہتھیار اور اسلحۂ جنگ کا تعلق ہے وہ حربی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ عہد نبوی میں تلوار، نیزہ اور تیر تھے تو عصرِ حاضر میں راکٹ، میزائیل اور کیمیائی بم ہیں۔ قدیم زمانہ میں ذرائع جہاد اونٹ اور خصوصاً گھوڑا دشمن کے سر پر سرعت سے پہنچنے کا بہترین ذریعہ تھے۔ آج کے دور میں ایف۔۱۶، میراج سپر سانک طیارے ہیں۔

رحمان کیانی نے تلوار کو علامت قرار دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو پیشِ نظر رکھا ''مجھے تلوار دے کر بھیجا گیا یہاں تک کہ تمام عبادت تنہا اللہ ہی کی ہونے لگے اور میرا

رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے رکھا گیا ہے۔'' (مسند احمد ج ۲، ص ۱۴۷ بیروت) یوں یہ علامت حبِ رسول ﷺ کی دلیل بھی ہے اور حکم جہاد کی ترجماں بھی۔ اسی لیے:

ہو گفتۂ رحمان کا جب ذکر تو یارو
ہے اس کی زباں اور بیاں اور سخن اور

کس طرح؟ اس دعوے کی دلیل دیکھیے:

ذکر پیغمبر کہ لوگو! اصل میں قرآن ہے　　　زندگی کے روز و شب میں ہر نفس میزان ہے

☆

یہ حیات بدر و حنین ہے یہاں رقص تیغ اصیل کا　　　ہے دلیل حبّ رسول کی اے قتیلِ عشقِ پیمبری

علامہ اقبال نے فطرت انسانی پر سے نقاب اُٹھائی

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات　　　فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جلترنگ

نظم ''انسان نہیں مسلمان'' میں جو رحمان کیانی کی شخصیت اور پیام کی بہترین ترجماں ہے۔ جہاد زندگی سے دور کرنے والے صوفی، مُلّا، زاہد اور واعظ پر طنزیہ زور کلام میں ان کا مصرع اقبال کی تقلید میں ''تلوار کی طرح نکل کر نیام سے'' باہر آتا ہے۔

اے واعظِ غوغائی، اے صوفیٔ ہوہائی　　　تلوار ہے دنیا کی مانی ہوئی سچائی
بے تیغ صداقت ہے محرومِ پذیرائی　　　بے تیغ سپاہی تو عورت ہے مرے بھائی

بننا ہے اگر تجھ کی شمشیر بہ ساماں بن
تقدیر بداماں بن تو مردِ مسلماں بن

یہ بند پڑھ کر علامہ اقبال کا زبان زدِ خاص و عام شعر:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بے اختیار زبان پر آیا۔ رحمان کیانی نے جس فن کارانہ چابک دستی اور عام فہم دلیل کے ساتھ ''بے تیغ سپاہی'' کو نئے معنی پہنائے ہیں اس کی داد نہ دینا بھی بڑا بخل ہوگا۔

مضراب سے قوموں کی تقدیر نہیں بنتی　　　تلوار سے ہوتی ہے دنیا میں جہانبانی

اس لیے کہ تلوار یعنی طاقت، توازن قوت کا بھی کام دیتی ہے۔

کسی کے ہاتھ میں تلوار دیکھنے والا　　　یہ سوچتا ہے کہ میری رگِ گلو بھی ہے

کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کے ظالمانہ خونیں معرکوں کے پس منظر میں ان کی ''تلوار'' نامی نظم پڑھیے تو ''ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات'' کا جواب مل جائے گا۔

یہ اپنے دشمنوں سے مانگتا تلوار ہے آقا ﷺ گنوا کر آپ ﷺ کی بخشی ہوئی تیغ ہلالی

☆

یہ مصلحتِ وقت ہے ہم جہدِ بقا کو کاوش نہیں، آویزش و پیکار کہیں گے
ہم ڈھال نہیں تیغ ستمگر کا مداوا تلوار ہے، تلوار ہے، تلوار کہیں گے

کہتے ہوئے پھل اپنے حریفوں کے سروں کو
تلوار کو اک شاخِ ثمردار کہیں گے

ظالم ہے ستم گر ہے، جفاکار ہے پھر بھی تلوار کو ہم یار طرح دار کہیں گے

''عرضِ حال'' کے اشعار کو پڑھ کر شاعر کا نظریۂ فن واضح ہو جاتا ہے۔

کہا ہے جب سے ''کعبے کے برہمن'' نگاہِ پیر و ملاّ میں برا ہوں
ہیں برہم شاعرانِ عشقِ خوباں کہ ان کو ''ژاژخا'' گردانتا ہوں
خفا اہلِ سیاست اس لیے ہیں کہ تعمیرِ حرم پھر چاہتا ہوں

اس شعر میں ان کی شخصیت خود بول اُٹھتی ہے:

میں نقیبِ ملتِ بیضا ہوں میری شاعری
نغمۂ بربط نہیں، تلوار کی جھنکار ہے

علامہ اقبال کی طرح رحمان کیانی بھی کتاب و سنت کا شاعر ہے۔ اس لیے دونوں کی فکر میں بڑی ہم آہنگی ہے۔ یہ بھی عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ علامہ اقبال نے ۱۹۳۸ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اسی سال ایک ۱۴ سالہ نوجوان نے عروسِ شعر کو لبیک کہا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد تو فکرِ اقبال نے مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس درجہ کہ:

رحمان کیانی پر الزام یہ آتا ہے
کچھ اس میں گھٹاتا ہے کچھ ان میں بڑھاتا ہے
اقبالؔ کی نظموں سے کچھ شعر چراتا ہے
پھر اپنی کہی کہہ کر محفل میں سناتا ہے
اس بات کو یوں بھی تو اربابِ نظر سمجھیں
بیٹے کے تصرف میں میراثِ پدر سمجھیں

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

آں قلب و نظر دارم، آں سوزِ جگر دارم
شمشیرِ پدر خواہم، بازوئے پدر دارم

اقبالؔ کہتے ہیں:

من آں علم و فراست با پرِ کاہِ نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را

رحمان کیانی لکھتے ہیں:

وہ قوم جس کی متاعِ محکم خود اپنی تیغ و سپر نہیں ہے
ہے اک مسافر کہ ساتھ جس کے سفر میں زادِ سفر نہیں ہے

☆

تاویل کے پھندوں سے تدریس کے دھندوں سے
چلّوں سے وظیفوں سے تعویذ سے گنڈوں سے

☆

قوموں کی زمانے میں تقدیر نہیں بنتی
بے تیغ مسلماں کی تصویر نہیں بنتی

اقبال نے کہا تھا:

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

گفتہ رحمان ہے:

مضراب سے قوموں کی تقدیر نہیں بنتی
تلوار سے ہوتی ہے دنیا میں جہاں بانی

☆

آدمی اک ساز ہے اس کے مضرابوں کا نام
ہل بھی ہے تیشہ بھی ہے، خامہ بھی ہے تلوار بھی

اردو کی نعتیہ شاعری کی مروّجہ روایتوں میں رحمان کیانی نے دو انقلابی نظریے پیش کیے ہیں۔ یہ چونکا دینے والی باتیں بڑی فکر انگیز اور سوچنے پر مجبور کرنے والی ہیں۔

ان کی سیرت نہیں صورت کے قصیدے پڑھنا
ان کے پیغام نہیں نام کی مالا جپنا
بندگی اور خدائی کی اُٹھا کر تمیز
نام میں ان کے فقط میم کا پردہ کہنا
روضۂ پاک کو کعبے کا بھی کعبہ کہہ کر
چومنا، چاٹنا، دہلیز پہ سجدے کرنا
اس کو کیا کہتے ہیں، پوچھوں گا تو لڑ جائیں گے
اور بتاؤں گا تو ہتھوں سے اُکھڑ جائیں گے

مولانا جامیؒ کے تتبع میں مروّجہ نعتیہ انداز صورت کے قصیدے پڑھنا تھا۔ یہاں ہمیں تخئیل کی نکتہ آفرینی اور لفظ و بیاں کی نزاکتوں کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ عالمِ متبحر مولانا عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں کہ ''نعتِ رسول میں زلف و ابرو کی تعریف و توصیف نہ صرف نامناسب ہے بلکہ بے ادبی ہے۔'' اپنی نعتیہ نظم ''عشقِ رسول ﷺ'' میں رحمان کیانی بڑی چبھتی ہوئی باتیں بیان کرتے ہیں جس سے مولانا جامیؒ کا اتباع کرنے والوں کی جبینوں پر گرہ پڑ جاتی ہے۔ اردو شعرا میں سب سے پہلے یہ نازک احساس ہمیں حکیم مومن خان مومن دہلوی کے پاس ملتا ہے۔

مولانا قدسیؒ کی شہرۂ آفاق سدا بہار نعت کی تضمین کرتے ہوئے مومنؔ کہتے ہیں:

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی میں غلام اور وہ صاحب ہے میں اُمت وہ نبی
یانبی یک نگۂ لطف بأمی و ابی مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

رحمان کیانی کہتے ہیں:

ان کی توصیف میں بھی سوئے ادب کی باتیں نعت میں مے کدہ و بنتِ عنب کی باتیں
بے حجابانہ قد و عارض و لب کی باتیں شامِ غم وصل کی شب، صبحِ طرب کی باتیں
ایسی باتیں کہ اگر منھ سے نکل جاتی ہیں
سن کے بے پردہ خواتین بھی شرماتی ہیں

مولانا جامیؒ کے قصیدۂ صورت کی تراکیب سے مکمل استفادہ کرتے ہوئے رحمان کیانی نے شاعرانہ کمال سے اسے سیرت کا قصیدہ بنا دیا اور تاریخی حقائق سے اپنے استدلال کو محکم تر

کر دیا اور قرآنی انداز میں قسم کھا کر درجۂ سند بلند تر کر دیا۔

و النجم کہ قائل ہوں رسولِ عربی ﷺ کا　　　حق گوئی و بے باکی و شیریں سخنی کا
منکر ہوں مگر ان کے حسینوں کی طرح سے　　　اندازِ گل افشانی و غنچہ دہنی کا
جو بدر احد خندق و خیبر کا ہو قائد　　　زیبا نہیں الزام اسے گل بدنی کا
دیوانہ و عاشق نہیں رحمان کیانی　　　اک پیروِ ناقص ہے رسولِ مدنی کا

''عاشقِ رسول'' کے لقب پر پھولوں نہ سمانے والے پہلے سورۂ آلِ عمران آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ کا حکم سن لیں:

''قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ و یغفرلکم ذنوبکم''

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمھیں دوست رکھے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔

پھر اپنے گریبانوں میں منھ ڈال کر اپنے عشق کی حقیقت کا جائزہ لیں ورنہ گفتۂ رحمان کیانی شرم و ندامت کے ساتھ سن لیں۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں صحیح فیصلہ کی توفیق عطا فرمائے۔

شرطِ ایماں مصطفےٰ ﷺ سے والہانہ پیار ہے　　　پیار لیکن پیروی ہے پیروی دشوار ہے
ہر قدم اقرا سے اکملت لکم تک راہ میں　　　زہر ہے زنداں ہے مقتل ہے صلیب و دار ہے
پیروی سے عاشقی آسان ہے اور اس لیے　　　جس کو دیکھو ان کا دیوانہ سرِ بازار ہے

حقیقت کا کتنا درست تجزیہ ہے۔ شاید ہی کسی کو انکار کی جرأت ہو۔ رسول اللہ ﷺ تو اللہ کے حبیب ہیں۔

کیوں رقیب اللہ کا بنتا ہے ناحق یاد رکھ
اے مسلماں! تو غلام احمدِ ﷺ مختار ہے

یہی بات نظم ''عشقِ رسول ﷺ'' میں یوں بیان ہوئی ہے۔ عاشقانِ رسول غور کر لیں کیا وہ رب سے رقابت کی سرحدوں میں تو نہیں۔ فرصت ہو تو عقل عیار سے ایک سوال کر لیجیے۔ کیا غلاموں کا کام اپنے آقا سے عشق کرنا ہے یا اطاعت؟ وہ جواب جو آپ زبان سے ادا نہ کر سکیں رحمان کیانی بڑی جرأت سے کہہ گزرتا ہے۔

میں کہ پشتوں سے ہوں آقائے مدینہ کا غلام　　　میرا طاعت کے علاوہ کوئی منصب نہ مقام
اے زعیمانِ ادب عشق کا ان کے الزام　　　آپ لوگوں کو مبارک ہو مرا جھک کے سلام

جانتا ہوں کہ یہ ہرگز مرا مقدور نہیں
رب سے اپنے ہی رقابت مجھے منظور نہیں

حسن اور عشق نگاراں کی رواجی غزلیں باعث شرم و ندامت ہیں جو سوچیں سمجھیں
شاعرانِ عجم و ہند کی بنتی نعتیں قافیوں اور ردیفوں کو بدل کر جن میں
تالیاں پیٹ کے سُر تال میں گانے کے لیے
زیرِ محراب حرم رقص دکھانے کے لیے

اگلے بند کا لہجہ بڑا تلخ ہے بالکل حق کی طرح جو کہتے ہیں ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔

ان کے جذبے کو اگر جذبۂ صادق کہیے عشق کہیے جو اسے اور انھیں عاشق کہیے
باقی جو لوگ رہے، اس کے مطابق کہیے جو مخالف تو انھیں فاجر و فاسق کہیے
ان کو جی جان سے ہم چاہنے والوں میں نہیں
ہم منافق ہیں انھیں ماننے والوں میں نہیں

ان اشعار کو سن کر بعض رواجی نعتیں لکھنے والے کہتے ہیں کہ یہ فضا نعتیہ نہیں۔ عاجزانہ اسلوب کی جگہ جارحانہ لہجہ نامناسب ہے۔ یہ اعتراض ان کا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو فوق البشر مان کر تسکین کی پناہ گاہیں ڈھونڈتے ہیں۔ حیاتِ طیبہ کی ۶۳ر سالہ مجاہدانہ سرگرمیوں سے عمداً دامن بچانا چاہتے ہیں۔

دوسرا اہم نظریہ جو روایتی شاعری سے یکسر مختلف ہے وہ رسول ملاحم ﷺ (سخت جنگ لڑنے والا رسول ﷺ) کی حیثیت ہے۔ یعنی بانیٔ رسمِ جہاد تاریخِ انبیا کے مطالعے سے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داوٗد علیہ السلام کے کافروں سے معرکوں کا ذکر ملتا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۴۶ میں ہے۔

ترجمہ: پھر جب ان (بنی اسرائیل) پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا سب پیٹھ دکھا گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے بے خبر نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس بستی (اریحا) میں بت پرست دشمنوں سے مقابلہ کرکے قابض ہوجاوٗ۔ اللہ تعالیٰ کا وعدۂ نصرت تمھارے ساتھ ہے تو ان کا تاریخی جواب سورۂ مائدہ کی آیت ۲۴ میں یوں ہے:

ترجمہ: اے موسیٰ! تُو اور تیرا رب دونوں جاکر ان سے لڑو۔ بلاشبہ ہم تو

یہیں بیٹھے ہیں (یعنی تماشا دیکھتے ہیں)۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت کی طرف سے لڑتے ہوئے دادِ شجاعت دی۔ سورۂ بقرہ آیات ۲۵۰ اور ۲۵۱ میں ارشاد ہوا۔

> ترجمہ: اور جب وہ (مجاہدین) جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل ہوئے تو کہنے لگے اے پروردگار! ہم کو صبر دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہم کو فتح و نصرت عطا فرما۔ پس اللہ کے حکم سے انھوں نے (فلسطینیوں) کو شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے داؤد کو حکومت عطا فرمائی اور جو مناسب جانا وہ سب کچھ سکھایا۔

تیسرے رسول جس نے راہِ حق میں گھمسان کی جنگیں لڑیں وہ ختمی مرتبت ﷺ ہیں۔ چناں چہ آپ ﷺ نے ۲۷؍غزوات کے من جملہ ۹؍معرکوں میں قتال فرمایا۔ ۱۸؍معرکوں میں تلوار کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آئی۔ جہاد (قتال) ایک فلاحی حربہ ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۱ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: اگر اس طرح (قتال کے ذریعے) اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)۔

جناب رحمان کیانی ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

> تحریکی مزاج اور سپاہیانہ طبیعت کے ساتھ اللہ نے ذوقِ شاعری سے بھی نوازا۔ میری شاعری اور تحریکِ پاکستان کی ابتدا ایک ساتھ ہوئی۔ یعنی ۱۹۳۸ء سے ۱۹۶۵ء تک جو کچھ لکھا بس شاعری ہے۔ پاک بھارت جنگ کے دوران احساس ہوا کہ رُبع صدی پر محیط شعری کاوشوں میں چند لاشعوری اشعار کے علاوہ ایک مصرع بھی ایسا نہیں کہ جسے پاکستانی کہا جاسکے۔ اس کے بعد میرا قلم اسلام، پیغمبرِ اسلام اور پاکستان کے لیے وقف ہوگیا۔

ستمبر ۶۵ء کی جنگ نے رحمان کیانی کو احساس دلایا کہ ہماری نہیں بلکہ اسلام کی بقا بھی جہاد و قتال میں ہے۔ یہی دنیا میں آبرومندانہ اور پُروقار زندگی کا ذریعہ ہے۔ جذبہ بغیر جہاد کے

بے مقصد ہے۔ جہاد بغیر اسلحے کے دشوار اور اسلحہ بغیر سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے ناممکن ہے۔ پاک فضائیہ آرمرر (اسلحہ ساز) اور وارنٹ آفیسر کا تجزیہ کس قدر حقیقت پسندانہ ہے۔

جذبۂ جہاد کی آبیاری کے لیے ایک ہی ہستی ہمارا منبعٔ طاقت اور سرچشمۂ قوت ہے اور وہ رسول ملاحم ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام مثالی مجاہد ہیں۔ روحِ جہاد کو پا لیا تو پتا چلا:

رومی ہو غزالی ہو رازی ہو کہ شیرازی ہے نقد ہنر سب کا بے وجہ سخن سازی
اور بدر و اُحد کرتے اس امر کی غمازی اصحابؓ محمد ﷺ ہیں سب تیغ بکف غازی

بننا ہے اگر تجھ کو تو حمزہؓ غراں بن
تو جعفرؓ پراں بن تو مردِ مسلماں بن

شاعر نے مقصدِ حیات پا لیا اور اپنی منزل متعین کرلی۔ جہادِ علمی کے عزم کے ساتھ اٹھے تو پہلے اپنا جائزہ لیا۔ بے لوث، بے باکانہ اور کھرا کھرا۔

رومی ہوں نہ رازی ہوں سعدی نہ غزالی ہوں
بیدل ہوں نہ غالب ہوں اقبال نہ حالی ہوں
انسان ہوں، ناطق ہوں شاعر ہوں غزل خواں ہوں
اک قاریٔ قرآں ہوں اک مردِ مسلماں ہوں

تعلق ان کا رومی سے نہ رشتہ ان کا رازی سے
مرے افکار کو پروردۂ اُم الکتاب کہیے

اس بازیافت پر زبان شکر کھلی:

اے ربِّ دوعالم ترا ممنون کرم ہوں اس دور میں پابندِ روایاتِ حرم ہوں
میں مالکؓ[1] و رواحہؓ[2] کے بیٹوں کی طرح سے شمشیر بکف صاحبِ قرطاس و قلم ہوں

میدانِ ادب کے اس مردِ مجاہد نے للکارا:

دوستو! پھر ایک ضربِ غزنوی کے منتظر
کچھ بتانِ آذری، ذہنوں کے بت خانوں میں ہیں

ضرب غزنوی کے لیے تلوارِ سخن تولنے سے پہلے رحمان کیانی کو اچھی طرح احساس تھا

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

کہ شاعروں کا ردِّعمل کچھ اس طرح کا ہوگا:

دانش ورانِ خاص سے کہہ دو کہ اس کا نام
فہرستِ اہل شعر و سخن سے نکال دیں

☆

الٰہی لاج رہ جائے سخن دانوں کی محفل میں
حدی خواں بن کے آیا ہوں غزل خوانوں کی محفل میں
مجھے توفیق دے مولا کہ تذکارِ محمدﷺ سے
نئی ہلچل بپا کر دوں مسلمانوں کی محفل میں

نئی ہلچل کے لیے موضوعات کا تعین کرلیا۔

موضوعِ سخن میرا اے نکتہ ورو سن لو!
یا بانگِ بلالی ہے یا تیغِ ہلالی ہے

☆

ہے مرے کدو میں یارو جو پیو تو آبِ زم زم
نہ حشیشِ ایشیائی نہ فرنگیوں کا بادہ

ان عزائم کے ساتھ ''تذکارِ محمدﷺ'' کے لیے قلم اُٹھایا تو جامؔی اور متبعینِ جامی کی بینائی میں کم زوری نظر آئی۔ وہاں نہ گل بدنی نظر آئی نہ گل پیرہنی۔ وہ تو رسولِ ملاحم ﷺ بیدار مغز سپہ سالار و مجاہدِ اعظم نظر آئے میدانِ جنگ میں ان کے جسمِ اقدس ﷺ پر تو دو دو زرہیں، سرِ اقدس پر خود اور دستِ مبارک میں شمشیر برہنہ نظر آئی۔ بقولِ فانی:

لے خوابِ محبت کی تعبیر نظر آئی

آپ ﷺ نے ورثہ میں دام و درہم نہیں بلکہ علم اور اسلحہ چھوڑا ہے۔

بربط و دف سیم و زر میراثِ پیغمبر نہیں
خنجر و تیر و تبر ہے ڈھال ہے تلوار ہے

جب بھی سپاہیوں سے پیمبر کو پوچھیے　　　خندق کا ذکر کیجیے، خیبر کو پوچھیے
بدر و اُحد کے قائد لشکر کو پوچھیے　　　یا غزوۂ تبوک کے سرور کو پوچھیے

ہم کو حنین و مکہ و موتہ بھی یاد ہیں
ہم اُمتیٔ بانیٔ رسمِ جہاد ہیں

رسمِ جہاد حق کی اقامت کے واسطے کم زور و ناتواں کی حمایت کے واسطے
خیر و فلاح و امن و عدالت کے واسطے خیر الممات مرگِ شہادت کے واسطے
لڑتے ہیں جس کے شوق میں ہم جھوم جھوم کر
پیتے ہیں جامِ مرگ کو بھی چوم چوم کر
لاکھوں درود ایسے پیمبر کے نام پر جو حرفِ لاتخف سے بناتا ہوا نڈر
اک جاوداں حیات کی بھی دے گیا خبر یعنی خدا کی راہ میں کٹ جائے سر اگر
ہم کو یقین ہے کبھی مرتے نہیں ہیں ہم
اور اس لیے کسی سے بھی ڈرتے نہیں ہیں ہم
توپ و تفنگ و دشنہ و خنجر صلیب و دار ڈرتے نہیں کسی سے محمدﷺ کے جاں نثار
ماں ہے ہماری اُم عمارہ سی ذی وقار ہم ہیں ابو دجانہؓ و طلحہؓ کی یادگار
ہاں مفتی و فقیہہ نہیں مان لیتے ہیں
ناموسِ مصطفےٰ ﷺ پہ مگر جان دیتے ہیں

(نبی ملاحم ﷺ)

مقصدِ حیات متعین ہو جائے تو جسم و جان میں آگ بھر جاتی ہے۔ قلم روشنائی کی بجائے خون سے لکھنے لگتا ہے۔ الفاظ بجلی کی تڑپ بن کر نوکِ خامہ سے نکلتے ہیں۔ جذبہ سرفروشی پر آمادہ کرتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ جہاد افضل العبادات ہے۔

حضرت معاذؓ بن جبل انصاریؓ نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران موقع پا کر عرض کیا... یارسول اللہ! کوئی ایسا کام بتا دیجیے جو مجھے جنت میں لے جائے اس کے علاوہ آپ سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ ارشاد ہوا... ''جس کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرمائے اس کے لیے کچھ اتنی مشکل بھی نہیں۔ فرمایا... اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھو، نماز پڑھا کرو، اللہ کی عبادت کیا کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ یہاں تک کہ اسی حال میں موت آجائے۔ اگر چاہو تو دین کا سب سے بڑا عمل تمھیں بتاؤں اور وہ عمل جو اس کی جڑ ہے۔ عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! ضرور بتائیے... فرمایا... دین کی جڑ یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جس عمل سے دین کی بندش مضبوط رہتی ہے وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔ اعمالِ دین میں سب سے افضل عمل جہاد

فی سبیل اللہ ہے... فرض نماز کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کے برابر بندہ کے میزانِ عمل میں کوئی نیکی نہیں۔''

تاجر ہو، قلندر ہو، عالم ہو کہ ہو عامی — جب وقتِ جہاد آیا با جذبۂ اسلامی
میدان میں نہیں اُترا، تلوار نہیں تھامی — اس فردِ منافق کے ایمان میں ہے خامی

بننا ہے اگر تجھ کو تو صاحبِ ایماں بن
سیف اللہ دوراں بن تو مردِ مسلماں بن

سورۂ نسا آیت ۷۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کم زور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی مددگار پیدا کر دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا... ''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے۔ پس تم کو جب جہاد کے لیے بلایا جائے تو تم سب اپنے گھروں سے نکل پڑو۔''

یہ وہ ارشادات ہیں جس نے پاک فضائیہ کے محبّ وطن سپاہی کی راہ متعین کر دی۔ مقصدِ حیات واضح ہوجائے تو جسم و جاں ہی نہیں، فکر و قلم بھی اسی راہ پر گامزن ہوجاتے ہیں۔ رحمان کیانی قرآن و سنت کے ترجمان بن کر شاعرِ جہاد بن جاتے ہیں۔ ارشاداتِ نبوی کو شعر کا پیکر پہنا کر ان کی رجزیہ للکار دیکھیے:

جس نے تلقین کی جس نے تہدید کی — بارہا جس نے لوگوں کو تاکید کی
یاد رکھے یہ میرا ہر اک اُمتی — تاقیامت جہاں میں کہیں اور کبھی
آدمیّت پہ ظلم و ستم ہو اگر — عورتوں کے سوا ہر مسلمان پر
فرض ہے بربنائے حقوق العباد — الجہاد، الجہاد، الجہاد، الجہاد

(پیغمبر انقلاب ﷺ)

سورۂ صف آیت ۴ میں ہے:

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے لیے سیسہ پلائی ہوئی

دیوار کی طرح قتال کرتے ہیں۔

تری کتاب میں لکھا عشق و جنوں تو نہیں   شوقِ جہاد ہے سبب تیری نوازشات کا
تجھ کو پسند ہے بہت تیغ کشیدہ سر بکف   مردِ نبرد آزما، معرکۂ حیات کا

سورۂ صف کی آیت ۱۰ اور ۱۱ میں ارشادِ ربانی ہے:

اے ایمان لانے والو! کیا تم کو ایسی تجارت بتاؤں کہ تم عذاب الیم سے
چھٹکارا پا جاؤ۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنی
جان اور مال سے جہاد کرو اور سمجھ لو کہ یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔

تو اس جہاں میں یگانہ ہے قم باذن اللہ   ترے خلاف زمانہ ہے قم باذن اللہ
وہ مزدکی وہ نصاریٰ ہوں یا ہنود و یہود   ہر اک کا تو ہی نشانہ ہے قم باذن اللہ
نوائے چنگ نہیں تیری زندگی اے دوست   ترے لہو کا ترانہ ہے قم باذن اللہ
ترے غموں کا مداوا بس ایک ضرب گراں   بزور و قوتِ شانہ ہے قم باذن اللہ
(قم باذن اللہ)

رحمان کیانی کی نظموں کے اکثر عنوانات آیات یا احادیث کے فقرے بھی ہیں۔ یہ ان کے دینی مطالعے کے شغف کو ظاہر کرتے ہیں۔

باعث وہی قدیم صلیبی عناد ہے   جس سے قتال فرض ہے لازم جہاد ہے

☆

ذلت و خواری کا باعث مجملاً کہتا ہوں   ترکِ قرآں اور شرع سیّد ابرارﷺ ہے

مرض کی تشخیص ہوگئی تو دوا کی تلاش میں اس مقام پر آگئے۔

تمھاری مرضی کسی کو مانو، خدا کو مانو تو اس جہاں میں
سوائے خیر البشرﷺ کے لوگو! کوئی بشر معتبر نہیں ہے

ابتدائے جوانی میں لفظ کامریڈ پر فخر سے گردن ٹیڑھی کرنے والے کی سرخ سویرے سے دلچسپی ختم ہوگئی۔ بزرگوں کی تعلیم کا دھندلا یا سبز رنگ دن بہ دن گہرا ہونے لگا۔

ہیں جنم کے قبلہ رُخ ہم کہ حرم کے ہیں مسافر
نہ بدل سکے گا اپنا کوئی قافلہ نہ جادہ

حبِ رسول کی سرشاری نے لب و لہجہ ہی بدل ڈالا۔ فکر و نظر کا یہ انقلاب، شعر کے

پیکر میں یوں ڈھلنے لگا:

ذکرِ پیغمبر ﷺ کو سمجھو ڈھال بھی تلوار بھی ۔۔۔ اک کمیں گاہ و کماں و ترکش و سُوفار بھی

خود و مغفر اور زرہ بھی گرز بے زنہار بھی ۔۔۔ رایت و پرچم بھی اپنا نعرۂ یلغار بھی

صف بہ صف پھر باندھ کر سر سے کفن آگے بڑھو

تیغ زن آگے بڑھو، تم نعرہ زن آگے بڑھو

قبلہ درست ہوا تو شاعر نے مجاہدِ اعظم ﷺ کے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے تلوار بلند کرنے، میدانِ جہاد میں پیکرِ استقامت بننے، سیرتِ طیبہ کے غزوات کے واقعات صحابہ کرامؓ کی حق کی خاطر سرفروشیاں اُجاگر کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اس یکسوئی نے اسے ایک نیا عزم، نئی فکر، نیا ولولہ اور توانا لہجہ عطا کیا۔ یوں رحمان کیانی نے اردو زبان میں رزمیہ نعت کی طرح ڈالی۔

پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد اپنے مضمون ''اردو کے رزمیہ شاعر'' میں لکھتے ہیں...

''متقدمین و متوسطین میں چند مستثنیات کے علاوہ اردو زبان کا دامن غزل، ہزل، زٹلی، قصیدہ مثنوی، رُباعی، قطعہ ہمہ اقسامِ سخن سے مالامال ہے لیکن رزمیہ شاعری سے تقریباً پاک ہے... غالبؔ نے ''سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری'' کا دعویٰ کیا لیکن کوئی عملی دلیل نہیں دیتے۔ سوداؔ اپنی ہجو میں مخالفوں کے بخیے اُدھیڑ دیتے ہیں، سپاہی ہیں لیکن رزم سے لاتعلق، بیدلؔ عمر بھر سپاہی پیشہ رہے لیکن شاعری میں تصوف اور فلسفہ کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔ رنگینؔ سپاہی زادہ ہیں فرسنامہ لکھتے ہیں لیکن رجز و رزم کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ مومن شاہ عبدالعزیز اور سیّد احمد شہید بریلوی کے عقیدت مند ہیں لیکن متعدد عشقیہ مثنویوں کے ساتھ ایک بھی رزمیہ مثنوی یادگار نہیں چھوڑی۔ قدما نے نادر اور انگریزوں کے ہاتھوں دلّی کی تباہی پر واسوخت اور شہرِ آشوب لکھے لیکن رزم سے دُور ہی رہے۔

بہت سے لوگ انیسؔ و دبیرؔ اور دوسرے مرثیہ نگاروں کو اردو رزمیہ شاعری کا نمائندہ مانتے ہیں لیکن مرثیہ رزمیہ شاعری کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ دوسرے انیسؔ کے دور سے جب مرثیوں میں رزم کو شامل کیا گیا تو اس ترتیب سے کہ پہلے چہرہ، پھر مناقب و فضائل اس کے بعد رزم اور رزم کے بعد مصائب کا بیان اور نوحہ و ماتم پر مرثیہ کا اختتام۔ اسی طرح مناقب اور مصائب کے درمیان آنے والے رزمیہ بند اپنا اثر کھو دیتے ہیں جب کہ رزمیہ شاعری کا مقصد

اپنے سپاہیوں کی معرکہ آرائیوں کو بیان کر کے لوگوں کی رگوں میں خون کی گردش تیز کرنا اور اعلیٰ قومی مقاصد کے لیے سرفروشی اور جان بازی پر تیار کرنا ہوتا ہے۔''

بلاشبہ حالیؔ کا مسدس ''مدوجزر اسلام'' ہماری قومی شاعری کی اوّلیں بامقصد نظم ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے طنز و مزاح کے حربوں سے قوم کو جھنجھوڑا۔ شبلیؔ کی توانا آواز بھی قومی کردار سازی میں مدد و معاون ثابت ہوئی۔ علامہ اقبالؔ مکمل اسلامی نظریۂ حیات کے بامقصد شاعر ہیں اور اردو کی قومی شاعری میں رزمیہ اشعار کی شمولیت کے بانی ہیں۔ حفیظؔ جالندھری کے ''شاہنامۂ اسلام'' میں رزمیہ شاعری کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ اس کی بحر بھی مترنم ہے اور اندازِ بیان بھی مؤثر۔ آج بھی شاہنامہ ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک طویل عرصہ رزمیہ شاعری سے خالی ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ رزمیہ شاعری کا فروغ ہے۔ اس فروغ کا گل سرسبد صاحبِ سیف و قلم رحمان کیانی ہے۔ جو سرتاپا شاعر رزم ہے۔ کبھی حدی خواں ہے کبھی راجز۔ ذخیرہ الفاظ میں نظیرؔ اکبر آبادی، جعفر زٹلی اور جوشؔ ملیح آبادی کی صف میں بیٹھتا ہے۔ ہیئت میں میر ببر علی انیسؔ سے استفادہ کرتا ہے۔ مقصدیت میں الطاف حسین حالیؔ کا پیرو، فکر میں علامہ اقبالؔ کا خوشہ چیں اور طنز میں اکبر الٰہ آبادی کا ہم سایہ ہے۔ ان عظیم شاعروں کے فن کے امتزاج سے رحمان کیانی ایک نئے لہجے اور منفرد طرز کا بانی ہوا اور رزمیہ شاعری کو ایک مستقل صنف بنا دیا۔ مزاج عاشقانہ نہیں سپاہیانہ پایا تھا۔ ان کی زبان شستہ، تراکیب خوب صورت، کلام برجستہ اور بلا کی روانی، جوش اور جذبے کا حامل ہے۔ ان کا مقصد جاگتوں کو سلانا نہیں سوتوں کو جگانا اور سرفروشی کے لیے تیار کرنا ہے۔ سچ پوچھو تو یہی رزمیہ شاعری ہے۔

ان شاعرانہ خصوصیات کے ساتھ جذبۂ جہاد سے سرشار رحمان کیانی نے رسول ملاحم ﷺ کی مدحت میں زبان کھولی تو نعتیہ شاعری کا رنگ ہی بدل دیا۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''شمشیر ضیا بار'' ۱۹۷۶ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا تو ایک ہلچل سی مچ گیا۔ عام نعتیہ روایتوں سے یکسر مختلف جگہ جگہ جذبۂ جہاد کا ولولہ انگیز اظہار ہے۔ مشاعروں میں وہ کلام سناتے تو لگتا جیسے چشمہ بڑی قوت سے پھوٹ رہا ہے۔ شعرا انگشت بدنداں اور سامعین سراپا شوق ہمہ تن گوش۔ تحت اللفظ میں وہ پڑھتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔ وہ سناتے نہیں تھکتے اور سامعین سنتے نہیں اُکتاتے۔ ھل من مزید کی صدائیں ہر طرف سے بلند ہوتیں۔ ان کے بعد پھر کسی شاعر کا رنگ نہیں جمتا۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔

مست مگن قمری کی طرح سے
پڑھتا ہے رحمان کیانی

محفل میں وہ نعت سناتے تو پہلا شعر ہی سامع کو متوجہ کر لیتا۔ لہجہ منفرد اور آواز چونکا دینے والی:

آپ اپنے ہوں کہ من جملۂ اغیار سنیں ہوں سخن فہم کہ غالب کے طرف دار سنیں
پھول کی طرح سنیں یا صفتِ خار سنیں ہمہ تن گوش سنیں، نقش بہ دیوار سنیں
شاعرِ رزم سرِ بزم کلام آتا ہے
نعت پڑھنے کو محمد ﷺ کا غلام آتا ہے

میں کہ پشتوں سے ہوں آقائے مدینہ کا غلام میرا طاعت کے علاوہ کوئی منصب نہ مقام
اے زعیمانِ ادب، عشق کا ان کے الزام آپ لوگوں کو مبارک ہو، مرا جھک کے سلام
جانتا ہوں کہ یہ ہرگز مرا مقدور نہیں
رب سے اپنے ہی رقابت، مجھے منظور نہیں

منتخب کلام ''اذان'' میں عشقِ رسول ﷺ کا عنوان ''حبِ رسول'' کر دیا گیا ہے۔

۲۴ر اشعار کی نظم نبی الملاحم ﷺ اردو ادب میں رزمیہ نعت کی بڑی کامیاب کوشش ہے جس میں روحِ اسلام کارفرما ہے۔

لوگو سنو! جنابِ رسالت ﷺ مآب میں شانِ رسولِ صاحبِ سیف و کتاب میں
ماحی لقب، نبیِ ملاحم ﷺ کے باب میں کرتا ہوں فکرِ مدح تو جوشِ خطاب میں
مصرع زباں پہ آتا ہے زورِ کلام سے
تلوار کی طرح سے نکل کر نیام سے

نعتِ رسول کا یہ طریقہ عجب نہیں سمجھیں عوام داخلِ حدِّ ادب نہیں
لیکن یہ طرزِ خاص، مرا بے سبب نہیں شیوہ سپاہوں کا نوائے طرب نہیں
رائج ہزار ڈھنگ ہوں ذکرِ حبیب ﷺ کے
شاہیں سے مانگیے نہ چلن عندلیب کے

ایک اور رزمیہ نعت ''پیغمبرِ انقلاب'' ﷺ بحر کی روانی، الفاظ کی فراوانی، ندرتِ طنزِ پنہانی، توانا لہجہ کی جوانی، فکر کی جولانی، جذبۂ جہاد کی ارزانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ ایسی خطیبانہ

شاعری جو ''ازدل خیزد و بردل ریزد'' کے مصداق سامع کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ میں خود اس کا چشم دید گواہ اور مسحور زدہ سامع رہا ہوں۔

اے مری قوم کے اہلِ زر دوستو! محترم، مقتدر، باا‌ثر دوستو
تم کو زیرِ فلک اور بروئے زمیں تا بہ عین الیقیں تا بہ حق الیقیں
خود کو اپنے تئیں یہ سمجھتے بھی ہو اور اشاروں، کنایوں میں کہتے بھی ہو
تم کہ آجر ہو، ماجور و مزدور سے تم کہ حاکم ہو، محکوم و مجبور سے
آدمی اور انسان ہوتے ہوئے ان کے جیسے مسلمان ہوتے ہوئے
ان سے افضل ہو، ارفع ہو، اعلیٰ ہو تم ان سے بہتر ہو، برتر ہو، بالا ہو تم
ان سے اچھے ہو تم نسل اور ذات میں عقل میں، علم میں اور کمالات میں
خاص اللہ میاں کے نوازے ہو تم لوگ تیلی تنبولی ہیں راجے ہو تم
یہ تصور تمھارا یہودی بھی ہے ہندوانہ بھی ہے اور مجوسی بھی ہے
مشرکانہ بھی ہے، کافرانہ بھی ہے ظالمانہ بھی ہے جابرانہ بھی ہے
شر وسواس ہے ایک خنّاس ہے جہل پاگل پنا اور بکواس ہے

ایک تند و تیز دریا، شور کرتا ہوا پہاڑوں سے اُترتا محسوس ہوتا ہے۔ پچھتّر (۷۵) اشعار کی رزمیہ نعت سامع کے وجود کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ ہزاروں شمعِ رسالت کے پروانے دم بہ خود سکتہ کی حالت میں ہوتے۔ تحت اللفظ میں رحمان کیانی کی گھن گرج مصرعے زورِ کلام میں تلوار کی طرح نکل کر نیام سے باہر آتے ہیں۔ ممدوح کی طرح اس نعت کا ایک ایک لفظ، ایک ایک مصرع دعوتِ انقلاب اور اختتامی پیام دنیا میں باوقار و سربلند زندگی کا قرآنی نعرہ ''الجہاد، الجہاد، الجہاد، الجہاد'' ہے۔

''سیف وقلم'' کی مقدمہ نگار پروفیسر سعیدہ عروج مظہر نے درست لکھا:

رسول کریم ﷺ کا اتنا متحرک تصور، اسلام اور اس کے لائے ہوئے انقلاب کا اتنا توانا اور موٴثر لہجہ پھر سہلِ ممتنع میں پیش کرنا، علم، فن، اَن تھک کوشش، موضوع سے دلی لگاوٴ اور سب سے بڑی بات تائیدایزدی کے بغیر ناممکن ہے... مولویوں، صوفیوں اور خانقاہی ماحول میں پلنے والے ذہن میں رسولِ اکرم ﷺ کا نبی الملاحم ﷺ بن کر سمانا اللہ کی مرضی کے سوا

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

کچھ نہیں۔

علامہ اقبال کے بعد رحمان کیانی نئے نعتیہ انداز کا شاعر ہے جس کا لہجہ جداگانہ اور طرزِفکر یگانہ ہے۔ عجمی تصورات کے برخلاف ان کی نعتوں میں اسلامی تعلیمات کا ذکر ہے۔ ان کی شاعری اسلام کی شانِ جلال کی عکاس ہے۔ ان کا بلند آہنگ لب و لہجہ عربی شاعری کا خوشہ چیں ہے۔ یہ ان کی ابتدائی تعلیم، درسِ نظامی اور فرنگی محلّی تدریس کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے اپنی فکر اور بیان کا رشتہ دربارِ نبوی ﷺ کے شعرا سے استوار کیا۔

گفتگو اس میں روا لہجۂ حسانؓ میں ہے
رقص کرنے کی جگہ بدر کے میدان میں ہے

انھوں نے حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قصائد سے راست استفادہ کیا تھا۔ ان کے بعض اشعار کے منظوم تراجم بھی کیے، مثلاً:

سان چڑھائی خوب اُجالی اصلی اور لشکارے دیتی
اللہ کی تلواروں میں ہیں ایک کھنچی تلوارِ محمد ﷺ

(حضرت کعب بن زہیرؓ)

ہمارے ہادی وہ بن کے آئے اندھیری شب میں چراغ جیسے
اور ایسے چمکے کہ اک اُجالی اصیل تلوار جیسے چمکے

(حضرت حسان بن ثابتؓ)

اے کافروں کے بیٹو! ہٹ جاؤ راستوں سے
اللہ کے پیمبر ﷺ تشریف لا رہے ہیں
ورنہ تمھاری سن لو ایسی پٹائی ہوگی
بھیجے نکل پڑیں گے ٹوٹے ہوئے سروں سے
اور اجنبی بنا کر، کر دے گی لاتعلق
بچپن کے دوستوں کو بچپن کے دوستوں سے

(حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ''فتح مکہ'' کے موقع پر)

بنی زہار کی ایک خاتون کے زبانِ زد خاص و عام اشعار کا ترجمہ پڑھیے:

خوب رو آپ ﷺ کا جیسا کوئی دیکھا نہ سنا　　　اتنا اچھا کوئی پیدا کبھی ہوگا نہ ہوا

آپ ﷺ بے عیب ہیں اور آپ ﷺ نے شاید جیسا　　خود کو چاہا تھا خدا نے ہے بنایا ویسا

حجازی لے اور عرب کے حسنِ طبیعت کے پہلو بہ پہلوان کے مزاج میں عجم کا سوزِ دروں بھی ہے۔ انھوں نے فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اقبالؔ کے فارسی قطعات کے ترجمے بھی کیے ہیں۔ قدسیؒ کی ہر دل عزیز سدابہار نعتیہ غزل پر تضمین، محسن کاکوروی کے لامیہ قصیدے سے استفادہ کرتے ہوئے ''یاسیّد البشر ﷺ'' لکھی ہے:

جب کراچی سے چلا جھوم کے کالا بادل　　شہر بطحا کی طرف چھوڑ کے یہ دشت و جبل
لڑ کھڑاتا ہوا بدمست، خوشی سے پاگل　　رقص کرتا ہوا، گاتا ہوا قدسی کی غزل

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

رحمان کیانی کی رزمیہ نعت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی سے اپنی نعتوں کو مزین کرتے ہیں۔ بظاہر گراں بار ترکیبیں بھی اشعار کو سہلِ ممتنع بن جانے سے روک نہیں سکتیں۔ یہاں ان کی قادرالکلامی ہر مصرع میں بولتی ہے۔ شوکتِ لفظی اور بلند آہنگی انھیں عرب شعرا اور فارسی میں قاآنی کے قریب کر دیتی ہے۔ شعر میں خود بہ خود شانِ جلال پیدا ہوجاتی ہے۔ ''پیغمبرِ انقلاب'' ﷺ سے ایک بند:

سیّد الانبیا ﷺ خاتم المرسلیں ﷺ　　آخر الوحی و اعجاز و شرعِ متیں
سابق الحادثیں، حادث الاوّلیں　　مبدا الخلق و عین النعیم المبیں
افصح الناطقیں، اخطب الخاطبیں　　اصدق الصادقیں، ارشد الراشدیں
اکرم الاکرمیں، اکمل الاکملیں　　افضل الافضلیں، اجمل الاجملیں
احسن الاجمعیں، شافع المذنبیں　　نافع الخاسریں، رافع العاجزیں
مشفق الخاطئیں، محسن الخادعیں　　ناصح الآثمیں، مصلح الغافلیں
ناہی الشر و تعذیب و ظلم و ستم　　ماحی الکفر بالسیف و قول و حکم
شاہِ قاب قوسین و شق القمر　　اک بشیر و مبشر مکمل بشر
مردِ حر، صاحبِ لولاک، مولائے کل　　وہ منیر'' وہاج'' سراج'' السّبل
ہادی و نادی و قائد و مقتدیٰ　　رہبر و رہنما، مصطفیٰ ﷺ مجتبیٰ
میرے آقا محمد ﷺ رسولِ خدا　　جن پہ صبح و مسا تابہ روزِ جزا

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

بولو یاربّ صل و سلم علیہ　　بولو یاربّ صل و سلم علیہ
اے خواص الخواص، اے عوام العوام　　ان پہ لاکھوں درود، ان پہ لاکھوں سلام

نعت ''ایا سیّد! ایا سرور! میں مدحتِ رسول کا انداز دیکھیے۔ یہ نعت ''اذاں'' میں اے روحِ محمد ﷺ کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ الفاظ کا انتخاب، تراکیب کا اختراع، آہنگ کا ارتفاع، بحر کی روانی دیکھ کر بجز صل علیٰ اور سبحان اللہ زبان سے کیا نکلے گا۔ کلام خود کہتا ہے کہ شاعر قادرالکلام ہے:

عطر آنست کہ خود بوید نہ کہ عطار گوید
(عطر خود خوش بو دیتا ہے عطار کو کہنے کی ضرورت نہیں)

محمد مصطفےٰ، مصباحِ ظلمت، نورِ سبحانی　　حرا کے چاند، قندیلِ حرم، خورشیدِ فارانی
چراغِ ثور، شمعِ بزمِ بطحا، مشعلِ اسریٰ　　سراجِ لیلۃ القدر و ضیائے صبحِ فرقانی
بنائے کن فکان وجہ وجودِ گیتی و گردوں　　مرادِ لوح مقصودِ قلم، مطلوبِ قرآنی
متاعِ علم و فن، معیارِ دانش، نقدِ آگاہی　　مدارِ شوق، میزانِ خرد، مقیاسِ برہانی
کمال دینِ حق، اتمامِ نعمت، آیۂ رحمت　　قدیم الحادثیں، ختم الرسل، ممدوحِ ربانی
سراپا رحمۃ للعالمیں، محبوبِ حق لیکن
بشر، خیر البشر، فخر البشر، منہاجِ انسانی

جہاں بیں وجہاں گیرو جہاں دار و جہاں پرور　　کرم پیکر، کرم گستر، شفیق و مشفق و یاور
حفیظ و حافظ و حامی انیس و مونس و ہمدم　　رسول و ہادی و قائد، نبی و نادی و رہبر
صلیح و صالح و مصلح، مصدق، صادق و اصدق　　مکمل، کامل و اکمل، ظہیر و ظاہر و اظہر
فضیل و فاضل و افضل، جمیل و مجمل و اجمل　　حسین و محسن و احسن مطاہر طاہر و اطہر
مجید و ماجد و امجد، رشید و راشد و ارشد　　حمید و حامد و احمد، منور، نوری و انور
نظیر ناظر انظر نصیر ناصر انصر
ایا والی، ایا مولیٰ ایا سیّد ایا سرور

رحمان کیانی نے ۱۸/ سال کی عمر میں اودھ کی دیہاتی زبان میں ایک رزمیہ نعت ''جنگِ بدر'' لکھی۔ حیرت ہوتی ہے کہ لکھنوی ماحول کا غزل گو کس طرح اس غیر معمولی موضوع کی طرف مائل ہوا وہ بھی اردو میں نہیں کسی اور زبان میں۔ یہ ان کے بزرگوں کی تبلیغی تعلیم کا اثر تھا۔

آسان ہندی کے ساتھ ساتھ سنسکرت آمیز زبان بھی ہے جو شاعر کی مختلف زبانوں میں مہارت کی صلاحیت کا بین ثبوت ہے۔ نظم کا عنوان ہے ''اوتار سبھا''

ایک برس بیتا تھا نبی ﷺ کو مکے سے بن باس لیے
اور مدینے کی نگری میں کھیم کشل رنواس لیے

بھور بھئے مسجد میں اک دن بیٹھے تھے اتم اوتار
چاروں اور سے گھیرے ان کو سرجن ہار کے پوجن ہار

تارن بیچ چندرماں جیسے پیسن بیچ رپیّا ہوئے
بیچ سمندر ٹاپو جیسے کھیتن بیچ منڈیا ہوئے

کنڈ میں جیسے کوکا بیلی، پانی بیچ مچھریا ہوئے
چڑین بیچ موریلا جیسے گورن بیچ سنوریا ہوئے

کھر پتوار میں پھول ہو جیسے چمپا چنبیلی میں پھل نار
جھاؤ جھاڑ کے جھنڈ میں جیسے چھتا ہوا پیپل چھتنار

مسجدِ نبوی میں صحابہ کرامؓ کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے تشریف فرما ہونے کی منظر کشی ہے۔ میدانِ بدر کی طرف روانگی کا منظر ملاحظہ کیجیے:

سنگھی ساتھی پھر تو نبی نے جھٹ پٹ جھٹ پٹ کیے تیار
تیرہ ساتھی گھوڑے چڑھیا، اسّی سنگھی اونٹ سوار

دو سو سات جیالے پیدل جن کے پاس نہیں ہتھیار
ڈھال بنائے چھاتی اپنی، لاٹھی، ڈنڈے کو تلوار

محمدی ﷺ جھنڈا کھلا اگاڑو لہر لہر لہرایا جائے
پیچھے پگ پگ ہر اک لڑیا دھرتی کو دہلاتا جائے

راجا سب کے پیارے نبی جی ساہیت ان کی کرے خدائے
مکے والوں سے لڑنے کو چلے انوکھا ٹھاٹ بنائے

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برسوں راکھ میں دبی چنگاری پاک بھارت جنگ کے بعد شعلۂ جوالہ بن کر اُٹھی اور اردو ادب کو عظیم رزمیہ نعتوں سے مالا مال کر گئی۔ مردِ از غیب بروں آئد و کارِ کرد ی۔

نعتیہ مجموعے ''شمشیرِ ضیا بار'' میں ٹھیٹ ہندی میں اُنیس (۱۹) اشعار کی اک نعتیہ نظم

''امرت بوند'' ملتی ہے۔ اس کے بعض اشعار کو سمجھنے کے لیے ذہن پر بار ڈالنا پڑتا ہے۔ قدرتِ کلام کے اندازے کے لیے ایک شعر بطور نمونہ درج ہے:

تاکے پاچھے پیارے نبی ﷺ کو سیس نوائے کروں سلام
امرت بوند محمد ﷺ، جن کا شیتل شبھ اور سندر نام

رحمان کیانی کی نعتوں میں دو عنصر بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک مسلمانوں کی نامسلمانی، بے عملی، ایمان کی کم زوری اور سماجی برائیوں میں گھرا ہونا... اس کی منظرکشی کرتے ہوئے ان کا قلم زہرناک تندی اختیار کر لیتا ہے۔

دوسرا عنصر بارگاہِ رسالت میں عرض و استمداد ہے جہاں شاعر سراپا عجز اور دعا کا پیکر بن جاتا ہے۔ مسلمانوں پر نگاہِ کرم کی التجا میں اقبال کا ہم نوا ہو جاتا ہے۔

پہلے مسلمانوں کی حالت زبوں کا نقشہ دیکھیے:

کیا کہوں ان کے عقائد کی اساس اور بنیاد کر کے قرآن و احادیث میں شامل ایجاد
وضع کرتے ہیں یہ ہر روز نیا ایک فساد اور آپس کی لڑائی کو سمجھتے ہیں جہاد
الغرض وحدتِ ملّی کا انھیں دھیاں نہیں
شیعہ و سنی ہیں یہ لوگ مسلمان نہیں

مسلمانوں کی اکثریت جس خوش فہمی میں مبتلا ہے اس پر ان کے طنزیہ شعر ملاحظہ کیجیے:

یہ غلط ہے نعت گا کر محفلِ میلاد میں سن کے قوالی محمد ﷺ مصطفٰے کی یاد میں
بھیج کر برفی کے دونے حلقۂ زہاد میں بانٹ کر کچھ روٹیاں بھوکے غریب آباد میں
اپنے کرتوتوں کی اڑدب میں نہیں آؤ گے تم
یعنی کچھ لے دے کے جنت میں چلے جاؤ گے تم

نظم ''آئینہ کیوں نہ دوں؟'' میں سماجی برائیوں کی تفصیل کا طنزیہ انداز بڑے گہرے گھاؤ لگاتا ہے اس کے علاوہ گنجینۂ الفاظ و معنی کا دروبست دیکھنا ہو تو ان کی نظمیں بعنوان قائداعظم، سچے بول، نوائے سروش، دلیل صبح، انسان نہیں مسلمان اور ایک تاریخ ساز فضائی معرکہ پڑھیے۔

اوکھے سوکھے، ماڑے مندے گھٹیا، ہیچ، لچر اور گندے
رشوت، سود، جوا اور سٹّہ صدقہ، بھیک، چراغی، چندے
ڈاکہ چوری، سینہ زوری دھوکے، جعل، فریب کے دھندے

اور بھی ہیں کچھ اس سے بدتر   کرتے ہیں جو کالے دھندے
چیلے ہو شیطان کے پورے   لیکن تم اللہ کے بندے
بنتے ہو خدامِ محمدﷺ   صلی اللہ علیہ وسلم

مایوسی کے بعد اُمید کی شمع بھی روشن کی ہے۔

دیکھ ری بہنا دیکھ رے بھیا   تاک دھنا دھن تا تک تھیا
ناچ رہی ہے بپھری موجیں   گھوم رہا ہے وقت کا پہیا
اور ڈگمگ ڈول رہی ہے   قوم کی ٹوٹی پھوٹی نیّا
اب تو یہی ہے سارے مل کر   زور لگاؤ ہیّا ہیّا
شور مچاؤ اور بلاؤ   آؤ! آؤ! بن کے کھویّا
بیڑا کر دو پار محمدﷺ   صلی اللہ علیہ وسلم

''ذکرِ پیغمبرؐ'' کے دو بند پڑھیے:

ہوگئیں صدیاں کہ وقفِ محفلِ میلاد ہے   روزیٔ واعظ سے وابستہ علی الاولاد ہے
مذبحِ قوالیت میں کشتۂ بیداد ہے   قحبہ خانوں سے بھی اکثر مائلِ فریاد ہے
ریڈیو، ٹی وی پہ سن لو دیکھ لو اب تو یہاں
نعتِ پیغمبرﷺ سناتی ہیں طوائف زادیاں

مردمانِ بدخصائل اور زنانِ زشت کار   سرکشانِ سود خوار و باغیانِ بادہ خوار
طاغیانِ تیرہ دولت، راشیانِ رو بہ ناز   ہوشیار و ہوشیار و ہوشیار و ہوشیار
آ رہا ہے اسوۂ خیر البشر سے فیض یاب
انقلابِ دینِ فطرت، انقلاب و انقلاب

رحمان کیانی کا زہر کی سیاہی میں بجھا ہوا قلم طنز و استہزا کے تیر نشانے پر لگاتا ہے۔

یک جا نہ ہوسکیں جو محمدﷺ کے نام پر   لعنت خدا کی ایسے خواص و عوام پر

☆

خارج ہے اس کا نام ہماری کتاب سے   جس کو زنا کا شوق ہو، رغبت شراب سے

☆

زندگی پیکار ہے بے کار ہیں اس کے لیے   شیخ فاضل کے دلائل، مرشدِ کامل کی سوچ

☆

پڑھتے نہیں ہیں بھول کے اللہ کی کتاب ہوتے نہیں ہیں چشمۂ زمزم سے فیض یاب
مغرب کے میکدوں کی چڑھائے ہوئے شراب اس درجہ ہوچکے ہیں مسلمان اب خراب
سڑکوں پہ ناچتی ہیں کنیزیں بتول کی
اور تالیاں بجاتی ہے اُمت رسول ﷺ کی

''آئینہ کیوں نہ دوں؟'' واقعاتی طنز سے بھرپور نظم ہے:

ماں ہو بہن ہو یا ہو بیٹی گھر میں اب بن عصمت والی
حکمِ خدا یہ صاف ہے لیکن مت جو پھری تم لوگوں کی
برقعہ اور چادر کو چھوڑا سر سے پھینک دوپٹہ بھی
آدھی ننگی پھرتی ہو تم تیر، تبر، تلوار بنی
تریاہٹ کو چھوڑ کے لیکن بولو بی بی بھاگ بھری
کیا ہے یہی تعلیمِ محمد ﷺ
صلی اللہ علیہ وسلم

رزمیہ نعتوں کے مجموعہ ''شمشیرِ ضیابار'' کی ایک نظم میں ''عشقِ نبی ﷺ'' کے دعوے داروں سے ''کیا آپ نے؟'' کا سوال ہے... لحۂ فکریہ

یہ بزم کہ ہے سیّد کونین سے منسوب سنتا ہوں کہ اس بزم میں موجود ہیں اکثر
وہ لوگ کہ دعویٰ ہے جنھیں عشقِ نبی ﷺ میں یاسرؓ ہیں، سمیہؓ ہیں، بلالؓ اور بوذرؓ
میں ان سے یہ پوچھوں گا کہ چھینا گیا جس دن نادار کی جورو کی طرح خطۂ خاور
اس روز سے اب تک سر سجادہ و بستر کیا آپ نے سوچا ہے کبھی بیٹھ کے پل بھر
پوچھا ہے تڑپ کر کبھی اقبال کی مانند اے تا بہ ابد راہنما روحِ پیمبر ﷺ
شیرازہ ہوا اُمت مرحوم کا ابتر اب تو ہی بتا، تیرا مسلماں کدھر جائے؟

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء یومِ سقوطِ مشرقی پاکستان رحمان کیانی کے دل کا رِستا ناسور تھا۔ اس موضوع پر جس گداز قلبی سے ملت کے اس حدی خواں نے خون کے آنسو بہائے ہیں کوئی دوسرا پاکستانی شاعر اس کا ہمسر نہیں ہوسکتا۔

اقوام رو سیاہ کی سازش سے جس گھڑی لوگو! ہمارے ملک کا جھٹکا کیا گیا
بنگال کو بھی وادیٔ کشمیر کی طرح آنکھوں میں دھول جھونک کے ہتھیا لیا گیا

پھر بھی ہمارے کان پہ رینگی نہ ایک جوں روتے کسی کو نہ سکتے سنا گیا
ہاں اس کے برخلاف سنا ہے کہیں کہیں اُترا سروں سے بوجھ ہمارے کہا گیا
کتنی ہی محفلوں میں سرِ دعوتِ طعام ہر شخص اپنی غیرتِ قومی کو کھا گیا

ہر بُرے وقت میں مسلمانوں کی پناہ شفیع المذنبین رسولِ رحمت ختمی مرتبت ﷺ ہیں۔ وہ محبوب ربّ المشرقین و مغربین ہیں۔ وہیں قومی زخموں کا مداوا بھی ہے اور آئندہ کے لیے دریائے مصائب سے گزرنے کا حوصلہ بھی ملتا ہے۔ قومی شاعری میں الطاف حسین حالؔی نے اس کی ابتدا کی ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

ان کی اتباع کا رحمان کیانی نے اعتراف کیا ہے۔

جناب حالؔی و اقبالؔ کا پیرو تو ہوں لیکن
میرا پیشہ ہے تلواری میرا لہجہ ہے پیکاری

علامہ اقبالؔ نے اس روایت کو زیادہ توانا اور مربوط کیا۔ پھر یہ طریقۂ عرض و استمداد قومی شاعروں کا شیوہ بن گیا۔ ہر زبان پر ''نگاہِ کرم، تاجدارِ حرم'' کی التجا ہے۔

مولانا قدسیؒ کی نعت پر تضمین ''یا سیّد البشر'' میں عرض پرداز ہیں:

ہو اجازت تو بصد عجز و ادب پیش کروں آپ کی اُمت موجود کے حالات زبوں
ان سے بڑھ کر کوئی کج رو کوئی بدکار نہیں خود فراموش و خطا کوش و گنہگار نہیں
اتنا بے شرم نہیں اتنا بد اطوار نہیں
آج ان جیسا زمانے میں کوئی خوار نہیں

آپ ﷺ اللہ کے محبوب ہیں کہیے اس سے پھر انھیں صاحبِ ایمان مسلماں کر دے
کالی کملی میں ذرا اپنی چھپا لیں ان کو مٹ نہ جائیں کہیں للّٰلہ بچا لیں ان کو
یعنی جود و کرم و لطف و سخا سے اپنے
وہی جرأت، وہی ہمت وہی طاقت دے دے

☆

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

زیر ہو کہ زبر پست کو بالا کر دیں
آپ کے نام سے دنیا میں اُجالا کر دیں

بڑی دردمندی، سوز و گداز اور عاجزی کے ساتھ حضورِ رسالت مآب ﷺ میں ''ایا سیّد! ایا سرور'' نظم میں التجا کرتے ہیں۔

مسلماں پر گزارش ہے نوازش بارِ ثانی ہو
توجہ ہو عنایت ہو کرم ہو مہربانی ہو
ملے بدری، حنینی، خیبری جذبہ کہ پھر اس کو
تمنا رقصِ بسمل ہو، حیات جاودانی ہو

اسی نظم میں راست التجا میں مسلمانوں کی حالتِ زبوں بیان کی ہے:

مسلماں آج بھی دنیا میں بے پندار ہے آقا ﷺ
ذلیل و خوار ہے، مستِ مئے اغیار ہے آقا ﷺ
جو دیکھو مرد عیسائی تو عورت ہندوانی سی
خود اپنی وضع سے یہ بے حیا بیزار ہے آقا ﷺ
بھلا کر نصِ قرآنی، یہودی اور نصرانی
شیاطین زمانہ کا یہ پیروکار ہے آقا ﷺ
نہ جانے کتنی ذاتوں، مسلکوں، فرقوں، گروہوں میں
پریشاں، منتشر، تقسیم نانجار ہے آقا ﷺ
اگر کھانا ہے سود اس کا تو پینا ہے شراب اس کا
زنا ہے شغل اس کا اور کھلے بازار ہے آقا ﷺ
گنوا کر آپ ﷺ کی بخشی ہوئی تیغ ہلالی کو
یہ اپنے دشمنوں سے مانگتا تلوار ہے آقا ﷺ

آگے التجا رجائیت کا لہجہ اختیار کر لیتی ہے اور یہی شاعر کی مثبت فکر کی دلیل ہے۔

مسیحائی جو ہو جائے یہی بیمار ناچے گا جیسے اُٹھنا بھی مشکل ہے مری سرکار ناچے گا
علاقائی، لسانی اور نسلی امتیازوں کے بتوں کو توڑ کر اور پھینک کر زنّار ناچے گا
پہن کر ہتھکڑی، بیڑی یہی زنداں سے مقتل تک چھما چھم چھم، چھما چھم چھم سرِ بازار ناچے گا

یہی کم کوش و تن آساں، زمانہ آنے والا ہے
کفن پہنے ہوئے، کھینچے ہوئے تلوار ناچے گا

رحمان کیانی اللہ اور رسول ﷺ پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہے۔ اس عظیم ملّی سانحہ کے باوجود وہ ''لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ'' پر دل و جان سے یقین رکھتا ہے۔ یہی رجائیت اسے حوصلہ عطا کرتی ہے۔ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو رشد و ہدایت کا سرچشمہ سمجھتا ہے۔

ایک منشور رُشد و ہدایت کا — ایک دستور عدل و مساوات کا
نام جس کا کہ فرقان و قرآن ہے — جس کو کہتے ہیں سب جزوِ ایمان ہے
یہ ہی اُم الکتب مصحفِ آخریں — دفترِ علم و دانش، متاعِ یقیں

قرآن مجید کو ہی وہ ایک کتاب زندہ، کتابِ ہدایت اور لازوال حکمت کا خزانہ سمجھتا ہے۔ نظم ''انسان نہیں مسلمان'' کے تین بند پڑھیے:

پیروں کے مکاشف ہیں تقدیری و توفیقی — مُلاّ کے مواعظ ہیں تاویلی و تفریقی
شاعر کے مضامیں ہیں غاوئی و زندیقی — تحقیقی و تصدیقی، تعمیری و تخلیقی
بننا ہے اگر تجھ کو تو قاریٔ قرآں بن
برہانیٔ برہاں بن تو مردِ مسلماں بن

قانونِ بشر سارے کہنے کو ہیں جمہوری — سوچو تو مقاصد میں چنگیزی و تیموری
اربابِ حکومت کی سلطانی و فغفوری — جمہور کی مظلومی، محکومی و مجبوری
بننا ہے اگر تجھ کو دستوریٔ قرآں بن
تو نائبِ یزداں بن تو مردِ مسلماں بن

مشرق کی شریعت ہے محرومی و مشتاقی — مغرب کی طبیعت ہے صیادی و قزاقی
وہ کارِ سیاسی ہو دینی ہو کہ اخلاقی — سیرت ہے محمد ﷺ کی میزانی و میثاقی
بننا ہے اگر تجھ کو میزانیِ فاراں بن
فرقانیٔ فرقاں بن تو مردِ مسلماں بن

''اسلام'' کے عنوان سے جو نظم ''شمشیر ضیا بار'' میں ہے۔ اسلام کے دینِ کامل ہونے پر یقین کی دستاویز ہے۔

لے کے تیغ دو دم اور کتابِ خدا — آئے خیر البشر ﷺ، سیّد الانبیا ﷺ
یہ اخوتِ محمد ﷺ کا پیغام ہے — یہ ہی اسلام تھا یہ ہی اسلام ہے
اور اسلام کے قارئینِ کرام — آج رائج ہیں دنیا میں جتنے نظام
کُل نہیں ایک جزوی سی معقولیت — ہے سیاسی مساوات جمہوریت

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

اور جزوی معاشی تحفظ کا نام ہے کھلی جبریت اشتراکی نظام
جب کہ اسلام تا حدِ عین الیقیں اک نظامِ مکمل ہے جزوی نہیں
جس میں شامل زمانے کی ہر بات ہے
اور مکمل سماجی مساوات ہے

شاعر آج کے مسلمان کو اس کے بھولے ہوئے مقام کو یاد دلاتا ہے۔ اقبال کی طرح اس کی آتشِ شوق کو مہمیز کرتا ہے۔

تو موجِ محمدﷺ کا بپھرا ہوا طوفاں ہے گرداب بداماں ہے ساحل بگریباں ہے
دل ہے تو تقاضا بن، جاں ہے تو تمنا بن ذرّہ ہے تو صحرا بن قطرہ ہے تو دریا بن
پھر کوشش پیہم کر پھر جہدِ دمادم کر یہ قلزم بے پایاں پھر درہم و برہم کر
پھر گونج فضاؤں میں بادل کی اذاں بن کر پھر شعلہ بجاں بن کر پھر برقِ تپاں بن کر

☆

ذلت و خواری کا باعث مجملاً کہتا چلوں ترکِ قرآں اور شرعِ سیّد الابرارﷺ ہے

☆

ہاتھ میں لے کر یہ خنجر اور سپر قرآن کی تو اگر چاہے بدل دے زندگی انسان کی

☆

ہے لاتخف پہ یقیں دولتِ غیور و جسور نہ اسلحہ نہ خزانہ ہے قم باذن اللہ

اس پس منظر کا شاعر، شعور و آگہی کی پختگی کے ساتھ منزلِ یقیں سے اعلان کر رہا ہے:

مرا ایمان ہے وہ دُور وہ ہنگام آئے گا کسی ساعت کسی صورت میں صبح و شام آئے گا
مصافِ حق و باطل میں مسلمانِ زمانہ کو حریفانہ پیام گردشِ ایام آئے گا
اُلٹ دے گا یہ متوالا زمینوں آسمانوں کو خدا کے بعد جب لے کر تمھاراﷺ نام آئے گا
گزر کر خندق و بدر و اُحد سے شہرِ مکہ میں جو آیا تھا، وہی پھر انقلابِ عام آئے گا
سنو اے روسیو! امریکیو! صہیونیو سن لو
یہاں اسلام آنا ہے، یہاں اسلام آئے گا

عزم اور یقین کا یہ پُراعتماد لہجہ رجائیت کا ترجماں اور دوامی للکار ہے۔

تم کو ناموسِ محمدﷺ کی قسم ہے دوستو آنکھ کے اندھے اگر اور کان کے بہرے نہ ہو
آنکھ کھولو کان کھولو ہر طرف دیکھو سنو چوڑیاں پہنے نہ ہو تو کچھ تو سوچو کچھ کرو

وقت کے دلدل سے نکلو اور نکل سکتے ہو تم
یہ نظامِ بد، مری مانو بدل سکتے ہو تم

''ذکرِ پیغمبر'' سے شاعرِ جہاد رحمان کیانی تلوار بناتا ہے اور مسلمانوں کو مژدہِ انقلاب تسخیرِ کائنات کے عزم سے سناتا ہے۔

مجاہدِ حیات ہوں مجھے حیات چاہیے
اگر کہوں غلط نہیں یہ کائنات چاہیے

مگر اس کے لیے کسی شہسوارِ سرفروش صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہے۔

یہ مانا بزمِ اُمت میں کئی دانائے راز آئے
حکیم نے نواز آئے، کلیم دل نواز آئے
بدلنی ہے اگر اس اُمتِ مرحوم کی قسمت
تو اب اک شہسوارِ سرفروش و یکہ تاز آئے

دوامی بانگِ کبریائی اور نغمۂ رسالتِ آفاقی پر شاعر کے ایمان کی گواہی میں آپ بھی شامل ہوجایئے۔

مگر یقین ہے مجھ کو کہ تا بہ روزِ حشر
بلند ہوگا مساجد سے نعرۂ تکبیر

اور اسی کے ساتھ ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جہاد ہوتا رہے گا۔

ایسے یقیں نہ آئے تو پیرانِ خانقاہ   باخرقہ و کلاہ و مریدانِ بارگاہ
اک دن ہمارے ساتھ چلو سوئے رزم گاہ   تم کو دکھائیں طرفہ تماشہ خدا گواہ

دیتے ہیں کیسے جان، کٹاتے ہیں کیسے سر
پڑھتے ہوئے درود، محمد ﷺ کے نام پر

اللہ تعالیٰ شاعرِ جہاد رحمان کیانی مرحوم کی تمنائیں پوری کرے... مغفرت کے ساتھ ان کے درجات بلند فرمائے اور مجاہدِ اعظم ﷺ کے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

حواشی

☆۱۔ حضرت کعبؓ بن مالک
☆۲۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ

D:NaatRang-17
File: 3Rehman
Final

پروفیسر غلام رسول عدیم۔ گوجرانوالہ

حنیف نازش قادری کی نعتیہ شاعری

نعتِ سرکارِ دوعالم ﷺ انسانی سرشت کا خاصہ ہے۔ اہلِ ایمان کے لیے تو سرمایۂ جان و ایمان ہے ہی غیر مسلم اور نعمت ایمان سے بے بہرہ لوگ بھی (بشرط یہ کہ فطرت میں سلامتی اور راستی کے جوہر موجود ہوں) فطرت سے مجبور ہوکر محسنِ انسانیت ﷺ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ جہاں تک اہلِ ایمان کا تعلق ہے ان کا تو اثاثۂ جسم و جان ہی توصیفِ پیغمبر ﷺ اور اس توسط سے پیرویٔ پیغمبر ﷺ ہے۔ بالخصوص وہ خوش نصیب جنھیں موہبتِ الٰہی سے شعرگوئی کی صلاحیتیں ودیعت ہیں۔ حق یہ ہے کہ بعض سعادت مند روحیں مبدا فیاض سے طبیعت ہی ایسی لے کر آتی ہیں کہ انھیں توصیفِ پیغمبر ﷺ میں ایک خاص لطف آتا ہے اور اسی ذوق سے سرشار رہ کر وہ اپنی زندگی کو بڑا ہی قیمتی اور بامقصد بنا لیتے ہیں۔ زیرِنظر دو مجموعہ ہائے نعت ''سخن سخن خوش بوٗ'' اور ''آبرو'' بقول ہمارے شاعر کے ۱۹۸۴ء سے اب تک کی کوششوں کا ثمر ہیں۔ پہلا مجموعہ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک تین ساڑھے تین سال کے عرصے میں تخلیق ہوا۔ دوسرا مجموعہ تب سے اب تک یعنی ۲۰۰۳ء تک کی تخلیقات پر مشتمل ہے۔ پہلے مجموعے میں ایک حمدِ باری تعالیٰ اور ۶۳ نعتیں ہیں یہ مجموعہ ان کی اپنی ہی نعت کے ایک شعر سے ماخوذ ہے:

کلامِ خلقِ مجسم کا دیکھیے انداز ہے
لفظ لفظ محبت سخن سخن خوش بو

شاعر محمد حنیف نازش راقم کے ابتدائی کلاسوں کے ہم درس رہے ہیں:

او بصحرا رفت و مادر کوچہ ہا رسوا شدیم

عرصۂ دراز سے مکروہات حیات کی وجہ سے رابطہ منقطع رہا تاہم میرے ذہن کے

D:NaatRang-17
File: 4-Ghulam
Final

نہاں خانے میں ایک دھندلا سانقش منعکس رہتا کہ وہ شاعری کی دنیا میں نام رکھتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس بات کا گمان تک نہ تھا کہ وہ اس سفر میں اتنے دُور نکل گئے ہیں کہ اب ان کے پیچھے پیچھے چلنا بھی خوش نصیبی کی بات ہے۔ نعت نگر میں ان کا مستقل گھر بنالینا اور اس میں رہنے بسنے کو مایۂ زیست سمجھنا سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ ان کی والہانہ شیفتگی کا مظہر ہے۔ قدرت کی جانب سے انھیں فکر ونظر کی نظافتیں، قلب و روح کی لطافتیں اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی حلاوتیں مقدر ہوئی ہیں۔ نتیجتاً انھوں نے نعت کو مقصودِ زیست بنا لیا ہے۔ لگتا ہے کہ خلاقِ عالم نے انھیں اسی کام کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، سونا جاگنا، معاملاتِ حیات، سفر وحضر ہر مقام پر نعت ہی نعت کی جلوہ سامانیاں ہیں۔

قسمت کیا قسام ازل نے ہر اک کو جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا غم ہم کو دیا سب نے جو مشکل نظر آیا

مگر وہ غمِ حبیب ﷺ کی اس مشکل کو بھی اس سہولت سے لیے ہوئے ہیں کہ انھیں اس سے بادۂ نورس کی سرشاری محسوس ہوتی ہے۔ نازش کے کلام کا ایک بہت بڑا خاصہ گداز قلب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روح میں گداز کی کیفیتیں کسمساہٹیں لیتی، کروٹیں بدلتی اور لرزشوں سے مرتعش ہوتی ہوئی انھیں سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں فکراً بھی جسماً بھی حاضری دینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

حق یہ ہے کہ شاعری اصلاً سوزِ دروں ہی کا دوسرا نام ہے۔ اگر محض بے سوز حقائق کی کھتونی کھول دی جائے تو فلسفیانہ موشگافیاں تو ضرور جنم لیتی ہیں، مگر شعر نہیں بنتا۔ اگر دانش و بینش کی فکرانگیزیوں کے ساتھ سوزِ دروں کی توبہ شکن انگڑاہیوں کو بھی آمیز کرلیا جائے تو وہ خوب صورت شے اُبھر کر سامنے آتی ہے جسے شعر کہتے ہیں۔

حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعرمی گردد چو سوز از دل گرفت

اور اگر عقیدتوں کی نیازمندیوں اور محبتوں کی دردمندیوں کو بھی اس پر مستزاد کرلیا جائے تو شعر کی اعلیٰ ترین شکل یعنی نعت وجود پذیر ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شاعر اب محض شعر کہنے یا صرف تفننِ طبع یا فنی شعبدہ بازیوں کے لیے شعر نہیں کہتا، اُسے اندر کا احساس مجبور کرتا ہے کہ وہ شعر کی زبان میں اس ذات والا صفات سے والہانہ اظہارِ وابستگی کرے جو محبوب عالمین بھی ہے اور ممدوح

ربّ العالمین بھی۔

ہمارے شاعر نے روح کی گہرائی سے عقیدتوں کے بحرِ ذخار میں ڈوب کر ''سخن سخن خوش بو'' سے ''آبرو'' تک جو زیرِ آب سفر کیا ہے، اُسے سطحِ آب پر کھڑا محض سطح بیں شخص کسی صورت نہیں جان سکتا۔ کنارے پر کھڑا شخص ظاہری تموجِ امواج کو تو دیکھ سکتا ہے درونِ ورطہ اور قعرِ دریا سے باخبر نہیں ہوسکتا۔ تلاطم سے نیچے اُتر کر موتی رولنا اور بات ہے اور کنارِ دریا کی آسودہ خرامی اور ہے:

از ورطۂ ما خبر ندارد

آسودہ کہ برکنار دریا ست

نازشؔ کی گہری قلبی شیفتگی کا اس سے اندازہ لگایئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جملہ متعلقات سے متعلق ہوئے بلکہ وہی کچھ بن جانے کی آرزو رکھتا ہے جس کو سرکار ﷺ سے کسی نہ کسی زاویے سے کوئی بھی نسبت ہے۔ یہ آرزوئے ناتمام اُسے شدید اضطراب میں رکھے ہوئے ہے۔ اگرچہ خیرالقرون بیت گیا۔ دورِ حاضر کے کسی انسان کا اس میں کسی طرح سے داخل ہونا ممکن نہیں مگر خواہش پر تو کوئی پابندی نہیں۔ ناممکن سے ناممکن کی آرزو تو کی جاسکتی ہے یہی تڑپ کسی بھی آرزومند کا سرمایۂ افتخار ہوتی ہے۔

ذرا یہ نعت ملاحظہ ہو:

عہد سرکار میں اے کاش میں پیدا ہوتا

سامنے میرے پیمبر کا زمانہ ہوتا

یہ ساری نعت اس شدید آرزو کی غماز ہے جس سے نازشؔ کی دلی واردات کا پتا چلتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کا زمانہ پانا، اس ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا، آپ ﷺ کے مبارک قدموں پر سر جھکانا، آپ ﷺ کے خدام میں ہونا، آپ کے خطاب دل نواز سے سامع نوازی کرنا تو ایک بات بھی ہوئی۔ نازشؔ اس سے بھی آگے بڑھ کر فرطِ محبت سے بے جاں چیزیں بھی بن جانا چاہتا ہے جو بظاہر انسان سے کم تر ہی مگر سرکارِ دوعالم ﷺ کی نسبت سے ان میں برتر اور خوب تر ہونے کا وصف پیدا ہوگیا ہے، مثلاً معراج کی شب راہ کا ادنیٰ ستارا ہونا، حسنینؓ کے ہاتھوں کا کھلونا ہونا، مسجدِ نبوی ﷺ کی ان صفوں کا ایک تنکا ہونا جن پر اصحابِ رسول ﷺ کے مبارک پاؤں آئے تھے۔

مدینے کی کھجوروں میں بسیرا کرنے والا ایک طائر خوش نصیب ہونا بھی ان کے لیے فخر و مباہات کا سبب ہے۔ اس تفاخر کو وہ شدید آرزو کے لہجے میں پیش کر کے پچھتاوے کا احساس

کر رہے ہیں کہ سوا چودہ سو سال کی دوری پر کھڑے ہو کر انھیں وہ نسبت حاصل نہیں جو اس دور کی بے جان اشیا کو حاصل تھی۔

> ''سخن سخن خوش بو'' کو ایک طائرانہ نظر سے دیکھا جائے تو اس میں خیال کی ندرت، مضامینِ نعت کا تنوع اور احساسات کے نازک آبگینوں سے سجا سجایا آئینہ خانہ ملے گا۔

اس مجموعۂ کلام کا سب سے بڑا امتیاز میری نظر میں رحمت طلبی کا شدت سے بھرا احساس ہے جس سے شاعر لحہ بہ لحہ سراپا عجز و درماندگی کی تصویر بنا رحمتِ دوعالم ﷺ سے التجائیں کرتا نظر آتا ہے۔

سوائے طیبہ کے غم کے مارو! کہاں ملے گی
دعائے رحمت، دوائے رحمت، شفائے رحمت
اسے بھی رحمت کی بھیک مل جائے میرے آقا ﷺ
کہ ہے یہ نازشؔ بھی ایک ادنیٰ گدائے رحمت

شاعر کا دوری و مہجوری کے ہاتھوں تڑپ تڑپ اُٹھنا، بے تابانہ دیارِ محبوب ﷺ میں اُڑ کر پہنچ جانے کی تمنا کرنا اور ان بے قراریوں کا بار بار جواب بھی آنا اس کی تشنگی روح میں اور اضافے کا موجب بنتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ حج و عمرہ کی سعادتوں سے کئی مرتبہ بہرہ اندوز ہوا اور حال ہی میں اس قریۂ جاں نواز کی فضاؤں میں گھوم پھر کر آیا ہے تاہم بار بار کی حضوری پر بھی اس کی مہجوری کے درد کی کسک نہیں جاتی۔

حضور ﷺ در پہ بلا لیجیے گا نازشؔ کو تڑپ رہا ہے مدینے کی حاضری کے لیے

☆

پھر مدینے کے گل زار یاد آگئے پھر وہ گلیاں وہ بازار یاد آگئے
پھر تصور نے مجھ پہ یہ احسان کیا پھر وہ جالی وہ مینار یاد آگئے

☆

پھر کیا ہے ایک زائر نے وہاں جانے کا ذکر پھر مری آنکھوں میں رنگیں اشک لہرانے لگے
پھر مدینے کی حضوری کے وہ دن یاد آگئے وہ حسیں لمحات پھر یادوں کو مہکانے لگے

☆

اک یہی خواہش ہے میری اے خدا سب سے بڑی
چوم لوں جا کر کبھی میں ان کا سنگِ آستاں

درِ حبیب ﷺ پہ پہنچ کر جس سلیقے سے وہ حاضری دیتے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ دوسروں کی بھی ادب آموزی کرتے ہیں، وہ بھی ان کی وارفتگی کے ساتھ ہوش میں رہنے کا ایک بڑا ہی خوب صورت انداز ہے۔

زائر و ہوش میں آؤ کہ ہے ارضِ حبیب ﷺ اپنی مشتاق نگاہوں کو پیادہ کرلو
اشک پلکوں پہ سجا لو بحضور خواجہ ﷺ اور پیرایۂ اظہار کو سادہ کرلو

علامہ شبلی نے ''موازنۂ انیس و دبیر'' میں ایک بہت بڑی خوبی یہ بتائی ہے کہ اسے نثر میں بدلنا چاہیں تو نہ بدل سکیں۔ مثال کے طور پر انیس کے چند شعر نقل کیے ہیں جو اس معیار پر پورے اُترتے ہیں:

مجھ کو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو دیکھو! اچھا نہیں یہ ظلم، برا کرتے ہو
شمع ایماں ہو اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

ہمارے شاعر طبعاً سادگی پسند اور مکروہاتِ تکلّفات سے بے زار ہیں یہی وصف اس کے کلام کا ایک خاصّا بھی ہے۔ بعض نعتیں تو پوری کی پوری سادگی و پرکاری اور سہلِ ممتنع کی عمدہ مثالیں ہیں:

آسمانوں میں دھوم ہے ان کی سب جہانوں میں دھوم ہے اُن کی
ایسے صادق ہیں نوجوانی میں نوجوانوں میں دھوم ہے اُن کی
صبح میثاق ہو کہ شام ابد سب زمانوں میں دھوم ہے اُن کی

یا

وصف ہر اک ہے لاجواب اُن کا کیسے لائے کوئی جواب اُن کا
لاکھ دنیا میں انقلاب آئے ہے حسیں سب سے انقلاب اُن کا

ایک آدھ لفظی کو اِدھر اُدھر کر دینے کے بعد پورے کا پورا شعر نثری حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ نعت اصل میں قرآنی فکر کی آئینہ دار اور آقائے دوجہاں کی سیرتِ مطہرہ کا حسین انعکاس ہوتی ہے۔ محض لفظ قلابازیوں سے نہ کام بنتا ہے نہ تاثیر و تاثر اُبھرتے ہیں۔ نازش کے شعری مجموعوں میں ہر ہر گام قرآنی آیات و حدیثِ نبوی ﷺ کے لفظی استناد اور معنوی استنباط سے کام لیا گیا ہے۔ اگر اس ایک پہلو ہی کو موضوعِ سخن بنا لیا جائے تو یہ ایک الگ مقالے کا عنوان

بنایا جاسکتا ہے اور بحوالۂ قرآن و حدیث ان کا اشاریہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیے:

جو ہیں مصداق رفعنالک ذکرک ان کی لکھ تو سکتا نہیں توصیف میں لیکن لکھوں

☆

چھپائے حق نے جہاں سے جو کہہ کے مااوحی مجھے یقیں ہے وہ مخفی امور ہی ہوں گے
کہیں گے سارے نبی اذھبوا الی غیری انا لھا جو کہیں گے حضورﷺ ہی ہوں گے

☆

جب حوالینا کہا بارش نہ برسی شہر پر دید کے قابل ہے حضرت کی دعا کا بانکپن

☆

اٹھی انگلی تو ٹوٹا چاند، پلٹا نیرِاعظم نبی کے ہاتھ ہے اورنگ دوراں ہم نہ کہتے تھے

ان کے قلم کی لرزشیں اور فکر و خیال کی گردشیں صرف اور صرف نعتِ مصطفوی ﷺ کے لیے وقف ہوگئی ہیں اور دائرہ در دائرہ سیرتِ اقدس کے مختلف گوشوں کو سمیٹتی چلی گئی ہیں۔

کرتا ہوں شعر شعر میں مدحت تری رقم تو ہی مری ردیف مرے قافیوں میں ہے
مداحِ مصطفٰے ﷺ ہے گدائے رسول ﷺ ہے نازشؔ کا افتخار انھیں نسبتوں میں ہے

وہ بجا طور پر نبی ﷺ کی ذات کو مدارِ دین سمجھتے ہیں اور جملہ دینی سرگرمیوں کو حبِ رسول ﷺ کے بغیر محض ظاہری جانتے ہیں۔

وہ نمازیں ہوں کہ روزے ہوں کہ ہوں حج و زکوٰۃ
ہیچ ہیں سرورِ عالم ﷺ کی محبت کے بغیر

ایک بات جس کا ذکر بے حد ضروری ہے وہ یہ کہ حنیف نازشؔ حضرت حسانؓ کی دامن گیری پر نازاں ہیں۔ اس لیے کہ حضرت حسانؓ کو یہ فخر حاصل ہے کہ آقائے دوعالم ﷺ نے انھیں خود آدابِ نعت گوئی سکھائے۔ ان سے نعتِ نبی سنی اظہارِ مسرت فرمایا اسی نسبتِ حسانؓ پر ہمارے شاعر کو بھی فخر ہے۔

حسان جو ہے رونق بستانِ مصطفٰےؐ
میں نے اس عندلیب کا دامن پکڑ لیا

فکری پرواز کے ساتھ ساتھ فنی مزاولت نے نازشؔ کو اس صنفِ سخن میں ایسا اُتارو کر دیا ہے کہ وہ

جس اسلوب سے چاہیں بات کرسکتے ہیں۔

''سخن سخن خوش بو'' کے زیرِنظر نسخے میں صفحہ۸۷ پر سات شعروں کی غیرمنقوط نعت ان کی اس محکم اور پختہ محارست کی نشان دہی کرتی ہے۔ یہ ایک مشکل کام ہے مگر ان کی مشکل پسند طبیعت یہ کام بھی کرگزری ہے۔ مجھے فیضی کی ''سواطع الالہام'' یاد آ گئی۔

وہ صدرِ عالم امکاں، دل حرا و حرم الم کے ماروں کا مولا وہ سرورِ عالم

ہوائے راہ رسولِ ہدیٰ معطر ہے اسی سے دُور ہوا دل کا سارا درد و الم

فنی طور پر شاعر نے اپنے آپ کو اعلیٰ معیار پر رکھا ہے، صنائع لفظی ومعنوی کی بہت سی مثالیں کلام میں جابجا نظر آتی ہیں۔ صنعت زائد و ناقص کی ایک مثال ملاحظہ ہو جو حسنِ مقطع کا بھی خوب صورت اور عمدہ ثبوت ہے۔

جب آیا محشر میں نام نازشؔ، حضورﷺ کی ہوگئی نوازش
جناب کے دن کرم کا ان کے، بہت نرالا حساب دیکھا

الفاظ کی عمدہ در و بست اور احسن ترتیب صوتی حسن پر منتج ہوتے ہیں، جناب نازشؔ نے بعض اشعار میں چلتے چلتے اس حسنِ تناسب سے لفظوں کی نادرہ کاری کی ہے کہ ان پر آہنگ سروش کا گماں گزرتا ہے۔

ہے نور تیرا کرن کرن میں، ہے فیض تیرا رس رس میں
روش روش پر چمن چمن میں، ہے تیرے دم سے بہار آقا ﷺ

☆

آپ بنیادِ جہاں، شانِ جہاں، جانِ جہاں
ان کو ہر مرکز و محور کا میں محور سمجھوں

☆

تجھے میں چاند کہوں، گل کہوں، کہوں کہوں خورشید
ترا مثیل و مماثل نہیں، مثال نہیں

خیال آفرینی نے نازشؔ کے کلام میں بڑی حلاوتیں کھول دی ہیں۔ ان شیرینیوں سے عقیدتوں کے کام و دہن لذت یاب ہوتے۔ محبتوں کی زباں رسیلی ہوتی، وارفتگی کے گلاب کھلتے اور نسبتوں کے چراغ جھلملاتے ہیں۔ ذرا اس شعر کے لیے چشمِ تصور وا کیجیے اور شاعر کی نکتہ سنجی کی داد دیجیے۔

قلب کی رحل پہ رکھ کر تری نعتوں کی کتاب
کچھ سناؤں گا تو یہ میرا شبینہ ہوگا

جناب نازشؔ کا دوسرا مجموعۂ نعت ''آبرو'' ہے جس کے محتویات میں ۵/ حمدیں، ۹۹/ نعتیں، ایک سلام اور ایک درودِ تاج کا منظوم مفہوم شامل ہے۔ بقول ان کے انھوں نے یہ نام علامہ اقبالؔ کے فارسی مجموعۂ کلام ''اسرارِ خودی'' سے لیا ہے۔

در دل مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ ست
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ ﷺ ست

تاہم ان کے اپنے اشعار میں بھی اس نسبت کا اشارہ موجود ہے۔ جس میں ''آبرو'' نعت ہی کے تصدق ہے۔

ہم کہاں عزت کے قابل تھے مگر بستی کے لوگ
نعت کے صدقے ہماری آبرو کرتے رہے

حمدِ باری تعالیٰ کے دل کش نغموں اور روح پرور زمزموں کے بعد جب نعتیہ کلام کا آغاز ہوتا ہے تو یہ حسنِ آغاز درود وسلام سے ہوتا ہے۔

حشر کی دھوپ میں سایہ ہے درود و سلام التجاؤں کا وسیلہ ہے درود اور سلام
قلب کی روح پہ لکھا ہے درود اور سلام کلک مدحت ہے بصد حسن عقیدت میں نے

جب ''آبرو'' کے وسط تک پہنچیں تو بھی یہی سامع نواز نغمگی روح کو سرشار کر رہی ہوتی ہے۔

کتنی برمعانی نامِ نبی ﷺ نے دعا کی شان باب اثر یہ لے گئے بال و پر درود

☆

کامیاب آئے اگر صل علیٰ تک پہنچے کپکپاتے ہوئے لب جب بھی دعا تک پہنچے

اور جب ہم اس دل آویز شعری گل دستہ کے آخری پھولوں سے مشامِ جاں کو معطر ومعنبر کرتے ہیں تو ان سے بھی درود ہی کی مہک آتی ہے۔ دیکھیے یہ پھول کیسے درود کی نغمہ ریزی کر رہے ہیں۔ یہاں بو ونغمہ کیسے یک جا ہوگئے ہیں:

نازشؔ چلو گلوں سے سنیں نغمۂ درود
ہر سو مرے نبی ﷺ کا سخن ہے چمن چمن

اور اختتام کار تو ہے ہی ''سلام اس پر'' کے عنوان جلی اور درودِ تاج کے منظوم مفہوم پر۔ یوں اس

مجموعے کا تانا بانا درود وسلام سے بُنا گیا ہے اور جملہ اشعار میں درود وسلام سرایت کر گئے ہیں۔ یہ سلسلہ ''سخن سخن خوش بو'' سے شروع ہوا تھا:

ان پر پڑھتا ہوں زیرِ لب میں درود
جب طبیعت میں اضطراب آئے

دراز ہوتے ہوتے درودِ تاج کے منظوم مفہوم تک آ پہنچا۔ ''سخن سخن خوش بو'' جو رحمت طلبی تھی یہاں آتے آتے اس میں شدتِ احساس کی لو تیز تر ہوگئی ہے۔

ان کی رحمت ہی سے اُمید کرم ہے ورنہ
ایسا مجرم ہوں کہ کہتے بھی حیا آتی ہے

قرآن وسنت سے استناد کی جڑیں یہاں پہلے سے زیادہ، گہری نظر آتی ہیں۔

حرف ماینطق ہے شاہ کی گفتار کی بات
مارمیت ہے یدِ احمدِ مختارﷺ کی بات

درج بالا مطلع والی پوری نعت قرآنی فکر کی آئینہ دار ہے۔ شاعر کو سارے قرآن کی آیت آیت میں سرکارﷺ ہی کی بات نظر آتی ہے۔

من زار نے بخشی جو شفاعت کی بشارت
وہ یاد رہے گی بخدا یاد رہے گی

یہ اور اس جیسے دوسرے بہت سے اشعار شاعر کے قرآن و حدیث سے گہرے شغف اور ان سے نعتِ رسولﷺ کے ضمن میں اخذ و استفادہ کی صلاحیت کا پتا دیتے ہیں۔

ایسی مثالیں دونوں مجموعوں کے جو نظرنواز مرقعۂ آبرو میں ہیں، ان میں گداز کی لذتیں اور سوز کے مزے کئی گنا ہوگئے ہیں۔ شاعر تصوراتی ہی نہیں جب حسی طور پر حرمین شریفین سے فیض یاب ہوکر لوٹتا ہے تو اس کی آتش شوق تیز تر ہوجاتی ہے اور پھر قصد مکرر کے مزے لوٹتا ہوا عزمِ سفر کرلیتا ہے۔ جوں جوں حاضری کے لمحے قریب تر آتے جاتے ہیں وہ لذت آگیں اور سرور آمیز کیفیتوں میں کھو جاتا ہے اس کا لحظہ لحظہ بے تابیوں کے حصار میں آجاتا ہے جس سے اس کی آتش شوق اور بھڑک اُٹھتی ہے:

روز وصلت چو می شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

آرزوئے حضوری سے متعلق یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

جی رہا ہوں میں مدینے کی تڑپ میں نازش
کاش کہہ دے کوئی چل اُٹھ تری باری آئی

☆

ہر آن تصور میں حضوری کے مزے ہیں
گویا کہ میں گنبد کے تلے نعت سرا ہوں

☆

ہے اتنی شدید اب تو تمنائے مدینہ
ہر سانس سے آتی ہے صدا ہائے مدینہ
جاگوں تو اسی دھن میں رہوں رات گئے تک
سو جاؤں تو خوابوں میں نظر آئے مدینہ

☆

ہے آرزو مدینہ پھر اک بار دیکھ لوں
شہرِ نبی ﷺ کے کوچہ و بازار دیکھ لوں
پھر جالیوں کے سامنے ہو عرضِ مدعا
اُمید کے شجر کو ثمر بار دیکھ لوں

☆

ہجر کے مارے ہوئے یوں ان کے در پر آگئے
کالے کوسوں کے مسافر جیسے گھر پر آگئے

☆

تڑپ بڑھے جو کبھی دل میں دیدِ طیبہ کی
جنھوں نے دیکھا مدینہ وہ دیکھ لوں آنکھیں

☆

یارو نہ ٹالو اب تو مجھے اگلے ماہ تک
یارو اسی مہینے مدینے کو لے چلو

کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ کی فضاؤں کو وہ جس خوب صورتی سے picturise کرتے ہیں۔ وہ شنیدہ نہیں دیدہ بلکہ چشیدہ کا احوال ہے، کیوں نہ یہ سارے مناظر کبھی تو ان کی چشمِ تصور کے سامنے رہے ہیں اور کبھی وہ انھیں واقعتاً بچشمِ سر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

میزاب ہو، مطاف ہو، زم زم کہ ملتزم
سارے حرم کو خود بھی ہے میر حرم پہ ناز

☆

ہے ثور سربلند تو ان کے قیام سے
بالا ہے ان کے نقشِ قدم سے حرا کی شان

حضرت حسانؓ سے نسبت کا تسلسل ''آبروؤ'' میں بڑا جان دار ہوگیا ہے۔ یہی سرمایۂ افتخار ان کے بہت سے شعروں کی جان ہے۔

ہے ناز مجھے نسبت حسانؓ یہ نازشؔ
وہ نعت کا سورج ہیں میں چھوٹا سا دیا ہوں

☆

صد شکر نعتِ حضرت حسانؓ کے طفیل
چکھا ہے ہم نے ذائقۂ انگبیں نعت

''آبروؤ'' کا مطالعہ، سرسری نہیں۔ گہرا، قاری کو جذب و انجذاب کے اس عالم میں لے جاتا ہے جہاں وہ خود کو اس کلام بلاغت نظام کا مسحور پانے لگتا ہے۔ سالوں کی ریاضت، فکری رفعت اور روحانی بالیدگی نے نازشؔ کے کلام میں توانا سچائیاں بھر دی ہیں۔

وہ حرمین شریفین سے ہزار میل اور زمانۂ رسالت مآب ﷺ سے سوا چودہ سو سال کی دُوری کے باوجود اپنے آپ کو اسی فردوسِ گم گشتہ میں پاتے ہیں۔ ان کی سوچوں کا ہر دھارا ان کے خیال کا ہر رُخ اور ان کی فکر کا ہر زاویہ حرمین شریفین کے گرد گھومتا ہے۔ وہ انھی خیالوں میں مگن، نعت لکھنے، نعت کہنے، نعت پڑھنے میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ انھیں مثبت سوچوں نے ان کے کلام میں دلوں میں لذیذ کسک اور روحوں میں اُتر جانے والی عجیب گھلاوٹ پیدا کر دی ہے۔ یوں سرورِ کائنات کی ذات اُن کی ذات کی شناخت بن گئی ہے:

میرا سراغ میری علامت مرا نشاں
میری شناخت میرا حوالہ حضور ﷺ ہیں

D:NaatRang-17
File: 4-Ghulam
Final

ان کے اشعار میں فکر کی متانت بھی ہے اور جذبات کی کبھی دھیمی اور کبھی تیز آنچ بھی۔ وہ سلگتے لمحوں کے دروازے پر دستک دیتے اور اثر آفرینی اور اثر پذیری کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔ نعت گستروں کے قبیلے کے ایک فرد کی حیثیت سے وہ گہری طمانیت محسوس کرتے ہیں۔ اپنی نعت کی ''عادت کو جنمی'' قرار دینے والا ہر شخص واقعی اپنے خامے کی صدا کو چوم چوم لیتا ہے۔ اس کا سرمایۂ جاں نعت نبی ﷺ ہے۔ یہی سرمایہ وہ بانٹتا ہے اور دردمند کو تحفتاً پیش کرتا ہے۔

جب کوئی ہم سے طلب کرتا ہے تحفہ نازشؔ
ہم اسے نعت کے اشعار سنا دیتے ہیں

''آبرو'' میں وہ اپنے فکر وفن کے حوالے سے عروج پر نظر آتے ہیں۔ فنی طور پر ''سخن سخن خوش بو'' سے ''آبرو'' تک آتے آتے نازشؔ نے اپنے معاصر نعت نگاروں میں بہت سوں کو کالے کوسوں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ایک ہوتا ہے دیکھا دیکھی کسی صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرنا اور زمانے کے تیور دیکھ کر پینترے بدلنا اور اس صنف کے نظری و عملی تقاضوں سے پہلوتہی کیے رکھنا ایسا شخص کہنے کو سرکارِ رسالت پناہ ﷺ کی توصیف و ستائش میں لفظوں کا آڑھتی تو ہوسکتا ہے جوہری نہیں۔ یوں وہ متشاعر ناعت تو ہوسکتا ہے حقیقی نعت گو یا نعت نگار نہیں۔

اس میدان میں اس مدار دین ﷺ کی ذات سے گہرے قلبی تعلق کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں اسی اسوۂ حسنہ کا انعکاس مطلوب ہے اور یہ بات صرف دعوے دارانِ محبت کو میسر نہیں آتی۔ ان سچے طلب گاروں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اسوۂ پیغمبر ﷺ کے سانچے میں ڈھال کر ایمان و اسلام اور محبت وعقیدت کے عملی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور اس جزونظر کے نتیجے میں خود بھی مفقودالخبر ہوجاتے ہیں:

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند
کا مزا کہ جز شد خبرش باز نیامد

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ نازشؔ مومنانہ صداقتوں کے سانچے میں ڈھل کر عشقِ مصطفےٰ ﷺ سے ایسی دُھلی دُھلائی زندگی کا حامل ہوگیا ہے جس سے اس کے ہر شعر میں تیر ونشتر کی جگردوزی اور ہر مصرعے میں تلوار کی کاٹ پیدا ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شاخ ہنر پر نت نئے شگوفے کھلتے اور روح پرور پھل پھول آتے ہیں۔ اس کی نعت گوئی تیور بتاتے ہیں کہ نازشؔ کی ہر نعت

باوضو ہوکر لکھی گئی ہے۔ نماز والا معمول کا وضو تو ہوگا ہی گمان ہے کہ آنکھیں بھی بے وضو نہ ہوں گی۔

زائرِ کوئے جناں آہستہ چل

والی نعت نے زائرانِ کوئے حبیب کو وہ آدابِ زیارت سکھا دیے ہیں کہ کسی لغزش یا بے ادبی کا امکاں باقی نہیں رہ جاتا۔

بالعموم شاعری جذبات اور درمندیوں سے عبارت ہے۔ دلائل و براہین سے اس کا کم ہی واسطہ ہوتا ہے۔ پھول کو دیکھو شاعر اس کی نباتاتی تحقیق کرنے نہیں بیٹھ جاتا بلکہ وہ اسی بات میں مگن ہوجاتا ہے کہ:

اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

مگر ہمارے شاعر نے بعض اوقات بڑے زور سے منطقی دلائل سے اپنی بات منوا لی ہے:

ان کی چوکھٹ پہ جھکو، چاہو اگر اوجِ بہشت
چھت پہ جانے کے لیے چاہیے زینہ پہلے

☆

وہ خدا تو نہیں، لیکن بخدا اے نازشؔ
ان کے قدموں میں جو آئے وہ خدا تک پہنچے

فی الجملہ نازشؔ کی شاعری درد درد اُجالے اور کسک کسک روشنی کی شاعری۔ دل سوزی اور درد مندی کی شاعری ہے۔ تاثر و تاثیر کی شاعری ہے۔ جذب و انجذاب، خود آگاہی، خودفراموشی اور خودسپردگی کی شاعری ہے۔

D:NaatRang-17
File: 4-Ghulam
Final

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

اردو ادب میں قدیم و جدید رجحانات کا ترجمان

ماہنامہ سخن ور کراچی

مدیر: نقوش نقوی

...... رابطہ ......

پوسٹ بکس نمبر 17830، ہیڈ پوسٹ آفس، گلشنِ اقبال، کراچی۔ 75300

Email: sukhanepak@hotmail.com

راجا رشید محمود کے 18 مجموعہ ہائے نعت کا علمی و تحقیقی جائزہ

شاعرِ نعت

تحقیق و تحریر: ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ

صفحات: 536 ہدیہ: 200/روپے

...... ناشر ......

الجلیل پبلشرز، اردو بازار، لاہور

الجامعہ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

مدیر: مبارک حسین مصباحی

...... رابطہ ......

دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔ 27640 (بھارت) فون: 250149

Email : aljamiatulashrafia@rediffmail.com/

ملت کا ترجمان

ماہنامہ جامِ نور دہلی

مدیر: خوشتر نورانی

...... رابطہ ......

422، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی (بھارت)

فون: 011-23281418 فیکس: 23243019

Email : jnoormonthly@yahoo.com

چند سطریں حفیظ تائب کے لیے

ہر فانی انسان کی طرح ثنا گوئے رسول، مداح خیرالمرتبت ﷺ جناب حفیظ تائب بھی دنیا سے گزر گئے...مگر اُن کے سلسلے میں حیات وموت کی رسمی اصطلاحات بے معنی ہیں۔ وہ ریاضِ حبِ نبیٔ محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں زندہ ہیں۔

زندگی عبارت ہے مقصد سے...اور اُن کا مقصد حضور ﷺ کا ذکر تھا جس کو فنا نہیں۔

زندگی نام ہے جستجو کا اور اُن کی جستجو آرزوئے رسول ﷺ ہے جو بقا بھی ہے اور نسخہ بقا آفرینی بھی۔

تمنائے ذکرِ رسولِ ربّ العالمین سے اُن کی ساری زندگی ایک رقصِ اطاعت تھی۔ ذکرِ رسول نے انھیں آئینہ کردار بنا دیا تھا

آج ہم حیران ہیں کہ حفیظ تائب کا پُرسا کسے دیں...اُن کی تعزیت کس سے کریں۔

مگر دوستو! بس ہمیں اندازِ نظر بدلنا ہے...ہم فدایانِ ذکرِ صاحبِ کوثر کو حفیظ تائب کا پُرسا دیتے ہیں۔

ہم ایوانِ اردو نعت کے در و بام سے اُن کی تعزیت کرتے ہیں۔

لیکن ایک آواز آ رہی ہے کہ اس نقل مکانی پر ماتم کیسا؟ تعزیت کیسی؟ پُرسا کیا...وہ زندگی میں بھی شہنشاہِ اُمم کی محفل کے حاضر باشوں میں تھے اور اب تو ''کوثریہ'' ہاتھ میں لیے ہوئے صاحبِ کوثر کے حضور پہنچ گئے ہیں...اب وہ ہوں گے اور وہ شراب جس کے پینے کے بعد کبھی تشنگی محسوس نہیں ہوتی۔

حفیظ تائب کی نعت میں خلوص کی دولت بھی تھی اور اُن کی نعت میں ہمارے عظیم نعت گو شاعروں کی آوازیں بھی جمع ہوگئی تھیں... محسن کاکوروی کی مرصع سازی، حضرت احمد رضا خاں کی علمیت اور سکون بخشی، امیر مینائی کی زبان کے تیور، اقبال کی ہمہ گیریت، ظفر علی خاں کی نغمگی اور تاثیر...

حفیظ تائب ہماری محفل سے اُٹھ تو گئے، لیکن اُن کے نعتیہ نغمے ہماری محفلوں میں، ہمارے دلوں میں اور ہمارے وجود میں گونجتے رہیں گے۔ عشقِ بیدار و جاوید کے دائرے بناتے رہیں گے۔

اے ربِّ محمد! حفیظ تائب کے اُس خلوص، اُس ذوقِ عبادت اور اُس وابستگیٔ رسول ﷺ کو قبول کر، جس سے تجھ سے زیادہ کوئی آگاہ نہیں... اور اُس بات سے بھی تجھ سے زیادہ کوئی واقف نہیں کہ کوتاہیاں سرشتِ انسانی کا حصہ ہیں، جو شاید اُسے تیری نگاہ میں عزیز بنا دیتی ہیں۔

عصیانِ ما رحمتِ پروردگار ما
ایں را نہایے ست نہ آں را نہایتے

(ادارہ)

پروفیسر شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد

ذکرِ حفیظ تائب

حفیظ تائب مرحوم نے بحیثیت مسلمان قرآن و حدیث کو زندگی کے ہر عمل میں اولیت اور ترجیح دی اس حوالے سے عرفانِ ذات کی وہ منزلیں طے کیں جو اُن کے عقیدت مندوں کے لیے قابلِ رشک ہے۔ حفیظ تائب مرحوم نے نعت کے روایتی موضوعات کے بیان کے سلسلے کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ سیرتِ رسول کے گہرے مطالعہ کے نتیجے میں بعض نئے موضوعات کو بھی جزوِنعت بنایا۔ دوسری جانب فنی حوالے سے نعت کے دائرے کو وسعت دی۔ خوب صورت اور دلآویز الفاظ و تراکیب، قوافی اور تشبیہات کے ذریعے دوسروں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

حفیظ تائب مرحوم کے نزدیک نعت گوئی کے لیے سب سے بڑا معیار اور قرینۂ ادبِ رسول ہے۔ وہ نعت گوئی کے عمل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کی موید دکھائی دیتے ہیں کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ انھوں نے تخلیق نعت کے ساتھ ساتھ نقدِ نعت کو خصوصی اہمیت دی اور اس صنفِ لطیف میں حدود شناسی کے عمل مسلسل کو مزید مستحکم کیا اور ان نعت نگاروں اور نعت خوانوں کو متنبہ کیا جو شعوری اور لاشعوری طور پر تجاوز کے مرتکب ٹھہرتے ہیں۔ حافظ لدھیانوی مرحوم کے نعتیہ مجموعے کیفِ مسلسل، میں نعت گوئی کے مقاصد اور اس موضوع کے امکانات کو بڑے نچے تلے انداز میں پیش کیا ہے۔ تحدیثِ نعت کے طور پر اُن کا تذکرہ ضروری ہے۔ تائب مرحوم کہتے ہیں:

۱۔ نعت کے ذریعے اسلامی اقدار کی تائید و فروغ اور باطلِ افکار کے رد کا کام لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ نعت میں حضور علیہ السلام کے شمائل باطنی اور تعلیمات و فیوضات کے ذکر سے انسانوں کی توجہ زندگی کی اعلیٰ ترین قدروں کی طرف مبذول کرائی جاسکتی ہے اور اس اقدام سے حسن و خیر پر

مبنی معاشرہ دنیا میں اُبھر سکتا ہے۔

۳۔ حضور کی حیاتِ طیبہ خوب صورت ترین نمونہ اور انسانیت کا بلند ترین معیار ہے۔ اس معیار کے حوالے سے اپنے احوال کا جائزہ بھی نعت کا موضوع ہے۔ جس سے اصلاحِ احوال کی صورت نکل سکتی ہے۔

۴۔ خود شناسی، کائنات شناسی اور خدا شناسی کی جملہ منازل میں حضور اکرم ﷺ کی رہبری کو فکرِ اقبال کی روشنی میں اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ تذکار سیرت کے ذریعے اتباع خیرالانام ﷺ کی منزلوں میں گامزن رہنے کا اشارہ صلو علیہ کے بعد وسلمو تسلیما کے حکم میں مضمر ہے۔

۶۔ چوں کہ ہمارے بعد کوئی اُمت نہیں ہوگی۔ لہٰذا تبلیغِ دین کا فریضہ بھی ہم پر عاید ہوتا ہے۔ جسے زبانِ شعر میں بطریقِ احسن ادا کیا جاسکتا ہے۔ نعت اس ضمن میں بہت کام دے سکتی ہے۔

(دیباچہ ''کیفِ مسلسل'' مجموعۂ نعت حافظ لدھیانوی فیصل آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۱۳۔۱۴)

حفیظ تائب نے نعت کے مقاصد اور امکانات کو جس مربوط طریقے سے پیش کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ نعت نگاروں کو اسے منشورِ نعت کے طور پر پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ یہاں تائب مرحوم نے عرفی، علامہ یوسف نبہانی، مولانا حالی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعت گوئی کے ذیل میں معیار بندی کی کاوشوں اور آرا کا حوالہ دے کر اپنی بات کو مربوط کیا ہے لکھتے ہیں:

> یہیں سے نعت گو کا اصل امتحان شروع ہوتا ہے کہ وہ کس طرح تمام پابندیوں کے باوجود نعت میں شعریت پیدا کرتا ہے اور اسے محض کلامِ منظوم ہونے سے بچاتا ہے۔ میرے نزدیکِ نعت گوئی کے لوازم میں عشق و دردمندی، صداقت و حقیقت، ندرت، قدرتِ کلام اور عصری شعور کو اپنی اپنی جگہ پر اہمیت حاصل ہے اور ان کے امتزاج سے ہی اعلیٰ درجے کی نعت ظہور میں آسکتی ہے۔

(دیباچہ ''کیفِ مسلسل''، ص ۱۶)

حفیظ تائب معیار بند نعت کے طور پر ہی سامنے نہیں آتے بلکہ انھوں نے خود بھی اعلیٰ تخلیق نمونے پیش کیے ہیں ان کی نعت بیسویں صدی کے نصفِ آخر کی نمائندہ نعت ہے۔ وہ رسمی طور پر نعت لکھنے کے قائل نہ تھے بلکہ یہ ان کے اندر کی وہ آواز تھی جس کے اثرات ان کی ظاہری شخصیت پر بھی

نمایاں طور پر موجود تھے۔

حفیظ تائب مرحوم اس بات پر زور دیتے تھے کہ نعت گو کو قرآن و احادیث کو مرکزِ اوّل مانتے ہوئے نعت لکھنے کی سعادت حاصل کرنی چاہیے۔ باطنی طہارت، تاثر کو دوبالا کر دیتی ہے اور اس سے کیفِ دوام حاصل ہوتا ہے۔ وہ ایسی نعت لکھنے کی تمنا کرتے تھے جو معمورۂ احساس کو مہکاتی ہو۔ تائب مرحوم ظاہری محاسنِ شعری سے دراصل معنوی محاسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ''کوثریہ'' میں لکھتے ہیں:

نعت گوئی کے لیے حسنِ ارادت شرط ہے
ساتھ کچھ فہم کتاب و علم سیرت شرط ہے
اس میں لازم جمال فن بھی اوجِ فکر بھی
جتنی ممکن ہو خیالوں کی طہارت شرط ہے
گر ادب پہلا قرینہ ہے ثنا کے شہر میں
ہر قدم اس راہ میں عجزِ طبیعت شرط ہے

اصول نعت گوئی کے سلسلے میں وہ اپنی اس رائے کو خواجہ عابد نظامی کے مجموعۂ نعت ''رؤف رحیم'' (۱۹۹۱ء) کے فلیپ میں بالوضاحت پیش کرتے ہیں:

> نعت ایک عظیم سعادت بھی ہے اور فکر و نظر کی بہت بڑی آزمائش بھی۔ اس میں ذہن و دل کے ساتھ جسم و جاں کی طہارت پہلی شرط اور ادب پہلا قرینہ ہے۔ ذاتِ ختمی مرتبت ﷺ سے والہانہ شیفتگی اور دل بستگی اس کی اساس ہے۔ جس میں حدود شناسی لازم ہے۔ اس سفرِ عرفان میں علم و آگہی کے ساتھ ساتھ جذب و شوق کا برگ و ساز ضروری ہے۔ فنی قدرت اور چابک دستی بھی اس میں عام شاعری سے کہیں زیادہ درکار ہوتی ہے۔ یہ سب نعمتیں کسی ایک شخص کو یک دم نصیب نہیں ہوسکتیں انھیں حاصل کرنے کے لیے مسلسل لگن اور ریاضت کے ساتھ دعائے نیم شبی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

حفیظ تائب مرحوم نے ''گلِ چیدہ'' کے نام سے ایک کتابی سلسلہ انتخاب حمد و نعت جاری کیا اس کا پہلا شمارہ سیرتِ مشن پاکستان (۹۰۔ نبی بخش پارک شاد باغ) لاہور سے اپریل ۱۹۸۳ء

میں شائع ہوا تھا۔ (مجلس مشاورت میں محمد رفیق اشرفی اور راز کاشمیری شامل تھے۔ اس میں جناب احمد ندیم قاسمی، حنیف اسعدی، علیم ناصری، انجم رومانی، خالد بزمی، حافظ محمد افضل فقیر، عابد نظامی، ریاض حسین چودھری، جعفر بلوچ اور محمد فیروز شاہ کے مختصر کوائف اور منتخب حمدیں اور نعتیں شائع کی گئیں) ''گلِ چیدہ'' کے حرفِ آغاز میں حفیظِ تائب (مدیر) نعت گوئی کے معیار کا اوّلین حوالہ اس آیتِ قرآنی کو قرار دیتے ہیں۔

ان اللہ وملکتہ یصلون علی النبی.ط. یایھا الذین آمنو صلو علیہ وسلمو تسلیما.

(۲۵۔۳۳)

ترجمہ: ''اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگوں! جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔''

(ص۳)

حفیظ تائب مرحوم نعت کی تخلیق، تدوین اور تحقیق کو حضرتِ رسالت مآب ﷺ کی رحمت واسعہ سے حصہ لینے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ انھوں نے ان تینوں شعبوں میں (خاص طور پر تخلیق نعت میں اتنا قابلِ قدر کام کیا ہے کہ نعتیہ ادب کے نامور نقاد عزیز احسن کو کہنا پڑا کہ اگر مجھے موجود عہد کے نئے نعت گو شعرا کے لیے کوئی نصاب تیار کرنے کا موقع فراہم کرنے کا موقع فراہم کیا جائے تو میرے خیال میں تائب صاحب واحد نعت گو ہوں گے جن کا مکمل کلام مجوزہ نصاب میں شامل کرنے کی سفارش کروں گا۔ (''نعت رنگ'' شمارہ تین ص۵۵)

حفیظ تائب قدیم نعت گو شعر کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ نئے شعرا کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کو مشن سمجھ کر ادا کرتے رہے۔ ایک طرف سینئر شعرا حفیظ تائب سے اپنے نعتیہ مجموعوں پر دیباچہ (تائب صاحب دیباچے کو پیش وائی کہا کرتے تھے) لکھوانا اعزاز جانتے تو دوسری جانب جدید شعرا ان سے سند لینا ضروری خیال کرتے۔ انھوں نے مختلف علمی و ادبی خصوصاً نعتیہ رسائل (اور اخبارات) کے ذریعے ضروری نعتیہ محاسن کو تکرار کے ساتھ پیش کیا ان کا کہنا تھا کہ نعت گو جب تک نعت اور دوسری اصنافِ سخن میں امتیاز روا نہیں رکھتا نعت کے تقاضے پورے نہیں ہوسکتے۔ شعری اور فنی محاسن اپنی جگہ موضوعاتی اور فکری حوالے سے نعت کے مقاصد بالکل واضح اور روشن ہونے چاہیے۔ جعفر بلوچ کا ایک شعر یاد آ گیا:

ادب شرط ہے یہ سخن عامیانہ نہیں ہے
یہ ہے نعت، کوئی غزل یا فسانہ نہیں ہے

حفیظ تائب نے بھی اس امر کو خصوصی طور پر ملحوظ نظر رکھا کہ حضور علیہ السلام کی صفت و ثنا کرتے وقت کوئی غلط بات آپ سے منسوب نہ ہو جائے۔ احتیاط کا یہ رنگ تخلیقِ نعت سے خاص نہیں تھا، نعتیں سنانے کا انداز بھی بڑا ممتاز اور محتاط تھا۔ اس ذیل میں ایک شہادت ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے بھی دی ہے۔ مدیر ''نعت رنگ'' جناب صبیح رحمانی کے نام اپنے ایک مکتوب میں کشفی صاحب رقم طراز ہیں کہ:

> حفیظ تائب سے میرے رشتے کو کچھ کچھ تم جانتے ہو۔ ان کی آنکھوں میں شبِ بیداری کے بھی شاہد تم ہو۔ ایک بار ٹیلی ویژن پر نعتیہ مشاعرہ ہو رہا تھا۔ میرے ساتھ میرے عزیز اور بہت خوش گو شاعر محمد رئیس علوی بھی یہ مشاعرہ دیکھ اور سن رہے تھے۔ جب بہت سے دادطلب اور ادعا بر لب شعر الکلام پڑھ چکے تو حفیظ تائب صاحب نے نعت شروع کی، لہجہِ محبت اور ادب کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور نگاہیں یوں جھکی ہوئی جیسے مواجہ شریف میں کھڑے ہوں۔ پورا وجود دست بستہ آواز نرم، مودب اور نبی کریم ﷺ کے احساس سے پست... اے اہل ایمان اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو...'' ہزاروں میل کے فاصلے پر حضور کا یہ احساس اور یہ شرف۔ اللہ اکبر۔

(''نعت رنگ'' کراچی، شمارہ۲، ص۳۰۰)

حفیظ تائب کو صبیح رحمانی اُردو کی جدید نعتیہ شاعری کا ستارہ صبح قرار دیتے ہیں۔ (''نعت رنگ'' نمبر۲، انتساب)۔ حفیظ تائب نے قرطاس و قلم سے ہی نہیں نعت سنانے اور روز مرہ زندگی میں بھی روشِ احتیاط کو ترک نہ کیا اور دوسروں کے لیے قابلِ قدر نمونہ قرار پائے۔ عمران نقوی کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ:

> جوں جوں میری نعت اور شخصیت کی تحسین ہوتی ہے میری طبیعت میں عجز و انکسار بڑھتا ہے اور میں اللہ کریم کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے نعت اور منعوت دو جہاں کی محبت عطا فرمائی اور طبیعت کو بھٹکنے نہیں دیا۔ میری ایک

نعت کا شعر ہے:

انداز پذیرائی سے ہوا رنگ ان کی محبت کا گہرا
رحمت کے دریچے اور کھلے مدحت کا تقاضا اور ہوا''

(''حرف ملاقات'' ص۱۳۲)

بیسویں صدی کے نصف آخر میں نعت کو ایک تحریک اور مشن کے طور پر ادب میں خاص الخاص مقام دلانے کے لیے جدوجہد کرنے والوں میں حفیظ تائب کا نام بہت نمایاں ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے بقول ان کی شاعری اصلاحی اور مقصدی پہلو لیے ہوئے ہے۔ (''اردو میں نعت گوئی'' ص۵۱۳) یہ اصلاحی اور مقصد پہلو وہی ہیں جن کا مربوط تذکرہ حفیظ تائب نے حافظ لدھیانوی کے نعتیہ مجموعہ ''کیفِ مسلسل'' کا دیباچہ لکھتے ہوئے کیا تھا۔ (اور وہ اس مضمون کے آغاز میں درج ہے) حفیظ تائب نے نعت کے مزاج کو سمجھ کر نعت لکھی اور دوسروں کے لیے بھی تحریر وتقریر کے ذریعے ایک معیار قائم کیا۔

عمران نقوی۔ لاہور

تائب سا خوش کلام بھی خاموش ہوگیا

۱۳؍جون کی شام اقبال ٹاؤن سے ایک جنازہ اُٹھا۔ ۹۱ رچنا بلاک میں سوگوار جمع تھے۔ ہزاروں سوگوار... یہ جنازہ انھیں اپنے سینوں سے اُٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ سسکیاں تقسیم کرتی سانسوں کے جلو میں سر پٹختی، بین کرتی گرم ہوا بھی کریم بلاک کے قبرستان کی طرف محوِ سفر تھی۔

اور پھر... حفیظ تائب کو لحد میں اُتار دیا گیا۔ لحد نازاں تھی کہ ایک مداحِ رسول ﷺ اس مکان کا مکین بن رہا تھا... عقیدت مند مٹی ڈال رہے تھے اور سرور حسین نقشبندی اپنی لگن میں مگن بہ آوازِ بلند نعت سرا تھا۔ تائب صاحب نے لکھا تھا:

پیار سے جن کے ہوا ہے مرا تن من روشن
کاش فرمائیں کسی شب مرا آنگن روشن

سرور نے تھوڑا تصرف کرکے جب ''کسی شب'' کو ''اسی شب'' پڑھا تو سسکیاں نوحوں میں ڈھلنے لگیں۔ اور پھر آخری شعر جو حضرت نے نجانے کس کیفیت میں لکھا تھا، اہلِ دل کے سینے چاک کر گیا۔

جن کے جلووں سے منور ہیں دو عالم تائبؔ
وہی فرمائیں گے آ کر مرا مدفن روشن

۱۲؍جون اور ۱۳؍جون کی درمیانی شب فون کی گھنٹی بجی تو اسکرین پر ایک نمبر نمودار ہوا... یہ تو منہاس صاحب کا نمبر ہے... خدایا خیر۔ عبدالحمید منہاس نے صرف اتنا کہ... انا للہ و انا الیہ راجعون... اور میرے لیے زندگی کے سبھی رنگ پھیکے پڑ گئے۔ مہکتی سی ایک چھاؤں روٹھ گئی تھی۔ وقت نے لمحوں کو ایک بار پھر بوجھل کر دیا تھا، لمحے صدیاں بن کر آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔ اناللہ والیہ راجعون۔

حفیظ تائب جا چکے، لب فرات وقت سانسوں کی ایک اور خیمہ گاہ اُجڑ چکی۔ ایک بے برکت ماحول سے ایک بابرکت شخص اُٹھ گیا۔ وہ شخص جس سے مل کر طبیعت تخلیقِ نعت پر آمادہ

ہوجاتی۔ زندگی سے عشق ہونے لگتا، روح میں برکتیں سی گھل جاتیں۔ اپنے ہونے کا یقین ہونے لگتا۔

حفیظ تائب نعت کہتے تو طیور قدسی کے ہم زباں محسوس ہوتے۔ وہ اردو نعت کے مزاج آشنا تھے۔ انھوں نے نعت کا ایک جہانِ نوتعمیر کیا۔ وہ نعت کے دورِ روشن کے آفتاب تھے۔ اردو نعتیہ شاعری کا ستارہ صبح تھے۔ نعت میں مکمل وجود کا اظہار تھے۔ عندلیب باغِ حجاز اور مسلم اُمہ کے محسن تھے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے انھیں ''کوثری نغموں والا'' کہہ کر اپنی عقیدتوں کا اظہار کیا۔ بشیر منذر انھیں اللہ لوگ کہتے۔ مقبول جہانگیر نے انھیں ''شاعرِ رسالت'' کا لقب دیا۔ امجد اسلام امجد کے بقول ''ایک نامختتم سفر کا اَن تھک مسافر'' تھے۔ جناب احمد ندیم قاسمی کی طرح ہم سب خوش نصیب ہیں کہ اس عہد میں زندہ رہے جس عہد میں حفیظ تائب نے نعت کہی۔

میں یہاں صاحب زادہ خورشید گیلانی کے وہ الفاظ دُہرانا چاہوں گا جو انھوں نے ''خوش ہوں کہ میری خاک ہی احمد نگر کی ہے'' میں لکھے۔

''اگر آپ کو ایسا شخص ملے جو پہلی بار ہی آشنا لگے، عجز و نیاز سے دوہرا ہوا جا رہا ہو، لب دل آویز مسکراہٹ سے مزین ہوں اور لہجہ ریشم سے بڑھ کر نرم ہو، چلے تو گردن جھکا کر اور محفل میں بیٹھے تو سمٹ سمٹ کر، سلام کرے تو جھک کر اور بات کرے تو جھجک کر...تو آپ پہچان جائیے کہ یہ شخص حفیظ تائب ہے۔ عہدِ موجود کا نام ور اور ممتاز نعت گو شاعر۔''

حفیظ تائب آج ہم میں موجود نہیں ہیں بچھڑتی ساعتوں کی رائگانی کے اس سفر نے یہ متاعِ بے بہا ہم سے چھین لی۔ مطلع توصیف پر منور روایتوں کا امین، حرا کے سوچتے لمحوں سے لمحہ لمحہ روشنی کشید کرنے اور اُجلے حرف بننے والا یہ جید قلم کار بساطِ ادب سے اُٹھ گیا... یہ رنگِ آسماں دیکھا نہیں جاتا کہ زمین حفیظ تائب سے خالی ہوگئی...

اس میں کیا شک ہے کہ حفیظ تائب نے خارزاروں میں جیون بتایا مگر اس میں بھی کیا شبہ کہ ایک چیز عمر بھر ان کے لیے انیس جاں بنی رہی۔ آرزوئے نبی ﷺ تھی جو کبھی اشک بن کر رواں ہوئی تو کبھی درد بن کے دبی رہی۔

حفیظ تائب زندہ تھے تو ان کے گھر تک پہنچنے میں آدھ گھنٹا لگتا تھا۔ رخصت ہوئے تو یہ فاصلہ سمٹ کر رہ گیا ہے، آدھ گھنٹے سے بہت کم، بہت ہی کم، صرف ایک سانس کا فاصلہ۔

''نعت رنگ'' کی ایک خصوصی یادگار اور قابلِ فخر پیش کش

مولانا احمد رضا خان نمبر

جس میں برصغیر پاک و ہند کے نامور اہلِ قلم امام نعت گویاں
مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعتیہ خدمات پر
اپنا خراجِ عقیدت پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ
جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔

...... رابطہ ......

نعت ریسرچ سینٹر، B-50، سیکٹر A-11، نارتھ کراچی

نقیبِ اتحادِ ملتِ اسلامی

ماہنامہ مسیحائی کراچی

مدیرِ اعلیٰ: مخدوم زادہ احمد خیرالدین انصاری

سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کی کامیاب اشاعت کے بعد
ناموسِ رسالت ﷺ نمبر شائع ہوگیا ہے

...... رابطہ ......

B-197، بلاک A، شارع بابر، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔ 74700
فون: 0320-4077372

علمی، ادبی، تحقیقی مجلّہ

نوادر

مدیرِ اعلیٰ: ڈاکٹر گوہر نوشاہی

مدیرہ: بیگم شاہین زیدی

...... ناشر ......

مجلسِ یادگار نظیر حسنین زیدی
58، ہدایت اللہ بلاک، مصطفیٰ ٹاؤن، وحدت روڈ، لاہور

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

نعتیہ صحافت کے اُفق پر ایک اور باوقار جریدے کا طلوع

ماہنامہ کاروانِ نعت لاہور

مدیر: شوکت علی

......رابطہ......

نعت لورز کلب : روم نمبر 208، سیکنڈ فلور، شہزادی رفاقت مارکیٹ
برانڈرتھ روڈ، نزد چوک گراں، لاہور۔فون : 0300-9439938

افکارِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

مدیر: صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری

......رابطہ......

25/ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی۔ 74400

دینی اور علمی مزاج کے حامل قارئین کے لیے ایک خاص تحفہ

ماہنامہ سبیلِ ہدایت لاہور

مدیرِ اعلیٰ: سیّد قمر احمد سبزواری

...... رابطہ......

بزمِ ندائے مسلم پاکستان 3/8، B-1، ٹاؤن شپ، لاہور۔ 54770
Email : sabeelehidayat@islamonline.net

ایک سنجیدہ علمی و دینی رسالہ

ماہنامہ کاروانِ قمر کراچی

مدیرِ اعلیٰ: محمد صحبت خان کوہاٹی

...... رابطہ......

دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ، پنجاب کالونی، کراچی
فون : 5378793-5376884

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

حاصلِ مطالعہ

تبصرہ نگار: پروفیسر قیصر نجفی

نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ/ پروفیسر شفقت رضوی

مدحِ نبی ﷺ نثر میں ہو یا نظم میں، ہم اسے نعت سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن حکیم، جو حضور ﷺ پُرنور کی مدح وثنا کا نقشِ اوّل ہے، منظوم نہیں ہے۔ اگر منظوم کلام پر ہی نعت کا حکم لگایا جائے تو پھر قرآن کو اس زمرے سے خارج کرنا پڑے گا (نعوذ باللہ)۔ اللہ عزوجل نے کتابِ ہدیٰ کو شاعری سے مبرا قرار دیا ہے۔ کلامِ مجید نثری شاعری بھی متصور نہیں ہوسکتا، اس صنفِ ادب میں بھی شعری رنگ وآہنگ کا التزام ملتا ہے۔ بہرطور ربّ العالمین کا کلام امامُ الکلام ہے، جس پر کسی صنفِ سخن کا اطلاق اللہ کے فرمان کی تکذیب کے مترادف ہے۔ چوں کہ قرآن سرکارِ دوعالم ﷺ کی شان میں پہلی نعت ہے، لہٰذا ہمارے نزدیک قرآن کے بعد کہی جانے والی ہر نعت مہتمم بالشان تو ہوسکتی ہے، لیکن نعت اوّل کی ہم مرتبہ نہیں ہوسکتی۔ اس تناظر میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آج تک تخلیق کی جانے والی نعت وہ چاہے نثر میں ہو یا نظم میں، محض نعت رنگ کہلائے گی، یعنی اسے نعتِ اوّل کے جیسا تو تسلیم نہیں کیا جاسکتا، البتہ رنگِ نعت کا مظہر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس فکری پس منظر میں اگر صبیح رحمانی کے کتابی سلسلے ''نعت رنگ'' کے نام کا جائزہ لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ نامِ نامی ایک ایسی تخصیص ہے، جو ''نعت رنگ'' کو نعتیہ ادب کے پرچم کشا معاصر مجلّوں، جریدوں اور کتابی سلسلوں پر تفوق بخشتی ہے۔

''نعت رنگ'' نے دنیائے نعتیہ ادب کو لفظ و بیان، فکر وخیال اور جذبہ و احساس کی ایک نئی تہذیب سے روشناس کرایا ہے، جس کی کوکھ سے حزم واحتیاط کے اس کلچر نے جنم لیا ہے، جو صدیوں سے ایک احتیاج بن کر اربابِ فکر ونظر اور صاحبانِ علم ومعرفت کے دل و دماغ میں

کلبلا رہا تھا۔ ایسے رجحان ساز کتابی سلسلے کے شماروں کا سیر حاصل جائزہ لینا ناگزیر تھا۔ ہم بصد مسرت و اطمینان اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ ’’نعت رنگ‘‘ کے مدیر نے اس کارِ دشوار کے لیے جس ہستی کا انتخاب کیا، اس کے تبحرِ علمی میں کوئی کلام نہیں ہے اور شاید ان سے زیادہ کوئی شخص یہ کوہ بے ستوں کاٹنے کے لیے موزوں نہیں تھا۔

پروفیسر شفقت رضوی متوازن فکر اور معتدل مزاج کے حامل ایک عالم و فاضل قلم کار ہیں۔ تعلیم و تعلّم کے بعد لکھنا پڑھنا اب ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ان کے قلم سے الفاظ ہی نہیں شرافت و نجابت بھی ٹپکتی ہے، جو ان کی شخصیت اور تحریروں کا طرۂ امتیاز ہے۔ پروفیسر صاحب نے ’’نعت رنگ‘‘ کے شمارہ۔۱ سے شمارہ۔۱۵ تک کا بالاستیعاب مطالبہ کرکے بنظرِ غائر جائزہ لیا ہے اور ہر لکھاری کے نام سے عنوان قائم کرکے مذکورہ شماروں میں شائع ہونے والی اس کی تحاریر پر خیال آرائی و فکر آوری کی ہے۔ کتاب کے ابتدائیہ کے طور پر ان کا رقم کردہ مضمون بعنوان ’’اظہاریہ‘‘ ایک خاصے کی چیز ہے۔ یہ اظہاریہ ایک ایسا آئینہ ہے، جس میں ان کے مافی الضمیر کے خدوخال واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ جو بلاشبہ ایک ایسی تصویر اُجاگر کرتے ہیں، جس میں کسی بھی نوع کی خود غرضی، خود نمائی یا کٹ حجتی کا کوئی رنگ شامل نہیں ہے۔ ہم یہاں ان کے ایک قول کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔

> یہ دعویٰ نہیں کہ ہمارا تجزیہ اور ہماری رائے مستند، معتبر اور آخری سمجھی جائے۔ ہماری تحریر کا بڑا مقصد یہ دکھانا ہے کہ جس معاشرے میں ماڈی فوائد کی حرص میں زندگیوں سے کھیلا جاتا ہے، وہاں ان اہلِ خیر کو فراموش نہ کیا جائے، جن کی فکر اور تحریر پر حضور ﷺ کی محبت و عقیدت کا سایہ ہے۔

’’اظہاریہ‘‘ میں موصوف نے ’’نعت رنگ‘‘ کے اجرا و اشاعت کے حوالے سے صبیح رحمانی کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا ہے، جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔

’’نعت رنگ‘‘ ایک ایسا کتابی سلسلہ ہے، جس کے ہر شمارے میں مذہبی، عقیدتی، مسلکی، علمی، ادبی، فنی غرض ہر نوع کے مباحث چھیڑے جاتے ہیں اور دلائل و براہین کے انبار لگا دیے جاتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اہل الرائے کے سیلِ رواں کے آگے خس و خاشاک تو نہیں ٹھہر پائے ہیں، البتہ علمی دم خم کے حامل قلم کاروں کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ پروفیسر شفقت رضوی اپنے ہر تجزیاتی و تنقیدی رویے میں علم و شعور اور نقد و

تحقیق کے ایک کوہِ گراں ثابت ہوئے ہیں۔ انھوں نے متنوع موضوعات پر محیط تحاریر و مباحث کا اس حسنِ بیان اور منطقی استدلال سے تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

ہمارے خیال میں ''نعت رنگ'' کے پندرہ شماروں کے مشمولات کو تجزیاتی، تنقیدی اور احتسابی نقطۂ نظر سے دیکھ کر رائے قائم کرنا بجائے خود ایک کارنامہ ہے اور یہ کارنامہ پروفیسر شفقت رضوی انجام دینے میں کام گار ٹھہرے ہیں۔

مرا آئینہ مدینہ/ فراغ روہوی

جس شخص کا آئینہ مدینہ ہو، اس پر کائنات کا آئینہ ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے وہ یہ کہنے کا استحقاق رکھتا ہے:

کسی جامِ جم کی حاجت نہیں اے فراؔغ مجھ کو
مرے واسطے بہت ہے مرا آئینہ مدینہ

فراؔغ روہوی نے انسان، زندگی اور کائنات کو آئینۂ مدینہ کے توسط سے دیکھا ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے، جس میں نہ صرف تخلیقاتِ ربی کے اسرار و رموز کے خدوخال واضح طور پر نظر آتے ہیں بلکہ اس نورِ مجسم کی حیاتِ مقدس اور اسوۂ حسنہ کے جمال کا نورانی عکس بھی دیکھا جاسکتا ہے، جس کے لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لولاک لما...

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر فراغ روہوی نے ایسے خوب صورت انداز میں کی ہے کہ شعریت وعقیدت آمیز ہوکر حسنِ معانی بن گئے ہیں:

چاندنی، پھول، شفق، ابر، دھنک، موج ہوا
یہ جہاں کیا ہے حقیقت میں ہے صدقہ تیرا ﷺ

فراغ روہوی کی نعت گوئی زیادہ تر ذکرِ مدینہ سے عبارت ہے۔ انھوں نے مدینہ کو محض عقیدت مندی کی نظروں سے نہیں دیکھا ہے بلکہ فکری ونظری اعتبار سے بھی مرکزِ نگاہ بنایا ہے۔ ہر چند نعت کے عمومی موضوعات ومضامین میں مدینے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور ہر نعت گو شاعر کے ہاں مدینے کے حوالے سے خیال آرائی اور مضمون آفرینی کے شواہد ملتے ہیں، تاہم شہرِ نبی ﷺ

کے جو متنوع پہلو فراغ روہوی سامنے لائے ہیں، وہ نعت سے ان کی فنی کمٹمنٹ کی شہادت دیتے ہیں:

مرے عشق کی حدوں میں ہے عجب طرح کی وسعت
مری ابتدا مدینہ، مری انتہا مدینہ

☆

یکساں دکھائی دیتے ہیں شام و سحر جہاں میرے خدا! وہ شہرِ منور دکھا مجھے

☆

بے پنکھ پرندہ ہوں، مگر جانبِ طیبہ لے مجھ کو اُڑی اُلفت سلطانِ مدینہ

☆

آنکھیں مری تھیں نور سے خالی تو آپ ﷺ نے آنکھوں میں ایک شہرِ منور ہی رکھ دیا

☆

تمنا ہے یہی میری کہ دم نکلے مدینے میں ''دم آخر اگر ایسا مقدر ہو تو کیا کہنا''

فراغ روہوی کو نعت گوئی کا شعور بھی ہے اور سلیقہ بھی۔ ان کے ہاں مصرع ہائے طرح پر کہی گئی نسبتاً زیادہ نعتیں ملتی ہیں، گویا نعت گوئی میں انھوں نے خاصی ریاضت کی ہے۔ شاید اسی مشق اور ریاضت نے انھیں حقیقی نعت کا مزاج آشنا بنا دیا ہے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی نعت گوئی کو اکثر و بیشتر نعت گو شعرا کی طرح حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے جذباتی لگاؤ کے اظہار تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ آپ کی سیرتِ طیبہ کے بیان کو بھی اہمیت دی ہے۔ ان کے بعض اشعار سرکارِ دوعالم ﷺ کی حیاتِ اقدس کے ایک سے زیادہ رُخ پیش کرتے ہیں:

یوں نبی ﷺ نے دیا نیک و بد کا سبق راہ پہچان کر لوگ چلنے لگے
آمدِ مصطفیٰ ﷺ جب زمیں پر ہوئی سارے منظر جہاں کے بدلنے لگے
آپ کے حسنِ اخلاق کے سامنے ''موم کے مثل پتھر پگھلنے لگے''

☆

بھروسا نہیں دوسرے رہنما پر یہ آنکھیں رہیں گی رہِ مصطفیٰ ﷺ پر

☆

ان کا ہر قول و عمل قرآن کی تفسیر ہے ہم ادا کرتے رہیں سنتِ رسول اللہ ﷺ کی

فراغ روہوی ایک صاحبِ فراست نعت گو ہیں۔ وہ یہ راز بخوبی جانتے ہیں کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کا عرفان نگاہِ عشق و مستی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ہمیں ان کے ہاں عشقِ رسولِ خدا ﷺ میں سرشاری کی ایک عجب کیفیت محسوس ہوتی ہے اور شاید یہ اسی سرشاری کا نتیجہ ہے کہ وہ اس نگاہ کو بھی بھانپ لیتے ہیں، جس کی تنگیٔ داماں محبوبِ ربی کے اوصافِ حمیدہ کو سمونے سے قاصر ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے کیا عمدہ شعر کہا ہے:

ہو اگر چشم کشادہ تو بشر دیکھ سکے
آپ ﷺ کو کیا کوئی کوتاہ نظر دیکھ سکے

فراغ روہوی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں، انھوں نے نعت کے لیے غزل کا مضبوط پیکر منتخب کیا ہے۔ لیکن انھوں نے رباعی، دوہا، ماہیا اور ہائیکو کی ہیئت و فارم کو بھی برتا ہے، ہمیں کسی بھی صنفِ سخن میں وہ فنی لحاظ سے کم زور دکھائی نہیں دیے۔ مختلف ہیئتوں میں کہی گئی نعتوں کے نمونے ملاحظہ ہوں:

اللہ کے محبوب رسولِ اکرم ﷺ
بندوں کے بھی مطلوب رسولِ اکرم ﷺ
اللہ نے جو آپ کو رُتبہ بخشا
وہ رُتبہ ہے کیا خوب رسولِ اکرم ﷺ

(نعتیہ رُباعی)

دھرتی سے آکاش تک پھیلا تھا اک نور
مولا سے جب عرش پر ملنے گئے حضور

(نعتیہ دوہا)

اے طیبہ کے چاند
پھول شفق خورشید و قمر
تیرے آگے ماند

(نعتیہ ہائیکو)

محشر کا کسے ڈر ہے
ساتھ ہمارے جب
وہ شافعِ محشر ہے

(نعتیہ ماہیا)

طلع البدر علینا / پروفیسر ڈاکٹر عبدالمنان طرزی

''طلع البدر علینا'' پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالمنان طرزی کی نعتیہ شاعری کا نقشِ اوّل ہے۔ اس سے قبل ان کی شعری فراست کے دو شواہد ''لکیر'' اور ''رفتگاں و قائماں'' کے تخلیقی پیکروں کی شکل میں صورت پذیر ہو چکے ہیں۔ ہر چند یہ دونوں شعری پیکر ''نعت رنگ'' خدوخال

سے بھی متصف ہیں، تاہم ''طلع البدر علینا'' ان کا پہلا باقاعدہ سنگِ میل ہے، جو انھوں نے شاہراہِ سخن پر نصب کیا ہے۔ ڈاکٹر طرزی ایک عالم باعمل ہیں۔ موزونیٔ طبع کے ساتھ ساتھ طہارت فکر و نظر بھی فطرت سے انھیں ودیعت ہوئی ہے۔ وہ سر تا پا عشقِ رسولِ مقبول ﷺ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی نعت میں ''از دل خیزد و بر دل ریزد'' کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس موقع پر ہم ان کی نعت گوئی پر اظہارِ خیال سے پہلے ان کے ایک اور علمی و ادبی کارنامے کا ذکر ناگزیر تصور کرتے ہیں، جس کو ہمارے عہد کے معتبر اربابِ نقد و نظر نے تحسین کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ بلاشبہ ''رفتگاں و قائماں'' دربھنگہ کی ایک ایسی منظوم ادبی تاریخ ہے، جو بہ یک وقت ڈاکٹر طرزی کی شاعرانہ صلاحیت کو بھی سامنے لاتی ہے اور تاریخی و تحقیقی دانش کو بھی... یہ منظوم تذکرہ اردو میں اپنی نوعیت کی ایک منفرد مثال ہے، جس کی تحسین نہ کرنا ادبی بددیانتی ہوگی۔

☆ یہ آپ نے بڑے کمال کا کام کیا ہے۔ تاریخ کی کتاب کے اعتبار سے یہ تصنیف آئندہ زمانے میں وہی اہمیت رکھے گی، جو آج پرانے تذکروں کی ہے۔ (شمس الرحمٰن فاروقی)

☆ جب تک ''رفتگاں و قائماں'' نظر میں نہ آئی، قد یار کے عالم کا اندازہ مجھے تو کیا کسی کو بھی نہ تھا۔ (پروفیسر گوپی چند نارنگ)

☆ دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ اردو میں اپنی قسم کی واحد کوشش ہے اور لاجواب ہے۔

(ڈاکٹر ستیہ پال آنند)

جہاں تک پروفیسر طرزی کی نعت گوئی کا تعلق ہے تو یہ نعت گوئی کے مروّجہ اسلوب کا ایک شان دار نمونہ ہے۔ مضامین و موضوعات، استعارات و علائم، تشبیہات و تلمیحات، زبان و بیان غرض ہر اعتبار سے ''طلع البدر علینا'' اس نعت کی نمائندگی کرتا ہے، جو ہماری روایت کی صد فی صد پاس دار ہے۔ البتہ اس میں محض حصولِ ثواب و برکت کا جذبہ ہی کارفرما نہیں ہے بلکہ اعترافِ عظمتِ سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ میں فکر انگیز خیالات کے چراغ بھی روشن کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر طرزی کی نعت عشق کی حد تک خود سپردگی کی شہادت بھی دیتی ہے اور اعتدال و توازنِ فکر کا ثبوت بھی فراہم کرتی ہے۔ ہمارے خیال میں ان کی نعت کی یہ دو خوبیاں انھیں کامیاب نعت گو شاعروں کی صف میں شامل کرتی ہیں۔

فکر، وجدان، نعت و نغمہ و شعر　　　کیا ہمارا ہے، سب تمھارا ہے

جسے عشقِ محبوبِ داور رہے گا وہ ہمراہِ سلمانؓ و بوذرؓ رہے گا

☆

ذکر ہے اِن دنوں مدینے کا لطف آنے لگا ہے جینے کا

☆

جس رات کا سرمایہ نہ ہو تیرا تصور اس شب کو شبِ قدر کی عظمت نہ ملے گی

☆

روشن ترے کردار کی قندیل ہے ایسی دشمن نے بھی مانا ہے تُو صادق ہے امیں ہے
بلاشبہ تُو بشر ہے تُو کبھی خدا نہیں ہے کوئی کیا بتائے لیکن کہ تُو کیا ہے کیا نہیں ہے

یہ بات محتاجِ بیان نہیں ہے کہ انسان نے نعت کی بصیرت کلامِ الٰہی سے حاصل کی ہے۔ ہر چند ممدوحِ خدا کی مدح وثنا خا کی بندوں کے حیطۂ اختیار سے بعید ہے۔ تاہم جن خوش نصیبوں کو تائیدِ ایزدی حاصل ہوجائے تو پھر وہ یہ کہنے کے مجاز ہیں:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دان محمدﷺ است

ڈاکٹر طرزی نے اپنے سینے میں نسخۂ کیمیا محفوظ کر کے نہ صرف اپنے درون کو روشن ومستنیر کیا بلکہ ممدوحِ خدا کی مدح وثنا کا عرفان بھی حاصل کیا۔ ان کے بعض اشعار میں قرآنی آیات سے بحسن و خوبی استفادہ کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طرزی کی نعت خصوصی اہمیت کی حامل ہے:

سماعت کیا، بصارت کیا یہ ما اوحی وہ اذ یغشی
حرارت قلب کی تیرے حریم کن فکاں تک ہے

☆

تھے مشیت میں امکاں جو تطہیر کے تھے جو اسرارِ آدم کی تقدیر کے
چند ٹکڑے ہوئے حق کی تنویر کے انما کے لیے ھل اتی کے لیے

☆

وہ منزل قرب کی جس کی سند قوسینِ او ادنی
علو کا پوچھنا کیا تا حدِ عرشِ بریں تم ہو

☆

D:NaatRang-17
File: Hasil
Final

ہے لبِ جبریل علیہ السلام پہ الا قلیلا کی سند
صاحبِ لولاک کی شانِ عبادت دیکھ کر

''طلع البدر علینا'' میں چند نعتیہ نظمیں اور قطعات بھی شاملِ اشاعت ہیں۔ نعتیہ نظموں کی بحریں مترنم اور رواں ہیں، یہاں اسلوبِ بیان بھی سلیس و سادہ ہے۔ لگتا ہے ان تخلیقات میں انھوں نے نعت خوانی کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ بحمداللہ! وہ ایک اچھے نعت خواں بھی ہیں۔

سامانِ تسکین/ شاہ حسین نہری

شاہ حسین نہری سیّد محمد علی درویش، محبوب اللہؒ المعروف بہ سیّد شاہ علی نہری کے خانوادے سے ہیں اسی نسبت سے ''نہری'' کہلاتے ہیں:

ہے ان سے انتساب کہ ''نہری'' ہوں شاہ میں
قطرہ میں، نہرِ آب وہ شاہِ علی ولیؒ

نہری صاحب کے جدِ امجد ایک درویش بے ریا، صوفیٔ باصفا، عارفِ دینِ متین اور بابِ رُشد و ہدایت تھے۔ اس حوالے سے یہ کہنا بجا ہے کہ شاہ حسین نہری کو علم و معرفت کا خزانہ ورثے میں ملا۔ البتہ دینی و روحانی علم کے ساتھ ساتھ انھوں نے دنیوی علم پر بھی توجہ دی۔ اردو ادب میں ماسٹر ڈگری کے حصول کے بعد درس و تدریس کے شعبے کا انتخاب کیا اور ریٹائرمنٹ تک اسی سے وابستہ رہے۔

شاہ حسین نہری کا پہلا شعری مجموعہ ''شب آہنگ'' جو اُن کی غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے، ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ جب کہ ''شب تاب'' کے نام سے غزلیات کا مجموعہ ۱۹۹۹ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ پیشِ نظر شعری مجموعہ ''سامانِ تسکین'' چند ماہ پہلے ۲۰۰۳ء میں منظرِ عام پر آیا ہے۔ ان کے علاوہ اُن کی متعدد تصانیف زیرِ طبع ہیں۔

''سامانِ تسکین'' میں حمد، مناجات، نعت اور منقبت جیسی پاک و منزہ اصنافِ سخن شاملِ اشاعت ہیں۔ ۵۵/صفحات کا یہ مجموعہ خاصا مختصر، تخلیقی مواد پیش کرتا ہے، جس میں نعتیہ حصہ نسبتاً زیادہ صفحات پر محیط ہے۔ شاہ حسین نہری کو ان تمام اصنافِ سخن میں شعر کہنے کا سلیقہ ہے۔ وہ فنِ شعر کے رموز و نکات سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ گو کہ ان کی غزلوں اور نظموں کا کوئی مجموعہ ہمیں دستیاب نہیں رہا، لیکن ان کا مدحیہ کلام دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ غزل اور نظم کے بھی ایک

کامیاب شاعر ہیں۔

زیرِتبصرہ مجموعے میں انھوں نے جن اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے وہ خاصے حزم و احتیاط اور خبرداری و ہوش مندی کی مقتضی ہیں۔ جن میں افکار و خیالات کے ساتھ ساتھ لفظیات کے انتخاب کے حوالے سے بھی کڑے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ بحمداللہ شاہ حسین نہری اس امتحان میں کامیاب رہے ہیں۔ حمد نگاری میں انھوں نے جس طرح عجزِ بیان کا اعتراف کیا ہے، وہ قابلِ قدر ہے:

کریں الفاظ آساں ایک حد تک حمد کو لیکن　　بہت دشوار ہے عجزِ بیاں کو یہ بھی آسانی

بساطِ بحر کیا ہے رحمت اللہ کے آگے　　سن اے حدِ نظر تشبیہ یہ ہے ایک نادانی

ایک نظم میں انھوں نے سورۂ الحمد کا ترجمہ تفسیر کی حد تک کیا ہے:

حمد و تعریف بس خدا کی ہے　　سلطنت اس کی سب خدائی ہے

پالنے والا سب جہانوں کا　　رحم والا ہے، مہرباں بھی ہے

ہے وہ روزِ جزا کا مالک بھی　　یہ گھڑی تو ضرور آنی ہے

ہم عبادت تری ہی کرتے ہیں　　اور تجھی سے مدد طلب کی ہے

ہاں دکھا دے ہمیں خدایا! تُو　　راہ بس وہ جو راہ سیدھی ہے

راہ ان کی ہمیں دکھا دینا　　تیری نعمت جنھوں نے پائی ہے

ہے غضب جن پہ جو ہیں بھٹکے ہوئے　　راہ ان کی نہیں دکھانی ہے

شاہ حسین نہری نے مناجات استغاثے کے رنگ میں لکھی ہے اور عصرِحاضر میں اخلاقی قدروں کی پامالی کا مرثیہ کہا ہے:

نہری صاحب کو نعت گوئی کا بھی بھرپور شعور ہے۔ ان کی نعت میں جذب و کیف کی جو کیفیت ہے وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ ان کے جذباتی لگاؤ، بحسن وخوبی ظاہر کرتی ہے۔

خونِ جگر سے لکھوں اوصاف مصطفیٰ ﷺ کے　　اب یہ ہو روشنائی، اب نعت ہو تو یوں ہو

☆

ہے ہیچ سبھی کچھ یہ زر و جاہ و دل و جاں　　جو چیز ہے لٹ جائے مگر آپ ﷺ کو دیکھوں

☆

ہر گھڑی بول بالا محمد ﷺ کا ہو　　بات ہر گام پر مصطفائی چلے

محمدﷺ کو جو عام انسان سمجھے مقامِ محمدﷺ سے وہ نابلد ہے

ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

اللہ ترے حبیبﷺ کا شیدا ہوں نسبت پہ محمدﷺ کی بنا رکھتا ہوں
ہے ان سے جونسبت وہ کسی سے کب ہے ہیں میرے محمدﷺ، میں محمدﷺ کا ہوں

''سامانِ تسکین'' میں نہری صاحب کا عمومی اسلوبِ بیان عام فہم اور سلیس ہے۔ البتہ کہیں کہیں عربیت و فارسیت کا غلبہ ہے۔ جس سے شعر کی اثرانگیزی مجروح ہوئی ہے۔

خیر القرونِ احمد دُربار انتہائی لمحات وہ مبارک انوار انتہائی
شیریں دہن محمدﷺ گل بار انتہائی حسنِ سلوک بے حد ایثار انتہائی

جمالِ نظر/ خورشید بیگ میلسوی

آج جو نعتیہ مجموعے خوب صورت ناموں کے ساتھ ہمارے پیشِ نظر ہیں، ان میں ایک نعتیہ مجموعہ ''جمالِ نظر'' بھی اپنے معنی آفرین نام کے شامل ہے۔ ''جمالِ نظر'' خورشید بیگ میلسوی کی نعتیہ شاعری کے جمال سے معمور ہے بلکہ ان کی نعتیہ غزل کے حسن کا مظہر ہے۔ خورشید بیگ میلسوی کی بنیادی پہچان غزل گوئی ہے۔ ان کی غزلوں کے دو مجموعے ''ہجرتوں کے سلسلے'' اور ''بشارتوں کے امین موسم'' کے ناموں سے منظرِعام پر آچکے ہیں۔ ''جمالِ نظر'' ان کا تیسرا شعری مجموعہ ہے، جو اُن کی نعتیہ غزل کی نمائندگی کرتا ہے۔ اُن کے بقول:

> غزل کی شاعری میں ذوقِ حسنِ نظر اور تہذیبِ ذات کے نامکمل مواقع ملتے ہیں۔ جب کہ نعتِ رسول ﷺ ایسے مواقع کی کثرت سے مملو ہے۔ یہ نعمت غیرمترقبہ ہے، ودیعت کرم ذوالجلال ہے۔ اس لیے غزل پر میں نے انحصار کرنے کے بجائے نعت کے روشن رستے پر پائے تخیل سے سفر کا آغاز کیا ہے۔

''جمالِ نظر'' میں خورشید بیگ میلسوی کا ''و رفعنا لک ذکرک'' کے عنوان سے ایک مضمون بھی شاملِ اشاعت ہے۔ جو نعت کے حوالے سے ایمان افروز خیالات پر محیط ہے۔ اس مضمون میں بعض ایسے بھی اقتباسات ہیں جو بجائے خود نعت کہلانے کے مستحق ہیں۔

تمنائے زیارت وہ حقیقی محرک ہے، جس نے مجھے پابندِ نمازِ عشقِ

مصطفیٰ ﷺ کیا۔ میرے نزدیک بلالؓ سیرتِ خیالات اگر تخیل کے مہمان
ہوں تو ذہن عشقِ سرکارِ مدینہ ﷺ کی گلیوں میں اپنی تشنگی کو سیرابی میں
بدلنے کا سامان کرتا ہے۔ ایک ایسی بہار جو خزاں کی قید سے آزاد ہے،
ذہن و دل کی کشت پر فردوس آثار تسکین کی ٹھنڈی چھاؤں کا باعث بنتی
ہے جس سے جسم و جاں کو بالیدگی اور توانائی ملتی ہے۔

نعت مدح و ثنا بھی ہے اور سیرت نگاری بھی... مدح و ثنا کے لیے حضور ﷺ سے قلبی و روحانی وابستگی اور سیرت نگاری کے واسطے آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کا مکمل عرفان از بس ضروری ہے۔ عقیدت کے قلم سے آپ ﷺ کی شکل وشمائل کا بیان مستحسن سہی، مگر تاریخی استناد کے ساتھ ان کے اسوۂ حسنہ کی تعبیر و تفسیر اصل نعت گوئی ہے۔

زباں سے سنگریزے بھی تری شان رسالت کی
کہیں تصدیق کرتے ہیں کہیں تفسیر کرتے ہیں

☆

خود وہ خورشید رہے پیٹ پہ باندھے پتھر   اپنے سائل کو مگر نانِ شبینہ دے دے

☆

کھا کے پتھر بھی دعا دیتے رہے   آپ ﷺ کی رحمت کے قرباں جائیے

☆

اس کے گہنے ہوں فقط صبر و رضا کے گہنے   میری بیٹی کو بھی کردارِ سکینہؓ دے دے

☆

خدا کی ذات کا پرتو ہے تیری ذات جمیل   اسی کے حسن کا مظہر ترا جمالِ نظر

☆

کہاں سے ڈھونڈ کے لائے تری مثال کوئی   کہ لامکان و مکاں میں نہیں ہے تیری مثال

☆

اب چراغوں کی ہم کو ضرورت نہیں   مل گیا ہے ہمیں نقشِ پا آپ ﷺ کا

D:NaatRang-17
File: Hasil
Final

خورشید بیگ میلسوی نے نعت میں تغزل پیدا کرنے کی کامگار کاوش کی ہے۔ کہیں کہیں وہ جدید لہجہ تشکیل دیتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے مقامات پر تراکیب و مرکباتِ لفظی

میں انھوں نے تازہ کاری سے کام لیا ہے۔ اس عمل کی تکمیل میں ان کی ریاضتِ غزل نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ تسلیم نہ کرنا ادبی ناانصافی ہوگی کہ خورشید بیگ میلسوی کی جدت نگاری میں معنی آفرینی پائی جاتی ہے اور یہ گنجلک پن اور ابہام کے لوث سے پاک ہے۔

مجھے گناہوں کی ہر جہت سے نکال آقا ﷺ
دبیز ظلمات کی پرت سے نکال آقا ﷺ
جدائیوں کے اُداس لمحوں سے مجھ کو دے دے نجات مولا ﷺ
مجھے فصیلِ مفارقت سے نکال آقا ﷺ

☆

یہ کس نے آنکھوں کے شب کدے میں سجا دیے آفتاب منظر
صحیفۂ دل پہ لکھ رہا ہوں گلاب حرفوں سے خواب منظر

☆

وہ میرے خوابوں کی گل رُتوں میں مٹھاس لے کر جو پاس آئے
نہ رنج و غم ہی قریب آئیں نہ دل میں خوف و ہراس آئے

☆

مجھ کو مل جائے مدینے کی زیارت کا شرف
اشک آنکھوں میں مچلتے ہیں سوالوں کی طرح

کجری/ ظافر تشنہ

جس طرح عصری تقاضوں کے پیشِ نظر مذہبی مسائل کے حوالے سے اجتہاد کا در وا ہے، اسی طرح ادب کے میدان میں تجدد و تجربہ کی ہمیشہ سے گنجائش موجود رہی ہے۔ اردو ادب میں زبان، اسلوب، موضوع، ہیئت اور فارم کے زیادہ تر تجربات انیسویں اور بیسویں صدی کے دوران میں کیے گئے۔ نتیجتاً مختلف النوع ہیئت اور تکنیک کی اصنافِ نظم و نثر متعارف ہوئیں۔ نثر میں انگریزی طرز کا فکشن(Short Story) اور انشائیہ متعارف ہوئے۔ جب کہ نظم میں نظم معریٰ، آزاد نظم، نثری نظم، آزاد غزل، غزل نما، ترائیلے، تروینی، نغمانے، ہائیکو وغیرہ منظرِعام پر آئے، جن میں سے بعض نوزائیدہ تخلیقی پیکروں کو قبولِ عام بھی نصیب ہوا۔ ''کجری'' کو بھی ہم

اسی سلسلے کی ایک کڑی تصور کرتے ہیں۔ جس کے آغاز کا سہرا ظافر تشنہ کے سر ہے۔

ظافر تشنہ ایک کہنہ مشق و پختہ کار شاعر و ادیب ہیں۔ ''کجری'' کے علاوہ بھی ان کی شعری و نثری تصنیفات شائع ہوچکی ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

گڑیا	بچوں کی نظمیں
دل کی آواز	ڈرامے (منظوم)
لہجہ	غزلیں
آدم خور	مثنوی
ہوا لال ہوگئی	مرثیے
علمِ عروض	منظوم
ادبی چہرے	خاکے

کجری کی تخلیق کے بارے میں ظافر تشنہ نے ایک عجیب حکایت بیان کی ہے۔ وہ کتاب کے ابتدائیہ بعنوان ''عرضِ حال'' میں لکھتے ہیں:

> یہ میری نثری کجریاں ہیں اور کجری کیا ہے؟ تو بس اتنا یاد پڑتا ہے کہ ۱۹۷۰ء سے کچھ اوپر کی بات ہے کہ میں عالمِ خواب میں معمول کے مطابق شاعری کر رہا تھا۔ اب کے یہ تین مصرعوں والا نعتیہ بند تھا۔ میں نے بند لکھا اور پھر سو گیا۔ بعد میں غور کیا تو پایا کہ یہ فعلن فعلن فاعلن فعلن فعلن فاع (بحر متدارک مسدس مجنون مقطوع احذ مذال مضاعف) کی حسین شکل ہے تو میں نے اس کا نام ''کجری'' رکھ دیا۔

ویسے بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ نعت گوئی کی توفیق اس وقت تک نہیں ہوتی:

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس تناظر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ظافر تشنہ کو کجری کی تخلیق و ایجاد میں تائیدِ ایزدی حاصل ہے۔ کجری تین مصرعوں پر مشتمل ایک بند ہے۔ جس کے پہلے دو مصرعے غیر مردف و ہم قافیہ ہیں۔ البتہ تیسرے مصرعے کے نصف کو پہلے دو مصرعوں سے ہم قافیہ کرکے ایک صوتی آہنگ بلکہ ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے۔ ظافر تشنہ نے متنوع نعتیہ موضوعات پر بہ عنوان کم وبیش ۹۰ر کجریاں کہی ہیں۔ جن میں چند حمدیہ کجریاں بھی شامل ہیں۔ یوں حمدیہ کجری کہنے کا پہلا اعزاز بھی انھیں

نصیب ہوا ہے۔ یہ کجریاں اختصار میں جامعیت لانے کی ایک اچھی کاوش ہیں اور شاعر کے بیدار شعور، زندہ احساس اور حضور ﷺ پُر نور کی ذاتِ مبارک سے ان کی جذباتِ عقیدت کی مظہر ہیں۔

نمونۂ کلام

اس نکتے پر آگیا جس نے کیا یہ غور
کس کی خاطر بن گیا سارا جہاں فی الفور
کوئی نہیں ہے اور، صرف محمد ﷺ ہیں

☆

جس کے سکے سے چلے یہ سارا زماں یہ ارض
اس کا محمد ﷺ نام ہے، سن لے میری عرض
تیسرا بھی ہے فرض، اس کا کہنا مان

عالم دا سر کردہ/ محمد انور میر

پنجابی زبان پاکستان کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے۔ جسے عوام کی ایک غالب اکثریت بولتی ہے۔ پنجابی کی ذیلی بولیوں میں ماجھی، سرائیکی، ہندکو، دھانی اور پوٹھوہاری شامل ہیں۔ ان مختلف بولیوں کے لسانی میلانات اور ادبی رجحانات کم و بیش ایک سے ہیں۔ پنجابی کا ادبی سرمایہ کثیر ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح پنجابی کا ابتدائی ادب بھی لوک کہانیوں اور عشق و محبت کی داستانوں پر مشتمل ہے۔ جن میں ہیر رانجھا، سسّی پنوں، سوہنی مہینوال اور مرزا صاحباں خاصی مشہور ہیں۔ پنجابی شاعری کے آغاز میں جن اصنافِ سخن کو برتا گیا، ان میں کبیت، کافی، سہ حرفی، باراں ماسہ اور ست واراہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ تصوف پنجابی ادب کا ہمیشہ نمایاں فیچر رہا ہے۔ متصوفانہ ادب بارھویں صدی سے انیسویں صدی تک محیط ہے۔ جن صوفی شعرا نے پنجابی ادب کو صوفیانہ افکار و خیالات سے مالامال کیا ہے، ان میں بابا فرید گنج شکرؒ، شاہ حسینؒ، سلطان باہوؒ، بلھے شاہؒ، فرد فقیرؒ، ہاشم شاہؒ، میاں محمدؒ وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان بزرگوں کا کلام آج بھی اسی ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے، جس کا مظاہرہ صدیوں پہلے دیکھنے کو ملتا تھا۔

پنجابی زبان میں مذہبی شاعری کی ابتدا اٹھارویں صدی میں ہوئی۔ اس دوران میں

مذہبی جنگ ناموں اور مرثیہ پر خاص توجہ دی گئی۔ البتہ پنجابی میں منظوم سیرت نگاری کا باقاعدہ آغاز ۱۸۶۵ء میں مولوی محمد اسلم کی ''گلزارِ محمدیؐ'' سے ہوا۔ بیسویں صدی میں اردو کی طرح پنجابی نے بھی خود کو جدید ادبی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور پنجابی میں کبھی نئی نئی ہیئتوں میں شاعری ہونے لگی جب کہ نعت اور سیرت نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔ اس صدی میں پنجابی مذہبی شاعری کی طرف توجہ دینے والوں میں احمد راہی، شریف کنجاہی، حفیظ تائب اور کئی دوسرے شعرا شامل ہیں۔ محمد انور میر بھی ان میں سے ایک ہیں، جن کی کتاب ''عالم دا سرکرہ'' سال ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب سرکارِ دوعالم ﷺ کی منظوم سیرت پاک پر مبنی ہے اور کئی ایک علمی و ادبی وجوہ کی بنیاد پر اپنی نوعیت کی ایک منفرد مثال قرار دی جاسکتی ہے۔

''عالم دا سرکردہ'' میں محمد انور میر نے حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے متنوع پہلوؤں اور آپ ﷺ کو پیش آنے والے مختلف قسم کے سماجی، معاشرتی، مذہبی اور جنگی واقعات کو نظم کیا ہے۔ واقعات کی صحت کے بارے میں تو علمائے دین اور فلاسفۂ تاریخ رائے دینے کے مجاز ہیں، البتہ شاعر نے واقعہ نگاری میں کمال مہارت فن کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ ایک مشاق مصور کی طرح ہر چھوٹے بڑے واقعے کو شعری کینوس پر اس کی روح کے ساتھ منقش کر دیا ہے۔ سیرت نویسی اور سراپا نگاری میں بھی محمد انور میر نے عقیدت مندی اور شاعرانہ درک کا بدرجۂ اتم مظاہر کیا ہے۔ زبان، محاورہ اور روزمرہ پر انھیں مکمل قدرت حاصل ہے۔ الفاظ کے چناؤ اور استعمال میں وہ یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ وہ جس موضوع، واقعہ یا روایت پر خیال آرائی کرتے ہیں تو اس کے تاریخی، مذہبی، تہذیبی، معاشرتی خصوصاً نفسیاتی عوامل کو اُجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔ منظوم سیرت نامے میں انھوں نے جس نوع کی ذرخیزی ذہن، ارتقاعِ فکر، علم وفن اور تصویرکاری سے کام لیا ہے، اس کا مظاہرہ کم کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

''عالم دا سرکردہ'' میں محمد انور میر نے نظم پابند اور آزاد نظم پر دو ہیئتوں کو استعمال کیا ہے، مگر کہیں بھی فنی تقاضوں سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ ہم انھیں اپنے عہد کا ایک نہایت اہم پنجابی نظم نگار تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا اسلوبِ بیان سادہ، رواں اور اثرانگیز ہے۔ ہر چند انھوں نے زیادہ تر بیانیہ اسلوب اپنایا ہے، لیکن کہیں کہیں علم و حکمت کی باتیں بھی کی ہیں اور ایمائیت و رمزیت سے بھی کام لیا ہے۔ ان کی اکثر نظموں میں غنایت و نغمگی کا اہتمام ملتا ہے۔ تاریخی واقعات نگاری میں شعری حسن کا التزام جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ مگر محمد انور میر یہ دودھ

D:NaatRang-17
File: Hasil
Final

کی نہر نکالنے میں کامگار ٹھہرے ہیں۔ ان کی ہر نظم دلچسپ اور متاثر کن ہے۔ البتہ ایک آزاد نظم ''اُم معبد دے ڈیرے تے'' خاصے کی چیز ہے۔

خرابات ... نذرِ ساقی / مولانا محمد عبدالہادی القادری

مولانا محمد عبدالہادی القادری ایک فاضل اجل، عالم بے بدل اور میخوارؔ و لطفؔ و بسملؔ و حسرتؔ صفت نعت گو شاعر تھے۔ ان کا شمار سلسلۂ عالیہ قادریہ مجیدیہ کے بزرگوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے منزلِ سلوک و طریقت بھی سر کی اور جادۂ علم و معرفت اور نعت و مناقب بھی طے کیا۔ ہمارے پیشِ نظر ان کی مدحیہ شاعری کا وہ انمول خزینہ ہے، جسے ان کے برادر خورد فرید اقبال قادری نے ''خرابات... نذر ساقی'' کے نام سے ایک سال قبل طبع کیا تھا۔ فرید اقبال قادری نے حصۂ سوم کی اشاعت کا بھی مژدہ سنایا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی توفیقات میں اضافہ کرے۔

وہ شاعری جس میں شعری صنعتوں کا التزام ہو، وقیع متصور ہوتی ہے بلکہ کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے۔ مولانا ہادیؔ علم البیان پر دسترس رکھتے تھے۔ انھیں مطالباتِ فن اور محاسنِ شعری کا مکمل عرفان و ادراک تھا۔ لہٰذا انھوں نے نعت و منقبت کی ادبی اہمیت بڑھانے کے لیے اپنے مدحیہ کلام میں حتیٰ المقدور ایسے محاسن زبان و بیان پیدا کرنے کی کامگار کاوش کی ہے، جو کسی بھی کلام کے ادبی معیار و مرتبہ کی ضمانت دیتے ہیں۔ ہماری رائے میں مولانا ہادیؔ فطری طور پر ایک غزل گو تھے۔ اگر وہ غزل کہتے تو بڑے بڑوں سے بہتر غزل گو ثابت ہوتے۔ کیوں کہ ان کی نعت و منقبت میں زبان و بیان، فکر و خیال اور جذبہ و احساس کی جوت کے وہی لشکے ہیں، جن کی دمک سے ہمارا ایوانِ غزل منور ہے۔

غالبؔ نے کہا تھا:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

مولانا ہادیؔ نے ابلاغِ فکر کو سہل بنانے کے لیے اور کلام میں حسنِ بیان پیدا کرنے کے لیے بعض تشبیہات و استعارات کا سہارا لیا ہے بلکہ غزل کے روایتی استعاروں کو بڑی جرأتِ رندانہ سے نعت و منقبت ایسی نازک اصنافِ سخن میں استعمال کیا ہے۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ تشبیہ کے مقابلے میں استعارہ زیادہ تہ در تہ معنویت اور گہرے تاثر کا حامل ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے

کہ ان کے ہاں شراب، ساقی، میخانہ، جام وغیرہ کا علامتی استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ ان کے کلام کا معتدبہ حصہ ساقی ناموں پر مشتمل ہے۔ ممکن ہے نعت و منقبت میں ایسے استعاروں کا استعمال کسی کے نزدیک معیوب ہو۔ اس امر کا مولانا ہادیؔ کو بھی احساس تھا۔ لہٰذا انھوں نے زیرِتبصرہ مجموعے ''خرابات... نذرِ ساقی'' کے مقدمے میں ایک سیر حاصل مضمون لکھ کر معترضین کو شافی و کافی جواب دے دیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ مقدمہ ایک ایسا علمی و ادبی شہ پارہ ہے، جس میں علمیت بھی ہے، برہان و استدلال بھی اور صوفیانہ فکر کی تفہیم و تصریح بھی۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی بھی لفظ کے استعاراتی اور علامتی استعمال کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ البتہ اگر اس کی معنیاتی کیفیت و تاثر کسی کج فکری کا مظہر ہے تو اسے رد کرنا یا نشانۂ ہدف بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر معنوی پرت میں مثبت فکر کے ابلاغ کی کاوش مضمر ہے تو اسے کشادہ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سراہنا چاہیے۔ مولانا ہادیؔ نے متذکرہ بالا استعارات کو جس فنی مہارت سے پاکیزہ موضوعات و مضامین کی تعبیر و تفسیر کا مظہر بنایا ہے، وہ قابلِ قدر ہے:

ہاں وہی مئے کہ جسے پی کے پڑھا جائے درود — جس کے متوالوں پہ اللہ کی رحمت ساقی
دور میں آئیں ابھی کوثر و تسنیم کے جام — ملتفت ہو جو تری چشمِ عنایت ساقی
وہ مئے کہ جس کی صفا کی صفا قسم کھائے — اسی سے دھو مرا قلبِ سیاہ اے ساقی
ملے مجھے بھی مئے مست ساقئ کوثر — وہ مئے کہ جس کا نہ پینا گناہ اے ساقی
وہی شراب کہ میں پیش داور محشر — بنا سکوں جسے اپنا گواہ اے ساقی

ہماری نظروں سے متعدد نعتیہ و منقبتی مجموعے گزرے ہیں۔ مگر ایسے مجموعے معدودے چند ہیں، جن کے کلام میں الہامی کیفیت کا احساس ہو۔ ہمیں یہ اعتراف کرنے میں ہرگز تامل نہیں ہے کہ مولانا ہادیؔ کی نعتیہ شاعری الہامی شاعری کے زمرے میں آتی ہے اور اس احساس کو دو چند کرتی ہے کہ رسماً نعت کہنے والے ''کاری گرانِ شعر'' تو ہوسکتے ہیں، حضورﷺ کے مدح خواں نہیں کہلا سکتے۔

رکھا قدم جو ہم نے مدینہ کی راہ میں — رحمت نے لے لیا ہمیں اپنی پناہ میں

☆

ہر ایک کے لیے ہے اس کا بابِ رحمت باز — نظر میں اس کی نہ محمود ہے نہ کوئی ایاز

☆

D:NaatRang-17
File: Hasil
Final

جو گرتے گرتے پکاروں میں یارسول اللہ ﷺ		تو اپنا ہاتھ دوعالم پناہ دیتے ہیں

☆

کہتے ہیں مجھ سے لطفؔ و وَلیؔ باادب بڑھو		حسان و کعب و ابن رواحہ کی راہ ہے

☆

زیست باسلیقہ ہو، موت باقرینہ ہو		ہو مدینہ اور ہم ہوں، ہم ہوں اور مدینہ ہو

تذکرہ نعت گویان راول پنڈی، اسلام آباد/ قمر رعینی

اردو میں تذکرہ نویسی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اس ضمن میں میر تقی میر کے ''نکات الشعرا''، نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ کے ''گلشنِ بے خار'' اور مولانا محمد حسین آزاد کے ''آبِ حیات'' کو تقدم حاصل ہے۔ ان تذکروں میں محققین و مترتبین نے بساط بھر تنقیدی شعور کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔ ازاں بعد متعدد تذکرے منظرِعام پر آئے اور یہ روایت تاحال جاری و ساری ہے۔ گزشتہ چند دہائیوں سے اہلِ قلم حیران کن حد تک نعتیہ ادب کی تخلیق میں مصروف ہیں۔ نعت گوئی کی تو ارزانی ہے، خاص کر تنقیدِ نعت کے در وا ہوئے ہیں اور تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ بات ہر سطح پر تسلیم کی گئی ہے کہ نعت کے تاریخی، علمی، ادبی، فکری، فنی غرض ہر پہلو کو تنقید کی گرفت میں لایا جاسکتا ہے۔ نعت کے تخلیقی ادب کے ساتھ ساتھ تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی خاصی پیش رفت ہوئی ہے اور آئے دن اردو، فارسی، عربی نعت گویان کے مبسوط تذکرے اشاعت پذیر ہو رہے ہیں۔ ان میں بعض تذکرے ایسے ہیں، جن میں نقد و نظر کے چراغ بھی جلائے گئے ہیں۔ جب کہ بعض خالصتاً تذکرے ہیں، جو نعت گویان کے بارے میں مختصر معلومات اور ان کے نمونۂ کلام تک محدود ہیں۔ اس کے علاوہ کسی مخصوص شہر یا علاقے کے نعت گویان کے تذکرے شائع کرنے کا رجحان بھی عام ہے۔ مگر ان تذکروں میں ایسے شعرا کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے، جن کا نعت گوئی میں کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہوتا حتیٰ کہ صاحبِ دیوان (نعت) بھی نہیں ہوتے۔ چند رسماً یا طرحی مشاعروں کے لیے دو چار نعتیں کہنے والوں کو تذکروں میں شامل کرنا محققین کو زیب نہیں دیتا۔ نیز وہ نعت گو جو مبتدی ہیں یا پھر ان کے کلام میں زبان و بیان اور فن کے حوالے سے فاش قسم کی غلطیاں یا بے احتیاطیاں پائی جاتی ہیں، ان کو تاریخی نوعیت کے تذکروں میں محض پی آر کی بنیاد پر جگہ دینا کسی بھی زاویۂ نگاہ سے مستحسن نہیں ہے۔

ہمارے سامنے راول پنڈی، اسلام آباد کے جڑواں شہروں میں پائے جانے والے نعت گویان کا ایک تذکرہ ''تذکرہ نعت گویان راول پنڈی، اسلام آباد'' کے نام سے موجود ہے، جو قمر رعینی کی تحقیق کا ماحصل ہے۔ قمر رعینی کے بارے میں پیشِ نظر ''نعت رنگ'' کے شمارے میں شامل ان کے نعتیہ مجموعے ''ولائے رسول ﷺ'' پر تبصرے میں ہم نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ جہاں تک ان کی تحقیقی کاوشوں کا تعلق ہے تو ان میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اس تذکرے میں بھی انھوں نے اپنی تحقیقی صلاحیتوں کا قابلِ قدر مظاہرہ کیا ہے اور تذکرے میں شامل ہر نعت گو کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی ہیں۔ کاش! وہ اس نعت گویان کے تذکرے کو صرف صاحبِ دیوان نعت گو شعرا تک محدود رکھتے تو زیادہ مناسب تھا۔ کتاب کے ابتدائیہ میں قمر رعینی نے نعت کے تاریخی ارتقا پر ایک مختصر لیکن جامع مضمون رقم کیا ہے... جو بلاشبہ نعت سے ان کی کمٹمنٹ کی دلالت کرتا ہے۔

ٹمل ناڈو میں نعت گوئی/ علیم نویدی

علیم صبا نویدی نعتیہ کی تاریخ میں تخلیق و تحقیق ہر دو اعتبار سے اہم مقام کے حامل ہیں۔ وہ علمی و ادبی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ ان کے اپنے قول کے مطابق انھوں نے ۱۹۶۴ء میں نعت گوئی کا آغاز کیا۔ ہمارے خیال میں ایک غیر اختیاری کیفیت (جسے الہام کہنا بجا ہوگا) ان پر طاری ہوئی اور سرشاری و سپردگی کے عالم میں جب انھوں نے قدم اُٹھایا تو خود کو جادۂ نعت پر رواں دواں پایا۔ بحمداللہ! ان کا یہ سفر آج بھی جاری و ساری ہے اور تخلیقی و تحقیقی دونوں طرح سے قابلِ رشک ہے۔

علیم صبا نویدی فکر وفن میں تازہ کاری کے موید ہیں۔ نعت ایسی حساس صنفِ سخن میں بھی انھوں نے اپنی جدت پسندی کی کرشمہ کاریاں دکھائی ہیں۔ حتیٰ کہ ہیئت اور فارم کے سلسلے میں بھی جدت آفرینیوں کے مظاہرے سے دریغ نہیں کیا ہے۔ ہر چند وہ روایتی نعتیہ غزل سے بھی گریزاں نہیں ہیں، لیکن اپنی فکری اپج کی تسکین کے لیے انھوں نے سانیٹ، تثلیث، ہائیکو اور آزاد غزل کی ہیئت کا انتخاب کیا ہے اور یوں نعتیہ ادب میں اپنی نوعیت کی شمعِ نو روشن کی ہے۔ اس موقع پر ان کا ایک نعتیہ سانیٹ پیش کرنا ہم ناگزیر سمجھتے ہیں۔ یہ سانیٹ تغزل کا ایک ایسا رُخ سامنے لاتا ہے، جو نعتیہ فکر میں مضمر جذب و کیف کی کیفیات کے تاثر کو دو چند کر دیتا ہے۔

جمالِ حبیب ﷺ

زمیں چاند سورج فلک سجدہ ریز
ہواؤں کے دامن میں کیف و طرب
بہاروں کے سرمست میں روز و شب
گلستاں ہے جنت بداماں نصیب
درخشاں ہے ہرسُو جمالِ حبیب ﷺ
حیات آفریں ذہن و دل کا جہاں
معطر مناظر منور سماں
کہ رحمت ہے ہر چیز پہ جلوہ ریز
شہنشاہِ دیں کا یہ فیضان ہے
یہ سانسوں کی دھڑکن لہو کا سفر
یہ ہونٹوں کی جنبش بیاں کے گہر
محمد ﷺ کا ہر شے پہ احسان ہے

☆

محمد ﷺ نہ ہوتے تو ہوتے نہ ہم
نہ اظہار ہوتا نہ نقشِ قلم

تخلیق کے ساتھ ساتھ علیم صبا نویدی کا تحقیق کے میدان میں بھی سفر جاری ہے۔ ''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی'' تحقیق کے حوالے سے ان کی ایک ایسی علمی و ادبی کاوش ہے، جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ شاید یہ ٹمل ناڈو کی پہلی کتاب ہے، جو وہاں کی نعتیہ شاعری کا بھرپور احاطہ کرتی ہے۔ یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں علیم صبا نویدی نے نعت کے تاریخی پس منظر پر ایک نہایت فاضلانہ مقالہ تحریر کیا ہے، جو بلاشبہ بڑی دقتِ نظر سے سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں علیم صبا نویدی نے عربی، فارسی اور اردو نعت کا عہد بہ عہد جائزہ لیا ہے۔ خصوصاً ٹمل ناڈو میں مسلمانوں کی آمد، دینِ اسلام کی اشاعت اور مذہبی شاعری کی ابتدا کا تاریخی بصیرت کے ساتھ احوال بیان کیا ہے۔ یوں اس مقالے کی علمی و ادبی کے ساتھ ساتھ تاریخی اہمیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے حصے میں نویدی صاحب نے ٹمل ناڈو کے کلاسیکی شعرا

کی نعتیہ نظموں، قصیدوں اور مثنویوں کی تفصیل بیان کی ہے اور اپنے تنقیدی شعور کا بھی ثبوت دیا ہے۔ تیسرا اور آخری حصہ نعتوں کے انتخاب پر مشتمل ہے، جو ٹمل ناڈو کے آخری قابلِ ذکر نعت گو شاعر تک کے نمونۂ کلام کو پیش کرتا ہے۔

بقول مرتبۂ کتاب ڈاکٹر جاویدہ حبیب:

> موصوف کی یہ کاش اس سلسلے کا صرف ایک ابتدائی قدم ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس تالیف کے بعد موصوف ٹمل ناڈو کے شعرا پر مضامین کی صورت میں مزید معلومات مستقبل قریب میں فراہم کریں گے اور اسے ایک تاریخی دستاویز کا درجہ عطا کریں گے۔

ولائے رسول ﷺ/ قمر رعینی

قمر رعینی ایک کہنہ مشق و بزرگ شاعر ہیں۔ اتفاق سے ان کے نعتیہ مجموعے ''ولائے رسول ﷺ'' کے مطالعے سے قبل ان کی کوئی تخلیقی کاوش ہماری نظروں سے نہیں گزری۔ ہمارے نزدیک اس کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ ان کی کوئی تخلیق کتابی شکل میں منظرِعام پر نہیں آئی، دوم یہ کہ وہ ادبی جرائد و رسائل میں کم چھپتے ہیں۔ ''کچھ اپنے بارے میں'' کے عنوان سے وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ادبی زندگی کا زیادہ عرصہ تحقیق کے کام میں صرف کیا اور اس طرف دھیان نہیں دیا کہ اپنے کلام کو کتابی شکل دی جائے۔ یہ میری خوش نصیبی اور اللہ کا کرم خاص ہے کہ جب ایسا کرنے کا خیال آیا تو آغاز حضور ﷺ کی مدح سرائی سے ہو رہاہے۔ میری طبع زاد رباعیوں کا مجموعہ، غزل کا مجموعہ، خیام سے منسوب رباعیات کا رباعی میں ترجمہ، فارسی رباعی عہد بہ عہد اور اردو رباعی عہد بہ عہد کے مسودات تیار ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز یکے بعد دیگرے بہت جلد منظرِعام پر آجائیں گے۔

درج بالا اقتباس کی روشنی میں اور قمر رعینی کا نعتیہ کلام پڑھنے کے بعد ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک پختہ گو شاعر و مترجم اور دقیقہ رس محقق ہیں۔ بالخصوص صنفِ رباعی پر انھیں نہ صرف فنی دسترس حاصل ہے بلکہ فارسی اور اردو زبانوں میں رباعی کے تاریخی ارتقا پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ رباعی ایک ایسی صنفِ سخن ہے، جو شاعر کی کہنگی کے ساتھ ساتھ اس کی مشاقی کی بھی

نشان دہی کرتی ہے۔ ''ولائے رسول ﷺ'' میں شامل نعتیہ کلام قمر رعینی کے ان دونوں اوصاف کی دلالت کرتا ہے۔

نقادانِ فن کا اس نکتے پر اجماع ہے کہ ہمارے نعت گو شعرا کے ہاں نعت گوئی میں حزم و احتیاط کا وہ معیار نہیں ہے، جس کا فن نعت گوئی متقاضی ہے۔ بنا بریں اکثر و بیشتر شعرا کا نعتیہ کلام ان کے نزدیک محلِ نظر ہے۔ ہمارے خیال میں ''ولائے رسول ﷺ'' ایک ایسا نعتیہ مجموعہ ہے، جس میں کسی بھی زاویۂ نگاہ سے نعت کی حقیقی روح کو مجروح نہیں کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ کو ''تو'' اور ''تم'' کے ضمائر سے مخاطب کرنے کو بھی سوئے ادب تصور کیا گیا ہے۔ حالاں کہ بعض سکّہ بند ناقدین نعت اور مسلّمہ اہلِ علم نے ان ضمائر کے استعمال کو روا گردانا ہے۔ بہرحال عقیدت مندی کے جس نقطۂ نظر سے قمر رعینی نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے لیے صرف اور صرف ''آپ ﷺ'' کے ضمیر کو ناگزیر ٹھہرایا ہے، اسے بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

ہم قمر رعینی کو نعت میں ایک مؤثر آواز قرار دیتے ہیں اور اس موقع پر ان کی نعت کے وہ پہلو قارئین کے سامنے لانا چاہتے ہیں، جن میں انھوں نے اپنی انفرادیت پیدا کرنے کی کاوش کی ہے۔ ہمارے نزدیک ان کی نعت کی نمایاں خوبی مضمون آفرینی ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے عمومی طور پر مستعمل مضامین میں اپنی فکری اپج کا مظاہرہ کیا ہے اور ان میں ایک نوع کی جدت پیدا کرکے اپنے کلام کو مؤثر بنا دیا ہے:

دل ہی نہیں ہے مہبطِ انوارِ مصطفیٰ ﷺ　　　آنکھیں بھی ہیں احاطۂ قرآں کیے ہوئے

☆

اللہ سے یہ کہہ کے چھڑا لیں گے وہ مجھ کو　　　خاطی تو ہے، شرمندہ ہے، اقرار کرے ہے
انگشتِ بدنداں ہے مری جرأتِ گفتار　　　کیا کام مری چشمِ گہر بار کرے ہے

☆

عالم الغیب نہیں ہیں وہ مگر یہ کیا ہے؟　　　میں اِدھر سوچوں، اُدھر ان کو خبر ہوجائے

☆

ہم بشر ہیں مگر شر ہی شر　　　اور خیر البشر ﷺ آپ ہیں
ذات باری تو ہے مبتدا　　　لیکن اس کی خبر آپ ﷺ ہیں

تکرارِ لفظی کو شعری حسن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے اساتذۂ فن کے ہاں تکرارِ لفظی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں، قمر رعینی نے بھی تکرارِ لفظی کے حسن سے اپنے کلام کو جاذبِ نظر بنایا ہے:

وہی قرآں کی تفسیر بھی، خلقِ مجسم بھی
ہے ان کی ذات بابرکات سے ہر لا کا پہلو لا

☆

مجھ کو تو آنا ہی نہ تھا شہرِ نبی ﷺ سے
آج بھی غم ہے تو اس بات کا غم ہے

☆

کاش محشر میں ہر اک سمت سے آئے آواز
آیا آیا وہ محمد ﷺ کا ثنا خواں آیا

بے ساختگی اور پرکاری بنیادی طور پر غزل کی خوبی ہے۔ نعت میں فنی خوبی پیدا کر کے قمر رعینی نے خود کو ایک غزل گو بھی ثابت کیا ہے:

جیسے ہیں مرے حضورِ والا ایسا کوئی اور ہے؟ نہیں ہے

☆

پھر مجھے روضۂ اطہر سے بلاوا آیا آیا آیا مرے سرکار ﷺ میں آیا آیا

☆

ذاتِ باری تو ہے مبتدا لیکن اس کی خبر آپ ﷺ ہیں

قمر رعینی کے ہاں ایک آدھ سہوِ زبان و بیان بھی دیکھنے کو ملا ہے، مثلاً انھوں نے کہیں کہیں لفظ ''پاؤں'' استعمال کیا ہے، جو بروزن ''فعلن'' ہے۔ حالاں کہ درست لفظ ''پانو'' بروزن ''فعل'' ہے:

ان کے منگتوں کے پاؤں کے نیچے
گنج ہائے خطیر ہوتے ہیں

ایک دوسرے شعر میں ان کی مضمون آفرینی حضور ﷺ کی ایک مشہور زمانہ حدیث سے متصادم ہے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا:

انا مدینة العلم وعلی بابها

حضور ﷺ سے اکتسابِ علم کرنے والے سب کچھ ہوسکتے ہیں، مگر علم کا شہر نہیں کہلا سکتے۔ ''مدینۃ العلم'' کا لقب و خطاب صرف اور صرف سرورِ کونین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو زیبا ہے۔

''نعت رنگ'' کی ایک خصوصی یادگار اور قابلِ فخر پیش کش

مولانا احمد رضا خان نمبر

جس میں برصغیر پاک و ہند کے نامور اہلِ قلم امام نعت گویاں
مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعتیہ خدمات پر
اپنا خراجِ عقیدت پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ
جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔

...... رابطہ ......

نعت ریسرچ سینٹر، B-50، سیکٹر A-11، نارتھ کراچی

نقیبِ اتحادِ ملتِ اسلامی

ماہنامہ مسیحائی کراچی

مدیرِ اعلیٰ: مخدوم زادہ احمد خیر الدین انصاری

سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کی کامیاب اشاعت کے بعد
ناموسِ رسالت ﷺ نمبر شائع ہو گیا ہے

...... رابطہ ......

B-197، بلاک A، شارع بابر، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔ 74700
فون: 0320-4077372

علمی، ادبی، تحقیقی مجلّہ

نوادر

مدیرِ اعلیٰ: ڈاکٹر گوہر نوشاہی

مدیرہ: بیگم شاہین زیدی

...... ناشر ......

مجلسِ یادگار نظیر حسنین زیدی

58، ہدایت اللہ بلاک، مصطفیٰ ٹاؤن، وحدت روڈ، لاہور

نعتیہ صحافت کے اُفق پر ایک اور باوقار جریدے کا طلوع

ماہنامہ کاروانِ نعت لاہور

مدیر: شوکت علی

......رابطہ......

نعت لورز کلب : روم نمبر 208، سیکنڈ فلور، شہزادی رفاقت مارکیٹ
برانڈرتھ روڈ، نزد چوک گراں، لاہور۔ فون : 0300-9439938

افکارِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

مدیر: صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری

......رابطہ......

25/ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی۔ 74400

دینی اور علمی مزاج کے حامل قارئین کے لیے ایک خاص تحفہ

ماہنامہ سبیلِ ہدایت لاہور

مدیرِ اعلیٰ: سیّد قمر احمد سبزواری

...... رابطہ......

بزمِ ندائے مسلم پاکستان 3/8، B-1، ٹاؤن شپ، لاہور۔ 54770
Email : sabeelehidayat@islamonline.net

ایک سنجیدہ علمی و دینی رسالہ

ماہنامہ کاروانِ قمر کراچی

مدیرِ اعلیٰ: محمد صحبت خان کوہاٹی

...... رابطہ ......

دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ، پنجاب کالونی، کراچی
فون : 5378793-5376884

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

اردو ادب میں قدیم و جدید رجحانات کا ترجمان

ماہنامہ سخن ور کراچی

مدیر: نقوش نقوی

...... رابطہ ......

پوسٹ بکس نمبر 17830، ہیڈ پوسٹ آفس، گلشنِ اقبال، کراچی۔ 75300
Email: sukhanepak@hotmail.com

راجا رشید محمود کے 18 مجموعہ ہائے نعت کا علمی و تحقیقی جائزہ

شاعرِ نعت

تحقیق و تحریر: ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ

صفحات: 536 ہدیہ: 200/روپے

...... ناشر ......

الجلیل پبلشرز، اردو بازار، لاہور

الجامعہ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

مدیر: مبارک حسین مصباحی

...... رابطہ ......

دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔ 27640 (بھارت) فون: 250149
Email : aljamiatulashrafia@rediffmail.com/

ملت کا ترجمان

ماہنامہ جامِ نور دہلی

مدیر: خوشتر نورانی

...... رابطہ ......

422، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی (بھارت)
فون: 011-23281418 فیکس: 23243019
Email : jnoormonthly@yahoo.com

''باوضو آرزو'' کی خوش بو

(میانوالی میں ''نعت'' پر ایک غیر رسمی مذاکرہ)

نعت کے حوالے سے مذاکرے کی تجویز ''نعت رنگ'' شمارہ۱۶ کے اداریے میں مدیرِ ''نعت رنگ'' کراچی برادر عزیز سیّد صبیح رحمانی کی طرف سے سامنے آئی۔ کسی مشورہ میں محبت کی مہک اور خلوص کی روشنی شامل ہوتو دل ونظر میں بہار آفرینی صبحوں کا منظر نکھرتے دیر نہیں لگتی۔ دل نے دل کی بات کے لیے سارے در اور دریچے کھول دیے اور ایک حسین شام کینال ریسٹ ہاؤس میانوالی کے آرام دہ اور پُرسکون ماحول میں اہلِ علم وقلم کا ملنا سحر دم شبنم پڑی کلیوں کے کھلنے جیسا منظر آراستہ کر گیا۔ صادق جذبوں کی خوش بو اور منزل نصیب اُجالے کی آرزو اِک مک ہوکر نئے سویرے کا خواب بننے لگیں۔ خواب دیکھنے والی آنکھیں سچی ہوں تو تعبیریں روشن صبحوں کی تازگی بھری تنویریں بانٹنے لگتی ہیں۔ یہ گفتگو ایسی ہی ایک منور آرزو کی خوش بو بانٹ رہی ہے...عشق و عقیدت کی گلاب رُتوں میں گندھی ایک ''باوضو آرزو''...! اس غیر رسمی مذاکرے میں ممتاز اسکالر، دانش ور شاعر و ادیب سیّد نصیر شاہ سابق رکن ایڈوائزری بورڈ اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد... پاکستانی ادب کی شناخت کے حوالے سے محققانہ کام کرنے والے ادیب پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم، اسلامی تہذیب کے حوالے سے افسانے میں اُجالے سمونے والے محمد حامد سراج، میانوالی کے گم نام دانش پروفیسر سرور نیازی، شاعری، موسیقی اور لوک دانش کے حوالے سے ایک معتبر شخصیت پروفیسر منور علی ملک، ترنم ریز شاعر محمد مظہر نیازی، نعت خوانی کے شعبے میں میانوالی کا مایۂ امتیاز سیّد نصیر احمد شاہ، میانوالی میں میزانِ عدل کے والی، دو جج صاحبان...محترم انیس عباس اور سلیمان بیگ صاحب اور راقم الحروف اور میزبانِ مذاکرہ محمد فیروز شاہ نے جذبوں، سوچوں اور ارادوں کو زبان دی!!!

محمد فیروز شاہ : یہ ساری کائنات دراصل حضور اکرم ﷺ کی نعت ہے جسے خود احسن الخالقین نے تخلیق فرما کر **رفعنا لک ذکرک** کا علم لہرا دیا ہے جوتا ابد پُرفشاں رہے گا۔ سو میں سمجھتا ہوں اپنے لغوی معنی میں نعت... اللہ کریم کی سنت ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسی طرف اشارہ کیا:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

تاہم میرا ذاتی نکتۂ فکر یہ ہے کہ مخلوق سے نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوسکتا یہ تو خالق ہی نے کیا ہے۔ ہمارے ہاتھوں میں تو سوت کی اٹیاں ہیں:

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا

عمریں گزر جاتی ہیں اور توصیفِ مصطفےٰ ﷺ کا ایک لمحہ بھی ہم سے مکمل نہیں ہو پاتا کہ اکملیت تو ربّ کریم کی شان ہے۔ ہم خوش بخت ہیں کہ عشقِ رسول ﷺ ہماری پہچان ہے۔ اسی در پر قربان ہوکر زندگی کو تابندگی اور پائندگی ملتی ہے۔ ہماری نعت گوئی درحقیقت ''آرزو گوئی'' ہے۔ ہم تو عقیدتوں اور والہانہ وابستگیوں کی آرزوئیں لکھتے ہیں کہ آرزو کو سرکار ﷺ کے دربار میں اذنِ باریابی مل سکے تو جاوداں خوش بو مشام روح میں اُتر جائے اس لیے میں نعت کو آرزوئے محبوب کا نام دیتا ہوں... ایک ''باوضول آرزوؔ''... کہ مدح و ثنا کا حق کون ادا کرسکا ہے مگر یہ وہ روشن مسافتیں ہیں جن کی مسافرت منزلِ حق کی بشارتیں بن جاتی ہیں۔

پروفیسر سرور نیازی : نعت ایک آرٹ ہے۔ اس میں حسنِ بیان اور آواز کا ترنم ہوتا ہے۔ اس لیے ہم اس کو اسی انداز میں ٹیکنیکل نقطۂ نظر سے ہی دیکھیں گے۔ کیوں کہ کوئی نثر پارہ نعت نہیں کہلا سکتا۔ پروفیسر محمد فیروز شاہ نے بہت خوب صورت انداز میں تخلیقی اور شعری اسلوب میں بات کی ہے میں ان کی بھرپور تائید کرتے ہوئے بھی اپنی اس بات پر اصرار کروں گا کہ نعت کوئی تخلیقی بات نہیں یہ تخیل بھی ہے مگر ایک آرٹ بھی ہے۔ آرٹ میں دو بنیادی باتیں ہوتی ہیں اوّل یہ کہ خوشی فراہم کرے دوم یہ کہ کیفیت کا عکس ہے۔ اب دیکھیے کہ نعت تو سرورِ جاں ہے اور نعت گو کے جذبات و احساسات کا عکس بھی ہے اس میں۔ نعت روح اور بدن کا علاج بھی ہے۔ قصیدہ بردہ شریف کی مثال میری بات کو واضح کر دے گی۔ ایک جرنیل دشمنوں میں گھر جاتا ہے فرض کریں وہ نعت پڑھ یا سن لیتا ہے تو اس کی کیفیت بدل جاتی ہے اسے تقویت مل جاتی ہے۔

سیّد نصیر احمد شاہ : بحیثیت ایک نعت خوان میں نے کئی ایسے مناظر دیکھے ہیں کہ نعت نے زخمی دلوں پر مرہم رکھ دیے۔ ماند پڑتے حوصلوں کو جوان کر دیا مجھے پروفیسر محمد فیروز شاہ کی نظم ''نعت کیا ہے؟'' کا ایک شعر یاد آ رہا ہے:

چارۂ بے چارگاں ہے زخم کا مرہم ہے نعت
اپنے آقا ﷺ سے عقیدت کا ہے عکسِ خوش خصال

محمد فیروز شاہ : انسانیت کی رہبری کے لیے محسنِ انسانیت ﷺ تشریف لائے اور شاعری کی راست سمتی نعت گوئی نے کی۔ یہ نعت ہی ہے کہ جس نے شاعروں کو جہنم کا ایندھن ہونے سے بچایا... ورنہ قرآن حکیم میں واضح وعید آچکی تھی۔ حضرت پیر کرم شاہ الازہریؒ نے تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں لکھا ہے کہ شعرائے کرام حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت کعبؓ بن رواحہ، حضرت کعبؓ بن زہیر فریاد کناں ہوئے کہ یارسول ﷺ اللہ! ہم تو مارے گئے۔ تب وحی اُتری اور آیۂ کریمہ مکمل کر دی گئی... ''اور جو لوگ ایمان لائے، نیک اعمال کیے اور لوگوں کو نیکی کا راستہ دکھایا ان کے لیے جہنم سے نجات کی بشارتیں دے دی گئیں۔'' اس لیے میں سمجھتا ہوں جو لوگ نعت کے ذریعے فروغِ عشقِ مصطفےٰ ﷺ اور اشاعتِ نظامِ مصطفےٰ ﷺ کا عملِ خیر سرانجام دے رہے ہیں وہ محسن الشعرا ہیں۔

پروفیسر سرور نیازی : اس میں کوئی شک نہیں شاعری کا اثبات نعت ہی میں ہے۔ قبل از اسلام شعرا کے محبوب کی مدح میں لکھے گئے قصیدے اور آقائے کائنات ﷺ کی توصیف میں قصیدے اور نعتیں پڑھیے۔ میری بات کی گرہ کھل جائے گی۔

محمد فیروز شاہ : عربی میں تعریف و توصیف کے لیے بہت سے الفاظ ہیں میں صرف تین پر اکتفا کروں گا۔ ایک لفظ ''ثنا'' ہے اس کے معنی ہیں ''ممدوح کے مرتبہ و مقام کی برتری اس طرح بیان کرنا کہ ثابت ہوجائے وہ لاثانی اور بے مثل و بے نظیر ہے۔'' علامہ انور شاہ کاشمیری مہتمم دارالعلوم دیوبند کا قطعہ ہے:

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر — من وجھک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقه — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے صاحبِ جمال اور اے انسانوں کے سردار! تیرے ہی نورانی چہرے سے چاند منور ہوا۔ تیری ثنا ویسی تو ممکن ہی نہیں ہے جیسے حق ہے۔ مختصر یہ

D:NaatRang-17
File: Fehroz
Final

کہ خدا کے بعد بزرگ اور پُرعظمت ذات تیری ہی ہے۔

یہاں مرتبہ متعین کیا گیا یعنی کہا گیا کہ خدا کے بعد کا مرتبہ حضورﷺ کا ہی ہے اس لیے شاعر نے ثنا کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے پہلے غالبؔ نکتہ داں کہہ گیا ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

غالبؔ ہم نے آقا ﷺ کی ثنا خدا پر چھوڑ دی کیوں کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا مرتبہ تو وہی جانتا ہے۔

یہاں شاعر نے ثنا کا معنی و مفہوم پوری وضاحت سے بیان کر دیا۔

نعت بھی عربی کا ہی لفظ ہے۔ یہ لفظ ممدوح کی وہبی صفات کے لیے آتا ہے اور اس میں ممدوح کا کوئی کمال نہیں ہوتا۔ مثلاً زلف و لب و رُخسار کی تعریف و توصیف، حسن و جمال کی تعریف... یہ سب نعت ہے۔ اصل میں یہ صانع کی تعریف ہے۔ حمد کے لفظ کو لوگوں نے کم علمی کے باعث اللہ کی تعریف سمجھ رکھا ہے حالاں کہ حمد کا لفظ کسبی صفات کی تعریف کے لیے آتا ہے۔ یعنی کسی نے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ آپ نے اس کی تعریف کی تو یہ حمد ہے۔ قرآن حکیم نے خود اس لفظ کی وضاحت کر دی ہے۔ اہلِ کتاب کی مذمت کرتے ہوئے اللہ ان کا ایک یہ عیب بیان کرتا ہے:

''و یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا''

وہ چاہتے ہیں کہ جو کارنامہ انھوں نے سرانجام ہی نہیں دیا اس پر ان کی ''حمد'' ہو (۳/۱۸۸)

لوگوں نے کتنی غلطی پھیلا رکھی ہے کہ حمد کے معنی ہیں خدا کی تعریف اور نعت کے معنی ہیں رسول ﷺ کی تعریف... نادانوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ میرے رسول کا تو نام ہی محمدﷺ ہے یعنی بہت زیادہ اور بار بار حمد کیا ہوا۔ اسی پر غور کر لیا جاتا تو یہ عالم گیر غلط فہمی نہ پھیلتی۔ مشہور شعر ہے:

حمد بے حد مر خدائے پاک را
آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

اقبالؔ نے مثنوی ''مسافر'' میں یا شاید ''پس چہ باید کرد'' میں اسے یوں تبدیل کر دیا ہے:

حمد بے حد مر رسولِ پاک را
آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

اس کا مطلب ہے وہ حمد کے مفہوم سے اچھی طرح واقف تھا۔ حمد کی جمع ''محامد'' ہے۔ کتبِ حدیث میں جہاں سرورِ عالم ﷺ کے کارنامے گنائے جاتے ہیں تو لکھتے ہیں:
''فی محامد النبی ﷺ''... اردو زبان میں نعتِ رسول ﷺ تو بہت لکھی گئی۔ حمدِ رسول ﷺ بہت کم لکھی گئی۔ مولانا حالی کے یہ اشعار حمدِ رسول کے ہیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

محمد حامد سراج : میں سمجھتا ہوں مدحِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فنی خوبیوں کے حوالے سے بھی دیکھا جانا چاہیے۔

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم : فنی حوالے سے ہماری نعت بہت آگے جا چکی ہے۔ غزل کی ہیئت ہو یا قصیدہ، نظم کی کوئی بھی شکل ہو، ہائیکو ہو قطعہ ہو یا رُباعی... ہر صنفِ سخن میں نعت کہی گئی اور کہی جا رہی ہے۔

سیّد نصیر احمد شاہ : میں ایک نعت خوان ہونے کے ناتے اکثر نعتوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی بات کو بھرپور انداز میں آگے بڑھاتے ہوئے میں پروفیسر محمد فیروز شاہ کے مقالہ ''اصنافِ سخن کا تنوع اور نعت'' کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو ''نعت رنگ'' کے موجودہ شمارے میں شائع ہوا ہے اس مضمون میں شاہ صاحب نے ہر صنفِ سخن میں ''نعت رنگ'' نکھرتے دیکھا اور دکھایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ فنی حوالے سے نعت بہت مضبوط اور مربوط اساس کی حامل ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم : حضور ﷺ کا اسمِ گرامی مدح و ثنا کے تمام زاویے سمیٹے ہوئے ہے۔ موضوعات کے تنوع اور اسالیب کی جدت ہمارے عہد کی نعت کو ایک نیا رنگ دے رہی ہے۔ اب نعت استغاثہ کی صورت میں لکھی جا رہی ہے۔ شاعر ملتِ اسلامیہ کا کرب استغاثہ کی صورت میں پیش کرتا ہے... جب بھی ملتِ اسلامیہ تہذیبی کرب میں مبتلا ہوئی ہے، اندلس کی یاد آئی ہے۔ جذباتی کرب میں کربلا اور روحانی کرب میں مدینہ یاد آیا ہے۔

محمد فیروز شاہ : میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ یہ فروغِ نعت کا دور ہے۔ اہلِ عشق کا طور ہی کچھ اور ہوا کرتا ہے۔ یوں تو ہر زمانہ سرکار ﷺ کا زمانہ ہے مگر ہمارا کرب نصیب زمانہ تو دست بستہ حضور ﷺ کے آستانہ پر کھڑا ہے کہ اپنے دُکھ اس غم خوار آقا ﷺ کے سوا کس کو سنائیں جو ہمہ لحہ

D:NaatRang-17
File: Fehroz
Final

''ربّ اغفرلی اُمتی'' کا ورد فرماتا رہا... سو میں سمجھتا ہوں ہمارے عہد کی نعت ایک دستِ دعا ہے جو محبوب ﷺ کے وسیلے سے ربّ العالمین سے سکھ مانگتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم: اس عہد کی نعت کا ایک رنگ ہجر کی کیفیات محبت کے رنگ میں رنگ کر پیش کرتا ہے۔

مری ہر رات گزرے رتجگوں کی ہم نشینی میں
لبوں پر ہجر کا موسم نیا اک ذائقہ لائے

پروفیسر سرور نیازی: آرٹ میں جمود نہیں ہے۔ نعت میں نئی بات ایجاد ہو سکتی ہے۔ نئے گوشے دریافت ہو سکتے ہیں۔ نئے تجربے ہو سکتے ہیں کیوں کہ شاعر فقط زبان کو استعمال کرنے والا نہیں، زبان کو تخلیق کرنے والا ہے۔ الفاظ کے مفاہیم اور تراکیب میں جدت پیدا کر سکتا ہے۔

محمد فیروز شاہ: سیف الدین سیف نے اسی بات کو یوں کہا ہے۔

سیف اندازِ بیاں بات بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

پروفیسر سرور نیازی: شاعر کسی نہ کسی درجے میں باغی ہوتا ہے۔ روایت سے بغاوت اس کی عادت میں شامل ہے لیکن نعت گوئی میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ روایت سے باہر نہیں نکل سکتا جب وہ نئی بات کہہ رہا ہوتا ہے تو بھی پرانی بات کہہ رہا ہوتا ہے۔

محمد فیروز شاہ: شاعری سلیقۂ اظہار کا نام ہے اور جس شاعری پر عشقِ رسول ﷺ کی مہر لگ جائے وہ تو تسخیرِ قلوب کا اسم بن جاتی ہے۔

بات کہنے کی ادا ہوتی ہے
نکہتِ گل بھی صدا ہوتی ہے

سیّد نصیر شاہ: حضور پیغمبر ﷺ انسانیت کی تعریف بہت ہی نازک مرحلہ ہے۔ کیوں کہ ایک تو یہاں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ذرا تعریف زیادہ ہوئی تو مقامِ خداوندی آ گیا ذرا کم ہوئی تو خطرۂ ایمان... کہ جس ذاتِ اقدس و اعظم کے دربار کے آداب بھی خود خدا سکھائے، اس کے مقام و مرتبہ کا تعین کون کرے۔

یاایہا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی
ولاتجھروا له بالقول لجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و

انتم لاتشعرون.

اے ایمان والو! نبی ﷺ کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کرو اور نہ ہی بات چلّا کر کرو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے رہتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمالِ صالحہ غارت ہوجائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔(۴۲/۲)

اسی لیے تو اہلِ دانش نے کہا:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

بلاشبہ یہ ادب گاہ عرش سے نازک تر ہے کیوں کہ "باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار"۔

یہ نازک مقام اس امر کا بھی متقاضی ہے کہ حمدِ رسول یا نعتِ رسول کو بہت زیادہ "شاعری" نہیں بنا دینا چاہیے۔ اگر آپ گستاخی پر محمول نہ کریں تو میں عرض کروں کہ "شاعری" کے زعم میں ایسی بات کہہ دی جاتی ہے جو ذوقِ جمیل پر گراں گزرتی ہے۔ ایک مولوی صاحب نے "مغیلانِ مدینہ" کے نام سے کتاب چھپوائی ہے اور بزعمِ خویش عشقِ مصطفےٰ ﷺ کی انتہا کی ہے کہ مدینہ منورہ کی بھنڈی توری کو سلام اور اس طرح تمام سبزیوں، تربوزوں وغیرہ کو سلام کیا... یہ باتیں ممکن ہے انھیں اچھی لگتی ہوں مگر میرے آقا ﷺ سے منسوب کرکے کوئی بھی ایسی بات نہ کہی جائے جس پر لوگ ہنسیں۔

محمد حامد سراج : یہ بڑی اہم اور لائقِ توجہ بات ہے۔"نعت رنگ" کا کردار اس حوالے سے بھی قابلِ تحسین ہے کہ اس نے سب سے پہلے شمارے میں ہی بنیاد ایسی رکھی...کہا گیا ہے کہ کیا نعت پر تنقید ہوسکتی ہے..."نعت رنگ" میں سیّد صبیح رحمانی نے موثر انداز میں جواب دیا کہ نعت کے فن پر تنقید ہوسکتی ہے۔ لکھنے والے فنی حوالے سے لکھتے ہیں اور اصلاحِ احوال کی صورت جاری ہے۔

محمد فیروز شاہ : ایک اور بات بھی عرض کرتا چلوں اور یہ کہ کم از کم حضور ﷺ کی تعریف میں جو شاعری کی جائے اس کے الفاظ کے معانی و مفاہیم پوری طرح سمجھ لیے جائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم : مجموعی حوالے سے بات کی جائے تو تمام تر کوتاہیوں اور بے احتیاطیوں کے باوجود شعرا نے اس میدان میں قدم رکھتے ہوئے ادب اور خیال کا جمال

قائم رکھا ہے اور ادبی تقاضوں کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اگرچہ استثنائی مثالیں بھی موجود ہیں۔

سلیمان بیگ : نعت دل کا معاملہ ہے۔ ضروری نہیں کہ ادبی تقاضے سامنے رکھیں جائیں۔ جس طرح ایک پرندے کی چہچہاہٹ یا بچے کی مسکراہٹ کسی قاعدے قانون کی اسیر نہیں ہوتی۔

انیس عباس : جہاں تک فنی محاسن و معائب کا معاملہ ہے۔ یہ ہے عشق و محبت اور وفا کا سلسلہ... عشق دیوانہ ہے اور دیوانگی پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔ شمعِ رسالت کے پروانوں کو جلنے سے روکا نہیں جاسکتا۔

محمد فیروز شاہ : یہ وہ آستانہ ہے جہاں پروانہ دیوانہ بن کر آتا ہے اور روشنیوں خوش بوؤں کا خزانہ لے لوٹتا ہے۔ اس در کی دیوانگی بھی اعزاز ہے تبھی تو مفکرِ ملت نے کہا تھا:

اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

سلیمان بیگ : کسی سے کہا جائے سرکارﷺ کی محفلِ نعت میں آنا ہے تو سردی گرمی کوئی نہیں دیکھتا... یہ ہیں عشق کی عطائیں۔

پروفیسر منور علی ملک : اگر نعت کو سرکارِ کائناتﷺ سے محبت کی ذریعہ سمجھا جائے تو سب سے افضل اور مقبول وہ آنسو ہے جو سرکار کا نام سن کر کسی آنکھ میں آتا ہے۔

محمد فیروز شاہ : نعت تو آنسوؤں سے وضو کر کے ہی لکھی جاسکتی ہے۔ یہ وہ آرزو ہے جس میں اشکوں کی خوش بو گھلتی ہوتی ہے۔

آنکھ جب فرقتِ سرکار میں نم ہوتی ہے
مدحتِ سرورِ کونینﷺ رقم ہوتی ہے

پروفیسر منور علی ملک : فنی حوالے سے شاعری میں نظم کی سب سے معتبر صنف نعت ہے۔ ہر زبان میں نعت لکھی گئی ہے مگر میں سمجھتا ہوں عشقِ رسولﷺ جتنا یہاں پایا جاتا ہے شاید ہی کہیں ہو... شاید اسی کا انعام ہو کہ ہم اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی قوت ہیں... دیکھ لیجیے جتنی محافلِ نعت یہاں منعقد ہوتی ہیں... اور کہاں ہوتی ہیں؟

محمد فیروز شاہ : مجھے پھر اقبالؔ باکمال یاد آگیا۔ جس نے حبِ وطن کا کیا خوب صورت جواز پیش کیا تھا... جواز سچا ہو تو اعزاز بن جاتا ہے۔

اقبالؔ نے کہا تھا:

میرﷺ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

آقائے کائنات ﷺ نے فرمایا تھا:

''مجھے مشرق سے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔''

پروفیسر منور علی ملک : سراپا کے حوالے سے نعت کی بات... سیّدہ عائشہؓ صدیقہ نے فرمایا تھا... ''آپ ﷺ یوں ہیں کہ جیسے جو آپ ﷺ نے کہا، اللہ نے بنایا...'' میں سمجھتا ہوں سراپا نگاری کے ساتھ ساتھ اس وقت سیرتِ طیبہ کا پہلو نعت میں اُجاگر کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ محبت کا صلہ مل رہا ہے کہ ہم زندہ ہیں۔ قوت ہیں۔ لیکن اگلی بات یہ ہے کہ ان خصائص اور خوبیوں کو سامنے لایا جائے جو فلاح، امن اور ترقی کی ضمانت بنیں...

پروفیسر سرور نیازی : آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ متنوع اور ہمہ گیر ہے۔ ہر شعبۂ حیات میں ہمیں عملی رہنمائی ملتی ہے۔ نعت گوئی میں آپ ﷺ کے کردار مبارک کا ہر پہلو سامنے لایا جائے۔ نعت گوئی نے اعتراضات کا منطقی اور ایمانی جواب دیا ہے۔ یہ نعت گوئی کا بڑا اعزاز ہے۔

سیّد نصیر شاہ : اسی لیے میں نے کہا کہ نعت کو اگر ''حمدِ رسول ﷺ'' بنایا جائے تو بہت وسعت آجائے گی... ویسے ایک اور بات کہہ دوں کہ اور شاعری جیسے بھی کی جائے نعت کو دل کی گہرائی سے نکلنا چاہیے۔ کھوکھلی لفاظی کے لیے نعت کو تختۂ مشق نہ بنایا جائے۔ میرے ایک دوست ملک شیر محمد آف کالاباغ تھے۔ وسیع المطالعہ شخص تھے۔ آبائی طور پر بریلوی مکتبِ فکر سے منسلک تھے۔ وہ حج پر گئے۔ واپسی پر مجھے بتا رہے تھے کہ میں نے حج کے سفر کا ارادہ کیا تو جتنی نعتیں دستیاب ہوسکتی تھیں اپنی کاپی میں لکھ لیں۔ روضۂ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر نعتیں پڑھیں تو ساری شاعری پھیکی لگی صرف اقبالؔ کے اس شعر نے جیسے میرے اندر کے سارے پتھر پانی کر دیے دل پگھل کر آنکھوں سے ٹپکنے لگا۔ میں پڑھتا رہا اور روتا رہا۔ صبح سے ظہر ہوگئی ساتھی اُٹھا کر لے گئے... شعر یہ ہے:

حضور ﷺ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

پروفیسر منور علی ملک : استغاثہ کا وقت ہے۔ دعا کا لمحہ ہے۔ فریاد کریں سرکار ﷺ

کے دربار میں... ہمارے دور کی نعت مولانا حالی کی جیسی ہونی چاہیے۔

اے خاصۂ خاصان رُسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

انیس عباس : نعت کے لیے موضوعات کی کوئی کمی نہیں۔ رسالتِ مآب ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے بے شمار پہلو ہیں۔

سلیمان بیگ : سرکار ﷺ کا جلال و جمال اکمل ترین ہے۔ نعت میں دونوں پہلوؤں سے بات کی جانی چاہیے۔ اپنے عہد کی آواز بھی ہونی چاہیے۔

مثال کے طور پر:

بستی بستی وادی وادی صحرا صحرا خون ۔۔۔ اُمت والے اُمت کا ہے کتنا سستا خون
عراقی اور کشمیری مقتل سب کا سب ہے ایک ۔۔۔ یہ بھی میرا خون ہے اپنا وہ بھی میرا خون
تیرے عاشق خاک اور خوں میں لوٹیں اور ہم چپ ۔۔۔ کھول رہا ہوں اپنوں کا ہے کتنا ٹھنڈا خون

محمد فیروز شاہ : تہذیب و تمدن پر نعت کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں اور نوجوانوں کے ذہنی رویوں اور رُجحانات کی درست سمتیں متعین ہوتی ہیں۔ ان کے ہونٹوں پر فلمی گیتوں کی بجائے نبی کریم ﷺ کی نعتیں گونجتی ہیں تو فکر و نظر میں طہارت آتی ہے۔ نعت خوانی کی محافل نے ماحول کو پاکیزگی عطا کی ہے۔ شادیوں پر ہونے والی موسیقی کی محفلوں میں شراب و کباب کی رنگ رلیاں ہوتی ہیں۔ لڑائیاں، قتل و غارت گری ہوجاتی ہے لیکن اب رنگ بدل رہا ہے۔ محفلِ نعت ہوتی ہے تو فضا خوش بو کی صدا سے بھر جاتی ہے۔ موسمِ بہار کے نکھار سے دل مہک اُٹھتے ہیں اور محبتیں عام ہوتی ہیں۔

سیّد نصیر شاہ : محافلِ نعت کا انعقاد بڑی مستحسن بات ہے لیکن میرا خیال ہے پہلے کسی عالمِ دین کو تقریر کرنا چاہیے اور محفل کے آداب سے آگاہ کر دینا چاہیے اس طرح نعت خوانوں پر نوٹ وغیرہ پھینکنے والی غلط حرکات رُک جائیں گی۔

سیّد نصیر احمد شاہ : ایک نعت خوان کی حیثیت سے مجھے یہ دُکھ ہے کہ نعت خوانوں میں پروفیشنل ازم آتا جا رہا ہے کوئی ایسا ادارہ بنایا جائے جہاں طہارتِ فکر اور تربیت کا ایسا مؤثر اہتمام ہو کہ روپے پیسے کی لالچ کی بجائے فقط عشقِ رسول ﷺ کی سرشاریوں کو مقصودِ اصل ٹھہرایا جائے۔

محمد حامد سراج : انسانی روح کو غذا چاہیے جیسے اجسام خوراک چاہتے ہیں۔ ایک بڑے

موسیقار نے ٹی وی پر کہا تھا... ''موسیقی روح کی موت ہے۔''... آج کل موسیقی کی یلغار ہے لیکن روح کی تازگی موسیقی سے نہیں تلاوت و نعت سے ملتی ہے۔ جب میں نے اپنے کمپیوٹر ہارڈ ڈسک پر قاری عبدالباسط اور سیّد فصیح الدین سہروردی اور دیگر نعت خوانوں کی تلاوت و نعت شامل کیے اور انھیں سنا تو سُرور آ گیا۔ لیکن مزامیر کے ساتھ موسیقی حرام ہے۔

سیّد نصیر شاہ : میرے نزدیک نعت میں مزامیر کا استعمال جائز ہے۔ اس معاملے میں مَیں چشتیہ مشرب کو صحیح سمجھتا ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ جیسے ہمارے بزرگوں کا طریقہ رہا ہے قوال اور سازندے سب اہلِ دل ہوں۔

محمد فیروز شاہ : ایک بات میرے دل میں گونجتی ہے۔ جیسے ہواؤں کی سرگوشیوں میں گنگناہٹیں، جھرنوں کے ترنم میں بہاروں کی آہٹیں، شبنم پڑی کلیوں کی چٹک میں لبِ یار کی مسکراہٹیں، بچوں کی معصوم کھلکھلاہٹیں اور اُڑانیں بھرتے پھرتے پرندوں کی چہچہاہٹیں خود سے ہم کلام ہوتی محسوس ہوں اسے کائنات کی ہر مسرت میں موسیقیت رقص کرتی محسوس ہوگی۔ یہ راز مگر فقط اہلِ دل پر ہی کھلتے ہیں۔ ابھی تو یہ رمز میرے بھی دل ہی میں جلوہ ریز ہے۔ یہ اسرار و رموز آسانی سے اور سب پر اپنے در اور دریچے کھولتے بھی تو نہیں ہیں۔

سیّد نصیر احمد شاہ : میانوالی میں نعت خوانی کی محافل کا باقاعدہ اور مسلسل سلسلہ ۱۹۹۰ء کے آس پاس زینت المساجد (مسجد مہاجرین) میں محمد علی ظہوری صاحب کی تشریف آوری سے شروع ہوا پھر مسجد گلزارِ مدینہ میں عبدالستار نیازی صاحب تشریف لائے، یوں فروغِ نعت کی یہ بابرکت تحریک چلی اور روزافزوں سرور و کیف کی محافل باقاعدگی سے بڑھتی چلی گئیں... ''**و رفعنا لک ذکرک**''

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم : یہ محافلِ نعت جہاں ایک طرف رحمت و برکات کے حصول کا باعث ہیں وہاں دوسری جانب عشقِ رسول ﷺ کے جذبے کو بھی عام کرتی ہیں۔ اس طرح معاشرے میں پاکیزگی کی فضا پُرکشا ہوتی ہے۔

محمد مظہر نیازی : اب نعتیں گلی کوچوں میں گونج رہی ہیں یہ عطیہ ہے محافلِ نعت کا... البتہ نعت خوان حضرات چوں کہ خود موسیقار نہیں ہوتے اس لیے خود دھنیں نہیں بنا سکتے... دُھن بجائے خود بُری شے نہیں مقبول عام دھنوں پر نعتیں لکھی جاتی ہیں تو سب کے لبوں پر آ جاتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اچھی دُھنوں پر نعتیں لکھی جانی چاہییں۔

پروفیسر سرور نیازی : نعت کی ایک عطا یہ بھی ہے کہ اس میں لسانی تعصب کی بو کہیں نہیں ہوتی زبانوں کے مابین محبتوں کا شہد بانٹنے والی صنفِ ادب نعت ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم : یہ صنف نقطۂ اتفاق کو اُبھارتی ہے جیسے سرکار ﷺ نے انسانوں کو باہم جوڑ دیا۔

محمد حامد سراج : نعت میں سیرت کے پہلو جس قدر زیادہ بیان ہوں گے اتنا ہی ہمارے معاشرے کی تربیت بہتر انداز میں ہوگی۔

انیس عباس : نعت آمد ہے آورد نہیں ہے۔ مگر فنی حدود و قیود کا لحاظ رکھا جانا بہر کیف ضروری ہے۔ سیرت کا عمیق مطالعہ بھی لازم ہے۔ نعت گوئی میں عروضی قواعد و ضوابط کی پابندی بے حد اہم ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم : یہ حاضری اور سپردگی کی کیفیت ہوتی ہے جس میں ایک نعت گو مدینے بلائے جانے کی بات کرتا ہے۔ یہ عقیدت کی بات ہے اور عقیدت کسی قید کو قبول نہیں کرتی۔ موضوعات محدود نہیں ہیں۔ اسالیب کے حوالے سے بھی نئی لہریں آئی ہیں۔

انیس عباس : حصولِ ثواب اور خیر و برکت کی خاطر نعت کے چند اشعار پیش کرنا چاہ رہا ہوں... (ترنم سے)

سلطانِ ﷺ انبیا پہ ہمارا سلام ہو — محبوبِ کبریا ﷺ پہ ہمارا سلام ہو
ہے نورِ کائنات کا واحد خدا کی ذات — اس نور کی ضیا پہ ہمارا سلام ہو
جس کے فقط اشارے پہ پلٹا ہو آفتاب — اس شاہِ والا جاہ پہ ہمارا سلام ہو
جس کی ادائیں صورتِ قرآن ڈھل گئیں — اس کی ہر اک ادا پہ ہمارا سلام ہو
بطحا کی خاک بن کے میں قدموں کو چوم لوں — نعلینِ مصطفیٰ ﷺ پہ ہمارا سلام ہو
در پہ تمھارے دامنِ عصیاں لیے انیسؔ — لب بستہ کہہ رہا ہے ہمارا سلام ہو

محمد فیروز شاہ : عشق و عقیدت کی گلاب رُتوں میں جذبہ و احساس کی خوش بو دل کی بے چین آرزو سے کلام کرتی ہے اور درِ محبوب ﷺ پر پلکوں سے دستک دینے کی خواہش ارادے میں ڈھلتی ہے تو منزلوں کی سمت جانے والے راستوں پر چراغ جل اُٹھتے ہیں۔ اہلِ دل ان ہی چراغوں کی روشنی سے روشنائی لے کر قرطاسِ عصر پر چاہتوں کے روپ لکھتے ہیں تو نعت بنتی ہے۔

سیّد نصیر شاہ : میرے نزدیک نعت اس صنفِ ادب سے تعلق رکھتی ہے جسے کسی زمانے میں

مسیحی پادری "Divine Literature" یعنی ''آسمانی ادب'' کہتے تھے کیوں کہ اللہ نے خود محامدِ رسول ﷺ بیان کیے ہیں۔

محمد حامد سراج : فنی محاسن کی ابھی بات ہوئی۔فن ٹھیک ہے مگر اندر کی سچائی کتنی ہے۔ اصل میں یہ دیکھا جانا چاہیے۔

محمد مظہر نیازی : نعت کی محافل میں حاضری زندگی کا انداز بدل دیتی ہے۔ کچھ نعت خوان ایسے ہیں جنھوں نے اپنی کمپوزنگز خود بنائیں مگر ایسا صرف وہی کر سکتے ہیں جو علمِ موسیقی سے اور دُھنوں کے اسرار و رموز سے آگاہ ہیں۔

سلیمان بیگ : ایسی موسیقی جو انسان کے بُرے جذبات کو تحریک دے... بے شک بُری ہے... مگر موسیقی تو پرندوں کے چہچہانے میں بھی ہے۔نعت برائے نعت نہیں کہنی چاہیے اپنی ذات کی تشہیر نہیں کرنی چاہیے۔ فروغِ نعت اچھی بات ہے لیکن ادب کے تقاضے اپنے ہیں۔ ہمارے نعت خوان ساری ساری رات پڑھتے ہیں۔ بیماروں اور پریشان حال لوگوں کا خیال نہیں رکھتے۔ جب انسانی حاجات اور تقاضوں کا خیال نہ رکھا جائے تو آدابِ نعت کے تقاضے پورے نہیں ہوتے...فطری کام کو فطری انداز میں کیا جانا چاہیے۔

محمد فیروز شاہ : پتا نہیں یہاں کیوں مجھے یہ شعر یاد آ رہا ہے:

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

انیس عباس : یہ بڑی اچھی بات ہے کہ نعت کی محفلیں عام ہو رہی ہیں مگر تاثیر سامنے نہیں آ رہی اس کی وجوہات یہ ہیں کہ نعت کے لوازمات کو پیشِ نظر نہیں رکھا جا رہا۔ تقدس کی فضا پوری طرح قائم ہونی چاہیے۔

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم : ایک تو پروفیشنل ازم نہیں ہونا چاہیے پھر یہ بھی ہے کہ اگرچہ عشق کے نعرے بہت لگائے جا رہے ہیں مگر عمل سے مفر کی صورتِ حال واضح ہے۔

پروفیسر منور علی ملک : ترنم خداداد صلاحیت ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اسے کیسے استعمال کیا جاتا ہے...گندے فلمی گانوں کی دُھنوں پر نعتیں پڑھنا توہین ہے۔

پروفیسر سرور نیازی : نعت کو سنتے ہوئے کوئی فلمی گانا یاد آ جائے تو اس کا مطلب ہے دُھن کی وجہ سے نعت کا تقدس مجروح ہو رہا ہے۔ ایسی دُھنیں استعمال نہیں کی جانی چاہییں... جو

چیز آپ لیتے ہیں اُسے آگے بڑھائیں، روایت میں جدت پیدا کریں۔

پروفیسر منور علی ملک : نعت جو بھی پڑھی جائے کسی نہ کسی راگ میں تو آئے گی... اس لیے موسیقی کی بنیاد سے انکار ناممکن ہے... جو سنجیدہ نغمے ہیں ان کی دُھن پر اگر نعتیں پڑھی جائیں تو کوئی قباحت کی بات نہیں... بہرصورت نعت خوانی کی صورت جو بھی ہو... میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نعت خوانی میں اتنی جان ہونی چاہیے کہ سامعین کھچے چلے آئیں۔ لوگ موسیقی کی محفلوں میں جانے کی بجائے مسجدوں میں آئیں اور نعتِ محبوب ﷺ سے مشامِ روح کو معطر کریں۔

محمد فیروز شاہ : بات یہاں آ کر مکمل ہوئی کہ ہماری بہت آرزو ہے۔ ہمارا تمدن چہچہاتے پرندوں کا گلشن بن جائے۔ ہمارے گلی کوچے فلمی نغموں کی بجائے سرکار ﷺ کی نعتوں سے گونج اُٹھیں۔ ہماری فضا درودوں کی عطر بیز صدا سے لبریز ہو۔ آنکھوں میں سبز گنبد سے پھوٹتی روشنی اور دلوں میں صادق محبتوں کی چاشنی ہو۔ گفتگو میں عشقِ رسول ﷺ کی خوش بو ہو اور اعمال میں صدق مقال بزرگوں کے فکر و فقر کا جمال نکھار بانٹتا ہو... کہ زندگی فقط عشق کی نسبتوں سے ہی تابندگی بنتی ہے میں اسی لیے اکثر کہا کرتا ہوں کہ نسبتیں بڑی لج پال ہوتی ہیں... خود سے وابستہ لوگوں اور لمحوں کو مرنے نہیں دیتیں... زندہ رکھتی ہیں... امر کر دیتی ہیں... محبوب ﷺ سے منسوب ہو کر حبشی کو دوام مل جاتا ہے اور بے نسبت شہنشاہِ روم کے سارے طنطنے خس و خاشاک ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس لیے کہ زمانہ فقط اہلِ دل کے آستانے پر سلام گزار ہوتا ہے اور دل سچی نسبتوں سے زندگی پاتے ہیں۔

نسبتوں کا تقرب ہو، گر آپ ﷺ سے
کوئی رہتی نہیں بے نمو آرزو!

☆

نعتیہ صحافت کے اُفق پر ایک اور باوقار جریدے کا طلوع

ماہنامہ **کاروانِ نعت** لاہور

مدیر: **شوکت علی**

......رابطہ......

نعت لورز کلب: روم نمبر 208، سیکنڈ فلور، شہزادی رفاقت مارکیٹ
برانڈرتھ روڈ، نزد چوک گراں، لاہور۔ فون: 0300-9439938

افکارِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان

ماہنامہ **معارفِ رضا** کراچی

مدیر: **صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری**

......رابطہ......

25/ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی۔ 74400

دینی اور علمی مزاج کے حامل قارئین کے لیے ایک خاص تحفہ

ماہنامہ **سبیلِ ہدایت** لاہور

مدیرِ اعلیٰ: **سیّد قمر احمد سبزواری**

...... رابطہ......

بزمِ ندائے مسلم پاکستان 3/8، B-1، ٹاؤن شپ، لاہور۔ 54770
Email : sabeelehidayat@islamonline.net

ایک سنجیدہ علمی و دینی رسالہ

ماہنامہ **کاروانِ قمر** کراچی

مدیرِ اعلیٰ: **محمد صحبت خان کوہاٹی**

...... رابطہ......

دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ، پنجاب کالونی، کراچی
فون: 5378793-5376884

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

مولانا محمد قاسم حسین ہاشمی مصطفائی فضل رحمانیؒ

خاص نظر سے مصطفیٰ ﷺ میری طرف کو دیکھنا
آپ کا ہوں میں بے نوا میری طرف کو دیکھنا
گرچہ سیاہ کار ہوں سخت گناہ گار ہوں
پھر بھی گدا ہوں آپ کا میری طرف کو دیکھنا
آپ ہیں شاہِ ذی وقار اور میں ہوں گناہ گار
اپنی طرف کو دیکھنا میری طرف کو دیکھنا
دفن ہوں جب مزار میں فرق پڑے قرار میں
آل کا اپنی واسطہ میری طرف کو دیکھنا
حشر میں جب حساب ہو حال مرا خراب ہو
زینتِ عرش کبریا میری طرف کو دیکھنا
تن پہ یہ سر بھی بار ہے ظلمتِ غم سوار ہے
چاند مدینے کے ذرا میری طرف کو دیکھنا
نزع کا وقت آگیا خوف سے تھرتھرا گیا
ہادی و رہنما ذرا میری طرف کو دیکھنا

غم سے بہت تباہ ہوں قاسمؔ روسیاہ ہوں
آپ کا بندہ ہوں شہا میری طرف کو دیکھنا

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

احسان دانش (مرحوم)

شاہی کی آرزو نہ امارت پسند ہے
مجھ کو حضورﷺ کا درِ دولت پسند ہے

محشر میں اپنی فکر کریں گے سبھی ... مگر
تو ایک وہ نبی جسے اُمت پسند ہے

قرآن کے نزول کو جبریل کم نہ تھے
حق کو ترے لبوں کی حکایت پسند ہے

کعبہ ہے اک بلیغ معما مرے لیے
مجھ کو تو ان کے در کی زیارت پسند ہے

اے چشمِ شوق خونِ جگر لا اُچھال کر
سنتا ہوں ان کو اشکِ ندامت پسند ہے

توفیق ہو تو عرض تمنا انھی سے کر
حق کو پسند ہے تو یہ صورت پسند ہے

دانشِ درِ رسولﷺ پہ پھر حاضری کو چل
اللہ کو یہ طرزِ عبادت پسند ہے

محشر بدایونی (مرحوم)

آ کے طیبہ سے طلب اور ہے تشنہ تشنہ
دھڑکنیں دل کی صدا دیتی ہیں طیبہ طیبہ

کسی دیوار کا سایہ بھی کوئی سایہ ہے
آپ کے دامنِ رحمت کا ہے سایہ سایہ

خلقِ معجز یہ ہے، جو آئینۂ دل ٹوٹا
آئینہ کر دیا پھر جوڑ کے ریزہ ریزہ

کار دیں سخت کٹھن اور اور یہ رضائے شہہ دیں
لوگ پتھر ہیں، پگھل جائیں گے رفتہ رفتہ

آپ کے سائے میں آجائے تو یہ حال ہو کیوں
آدمی عقل کے نرغے میں ہے تنہا تنہا

حرم و طیبہ میں گزریں جو مرے شام و سحر
خلد ساماں ہو مری زیست کا لمحہ لمحہ

اُمتی جائیں کہاں جائے اماں پائیں کہاں
یہ غلام آپ کے آپ ان کے ہیں آقا آقا

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

فدا خالدی دہلوی (مرحوم)

نعتیہ رُباعیات

عالم انھیں محبوبِ خدا کہتا ہے　　اک آئینہ صدق و صفا کہتا ہے
کیا شانِ محمد ﷺ ہے کہ اللہ اللہ　　جو نام سنے صلِ علیٰ کہتا ہے

☆

اللہ کی مخلوق میں چیدہ وہ ہیں　　سردار رُسل ہیں برگزیدہ وہ ہیں
قرآن کی تفسیر ہے اُن کا کردار　　سرچشمۂ اوصاف حمیدہ وہ ہیں

☆

آگاہ سرشتِ نور ہوجاتا ہے　　غیب اس کے لیے حضور ہو جاتا ہے
وہ دل جو ترے ذکر سے روشن ہوجائے　　صد رشک چراغِ طور ہوجاتا ہے

☆

رحمت ہو ہوا نزولِ رحمت تم پر　　ہے خاص کرم خاص عنایت تم پر
تم جیسا نبی اور نہ ہوگا کوئی　　اللہ نے کی ختم نبوت تم پر

وقار صدیقی اجمیری (مرحوم)

نعتیہ رُباعیات

مدحت

شائستہ توصیف مشیت تم ہو
سر رشتۂ انوارِ نبوت تم ہو
جبریل کے عجز شبِ اسریٰ کی قسم
انسان کی عظمت کی ضمانت تم ہو

☆

عیدین کا بھی رنگِ طرب دیکھا ہے
ہر ایک مسرت کا سبب دیکھا ہے
میلادِ محمد ﷺ کا ہے کچھ اور ہی کیف
یہ کیف کسی عید میں کب دیکھا ہے

☆

دریا میں روانی کی طرح زندہ ہیں
ادوار زمانی کی طرح زندہ ہیں
اب بھی ہیں بہر طور محمد ﷺ موجود
قراں میں معانی کی طرح زندہ ہیں

☆

ہر کدوت سے قلب صاف کرو
اپنے دشمن کو بھی معاف کرو
نسبتِ رحمتِ دوعالم ﷺ کا
عملاً بھی تو اعتراف کرو

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

سرشار صدیقی (کراچی)

سطورِ مدحت

گم راہوں کے واسطے آقا ﷺ
حرفِ ہدایت بن کر آئے
شرک کی گہری تاریکی میں
نورِ نبوت بن کر آئے
عاصیوں کو مژدہ کہ محمد ﷺ
شافعِ اُمت بن کر آئے

☆

صبحِ ازل سے شام ابد تک
ایک ہی روشنی، ایک ہی نور
باعثِ تخلیقِ کونین ہیں
میرے مولا ﷺ، میرے حضور ﷺ
سایۂ عرش پہ جلوۂ آدمؑ
فرش زمیں پر اِن کا ظہور

☆

رحمت، بس اک لفظ ہے، لیکن
اُن ﷺ کی نسبت سے لکھے... تو
امن کا پرچم ہوجاتا ہے
لفظ مجسم ہوجاتا ہے

امین راحت چغتائی (راول پنڈی)

وہ رنگِ گلستاں، وہی آثارِ بہاراں
وہ طبع شمیمِ گلِ تر، حسنِ فراواں

وہ رحمتِ عالم ہیں تو خلق اُن کا ہے قرآں
ہے کون کہ جس پر نہیں اُن کا کوئی احساں

سرکارﷺ کے قدموں میں تھا، کیا بخت رسا تھا
آنکھوں میں مدینے کی ہے وہ صبحِ درخشاں

ہو جاتی ہے ہر سال مجھے اُنﷺ کی زیارت
ہو جاتا ہے ہر سال مرے جینے کا امکاں

اب صبح و مسا ہوتا ہے ذکرِ شہِ والاﷺ
اب گھر میں سدا رہتا ہے اک جشنِ بہاراں

اب ارض و سما اوجِ تفکر کے ہیں تابع
یہ سرورِ کونینﷺ کا ہے لطفِ فراواں

ہر عظمتِ انساں کے پسِ پردہ وہی ہیں
وہ روحِ عمل، حسنِ یقیں، حاملِ قرآں

ممکن ہے کہ مل جائے ردا اِس کو بھی اک دن
یہ راحتِ چغتائی بھی ہے اُنﷺ کا ثنا خواں

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

ریاض مجید (فیصل آباد)

کہکشاں سی چھا جاتی ہے بیان کے اوپر
اُنﷺ کا اسم آتا ہے جب زبان کے اوپر

زائرِ مدینہ دیکھ! پاؤں کس زمیں پر ہیں
دل بہشت پیما ہے آسمان کے اوپر

کیوں نہ رحمتِ رب سے خوش گمانیاں رکھیں
بخشتا ہے عاصی کو وہ گمان کے اوپر

اِک نظر توجہ کی، زندگی بدل دے جو
غفلتوں کا زنگ آیا دل چٹان کے اوپر

ساحل آشنا ہوگی کشتیٔ ریاضؔ اِک دن
اُنﷺ کا نام لکھا ہے بادبان کے اوپر

قمر رعینی

نعتیہ رُباعیات

اُن ﷺ جیسا کوئی فخرِ اب وجد نہ ہوا
اُن ﷺ کا کوئی ہم پایہ و ہم قد نہ ہوا
آنے کو تو کتنے ہی پیمبر آئے
لیکن کوئی محمود و محمد ﷺ نہ ہوا

اللہ جنھیں عرش پہ بلواتا ہے
ایک ایک نبی جن کے گُن گاتا ہے
اُس مہر جہاں تاب کا تُو ہے مداح!
سورج کو قمرؔ چراغ دکھلاتا ہے!

گھمبیر ہوا جب بھی غم کا سایہ
جب قلب پریشاں نے مجھے تڑپایا
جب کوئی بھی تسکین کی صورت نہ رہی
بے ساختہ نام آپ ﷺ کا لب پہ آیا

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

علی محسن صدیقی (کراچی)

محمد ﷺ بے زبانوں کی زباں ہیں
اُنھیں سے معتبر حرف و بیاں ہیں

فقیروں کے وہ یارِ مہرباں ہیں
محمد ﷺ حامئ بے چارگاں ہیں

تمیزِ مومن و کافر سے بالا
محمد ﷺ رحمتِ اہلِ جہاں ہیں

ہے اُن کا خُلق اکمل، خَلق اجمل
محمد ﷺ نخبۂ کون و مکاں ہیں

یتیموں اور بیواؤں کے والی
وہی غم خوارِ جانِ بے کساں ہیں

نظیر اُن کا نہ کوئی ہے نہ ہوگا
رسول ﷺ اللہ، ختمِ مرسلاں ہیں

کتابُ اللہ کی سب سورتوں سے
نقوشِ سیرتِ احمد ﷺ عیاں ہیں

فقیری میں، جلالِ بے نہایت
امیری میں، جمالِ بے کراں ہیں

معارض ہوں جو، دینِ مصطفیٰ ﷺ سے
وہ عقلی کاوشیں، وہم و گماں ہیں

☆

محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

ذوقِ یقیں سے سرورِ دیں کو پکار دیکھ
ہوتی ہے کیسے رحمتِ پروردگار دیکھ

رشکِ نجوم و کہکشاں اُن کا وجود ہے
ذرّاتِ ریگِ ملکِ عرب کا نکھار دیکھ

مژدہ سنائے ہم کو شفاعت کا حشر میں
کس کا سوائے آپ کے ہے اختیار دیکھ

کشتِ یقیں حسنِ عقیدت کا دے کے نم
قلب و نظر میں حبِ نبیﷺ کی بہار دیکھ

پیوند ہیں لباس میں، حجرہ نشین ہے
سادہ ہے کس قدر شہِ گردوں وقار دیکھ

سلطان دیں کے پیٹ پہ پتھر بندھے ہوئے
فقر و غنا و صبر کا یہ شاہکار دیکھ

ہوگی حیاتِ دائمی تجھ کو رضاؔ نصیب
عشقِ نبیﷺ میں زندگی کرکے نثار دیکھ

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

ظہیر غازی پوری (بھارت)

(نعتیہ رُباعیات)

عرفان کے دریا کی طرف جاتی ہے
فیضانِ سراپا کی طرف جاتی ہے
اعجاز کی دنیا کی طرف جاتی ہے
ہر راہ جو آقا ﷺ کی طرف جاتی ہے

☆

اِک نور کے مکتوب رسول ﷺ اکرم
کونین میں ہیں خوب رسول ﷺ اکرم
ثانی نہیں نبیوں میں کوئی بھی ان کا
خود رب کے ہیں محبوب رسول ﷺ اکرم

☆

ہر چیز ہے ناگفتہ نوائی کے سوا
ہر فیض ہے دنیا کا برائی کے سوا
تُو خالقِ دنیا کا ہے محبوب تو پھر
سب کچھ ہے ترے بس میں خدائی کے سوا

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

نظروں میں بسی ہے کسی مہتاب کی صورت
دیکھے چلے جاتے ہیں جسے خواب کی صورت

اک شمع کی مانند ہیں ہم تیز ہوا میں
وہ ذاتِ گرامی کہ ہے محراب کی صورت

وحشت کے سوا کیا تھا سروں میں کہ وہ آیا
پھر اس نے نکالی ادب آداب کی صورت

پتھر تھا یہ دل موم ہوا اُس کی نظر سے
اِس دشت نے دیکھی تھی کہاں آب کی صورت

شاہا ترے قدموں کی مجھے دُھول عطا ہو
اوڑھوں میں اسے اطلس و کم خواب کی صورت

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

محمد علی صدیقی شیدا بستوی (بھارت)

بھر دے یارب تو مرے نطق و دہن میں خوش بو
اُس کی کرتا ہوں ثنا جس سے زمن میں خوش بو

نازشِ لوح و قلم، جانِ حرم، ابرِ کرم
تیرے آنے سے ہوئی صحنِ چمن میں خوش بو

مظہرِ نورِ خدا پہنچے فلک پر جس دم
کھل اُٹھی کاہ کشاں، پھیلی گگن میں خوش بو

جب لبوں پر مرے آجائے ہے سرکار کا نام
پھیل جاتی ہے مرے روح و بدن میں خوش بو

کالی کملی کا جو دیوانہ دل و جان سے ہو
ایسے عاشق کے رہے کیوں نہ کفن میں خوش بو

لمس جن قدموں کا صحراؤں کو گلزار کرے
ذکر سے ان کے ہی آتی ہے سخن میں خوش بو

غم زدہ ہجر میں طیبہ کے ہوں پھر بھی شیدؔا
آتی ہے خوب مرے رنج و محن میں خوش بو

ضیا نیر (لاہور)

ہیں سراسر رحمۃ للعالمین آقا حضورﷺ
بالیقیں ہیں رہبر دنیا و دیں آقا حضورﷺ

روزِ محشر ہیں سہارا عاصیوں کا آپﷺ ہی
روزِ محشر ہیں شفیع المذنبیں آقا حضورﷺ

نازشِ کون و مکاں وہ صاحبِ لولاکﷺ ہیں
خاتمِ دوراں کے تابندہ نگیں آقا حضورﷺ

ہے فضائے چارسُو میں گونج اسمِ پاک کی
آپﷺ ہی کے تذکرے ہیں ہر کہیں آقا حضورﷺ

موجبِ تسکیں ہیں ہر قلب پریشاں کے لیے
مونس بے چارگاں ہیں بالیقیں آقا حضورﷺ

آپﷺ کے در سے نہیں لوٹا کبھی خالی کوئی
آپﷺ کے لب پر نہیں حرفِ نہیں آقا حضورﷺ

ہیں گزرتی مومنوں کی اُنﷺ کو تکلیفیں گراں
اہلِ ایماں کی ہیں جانوں کے قریں آقا حضورﷺ

ایک فریادِ مسلسل ہیں فلسطین و عراق
آپﷺ سے اسے سبز گنبد کے مکیں آقا حضورﷺ

کاروانِ نوعِ انسانی کے ہیں سرخیل آپﷺ
آپﷺ میرِ اوّلین و آخریں آقا حضورﷺ

بے یقینی کی شبِ تیرہ میں نیر آج بھی
ضو فگن ہے آپﷺ کا نورِ یقیں آقا حضور

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

سیّد ریاض حسین زیدی (ساہیوال)

شہِ ابرارﷺ کی اُلفت خدا سے آشنائی ہے
یہ ترتیبِ مراتب بھی خدا کے ہاں سے آئی ہے

گلستاں کا نظارہ رشکِ جنت کیوں نہ ہوجائے
درودِ پاک پڑھ کر ہر کلی جو مسکرائی ہے

بڑا حظ آفریں ہے یہ عمل، مخلوق و خالق کا
بہ حکمِ رب فرشتوں نے نبیﷺ کی نعت گائی ہے

نہیں کوئی کمالِ صدق کی خوش تر مثال ایسی
خدا سے جو سنی ہے آپﷺ نے سچ سچ بتائی ہے

اندھیرا تھا بہت گھمبیر خاموشی کی بستی میں
شہِ لولاکﷺ کے صدقے میں سب منظر کشائی ہے

نگاہِ مصطفٰےﷺ کے فیض نے دنیا بدل ڈالی
لگائی ماسوا کو آگ، رب سے لَو لگائی ہے

بفیضِ نعت دیکھا ہے زمیں سے آسماں ہونا
شکستہ خاطر و بے حال کی قسمت بنائی ہے

خدا کے فضل کا حقدار ٹھہرا ہے ریاضؔ ایسا
کمالِ نعت گوئی اس کی جو اعلیٰ کمائی ہے

عزیز احسن (اسلام آباد)

تڑپ تو رکھتا ہوں زادِ سفر نہیں رکھتا
کرم حضور ﷺ کہ میں بال و پر نہیں رکھتا

میں عرضِ حال کے قابل کہاں مرے آقا!
سوائے عجزِ بیاں، میں ہنر نہیں رکھتا

ستم زدہ ہوں نگاہِ کرم کا طالب ہوں
میں بے اماں ہوں کہیں کوئی گھر نہیں رکھتا

مجھے بھی عشق کی سچائیاں میسر ہوں
نثار کرنے کے قابل میں سر نہیں رکھتا

وہ نالہ کھینچتا رہتا ہوں روز و شب آقا ﷺ
جو شور رکھتے ہوئی بھی اثر نہیں رکھتا

زکوٰۃ سیرتِ اطہر کی چاہتا ہے عزیزؔ
گدائے خُلق ہے آقا ﷺ، یہ زر نہیں رکھتا

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

حافظ عبدالغفار حافظ (کراچی)

تضمین بر کلام حسن بریلوی علیہ الرحمہ

کیا بساؤں سر میں عشقِ شہ کا سودا چھوڑ کر
جاں نچھاور کیوں کروں ادنیٰ پہ اعلیٰ چھوڑ کر
گل چنے میری بلا خارِ مدینہ چھوڑ کر
''سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمھارا چھوڑ کر''

حالِ چشمِ نم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کرب کا عالم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
خسرور! ''اِرحم'' کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
''سرگزشتِ غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے در پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''

تھی ازل ہی سے جو دل میں اُلفتِ خیرالبشر
اس لیے رکھتے تھے پیہم خود کو سرگرم سفر
اک مقامِ فکر ہے یہ بہرِ اربابِ نظر
''بے لقائے یار اُن کو چین آجاتا اگر
بار بار آتے نہ یوں جبریل سدرہ چھوڑ کر''

ہے مجھے اچھی طرح معلوم کیا ہے خوب چیز
دل میں یادِ سرورِ ہر دوسرا ہے خوب چیز
عشقِ محبوبِ خدا صلِ علیٰ ہے خوب چیز
''کون کہتا ہے دلِ بے مدعا ہے خوب چیز
میں تو کوڑی کو نہ لوں اُن کی تمنا چھوڑ کر''

مجھ مریضِ عشق کو سامانِ راحت ہے بہم
اُن کی یادوں سے ہے قائم زندگانی کا بھرم
اے مرے تیمارداروں و ربِّ اکبر کی قسم
''مر ہی جاؤں میں اگر اُس در سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمارِ غم قربِ مسیحا چھوڑ کر''

حالِ دل کس کو سنائیں عندلیبانِ قفس
رہ گئے گھٹ گھٹ کے سارے نغمہ سنجانِ قفس
جس کے عالم میں ہیں محبوس مرغانِ قفس
''کس تمنا پر جئیں یارب اسیرانِ قفس
آچکی بادِ صبا خاکِ مدینہ چھوڑ کر''

جا کے میں دُکھڑا سناؤں اے مرے مولا کسے
چارہ گر ٹھہرائے آخر مجھ سا بے چارہ کسے
جز تمھارے ہے شفاعت کا مری یارا کسے
''بخشوانا مجھ سے عاصی کا روا ہوگا کسے
کس کے دامن میں چھپوں دامن تمھارا چھوڑ کر''

اب یہی خواہش ہے چوموں ان کے نقشِ پا کو میں
جاگتی آنکھوں سے دیکھوں گنبدِ خضریٰ کو میں
نذرِ جان و دل کروں بے ساختہ مولا کو میں
''خلد کیسا، نفسِ سرکش! جاؤں گا طیبہ کو میں
بدچلن! ہٹ کر کھڑا ہو مجھ سے رستا چھوڑ کر''

کیسے بوٹے، کیسے غنچے، کیسے گل، کیسی بہار
روکشِ خلد بریں ارضِ عرب کے ریگ زار
دل لبھا سکتے نہیں فردوس کے لیل و نہار
''ایسے جلووں پر کروں میں لاکھ حوروں کو نثار
کیا غرض، کیوں جاؤں جنت کو مدینہ چھوڑ کر''

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

بے خبر سمجھے تھے ہوں گے پیشِ خالق سرخ رو
لیکن اب آیا نظر سیلِ نحوست چارسو
موجِ دریائے شقاوت آگئی ہے تا گلو
"حشر میں ایک ایک کا منہ تکتے پھرتے ہیں عدو
آفتوں میں پھنس گئے اُن کا سہارا چھوڑ کر"
دیکھ حافظؔ زندگی کا گر بتاتے ہیں حسنؔ
راز ہست و بود سے پردہ اُٹھاتے ہیں حسنؔ
مقطعِ نعتِ پیمبر یوں سناتے ہیں حسنؔ
"مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر"

مقصود احمد تبسم (متحدہ عرب امارات)

اک مطلعِ انوار ہیں دندانِ مبارک رعنائی کا شہکار ہیں دندانِ مبارک
دیواریں چمک اُٹھتی ہیں تابانی سے اُن کی اس درجہ چمک دار ہیں دندانِ مبارک
وہ محوِ تکلم ہوں کہ ہوں محوِ تبسم ہر آن گہر بار ہیں دندانِ مبارک
لڑیوں میں پروئے ہوئے موتی ہیں پشیماں کس شان سے ضوبار ہیں دندانِ مبارک
دانتوں کی سپیدی سے لپکتی ہوئی بجلی کیا صاعقہ بردار ہیں دندانِ مبارک
باریک، چمک دار، سفید اور کشادہ اک حسن کا معیار ہیں دندانِ مبارک
دندان کی ریخوں سے نکلتی ہیں شعاعیں اک منبعِ انوار ہیں دندانِ مبارک
بچپن کی ضیاؤں کا حلیمہ سے سنا ہے کیا خوب گہر بار ہیں دندانِ مبارک
ہوجائیں خجل درِّ صدف جن کی چمک سے وہ گوہرِ شہوار ہیں دندانِ مبارک
اک پیاری سی ترتیب سے دنداں ہیں مرصع پُرکیف ہیں پُرکار ہیں دندانِ مبارک
ملنے پہ یہ پوچھوں گا اویس قرنیؓ سے کتنے تجھے دل دار ہیں دندانِ مبارک
دندانِ مبارک کو اُحد میں ہوئی معراج اک مخزنِ اسرار ہیں دندانِ مبارک
مطلع ہو کہ مقطع ہو ردیف ایسی جمالی ہر شعر میں ضوبار ہیں دندانِ مبارک
گچھے سے رضاؔ کیوں نہ جھڑیں نور کے لچھے اک مخزنِ انوار ہیں دندانِ مبارک

مقصودؔ ہوئی خواب میں اشعار کی آمد
اب مقطعِ افکار ہیں دندانِ مبارک

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

یعقوب تصور (ابوظہبی)

عظمتِ تخلیق کا ہر اک کمال ان کے لیے
حسنِ کائنات، اوصافِ جمال ان کے لیے
گردشِ ارض و سما تاروں کی چال ان کے لیے
دوجہاں کا ذرّہ ذرّہ ہے فعال ان کے لیے
بہرِ استقبال ہی فرش زمیں پر خلد سے
آیا آدمؑ کا عمل میں انتقال ان کے لیے
گلستان زیست میں آکر بہار خلد خود
برگ وگل کی کررہی ہے دیکھ بھال ان کے لیے
جھاڑ دی ہیں زردیاں تن سے درختوں نے تمام
منظروں نے اوڑھ لی ہے سبز شال ان کے لیے
گل بچھے ہر سو کفِ پائے سبک کے واسطے
بلبلوں نے رکھ دیے کانٹوں پہ گال ان کے لیے
حدتیں صحرا کی سب ابر خنک نے ڈھانپ دیں
وجد میں رقصاں ہوئی بادِ شمال ان کے لیے
چاند سورج، زحل، زہرہ، مشتری، مریخ سب
نور افشانی پہ ہیں اپنی نہال ان کے لیے
چاند کو ضو دی گلوں کو نکہت و رنگ و جمال
سب کے خالق نے سنوارے خدوخال ان کے لیے
ہیں حبیبِ ربِ دوعالم ہو ہنگام نزول
خنداں و فرحاں خدائے ذوالجلال ان کے لیے

انبساط و فرحت و رنگ اور مہک لوٹ آئے سب
ہو رہا تھا یہ جہاں کب سے نڈھال ان کے لیے
ان کی اقلم بصیرت میں ہے ساری کائنات
بازی طفلاں ہے کار دانیالؑ ان کے لیے
جنبشِ انگشت سے دو نیم ہوجائے قمر
وسطِ دوعالم نہیں کچھ بھی محال ان کے لیے
حسنِ لاثانی ہیں وہ کردار و سیرت بے نظیر
وسعتِ قرآں ہے ساری قیل و قال ان کے لیے

فہم و ادراکِ تصوّر اوجِ تخئیل و ذکا
فکر کی جولانیاں حسنِ خیال ان کے لیے

٭

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

محمد حنیف نازش قادری (کامونکی)

جب نجاشی کو ملا سیّدِ ابرار کا خط
بخت جاگ اُٹھا جو چوما مرے سرکارﷺ کا خط

چہرۂ پاک ہے والشّمس تو گیسو واللیل
ہالہ مہتاب کا ہے احمدﷺ مختار کا خط

رات پھر دائرے اشکوں کے بناتے گزری
کوئی لے جائے مدینے یہ دلِ زار کا خط

کاش پھر مجھ کو مدینے سے بلاوا آئے
کاش لے جائے صبا طالبِ دیدار کا خط

ربط ہے یوں مرا سردارِﷺ جہاں سے نازشؔ
بھیجتا رہتا ہوں میں نعت کے اشعار کا خط

تنویر پھول (کراچی)

(سانیٹ)

حامد و محمود ربّ العالمیں سرکارﷺ ہیں
ذاتِ حق کا ہے تعارف ذاتِ سرورﷺ سے عیاں
''کنت کنزاً مخفیا'' کا رمز اس میں ضوفشاں
تا ابد روشن سراجِ اوّلیں سرکارﷺ ہیں

☆

آپﷺ نے رحمت لٹائی سنگ باری کے عوض
آپﷺ ہیں غم خوارِ انساں حاملِ خلقِ عظیم
عبدِ حق ہیں آپﷺ لیکن ہیں رؤف اور ہیں رحیم
مٹ گئیں میری خطائیں آہ و زاری کے عوض

☆

آپﷺ نے درسِ اخوت ساری دنیا کو دیا
آدمؑ و حوا کے رشتے سے ہیں بھائی بھائی سب
خاکساری کا سبق دیتے رہے شاہِﷺ عرب
آدمؑ و حوا کو رب نے خاک سے پیدا کیا

☆

آپﷺ نورِ اوّلیں ہیں افتخارﷺ انبیا
پھول پر چشمِ کرم ہو تاجدارِﷺ انبیا

☆

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

صاحبزادہ ابوالحسن واحدؔ رضوی (اٹک)

لب پر جہاں کے ہادی و سرور کی بات ہے
یعنی علاج خاطر مضطر کی بات ہے

ہاں ہاں وہی جو رحمتِ عالم ہے سر بسر
ہاں ہاں اُسی تو شافعِ محشر کی بات ہے

گاہے زباں پہ ذکر ہے زلف سیاہ کا
گاہے جمال چہرۂ انور کی بات ہے

تشنہ کبھی نہ ہوگا وہ اُن کے طفیل سے
ہونٹوں پہ جس کے ساقیٔ کوثر کی بات ہے

کوئی بھی خالی ہاتھ نہ لوٹا جناب سے
کیا ہی قسیم نعمت داور کی بات ہے

واحدؔ طویل تر ہے عطاؤں کا سلسلہ
''ہر ذرّے میں حضور کے خاور کی بات ہے''

آصف اکبر (اسلام آباد)

بتائیں تم کو کہ کیا ہم نے رب کے گھر مانگا
رسولِ پاک ﷺ کی تعریف کا ہنر مانگا

بروزِ حشر رسولِ کریم ﷺ کا سایہ
یہ چھوٹے منھ پہ بڑی بات مگر مانگا

غرور و نخوت و کبر و عناد سے خالی
نبی ﷺ کے در پہ جھکانے کو ایک سر مانگا

سمیٹنے کے لیے برکتیں مدینے کی
جو بار بار مقدر ہو وہ سفر مانگا

مرے کریم کو پہنچے مرا درود و سلام
مواجہہ میں یہ رب سے بچشمِ تر مانگا

رسولِ پاک ﷺ کی مسجد کے سوہیں دروازے
سو ان کا رحم و کرم ہم نے در بدر مانگا

یقین ہی نہیں آتا تھا اپنی آنکھوں پر
کہ سامنے ہے وہ منظر جو عمر بھر مانگا

جو مانگنے کا ملا ان کے گھر ہمیں موقع
تو گرد و پیش سے پھر ہو کے بے خبر مانگا

کریمِ شہرِ مدینہ کے ذکر پہ آصفؔ
ٹپک پڑے جو ان آنکھوں سے وہ گہر مانگا

D:NaatRang-17
File: Midhat
Final

محمد یوسف (کراچی)

نعت گوئی میں تجھے لے کے کہاں تک پہنچے
ذہن میں اُبھرے جو الفاظ زباں تک پہنچے

کوئی پہنچے گا کہاں آپ ﷺ جہاں تک پہنچے
اور تو اور گماں بھی نہ وہاں تک پہنچے

اذن ہو اُن کا تو اُس در پہ پہنچ جاتے ہیں
ورنہ ممکن ہی نہیں کوئی وہاں تک پہنچے

واپسی جو ہوئی طیبہ سے بہت روئے ہم
دلِ افسردہ لیے اپنے مکاں تک پہنچے

شعر گوئی میں جو نعتوں کی طرف چل نکلے
ہیں وہی لوگ کہ جو حسنِ بیاں تک پہنچے

کیسی ہوگی وہ عبادت ذرا سوچو یوسفؔ
نعت کہتے ہوئے جب کوئی وہاں تک پہنچے

D:NaatRang-17
File: Imran
1st Proof

اردو ادب میں قدیم و جدید رجحانات کا ترجمان

ماہنامہ سخن ور کراچی

مدیر: نقوش نقوی

...... رابطہ ......

پوسٹ بکس نمبر 17830، ہیڈ پوسٹ آفس، گلشنِ اقبال، کراچی۔ 75300

Email: sukhanepak@hotmail.com

راجا رشید محمود کے 18 مجموعہ ہائے نعت کا علمی و تحقیقی جائزہ

شاعرِ نعت

تحقیق و تحریر: ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ

صفحات: 536 ہدیہ: 200/روپے

...... ناشر ......

الجلیل پبلشرز، اردو بازار، لاہور

الجامعہ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

مدیر: مبارک حسین مصباحی

...... رابطہ ......

دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔ 27640 (بھارت) فون: 250149

Email : aljamiatulashrafia@rediffmail.com/

ملت کا ترجمان

ماہنامہ جامِ نور دہلی

مدیر: خوشتر نورانی

...... رابطہ ......

422، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی (بھارت)

فون: 011-23281418 فیکس: 23243019

Email : jnoormonthly@yahoo.com

خطوط

شاہ مصباح الدین شکیل۔ کراچی

۱۲ر ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ (۳ر مئی ۲۰۰۴ء) کو اسلام آباد میں منعقد قومی سیرت کانفرنس کی ٹی وی سے راست نشریات دیکھتے ہوئے جب وزارتِ امورِ مذہبی کی جانب سے تقسیم انعامات کا مرحلہ آیا تو اس اعلان پر میرے کان کھڑے ہوگئے... کتابِ نعت میں حضرت حفیظ تائب کے مجموعۂ نعت کو ایوارڈ دیا جا رہا ہے۔ سراپا اشتیاق میں ان کی اسٹیج پر آمد کا منظر تھا کہ کہا گیا وہ علالت کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔

فروغِ نعت کے سلسلے میں ''نعت رنگ'' کی خدمات کے اعتراف میں آپ کے نام کا اعلان ہوا تو ایک مسرت آمیز تعلقِ خاطر سے میری نظریں ٹی وی پر مرکوز ہوگئیں۔ انعام یافتگان کی نشست گاہوں کی طرف دیکھا کہ صنفِ نعت کا خاموش مگر مستقل مزاج خدمت گزار (جو بذاتِ خود بلند پایہ اور ہر دل عزیز نعت گو اور خوش الحان نعت خواں بھی ہے) نمودار ہوگا کہ اناؤنسر نے بتایا وہ اپنی مصروفیات کی بنا پر اسلام آباد نہ پہنچ سکے۔

''نعت رنگ'' کے (۱۶) ضخیم شمارے جو کمیت ہی میں نہیں بلکہ کیفیتِ معیار کے اعتبار سے بھی وقیع ہیں... یہی نہیں بلکہ نعت گوئی کو ایک مستقل صنفِ شاعری کا مقام دلانے کے لیے عہد آفریں اور تاریخ ساز کام انجام دیا ہے۔ شعرا کی بے احتیاطیوں پر گرفت، الفاظ و معنی کے در و بست پر نظر، جذبات کے غلو کے مد و جزر کی نشان دہی، مقام الوہیت اور رسالت کی نزاکتیں، غیر محتاط رویے اور جسارتیں، تنقیدی شعوری کا فقدان... ''نعت رنگ'' کے صفحات پر یہ تمام موضوعات زیرِ بحث آئے۔ صنفِ نعت سے متعلق یہ کتابی سلسلہ جس کا ہر نقشِ ثانی نقشِ اوّل سے بہتر ہے۔ یقیناً قومی اور حکومتی سطح پر اعتراف کا مستحق تھا۔ دیر آید درست آید۔

مبارک باد دینے آپ کے گھر ٹیلی فون کیا تو اتفاق سے آپ نے ہی ریسیور اُٹھایا اور بتایا کہ بس ابھی ابھی ملتان سے آیا ہوں۔ شب جائے کہ من بودم...اولیا کی سرزمین ملتان میں رات بھر محفلِ نعت صبحِ سعادت کے انتظار میں فروزاں رہی۔ خوش خبری سن کر آپ نے کہا کہ مجھے وزارت کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ ملتی بھی تو اہلِ ملتان کے وعدہ کی وجہ سے میں نہ جاتا۔ میں نے کہا کہ فروغِ نعت کے سلسلے میں آپ کی خدمات یقیناً اس اعتراف کی مستحق ہیں۔ ویسے بقول سکندر علی وجد:

ہر بڑا کام ہے آپ اپنا صلہ

لیکن اس کو کیا کیجیے کہ دنیا میں اہلِ نظر بھی ہیں اور تماشائی بھی۔ حالی کی حکیمانہ نصیحت میں ایک بڑا عملی درس ہے:

اہلِ معنی کو ہے لازم سخنِ آرائی بھی
بزم میں اہلِ نظر بھی ہیں تماشائی بھی

راست مباک باد دینے میں مجھے اوّلیت کا شرف حاصل ہوگیا۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ آپ کے گھر پہنچنے سے پہلے چند ''نعت رنگ'' کے مداحوں کے مبارک بادی کے فون دبئی، کویت وغیرہ سے آئے اور یہ بھی کہ الحمدللہ ''نعت رنگ'' کئی براعظموں میں اردو بولنے والوں تک پہنچ رہا ہے۔ یقیناً یہ بات قابلِ فخر بھی ہے اور باعثِ افتخار بھی۔

آپ کے اصرار پر میں نے جناب رحمان کیانیؒ پر مقالہ مکمل کرلیا ہے جو اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ کے معیار پر اُترے تو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر لیجیے۔ شکریہ۔

یہ معلوم کر کے بڑا افسوس ہوا کہ حضرت حفیظ تائب نے ۱۲ر جون ۲۰۰۴ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ایک زمانے سے میں ان کا کلام بڑے اشتیاق سے پڑھتا رہا ہوں۔ دو چار بار ٹی وی کے نعتیہ مشاعروں میں انھیں پڑھتا ہوا دیکھا۔ یہ شاید ۱۹۸۶ء کی بات ہے کہ میری تالیف ''سیرتِ احمد مجتبیٰ ﷺ'' کی پہلی جلد ''قومی سیرت کانفرنس'' کے شرکا میں تقسیم ہوئی۔ کسی وجہ سے انھیں نہ مل سکی۔ دوسرے دن کے اجلاس میں مجھے دیکھ کر وہ از راہِ قدردانی میرے پاس تشریف لائے اور جلد فراہم کرنے کی خواہش کی جو میں نے پوری کر دی۔

غالباً ۱۹۹۵ء میں وہ کراچی تشریف لائے تو ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے ان کے اعزاز میں ایک نعتیہ محفل کا اہتمام کیا۔ اس میں مدینہ منورہ جاتے ہوئے ''مدینہ النبی ﷺ کل اور آج'' کے مؤلف

ڈاکٹر عباس الاسدی بھی شریک تھے۔ اس محفل میں پہلی بار میں نے جناب حفیظ تائب کو جی بھر کر سنا اور ان کی پُر کیف اور پُر انوار نعتوں سے بے حد متاثر ہوا۔

اس کے بعد ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع، جب بھی کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو مجھے عطا فرماتے۔ پچھلے چند برسوں سے میں ایک ایسے قرآنی البم کی ترتیب میں مصروف تھا جو پی ایس او کی شائع کردہ ''سیرت النبی البم'' کے مقابلے میں زیادہ وسیع موضوعات پر حاوی ہے۔ چناں چہ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیا ﷺ تک پھیلا ہوا ہے۔ نیز اس میں چھ علوم کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ یک جا کیا گیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوسکے ہر نبی کے بارے میں قرآن مجید کی ایک دو آیات، ان کا ترجمہ، کوئی حدیث اگر موجود ہو۔ پھر تاریخ و جغرافیہ (تصاویر، نقشے، خاکے) کوئی سائنسی واقعہ اگر دستیاب ہو، نیچے ہر صفحہ کے مضمون سے منطبق ہونے والا کوئی شعر دیا ہے۔ جب ایسے موضوعاتی اشعار کی تلاش ہوئی تو سب سے زیادہ یہ تاریخی سرمایہ مجھے حضرت حفیظ تائب مرحوم کے مجموعہ ہائے نعت میں دستیاب ہوا۔ میری درخواست پر انھوں نے اپنی چند نظمیں مسجدِ قبا، روضۃ الجنۃ، مسجدِ نبوی، جنت البقیع، طواف، زمزم، مقامِ ابراہیمؑ وغیرہ پر اپنے ہاتھ سے لکھ کر عنایت فرمائیں۔

ان میں سے بعض اشعار تو نکتہ آفرینی، شعری لطافت کے ساتھ محبت و اخلاص کے جاں گداز نمونے ہیں، مثلاً:

سنگ مہکے نکہت انفاس سے
محراب و منبر دیکھنا اور سوچنا

☆

جو پہلے دن سے حسنِ عمل پر ہے استوار
وہ یادگارِ شاہِ زمن، مسجدِ قبا

یہ قرآنی البم تکمیل کے آخری مرحلوں میں تھا کہ میں نے چند نام ان کی خدمت میں روانہ کیے نیز چند جملے بطور پیش لفظ لکھنے کی درخواست کی۔ انھوں نے ''نشاناتِ ارضِ قرآن'' پر صاد کیا اور باوجود شدید علالت ''پیشوائی'' کے نام سے مختصر سا پیش لفظ تحریر فرمایا۔ یہ دونوں باتیں میرے لیے تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ وہ خط مورخہ ۱۹ر ستمبر ۲۰۰۱ء ''نعت رنگ'' میں محفوظ ہوجائے تو بہتر ہوگا۔

''کتاب کے زیرِ غور ناموں میں سے پہلا نام مجھے پسند ہے۔ اس میں ذرا سی تبدیلی گوارا فرما کر نام

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

'نشاناتِ ارضِ قرآن' رکھیں تو نام میری نگاہ میں بہتر ہوگا کہ لفظ 'مرقع' کچھ زیادہ پرانا لگتا ہے۔ اللہ کریم آپ کی توفیقات میں اضافہ کرتا رہے کہ آپ اُمتِ مسلمہ کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔''

پچھلے سال جب اُن کا مجموعۂ نعت ''کوثریہ'' شائع ہوا تو اسے بذریعہ پوسٹ بھیجتے ہوئے ۸/جولائی ۲۰۰۳ء کو ایک مختصر خط بھی تحریر فرمایا جو درج ذیل ہے:

آپ کا یکم جولائی کا عنایت نامہ مل گیا ہے۔ میں گزشتہ ۵/ ماہ سے شدید بیمار ہوں مگر آپ کے مکتوبِ گرامی کی رسید بھیجنا ضروری سمجھا۔

''نشاناتِ ارض قرآں'' کا انتظار ہے۔ کاش ناشر صاحب کو بھی یہ احساس ہوجائے۔

خدا کرے آپ اپنے احباب واہل وعیال سمیت خیرت سے ہوں۔

دعا گو و دعا جو

افسوس کہ وہ اپنی آنکھوں سے ''نشاناتِ ارضِ قرآں'' نہ دیکھ سکے لیکن اس کے نمونے کے چند ورق ملاحظہ کر چکے تھے۔ ان کے آٹوگراف والے نعتیہ مجموعوں میں ''صلّوا علیہ وآلہٖ'' مجموعہ ۱۹۹۱ء اور ''وہی یٰسین وہی طٰہٰ'' مطبوعہ ۱۹۹۸ء بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان کی نعتیں پڑھ کر یہ احساس شدید ہوجاتا ہے کہ شاعر حبِ رسول ﷺ سے سرشار بھی ہے اور بے قرار بھی۔ آخر ۱۲/جون ۲۰۰۴ء کو:

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اللہ تعالیٰ انھیں جنت فردوس میں ریاضِ رسول ﷺ کا عندلیبِ خوش بیاں کا مقام عطا فرمائے اور دیدارِ رسول ﷺ کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم۔ بھارت

میں بعافیت ہوں اُمید کرتا ہوں کہ آپ بھی بعافیت ہوں گے۔ قائدِ ملت مولانا شاہ احمد نورانی کے عرس کے موقع سے کراچی پاکستان حاضری ہوئی تھی۔ اس سفر میں ارادہ تھا کہ آپ سے ملاقات ہوگی مگر وہاں مشغولیات اس درجہ بڑھ گئیں کہ سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ بہرحال ''یار زندہ صحبت باقی''

ایک ہفتہ قبل میرے پرانے پتے پر کتابوں کا پیکٹ دستیاب ہوا۔ کتابیں پڑھ کر مسرت

ہوئی کہ آپ بڑی تن دہی سے نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ اردو ادب کے ذمہ داران نے نعتیہ ادب کے تعلق سے جو بے توجہی برتی ہے وہ انتہائی افسوس ناک ہے۔ نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرثیہ تو اردو ادب کا حصہ بن جائے مگر رسولِ مقبول ﷺ کی نعت اردو ادب کا حصہ بننے سے محروم رہے، یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اردو ادب کے اساطین کو ادب کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ بالکل جداگانہ اور نئی خصوصیت کا حامل ہے۔ مضامین کا تنوع، خیالات کی وسعت اور فکر کی پاکیزگی کے ذریعے آپ نے جو''نعت رنگ'' کو اردو ادب کی دنیا میں ممتاز بنانے کی جو سعی کی ہے وہ بلاشبہ قابلِ تحسین اور لائقِ ستائش ہے۔ ''نعت رنگ'' کے شماروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اردو ادب کی دنیا میں اس رسالہ نے نہ صرف اپنا مقام بنایا ہے بلکہ اساطینِ ادب کو عظمتِ نعتِ رسالت مآب ﷺ کے اعتراف پر مجبور بھی کیا ہے اور بلاشبہ یہ صرف اور صرف آپ کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ حسن عطا فرمائے۔ آمین

آپ ۱۵/اپریل کو اپنے نئے مکان میں منتقل ہوگئے ہیں اس کے لیے مبارک باد قبول فرمائیں۔ گزشتہ ۱۲/اپریل کو میں بھی اپنے نئے مکان میں منتقل ہوگیا ہوں۔ نیا پتا درج فرمالیں تو نوازش ہوگی۔ مگر خط و کتابت شعبہ کے پتے پر بہتر رہے گا۔

آپ کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ ''نعت رنگ'' کا خاص نمبر امام احمد رضاؒ کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس تعلق سے میری جانب سے پیشگی مبارک باد قبول فرمائیں۔ اس نمبر میں اشاعت کے لیے ایک مقالہ بعنوان ''امام احمد رضاؒ کی عربی نعتیہ شاعری'' (علمائے ازہر کے حوالے سے) برائے اشاعت ارسالِ خدمت ہے۔ اُمید کہ رسید سے مطلع فرمائیں گے۔

سلطان جمیل نسیم۔ کراچی

''نعت رنگ'' کا شمارہ نمبر ۱۶ اور جناب شفقت رضوی کی کتاب ''نعت رنگ کا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ'' ارسال کرنے پر شکریہ قبول کیجیے۔

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

آپ نے جب ''نعت رنگ'' کا اجرا کیا تھا اور اس کے ابتدائی شمارے تواتر و تسلسل سے مجھے پہنچائے تھے، اُس وقت میں نے ''نعت رنگ'' کے حوالے سے جو کچھ سوچا اور محسوس کیا تھا وہ

آپ کے گوش گزار کر دیا تھا کہ نعت شاعری کا وہ رُخ ہے جس میں غزل یا نظم کی طرح موضوعات کے تنوع کی گنجائش نہیں ہے اور شاعر کو جولانیٔ طبع کے اظہار کا موقع کم سے کم تر ملتا ہے، اس لیے کہ ایک مخصوص موضوع کا پابند رہتے ہوئے، احترام و عقیدت کا اظہار ایک نہایت ہی مشکل ترین مرحلہ ہے۔ محض اسلوب اور اندازِ بیان کے نت نئے تجربات کے سہارے نعت گوئی میں جتنی گنجائش تھی وہ اساتذۂ فن نے پوری طرح برت لی ہے، پھر یہ بھی ہے کہ اب تک کہی جانے والی نعتیہ شاعری پر کتنے اور کب تک مضامین لکھوائے جا سکیں گے۔ تنقید نویسوں کے متعلق میں بہت زیادہ خوش گمان نہیں ہوں۔ اوّل تو ناقد خال خال ہیں۔ آج کل تو کالج اور یونی ورسٹی میں پڑھانے والے اساتذہ نے یہ منصب سنبھال رکھا ہے اور تعلیم کا حال بھی روزِ روشن کے مانند عیاں ہے تو اساتذہ کا کمال بھی پوشیدہ نہیں۔ کتابوں کی تقریباتِ رونمائی سے ہی بے چاروں کو فرصت نہیں ملتی ہے۔ اب تو حال بہ ایں جا رسید کہ مزاح نگار بھی کتابوں کی رونمائی میں مضامین پڑھنے لگے ہیں۔ ایسے عالم میں نعت گوئی جیسے سنجیدہ اور برگزیدہ موضوع پر مضامین کون لکھے گا۔ فرض کیجیے آپ نے چند اہم نقادانِ کرام سے مضامین لکھوا بھی لیے تو وہ کب تک لکھیں گے۔ غالباً ایسی ہی بات میں نے ''رثائی ادب'' کے مدیر عزیزم ڈاکٹر ہلال نقوی سے بھی کہی تھی۔ مگر آپ دونوں ماشاء اللہ اب تک اپنا کام نہایت استقلال سے کیے جا رہے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کا تازہ شمارہ اور جناب شفقت رضوی کی کتاب دیکھ کر ہی آپ کے عزمِ مصمم، پختگیٔ ایمان و ایقان و اعتقاد کے ساتھ میرا یقین بھی ایمان کی حد تک پہنچ گیا کہ وہ بھی امداد و اعانت فرماتے ہیں جن کا بیان ہے۔

شعرائے کرام، اظہارِ محبت و عقیدت کے جتنے پیرائے اختیار کرتے ہیں مضامین تحریر کرنے والے بھی اسی حساب سے اپنی فکری تحریر میں تنوع اختیار کر رہے ہیں۔

ایک بات اور بتاؤں...کوئی پندرہ سولہ برس ہوئے یا شاید زیادہ...سوچا کہ شعرائے کرام کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنے جذبات و کیفیات کے اظہار کے لیے نظم و غزل کے انداز کو اختیار کر لیتے ہیں اور کبھی قصیدہ و مثنوی کا اسلوب اپنا لیتے ہیں، ہم افسانہ لکھنے والے اس سعادت سے کیوں محروم ہیں... یہ خیال اور احساس اتنا حاوی رہا کہ ۱۹۹۲ء میں ایک افسانہ ''کروٹ'' کے عنوان سے لکھا ''اردو ڈائجسٹ'' لاہور کے لیے بھیج دیا۔ انھوں نے ''سیرتِ نبوی کے پس منظر میں ایک دل کش افسانہ'' کی ذیلی سرخی کے ساتھ شائع کر دیا۔ ایک دو برس اس شش و پنج میں رہا کہ وہ لوگ ''اسلامی فکر'' رکھنے والے تھے شائع کر دیا۔ کیا ادب کی طرف بھی ''کروٹ'' کی گنجائش ہوسکتی ہے؟

صہؔبا لکھنوی ایک مذہبی انسان تھے مگر اپنے رسالے ''افکار'' کو انھوں نے ابتدا سے ہی ''ترقی پسند نظریات'' کے تابع کر رکھا تھا۔ چناں چہ میں نے ''کروٹ'' ''افکار'' کے لیے بھیج دیا اور مجھے خوشی ہے کہ وہ افسانہ اپریل ۱۹۹۴ء کے ''افکار'' میں شائع ہوا۔ میں آج بھی اسی فکر میں غلطاں ہوں کہ محسنِ انسانیت ﷺ کی تعلیمات کے بے حد و بے شمار ایسے رُخ ہیں جو عہدِ حاضر کے انسان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

خط خاصا طویل ہوگیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رحم و کرم اور شافعِ محشر ﷺ کے طفیل ہم سب کو ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے آمین۔

میں ان شاء اللہ اگست تک پاکستان میں ہوں...اور متوقع کہ جب تک ''نعت رنگ'' کا ایک شمارہ اور منصۂ شہود پر آ جائے گا۔

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط ۔ بھارت

''نعت رنگ'' کا تنقیدی و تجزیاتی جائزہ نہایت عرق ریزی سے لیا گیا ہے۔ میری جانب سے جناب پروفیسر شفقت رضوی کو مبارک باد پیش کیجیے۔

حسبِ الارشاد جلدی میں ایک مضمون ''مراٹھی میں ذکرِ محمد ﷺ'' روانہ کر رہا ہوں۔ یہ مضمون میری آنے والی کتاب ''اردو مراٹھی کے ادبی، لسانی روابط'' میں بھی رہے گا۔

آپ نے ''فتاویٰ رضویہ میں نعت کا موضوع'' پر مقالہ لکھنے کا کہا تھا۔ مجھے اس فتاویٰ کی تمام جلد حاصل ہوگئی ہیں۔ ان شاء اللہ جلد ہی مضمون/ مقالہ روانہ کر دوں گا۔ ''نعت رنگ'' کے شمارہ نمبر ۱۶ میں صفحہ نمبر ۸۷ پر مادہ تاریخ کے اشعار کی ترتیب میں غلط کمپوزنگ ہوئی ہے جس کی وجہ سے ان اشعار کی وضاحت کرنے والی عبارت معنی خبط ہو کر رہ گئے ہیں۔

براہِ کرم ان اشعار کی ترتیب اس طرح قائم کریں۔

پہلا شعر	(۵)	نیچے سے دسویں سطر صفحہ نمبر ۸۷
دوسرا شعر	(۱)	نیچے سے نویں سطر
تیسرا شعر	(۲)	نیچے سے آٹھویں سطر
چوتھا شعر	(۳)	نیچے سے ساتویں سطر
پانچواں شعر	(۴)	نیچے سے چھٹی سطر

''لوک گیتوں میں نعتِ رسول ﷺ'' والا مضمون زیرِ قلم ہے۔ وہ بھی جلد ہی مکمل ہوجائے گا۔ باقی حالات لائقِ شکر ہیں۔ ایک خط آپ کو نئے پتا پر روانہ کیا تھا شاید مل گیا ہوگا۔

قمر رعینی۔ راول پنڈی

مجھ پر آپ کا دہرا شکر یہ واجب ہے کہ آپ نے ''نعت رنگ'' کا شمارہ نمبر ۱۶ مجھے بھجوایا اور دوسرے یہ کہ یہ شمارہ آپ نے جن محترم و معتبر تذکرہ نگاروں کے نام منسوب کیا اس میں مجھ جیسے ہیچ مداں کا نام بھی شامل کیا:

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا

بہر حال میں اس عزت افزائی کے لیے آپ کا ممنون ہوں۔

آپ ''نعت رنگ'' کے ذریعے نعتیہ ادب کے ترویج و اشاعت اور ''اصلاحِ فکر و طرزِ اظہار کے فروغ کے لیے جو کام کر رہے ہیں وہ بہت قابلِ قدر ہے اور اس کا اجر تو آپ کو صرف اللہ کریم ہی دے سکتا ہے ہم صرف یہ دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے آمین۔ مقامِ مسرت ہے کہ آپ کے ''نعت رنگ'' کو بھی وزارتِ مذہبی امور کی طرف سے اوّل انعام و اعزاز کا مستحق قرار دیا گیا۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیے، سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی محنت و اخلاص کو رائگاں نہیں جانے دیتا۔ میں نے ''نعت رنگ'' نمبر ۱۶ کا مطالعہ کیا جو حسبِ معمول آپ کی محنت اور صنفِ نعت سے آپ کے خلوص و نیاز مندی کا مظہر ہے البتہ وہ حصہ تکلیف دہ ہے جو آپ کے اور جناب راجا رشید محمود کے درمیان مناقشے پر مشتمل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ راجا صاحب آپ سے عمر میں بھی سبقت رکھتے ہیں اور صحافت میں بھی، لیکن ان کی تحریر میں کئی مقامات ایسے ہیں جو ان کی شان کے مطابق نہیں کوئی کم علم، نوعمر اور مبتدی ایسی جذباتی یا اشتعال انگیز باتیں کرتا تو اور بات ہوتی راجا صاحب کا مقام و مرتبہ اُن کی اس تحریر سے بلند ہے۔ وہ طفلِ مکتب یا نوآموز نہیں کہنہ مشق، صاحبِ علم و فہم اور معروف شخصیت ہیں، اللہ کرے کہ غلط فہمیاں دُور ہو جائیں۔

آپ نے ان کا مضمون چھاپنے سے پہلے جو وضاحتی سطور تحریر کی ہیں اس سے آپ کی مدیرانہ صلاحیت اور صحافیانہ تدبر کا بھی اظہار ہوتا ہے اور برداشت و تحمل کا بھی۔ الم زد فزد۔

طبائع کے تضاد سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی بڑی عمر والے کے مقابلے میں کسی چھوٹے کو قلبِ سلیم اور عالی ظرفی کی دولت سے نواز دیتا ہے:

یہ اس کی دَین ہے جسے پروردگار دے

بہر حال اس عطا پر بندے کو اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

راجا صاحب نے جس ذاتِ گرامی کی مداحی کے لیے خود کو وقف کر رکھا ہے، اس ذاتِ اقدس کے صبر وتحمل کی مثال پوری تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی، اس ذات والا صفات کا ہر قدم اربابِ بصیرت کے لیے راہ نما و چشم کشا ہے۔ میرے خیال میں ادب کو خصوصاً نعتیہ ادب کو لسانی اور گروہی تعصّبات سے ملوث نہ کیا جائے اور غلط فہمی کی بنا پر الزام تراشی سے گریز کیا جائے تو یہ خود صاحبِ تحریر کے لیے بہتر ہوگا۔

راجا صاحب کا مصرع:

سدرہ کی منزل پہ رُکنے کی اہمیت سمجھ

بالکل درست ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم سب عام گفتگو میں کیفیت، اہمیت، حیثیت وغیرہ کو یائے مشدد سے استعمال نہیں کرتے لیکن عام گفتگو اور شاعری یا ادب کی زبان میں جو نازک سا فرق ہے وہ اگر کوئی شاعر یا ادیب ملحوظ رکھے تو کسی کو اعتراض بھی نہیں کرنا چاہیے، البتہ سدرہ کی یائے ہوز کا دبنا دُور ہوسکتا تھا ذرا سی توجہ سے یوں بھی ہوسکتا ہے:

منزلِ سدرہ پہ رُکنے کی اہمیت سمجھ

ایک اور مصرع:

پیچھے پڑی ہیں آج کل بیماریاں بہت

میں اس کا وزن نہیں سمجھ سکا۔ میرے فہمِ ناقص کے مطابق اس کل کا لام تقطیع سے خارج ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ میرے عجزِ فہم اور عروض و اوزان سے ناواقفیت کا کھلا ثبوت ہے۔ یہاں ڈاکٹر گوہر کا اعتراض درست ہے کہ لفظ کل کا لام تقطیع سے خارج ہے اور ایسا ہی الجھاؤ راجا صاحب کے اس مصرعے میں بھی ہے:

تھے اور بھی رسل مگر رب نے حبیب کو

البتہ راجا صاحب کا یہ شعر ان کے جذبِ دروں اور باطنی کیفیت کا غماز ہے اور خوب ہے اسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ پڑھیے اور محسوس کیجیے۔

میں چند دن جو آقا کے شہر میں رہوں ہوں
کچھ ماہ تک تو مجھ پر اس کا اثر رہے ہے

ماشاء اللہ۔ راجا صاحب کا یہ شعر بھی بہت اچھا ہے:

محمود شکوہ رب سے تو کرتے رہے ہیں سب
لیکن کسی کو اس کے نبی سے گلہ نہیں

اس شعر پر ڈاکٹر گوہر کا اعتراض درست نہیں۔ راجا صاحب نے جو وضاحت کی اس میں یہ بات بھی شامل کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں قہاری و جباری بھی ہے جب کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تمام عالم کے لیے سراپا رحمت ہیں اور ظاہر ہے کہ جو ذاتِ گرامی رحمت ہی رحمت ہے اس سے کسی کو گلہ ہو ہی نہیں سکتا خود آقائے نام دار کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ اس بات کا گواہ ہے، کیا واقعۂ طائف اس کا ثبوت نہیں؟

راجا صاحب کا مصرع ہے:

حاضری کی کوئی نہ کوئی تو صورت چاہیے

اس پر ڈاکٹر گوہر نے کہا کہ مصرع خارج از بحر ہے۔ راجا صاحب نے تقطیع کر کے ثابت کر دیا کہ مصرع خارج از بحر نہیں لیکن راجا صاحب کی وضاحتی سطر اور بیان کردہ اوزان میں یکسانی نہیں انھوں نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ:

> حضرت اس مصرع میں کوئی کی ''ی'' دبی اور ''واؤ'' دب گیا مصرع خارج از بحر کس طرح ہو گیا۔ تقطیع اس طرح ہے:

حاضری کی	کوئی نہ کو	ئی تو صورت	چاہیے
فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن

محترم راجا صاحب نے تقطیع درست کی اور تقطیع میں نہ کہیں ''ی'' دبی اور نہ ''واؤ'' گرا پھر انھوں نے معلوم نہیں کیوں یہ لکھا کہ ''ی'' دب گئی اور ''واؤ'' دب گیا۔ البتہ دوسرے رکن میں یعنی ''کوئی نہ کوئی'' کی تقطیع میں لفظ ''نہ'' کو یا تو آپ ''نا'' پڑھیں یا ''نہ'' کی ہائے ہوز کو واضح کریں تب وزن درست ہوگا ورنہ نہیں۔

لفظ تجھی اور تمھیں کے سلسلے میں راجا صاحب کا موقف درست ہے۔ ''نعت رنگ'' کے گزشتہ شماروں میں قصیدہ بردہ پر بھی بحث نظر سے گزری، یہ محض اتفاق ہے کہ میں نے بھی قصیدہ بردہ پر تھوڑا سا کام کیا ہوا ہے جو ''فیض الاسلام'' میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے۔ اس مضمون میں محمد حسین

عارف کے دونوں قصائد کے ترجمے سے اقتباس بھی شائع کیا گیا ہے یعنی بوصیری والے قصیدے کا بھی اور کعب بن زہیر کے قصیدے کا بھی اور یہ انتخاب بھی پچاس پچاس اشعار سے زیادہ پر مشتمل ہے اس کے بعد میں نے کچھ مزید بھی تحقیق کی ان میں ایک دو ایسے منظوم تراجم کا بھی ذکر ہے جو شاید پہلی بار سامنے آئے گا۔ ذرا وقت مل جائے تو ان شاء اللہ اسے دوبارہ لکھوں گا اور آپ کے پاس بھجوا دوں گا۔

شاید آپ کو یہ معلوم ہو کہ دل کا بھی مریض ہوں اور درد بھی شدید ہے۔ علاج کر رہا ہوں اللہ مالک ہے میرے حق میں دعائے خیر کرتے رہیے۔

پس تحریر

شمارہ نمبر ۱۶ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حمدیہ نعتیہ کلام کا منظوم اردو ترجمہ بہت عمدہ ہے اور مترجم کی کاوش قابلِ تحسین ہے۔

مسعود الرحمٰن خاں ندوی کے مضمون بہ عنوان ''عہدِ نبوی ﷺ میں مدحِ رسول'' میں جناب عبدالمطلب، جناب عباس اور جناب ابوطالب (عبد مناف) کے اشعار کا ذکر تو ہے لیکن حضور ﷺ کے حقیقی تایا زبیر بن عبدالمطلب کے اشعار کا ذکر نہیں۔

علی احمد عباسی صاحب کی کتاب ''وقائع زندگانی اُم ہانی'' میں بہ سند معتبر لکھا ہے کہ جب حضرت عبداللہ کے انتقال کی خبر عبدالمطلب کو ملی تو انھوں نے حضرت زبیر کو بھیجا کہ وہ سیّدہ آمنہ اور بچے (حضور) کو لے آئیں۔ میں نے اس کا ذکر ''فیض الاسلام'' شمارہ جون ۲۰۰۱ء میں کیا ہے۔ اور اپنی کتاب ''تذکرہ نعت گویان راول پنڈی، اسلام آباد'' میں صفحہ ۱۲۔۱۰ پر بھی وہاں آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں اور حوالہ دے سکتے ہیں۔

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی، کراچی

اللّٰہ کریم جلّ شانہ اپنے حبیبِ کریم کے صدقے ہم سب کو مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت پر استقامت اور اس کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۶ آپ ماہِ رمضان ۱۴۲۴ ہجری سے قبل شائع کرنے کی تیاری کر چکے تھے، آپ نے کناڈا سے واپسی پر یہی فرمایا تھا، تاخیر کیوں ہوئی؟ آپ ہی بہتر جانتے ہیں، مجھے اندازہ ہے کہ اس راہ میں کیا کیا دشواریاں اور مراحل درپیش رہتے ہیں۔ ماہِ ذی الحج کی ۲۸ تاریخ

کومیں وطن سے افریقی ممالک کے سفر پر روانہ ہُوا، اس وقت تک ''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۶ شائع نہیں ہوا تھا۔ جنوبی افریقا، زِم باب وے اور متحدہ عرب امارات کے سفر سے دو دن کے لیے کراچی آیا تو آپ نے شمارہ ۱۶ کی اشاعت کی نہ صرف خبر دی بلکہ شمارہ بھجوایا اور جناب شفقت رضوی کی مرتّبہ کتاب ''نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ'' بھی بھجوائی۔ آپ سے قبل ''مہرِ منیر اکیڈمی (انٹرنیشنل)'' کے کارپرداز جناب صابر داؤد نے اپنی شائع کردہ یہ کتاب مجھے بھجوائی تھی۔ بہت شکریہ و جزاکم اللہ تعالیٰ۔

''نعت رنگ'' کی اشاعت کا تسلسل نعت شریف کے باب میں آپ کے صدق واخلاص کا مظہر اور آپ کی عقیدت ومحبت کا واضح ثبوت ہے۔ اور شفقت رضوی صاحب کی اس کتاب کی اشاعت بھی آپ کی محنتوں کی پذیرائی اور آپ کے جذبوں کی قدر افزائی ہے۔ اللہ کریم جلّ شانہ آپ کے اس سفر کو بابرکت اور آپ کی محنتوں محبتوں کو بارآور فرمائے، آمین

جنوبی افریقا کے سفر کے فوراً بعد مجھے بھارت کے سفر پر روانہ ہونا تھا، ایک ہفتے کا یہ سفر کچھ اتنا تھکا دینے والا ہوا کہ مطالعے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ ممبئی میں جناب محمد زبیر قادری کو اور دارالعلوم امام احمد رضا، کوکن کی لائب ریری کو ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ پہنچایا، یہ سفر براستہ دبئی ہوا تھا، وہاں محترم الحاج مقصود احمد صاحب تبسم سے ملاقات ہوئی، انھیں بھی شمارہ۔۱۶ پہنچایا۔ انھوں نے اپنا نعتیہ کلام بھی کچھ مجھے دیا کہ اسے دیکھوں، ان سے گزشتہ ملاقات میں ایک شعر کے حوالے سے کچھ عرض کی تھی، انھوں نے میری معروضات کو صائب جانتے ہوئے اس شعر میں جو تبدیلی کی، اس سے بھی آگاہ فرمایا۔ اللہ کریم انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ بھارت کے سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ آپ کے کہنے پر نعت کے موضوع پر کسی نئی یا مفید کتاب کی تلاش میں مکتبہ جامعہ ممبئی گیا تو میرے استفسار پر جو کتاب مجھے دکھائی گئی وہ ''نعت رنگ'' ہی کا ایک شمارہ تھا، آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس لمحے میرے احساسات کیا ہوں گے۔ بھارت کے سفر سے واپس آیا تو پاکستان کے مختلف شہروں کے مسلسل سفر ہوئے اور پھر ماہ ربیع الانور شروع ہوگیا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام آباد میں بارہ ربیع النور کو منعقدہ ''قومی سیرت کانفرنس'' میں کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کو اس سال ''اوّل ایوارڈ'' دیا گیا۔ آپ کی محنت ومحبت کی اس سطح پر یہ پذیرائی بھی مبارک ہو۔

آئندہ سال ۲۰۰۵ء میں آپ کے ''نعت رنگ'' کو ان شاء اللہ دس برس مکمل ہوجائیں گے، اس عرصے میں نعت شریف کے موضوع پر ''نعت رنگ'' میں جو کام ہوا ہے وہ مدتوں

تک تنقید و تحقیقِ نعت شریف میں حوالہ رہے گا۔ امید ہے آپ آئندہ برس کسی خصوصی اشاعت کا اہتمام کریں گے۔

ماہ ربیع الانور کی ۱۴ کی صبح لاہور ایئرپورٹ پر لاؤنج میں ایک شخصیت نے محبت و عقیدت سے سلام کیا، اتفاق سے مَیں اس لمحے ''نعت رنگ'' کا مطالعہ کر رہا تھا، اس شخصیت نے اپنا تعارف کروایا کہ ''مَیں منصور ملتانی ہوں''۔ وہ بہت تپاک سے ملے اور منظوم سیرت نگاری کے حوالے سے اپنی کاوش سے آگاہ کیا، ان کے مشاغل دیکھیں تو کتاب و قلم سے کسی ناتے کا گمان بھی نہ گزرے، مگر یوں محسوس ہوا کہ ان کی تو پہچان ہی مدحِ نبی کریم (ﷺ) سے ہے، مجھے ان کے جذبے اور لگن نے متاثر کیا۔ وہ فرما رہے تھے کہ اپنی کتاب طبع کراتے ہی پہلا نسخہ مجھے بھجوائیں گے تاکہ پوری اور صحیح تنقید ہو۔

جناب منصور ملتانی سے بالمشافہ یہ پہلی ملاقات تھی، ''نعت رنگ'' کے حوالے سے جناب مقصود احمد تبسم کے بعد وہ دوسرے شخص ہیں جنھوں نے نعت شریف کے باب میں خود یہ چاہا کہ ان کے نعتیہ کلام کو مَیں بنظرِ عمیق دیکھوں۔ ان دو شخصیات کا تذکرہ مَیں نے اپنی تحریر و تنقید کے حوالے سے نہیں کیا، مجھے صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ان دو افراد کی اس کشادہ دلی نے واضح تأثر یہی دیا کہ وہ میرے پیارے نبی پاک ﷺ کے بارے میں اپنی کہی ہوئی بات کا نادرست یا نامناسب ہونا نہیں چاہتے اور یہ احساس رکھتے ہیں کہ جاننے، سمجھنے اور کہنے میں کہیں خطا ہوسکتی ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ یہ احساس کتنا اچھا ہے، اللہ کریم ہم سب کو اس احساس اور اس بارے میں حد درجہ احتیاط کی توفیق عطا فرمائے اور اب تک جو کوئی خطا و کوتاہی کہیں بھی ہوئی، وہ معاف فرمائے، آمین

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ میں جناب احمد صغیر صدیقی، جناب ظہیر غازی پوری، جناب رشید ارشد، جناب سیّد ریاض حسین زیدی اور جناب مجید فکری نے اپنے خطوط میں مجھ گناہ گار کو گرم لفظوں اور لہجوں سے یاد فرمایا ہے، ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے میری تحریر کو پڑھا اور اپنی فکر و فہم اور مزاج کے مطابق تبصرہ بھی فرمایا۔ اس جانب داری سے ہوسکتا ہے انھوں نے اپنی یا کسی کی تسکین وتفریح اہتمام کیا ہو۔ یہ ''مہربان'' میری تحریروں میں فی الواقع کسی غلطی کی نشان دہی فرماتے تو مجھے خوشی ہوتی، لیکن ان ''مہربانوں'' کو میری حقیقت نگاری کھٹکی ہے یا انھیں میرا یہ انداز نہیں بھایا کہ مَیں نے اللہ کریم جلّ شانہ اور اس کے سیّد المعصومین رسولِ کریم ﷺ کے لیے لکھے اور کہے جانے والے کسی منفی و ناروا لفظ و خیال کو گوارا نہیں کیا اور انھیں یہ بُرا لگا کہ کسی منفی یا ناروا لکھنے، کہنے

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

اور ماننے وقبول کرنے والے کے لیے کوئی رعایت یا تکریم مَیں نے نہیں کی۔ ان مہربانوں سے عرض ہے کہ میری یہ سب باتیں وہ بخوشی میرا ''جرم'' شمار کریں اور ان باتوں کے لیے وہ اپنی فکر وفہم اور مزاج کے مطابق مجھے جس طرح چاہیں مطعون کریں۔ یہ فقیر بے توقیر سراپا تقصیر عرض گزار ہے کہ ان شاء اللّٰہ مَیں یہ ''جرم'' کرنا اپنی سعادت شمار کرتا رہوں گا اور اللّٰہ کریم جلّ شانہ سے اس ''جرم'' پر استقامت کی دعا کرتا رہوں گا۔ اہلِ ایمان سے بھی اپنے حق میں اس دعا کی التماس کرتا ہوں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۳۹۵ پر جناب احمد صغیر صدیقی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''نعت رنگ'' شمارہ۔۱۵ پیشِ نظر ہے۔ اس سے قبل کہ کچھ اور لکھوں حضرت مولانا کوکب نورانی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنھوں نے نہایت جاں فشانی سے میرے کچھ سوالوں کے جوابات فراہم کرنے کے لیے حوالہ جات تلاش کیے اور میرے ساتھ پڑھنے والوں کی معلومات میں اضافہ کیا۔ افسوس ان کا کوئی جواب تسلی بخش نہیں لگا۔ کہیں انھوں نے لوگوں کے خوابوں کو سند بنا کر جواب دیا ہے کہیں حکایتوں کے سہارے کے ذریعے باتیں کی ہیں۔ کہیں اپنی بات کو zip hold کرنے کے لیے عربی لغات کو ذریعہ بنایا ہے اور لغوی معنی کو اپنانے پر زور دیا ہے اور کہیں لغوی معنوں کو یکسر مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معنی اللّٰہ تعالیٰ کے لیے نہیں کر سکتے۔ کہیں ''معجزہ'' کے لیے لکھا ہے کہ اردو میں اس کے معنی صرف وہ محلِ خاص ہے جو نبی سے ظاہر ہوتا ہے کہیں ''نعت'' اور ''حمد'' کے لیے اردو میں جو معنی رائج ہیں اُسے مسترد کر کے عربی لغات سے دوسری باتیں ثابت کی ہیں۔''

جناب احمد صغیر صدیقی نے حوالہ کے لیے صفحہ نمبر اور سطر نمبر تو تحریر کی لیکن معترضہ جملے نشان زد نہیں کیے، کیا اسے شرارت نہ کہا جائے؟ وہ ان حوالوں سے کچھ یہی تاثر دے گئے کہ عبارت فہمی سے انھیں شغف نہیں۔

چناں چہ ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں: ''حوالہ کے لیے بالترتیب صفحات نمبر ۴۰۸، سطر ۱۴ سے صفحہ نمبر ۴۰۷، سطر ۱۳ سے، صفحہ ۴۰۸ تک...'' ۔صرف اسی کا احوال دیکھیے، ''نعت رنگ'' شمارہ۔۱۵ کے صفحہ ۴۰۸ کی سطر ۱۴ سے میری تحریر میں عبارت یوں درج ہے: ''پس میں نے نبی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، آپ مجھ سے فرمانے لگے'' اپنے آپ کو چالیس نیکیوں سے محروم کیوں کرتے ہو؟...''

احمد صغیر صاحب نے حضرت علامہ امام یوسف بن اسمٰعیل نبھانی رحمتہ اللّٰہ علیہ کی کتاب ''سعادۃ الدارین'' کے اس اقتباس کی پہلی تمام سطور پر کوئی توجہ نہیں فرمائی اور لفظ ''خواب'' کے لیے سطر ۱۴ کا حوالہ نقل کر دیا۔

صفحہ نمبر ۴۰۷ کی سطر ۱۳ کا احوال یہ ہے: ''شفاء الاسقام میں ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الہندی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ حکایت نقل کی گئی ہے...''

اس عبارت میں انھیں لفظ حکایت'' نظر آیا تو باقی تمام عبارت کی بجائے صرف اس سطر کا حوالہ نقل کر دیا۔

اس کے بعد احمد صغیر صاحب نے ''صفحہ ۴۰۸ تک" کے الفاظ جانے کیوں لکھے کہ وہ پہلے ہی صفحہ ۴۰۸ کی سطر ۱۴ کا حوالہ دے چکے ہیں۔ اگر وہ یہ فرمائیں کہ مکمل حوالہ یوں درج ہے ''صفحہ ۴۰۷، سطر ۱۳ سے، صفحہ ۴۰۸ تک'' تو ''سطر ۱۳ سے،'' کے بعد قومہ ہے، وہ بتائیں کہ مَیں اسے مکمل کیسے سمجھوں؟

انھوں نے اس کے بعد لکھا ہے: ''صفحہ ۴۱۱ سطر ۱۷ سے''۔ صفحہ ۴۱۱ شمارہ ۱۵ کی سطر ۸ سے عبارت یوں ہے: ''کیا وہ (احمد صغیر صاحب) خود سے ان لفظوں اور جملوں کا معنی بتا سکیں گے؟'' اس کے بعد درج عبارت کو وہ پڑھ ہی نہیں سکے، نہ ہی اس کا کوئی جواب پیش کر سکے لیکن صفحہ ۴۱۱ کی سطر ۱۷ کا حوالہ نقل کرنے میں دلیر ہوئے کیوں کہ اس سطر میں تو انھیں لفظ ''حمد'' کے بارے میں حقیقت تسلیم کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

احمد صغیر صدیقی صاحب بتائیں کہ انھوں نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص ۴۱۰ کی سطر ۲۲ سے صفحہ ۴۱۱ کی سطر ۱۵ تک درج لفظ حمد کے بارے میں میری وضاحت کا کیا جواب دیا ہے؟ وہ مزید لکھتے ہیں: ''اسی طرح محض سوالوں کے جواب میں مولانا نے یہ کہہ کر بات کر دی ہے کہ جواب کے لیے فلاں کتاب دیکھ لی جائے۔ (حوالہ صفحہ ۴۱۴ آخری سطریں)''۔ احمد صغیر صاحب کے اس بیان کی حقیقت جاننے کے لیے صفحہ ۴۱۴ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کی آخری سطریں ملاحظہ ہوں، عبارت یہ ہے: ''احمد صغیر صاحب پہلے تو یہ وضاحت ملاحظہ فرمائیں کہ'' اکثر مفسرین نے منسوخ فرمایا ہے۔ اس جملے میں ''فرمایا'' کا معنی و مفہوم ''بتایا'' ہے۔ احمد صغیر صاحب کی اس تحریر سے واضح ہے کہ وہ اس باب میں بنیادی باتوں سے بھی آگاہ نہیں، ان سے عرض ہے کہ وہ آگہی چاہتے ہوں تو ناسخ و منسوخ آیات و احکام کے حوالے سے اُردو ہی میں موجود کتب کا مطالعہ فرمائیں...''

احمد صغیر صاحب صدیقی نے میری تحریر کے جو حوالے پیش کر کے میری تحریر میں تضاد اور نقص ثابت کرنے کی ''محنت'' فرمائی اس کا احوال پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ احمد صغیر صاحب صدیقی کو اگر کوئی جواب تسلی بخش نہیں لگا تو وہ ان جوابات پر کوئی معقول اعتراض پیش کیوں نہیں کر سکے؟ احمد صغیر صاحب کو اس فقیر نے خواب دکھائے نہیں بلکہ مستند کتابوں میں معتمد و ثقہ

شخصیات کے بیان اور خواب بتائے ہیں اور انھی کتابوں اور شخصیات کی نقل کی ہوئی حکایات پیش کی ہیں جسے احمد صغیر صاحب نے یوں لکھا ہے کہ: " حکایتوں کے سہارے کے ذریعے باتیں کی ہیں۔ ''خوابوں اور حکایتوں کی بابت بھی احمد صغیر صاحب صدیقی شاید نہیں جانتے کہ کیا تعلیمات و ہدایات ہیں؟ یہاں خوابوں اور حکایتوں کی قرآن و احادیث اور اس کے بعد مستند کتابوں سے تفصیل لکھوں تو انھیں اندازہ ہو کہ وہ اس باب میں کتنے بے خبر ہیں۔ مجھے پہلے ہی ''نعت رنگ'' میں فقہی بحثوں کے بیان کے لیے طعن و تشنیع کا ہدف بنایا گیا ہے۔ وہ لوگ یہ بھی دیکھیں کہ ''نشتر زنی'' کون کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے؟ ایسے مرحلوں پر ان دوستوں کا مشورہ یاد آتا ہے کہ کن لوگوں کی باتوں پر وقت اور محنت ضائع کر رہا ہوں، کیوں کہ تحمل سے ہر تلخی و تندی کے باوجود ہر طرح کے اعتراض پر حقائق اور تفصیل پیش کرنا بھی میرا جرم شمار ہو رہا ہے۔ میرا موقف جناب احمد صغیر صدیقی یا ان جیسے افراد کی ''تسلی'' نہیں بلکہ اس اعتراض کی حقیقت واضح کرنا ہے۔ اس بہانے جانے کتنے لوگوں کی حقائق سے آگہی کا سامان ہو جاتا ہے۔

احمد صغیر صاحب لکھتے ہیں: " کہیں اپنی بات کو Zip hold کرنے کے لیے عربی لغات کو ذریعہ بنایا ہے اور لغوی معنی کو اپنانے پر زور دیا ہے اور کہیں لغوی معنوں کو یکسر مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معنی اللّٰہ تعالیٰ کے لیے نہیں کر سکتے۔ کہیں ''معجزہ'' کے لیے لکھا ہے کہ اردو میں اس کے معنی صرف وہ محلِ (فعل) خاص ہے جو نبی سے ظاہر ہوتا ہے کہیں ''نعت'' اور ''حمد'' کے لیے اردو میں جو معنی رائج ہیں اُسے مسترد کر کے عربی لغات سے دوسری باتیں ثابت کی ہیں۔'' (ص ۳۹۵)۔ Zip hold کرنا کسے کہتے ہیں؟ کیا یہ کوئی نئی اصطلاح ہے؟ مَیں اسے نہیں سمجھ سکا۔ نہیں معلوم کہ احمد صغیر صاحب کو اردو میں مفہوم ادا کرنے کی بجائے انگریزی کا سہارا کیوں لینا پڑا، انھیں عربی کے لفظ کو واضح کرنے کے لیے عربی کی لغات سے حقائق پیش کرنا بھی ناگوار گزرا، وہی بتائیں کہ عربی کے لفظ کے لیے کیا انگریزی لُغت کو ذریعہ بناؤں؟ شمارہ۔۱۵ میں لفظ ''استوٰی'' کے بارے میں مَیں نے لکھا تھا کہ: ''عام لغت کے مطابق ''استوٰی'' کے لفظی معنی ہم اللّٰہ تعالیٰ کے لیے نہیں کر سکتے۔'' (ص ۴۲۹) وہ شاید نہیں جانتے کہ اللّٰہ تعالیٰ جلّ شانہ کے لیے کچھ الفاظ کے لغوی معنی یکسر مسترد کرنا صرف میرا ہی فعل نہیں، کاش کہ احمد صغیر صاحب اس راہ کے مسافر ہوتے تو انھیں ان باتوں کی قدر ہوتی۔ ضروری سمجھتا ہوں کہ ''نعت رنگ'' کے قارئین کو یہاں کچھ جھلکیاں دکھاؤں۔

امام راغب اصفہانی کی کتاب ''مفردات القران'' (اردو) (مطبوعہ شیخ شمس الحق،

اقبال ٹاؤن، لاہور، جون ۱۹۷۸ء) کے مترجم جناب محمد عبدہ فیروز پوری ہیں۔ وہ غیر مقلد ہیں، ان کا بھی یہ اعتراف ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں: "یہ تمام تر غور وفکر اور مساعی اس بنا پر بھی ضروری ہیں کہ کتب لُغت بہر حال کتب لُغت ہیں ان سے الفاظ کا معنوی حل ہی مل سکتا ہے وہ قرآنی تصورات کی وضاحت سے بہر صورت قاصر ہیں اور جن لوگوں نے محض لُغت کے سہارے پر تفسیر کی ہے انھوں نے قرآن کا مفہوم متعین کرنے میں ٹھوکریں کھائی ہیں..." (ص۱/۱۴)

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس جناب محمد انور شاہ کشمیری کے بیان کو کتاب ''مشکلات القرآن'' میں جناب محمد یوسف بنوری نے عربی میں تالیف کیا، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے اسے ۱۴۱۴ھ میں پہلی مرتبہ شائع کیا، وہ اس کتاب کے ص۱۸ پر حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''**ومنهم من قال يجوز تفسيره لمن كان جامعاً للعلوم التى يحتاج اليها المفسر وهى خمسة عشر علماً اللغة والنحو والتصريف والا شتقاق والمعانى و البيان والبديع والقراء ة واصول الدين واصول الفقه واسباب النزول والقصص والناسخ والمنسوخ والفقه والاحاديث المبينة لتفسير المجمل والمبهم وعلم الموهبة وهو علم يورثه الله لمن عمل بما علم واليه الاشارة بحد يث من عمل بما علم يورثه الله علم مالم يعلم...**''

احمد صغیر صدیقی صاحب کو عربی لُغت کا حوالہ گراں گزرا تھا۔ درج بالا اقتباس تو ان پر قیامت ڈھائے گا۔ اس اقتباس میں واضح ہے کہ جو شخص مذکورہ پندرہ علوم کا جامع ہو صرف اسے قرآن کی تفسیر کرنے کی اجازت ہے۔ احمد صغیر صاحب صدیقی میں تو اللہ کریم جلّ شانہ کے لیے ایک لفظ کے معنی ومفہوم سمجھنے کی وسعتِ علمی نظر نہیں آتی تو کلام اللہ کے فہم کی ان سے کیا توقع کی جائے! واضح رہے کہ یہ فقیر ہرگز زعمِ علم نہیں رکھتا، میرا بیان تو صرف اتنا ہے کہ ہم جو کچھ نہیں جانتے اس بارے میں استفسار کریں مگر اعتراض نہ کریں اور ایسا انداز نہ اپنائیں جو اہانت کے زمرے میں چلا جائے۔ اللہ کریم جلّ شانہ کے لیے ہم محض زبان و بیان کی لغت سے نہیں بلکہ ایمان وعقائد کی بنیاد سے بات کرتے ہیں اور رسولِ کریم ﷺ کے لیے ہمیں ہمارے معبود کریم جلّ شانہ نے ان کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا ہے اور ان کی بارگاہ عالی جاہ کے آداب ہمیں تعلیم فرمائے ہیں۔ یہاں مزاج کی جھلاہٹ کا اظہار غارت گرِ ایمان ثابت ہوتا ہے۔ احمد صغیر صدیقی صاحب مجھے ہدفِ طعن بنانے میں خوب دلیری دکھائیں لیکن میری تحریر میں درج صحیح بات کو معترضہ بنانے سے پہلے ایمان و آگہی کے

تمام تر تقاضوں کو ملحوظ رکھیں۔

وہ بتائیں کہ میں نے لفظ ''نعت'' کے اردو میں رائج معنوں کو کہاں مسترد کیا ہے اور لغات سے کون سا حوالہ پیش کیا ہے؟

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص ۴۰۳ سے ۴۱۵ اور ص ۴۶۷ سے ۴۷۰ تک اس فقیر نے جناب احمد صغیر صدیقی کے اعتراضات کا جواب پیش کیا ہے، انھوں نے اس سے قبل بھی میری تحریروں میں اپنے اعتراضات کے جواب ملاحظہ فرمائے ہیں لیکن ان کی کسی تحریر میں کہیں بھی ان کا اعتراف نہیں دیکھا، کیا انھوں نے جواب قبول نہیں کیا یا اعتراف کرنا ان کی عادت نہیں؟

انھیں عربی کتب کے مطالعے کا اتفاق نہیں ہوا ہوگا ورنہ ''حکی، حکی عنہ'' کے الفاظ سے وہ آشنا ہوتے۔ رہی بات خوابوں کی تو کلام اللہ اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں خوابوں کا بیان موجود ہے۔ دارالعلوم دیو بند کے ایک مہتمم جناب قاری محمد طیب سے انھیں خوابوں کی بابت بھی آگاہ کرتا چلوں، ملاحظہ ہو، وہ اپنے کتابچے ''عالم برزخ (مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور۔ ۱۹۷۸ء) میں لکھتے ہیں:

''یہی نہیں کہ خواب کے ذریعے برزخی افراد کے احوال و مقامات ہی دنیا والوں کو معلوم ہوجاتے ہیں بلکہ دنیا والوں کے جو احوال و اقوال، برزخ والوں کو پہنچتے ہیں اس کی تصدیق بھی خوابوں کے ذریعہ ہوجاتی ہے کہ احوال و اقوال ان تک پہنچ چکے ہیں... ہزاروں واقعات جنھیں علما نے شرح و بسط کے ساتھ نقل کیا ہے، اس کے شاہد عدل ہیں کہ برزخی مقامات کھلنے کا ایک بڑا ذریعہ سچے خواب ہیں، اسی لیے خواب کو چھیالیس واں حصہ نبوت کا فرمایا گیا اور خوابوں کو نص حدیث میں مبشرات کہا گیا... رہا یہ کہ خواب ظنی ہے، سو اس سے انکار نہیں لیکن ظنی کے معنی ساقط الاعتبار ہونے کے نہیں ورنہ یوں تو قرآن کے سوا اخبارِ آحاد بھی ظنی ہیں، قیاسِ مجتہد بھی ظنی ہے، خواب بھی ظنی سہی، حقیقت یہ ہے کہ وہ ثبوت میں قطعیات سے گھٹا ہوا ہے، نہ یہ کہ اس میں حجیت کی شان کلیتہً مفقود ہے... اگر شخصی خوابوں کو حجت کلیہ نہیں کہا جائے گا جو سب کے لیے قانون بن جائے تو حجتِ کاشفہ یا حجتِ موضحہ یا حجتِ مویدہ ضرور کہا جا سکے گا، اسی لیے سلف سے لے کر خلف تک اہلِ علم خوابوں سے اس قسم کی تائیدات اور تفاولات کا اثبات کرتے آئے ہیں، آخر سچے خواب کو چھیالیس واں حصہ نبوت کا فرمایا گیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق فرضیات سے نہیں واقعات سے ہے... سچے خواب، نبوت کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے تبشیر کا کام ضرور دے سکتے ہیں اور اگر ان سے احکام یا

عِلَل احکام ثابت نہیں ہوسکتے تو ان احکام وعلل کی تائید اور وضاحت تو حاصل کی جاسکتی ہے، اس لیے اگر وہ حجتِ موضحہ ضرور ہیں اور یہ بھی حجیت کا ایک مقام ہے۔ پھر ان کی تاثیر بھی بیّن اور نمایاں ہے۔ سچے خواب سے اگر وہ ازقسمِ بشارت ہے تو طبعاً قلوب کو تسلی اور دل جمعی حاصل ہوتی ہے۔ غم زدوں کے قلوب ٹھہر جاتے ہیں، بچھڑے ہوؤں کے دل مطمئن ہوکر تسلی وتشفی پا جاتے ہیں۔ اور اگر ازقسمِ انذار ہے تو دل لرز کر محتاط ہوجاتے ہیں، ہزاروں برائیوں سے باز آجاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ برزخ اور اس کے احوال نصوصِ شرعیہ کی رُو سے واقعات ہیں، تخیلات ہیں اور ہر واقعہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ خواص و آثار رکھتا ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صاحبِ واقعہ پر ان واقعات کا اثر نہ پڑے؟ ورنہ وہ واقعہ، واقعہ نہیں تخیل محض اور وہم وخیال ہوکر رہ جائے۔ پس اگر ایک واقعہ بیداری میں اپنے اثرات ڈالے بغیر نہیں رہتا تو وہی واقعہ اگر خواب میں نظر آئے تو آخر خواب دیکھنے والے کے لیے وہ بے اثر ہوکر کیسے رہ جائے گا؟ اور برزخ میں پیش آنے اور اس کے دیکھنے سے وہی اثر کیوں قبول نہ کِیا جائے گا؟ ...اس لیے بیداری کی آنکھ سے کسی واقعہ کو دیکھا جائے یا خواب کی آنکھ سے دیکھا جائے، دیکھنے والا نفس اور اس کی قوتِ خیال (جو سمع و بصر اور ذوق و شم وغیرہ کی نوعیتوں میں بٹی ہوئی ہے) ایک ہی رہے گی اور اثر بھی وہی ایک ظاہر ہوگا، اس لیے سچا خواب یقیناً اپنا اثر دکھلائے بغیر نہیں رہ سکتا، اگر وہ ظنی ہے تو ہمارے ادراک کے لحاظ سے ظنی ہے، نہ کہ واقعات کے لحاظ سے، کیوں کہ وقائع برزخ تو نصوصِ شریعت سے ثابت ہونے کی وجہ سے واقعات ہیں جن میں شک کی اصلا گنجائش نہیں، اس لیے بذاتہٖ واقعات قطعی ہیں البتہ ہمارے ادراک کے لحاظ سے ظنی ہیں۔ بالفاظِ دیگر ظنیت ہمارے ادراک میں ہے، واقعات میں نہیں، اس لیے قدرتاً سچے خواب میں قبولیت کے علاوہ ایک گونہ حُجیت کی شان بھی کچھ نہ کچھ آئے گی، جس کی تفصیل عرض کی جاچکی ہے۔ جب ایک سچے کا خواب ایک سچا واقعہ ہے تو وہ بوجہ واقعیت اپنے متعلقہ معاملہ کے لیے حجت ہوگا، گو دیانۃً ہی حجت ہو، قضاءً نہ ہو... واضح ہوگیا کہ مومن کا سچا خواب کسی نہ کسی درجہ میں حجیت کی شان ضرور لیے ہوئے ہے، ساقط الاعتبار نہیں...'' (عالمِ برزخ، ص ۳۸ تا ۴۵)

احمد صغیر صاحب صدیقی جان لیں کہ یہ بات تو ان خوابوں کی ہے جو وفات پانے والے اہل ایمان کے حوالے سے ہیں۔ وہ خواب جن میں فی الواقع رسول پاک ﷺ کو دیکھا گیا ہے اس کی تفصیل اور اس کے احکام کا بیان اس کے سوا ہے۔ ایسے سچے خوابوں کی تضحیک کرنا غیر معمولی اور سنگین فعل ہے۔ احمد صغیر صاحب کو درود وسلام پورا نہ لکھنے والوں کے انجام کا احوال جاننے کے بعد بھی تسلی

نہیں ہوئی تو یہ فقیر ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ درود و سلام پورا نہ پڑھنے اور لکھنے کے لیے کوئی مستند دلیل یا کسی معتبر کتاب سے کوئی خواب ہی پیش کر دیں۔

احمد صغیر صاحب کو چودہ پندرہ صفحات میں کیا مَیں نے کسی اعتراض کا معقول جواب پیش نہیں کِیا؟ لفظ ''مبالغہ'' اور لفظ ''دِرّہ'' کے مستند لغات سے بھی جواب اگر غیر تسلی بخش ہیں تو یہ فقیر بخوشی یہ اعتراف کرتا ہے کہ جناب احمد صغیر صدیقی کے ''علم وفہم'' کے مقابل، مَیں اور میرا پیش کِیا ہُوا عقائد، اصول اور کتابوں کا ہر بیان کوئی معنی نہیں رکھتا۔

شمارہ ۱۶ میں ص ۳۹۷ پر بھارت کے جناب ظہیر غازی پور لکھتے ہیں: ''جناب کوکب نورانی صاحب کے طویل مراسلات دلچسپ اور معلوماتی ہوتے ہیں مگر وہ سکے کا ایک پہلو پیش کرنے کے عادی ہیں اور ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی عیب یا نقص ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ واقعی کمال کی نظر رکھتے ہیں۔''

ظہیر صاحب غازی پوری نے میرے لیے یہ تو فرمایا کہ سکے کا ایک ہی پہلو دیکھنے کا عادی ہوں، لیکن میری تحریر سے اپنی تائید میں کوئی ثبوت پیش نہیں کِیا۔ ظہیر صاحب سے عرض ہے کہ خوبی و خامی تو خود بولتی ہے اور مَیں عیب یا نقص ڈھونڈنے کے لیے تحریریں نہیں پڑھتا، جہاں کہیں کوئی عیب یا نقص ہو، وہ مَیں صرف اس غرض سے واضح کرتا ہوں کہ غلطی کی اصلاح ہو جائے اور اس غلطی سے رجوع کر لیا جائے تا کہ وہ ایمان کے لیے مسئلہ نہ ہو جائے اور ایمانیات کا باب بہت اہم ہے، اس میں سرزد ہونے والی کسی غلطی کو غلطی نہ کہنا بھی غلطی ہے، اس کا مَیں مجرم نہیں ہونا چاہتا۔ اللّٰہ کریم ہماری غلطیوں سے درگزر فرمائے، آمین

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۴۰۶ پر سیال کوٹ کے جناب رشید ارشد کا پورا مکتوب میرے ہی بارے میں ہے، یہاں ان کے مکتوب سے بالترتیب جملے نقل کر رہا ہوں۔ اسی کے ساتھ ان شاء اللّٰہ بالترتیب جواب پیش کروں گا۔ اسے بدگمانی نہ سمجھا جائے تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رشید ارشد صاحب کا مکتوب پڑھ کر یہ گمان گزرا کہ یہ مکتوب انھوں نے لکھا نہیں، ان سے لکھوایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اپنے اس گمان کی معافی چاہتا ہوں۔ رشید صاحب بالترتیب اپنی تحریر اور جواب ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

۱: ''اگر پروفیسر محمد اقبال جاوید نے لکھ دیا کہ ''محمد ﷺ کے اسمِ گرامی قدر (مراد نعت نگاری ہے) کی بدولت اقبال نے غزل کو نئی جہتیں اور نئے جہان بخش کر کعبہ آثار اور عرفات اساس بنا دیا۔''

تو کیا غلطی کی؟ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ صنفِ غزل باوضو ہو کر نعت بنی اور اسے تقدیس ملا۔ غزل کے لفظ سے بدلنے کی کیا ضرورت ہے۔ پرانے بزرگ تو نعت بھی غزل ہی کے عنوان سے لکھا کرتے تھے۔'' (ص ۴۰۶)

اس عبارت میں واوَین میں جو جملہ لکھا گیا ہے، رشید ارشد صاحب بعینہ انھی حروف و الفاظ میں یہ جملہ پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی ''نعت رنگ'' میں مطبوعہ تحریر میں دکھا دیں۔ اصل الفاظ ہرگز یہ نہیں تو یوں رشید صاحب نے تحریف کی غلطی کی اور اصل تحریر میں سے ''غزل ایسی بدنام صنفِ سخن'' کے الفاظ کو وہ جانے کیوں پی گئے؟ جب کہ اعتراض انھی الفاظ پر تھا۔ رشید صاحب نے یہ الفاظ شاید اسی لیے نقل نہیں کیے کہ اس طرح غلطی واضح نظر آ جاتی۔ وہ پھر ملاحظہ فرمائیں، پروفیسر محمد اقبال جاوید کی تحریر میں ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۳ کے ص ۱۶ پر ہے: ''اس نام کی بدولت اس نے غزل ایسی بدنام صنفِ سخن کو نئی جہتیں اور نئے جہان بخش کر کعبہ آثار اور عرفات اساس بنا دیا۔''

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص ۴۱۸۔۴۱۹ پر اس کے بارے میں میرا جملہ یوں درج ہے:
''اس جملے میں ''کعبہ آثار اور عرفات اساس'' کی یہ خوش نما تراکیب ''غزل ایسی بدنام صنفِ سخن'' کے لیے مجھے موزوں نہیں لگیں۔''

رشید صاحب فرمایئے کہ پرانے بزرگ جو نعت شریف ''غزل'' کے عنوان سے لکھتے تھے اسے ''بدنام صنف سخن'' کہنا آپ رَوا جانیں گے؟

آپ نے لکھا کہ ''غزل کے لفظ سے بدلنے کی کیا ضرورت ہے؟'' مَیں آپ کا مفہوم نہیں پا سکا۔ کہیں کمپوزنگ میں غلطی تو نہیں ہوگئی؟ آپ نے ''بدکنے'' نہ لکھا ہو! اب آپ ہی کہیے کہ نعت شریف کو غزل کے عنوان سے لکھا جائے اور پھر اسے ''بدنام صنفِ سخن'' کہا جائے تو مرحلہ صرف ''بدکنے'' کا نہیں اس سے کچھ زیادہ ہی کا ہے۔

رشید ارشد صاحب! آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے غلطی کو غلطی نہ مان کر مزید غلطیوں کا ارتکاب فرمایا ہے۔ اور یہ الفاظ ''تقدیس ملا'' کو کیا کہوں؟ کیا اسے کمپوزنگ کی غلطی ہی شمار کیا جائے؟

۲: ''حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر آٹھ برس تھی۔ حضرت عبدالمطلب (ہر احترام کے باوجود) کب ایمان لائے تھے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا اضافہ لازم ہوگیا۔'' (ص ۴۰۷)

رشید صاحب! آپ نے خود ''رضی اللّٰہ عنہ'' کا کلمہ حضرت عبدالمطلب (رضی اللّٰہ عنہ) کے نام کے ساتھ لکھا ہے، اگر آپ کو ان کے ایمان سے انکار ہے تو آپ نے خود یہ کلمہ کیوں لکھا؟ مزید برآں مجھ پر اعتراض سے پہلے آپ میری تحریر میں اس کا جواب کیوں فراموش کر گئے؟ پھر ملاحظہ ہو: ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۴۱۹ پر ہے: ''علاوہ ازیں پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب نے میرے پیارے نبی پاک ﷺ کے دادا جان کو صرف ''عبدالمطلب اور جناب عبدالمطلب'' (رضی اللّٰہ عنہ) لکھا ہے، مجھے شبہ ہوا کہ وہ ان کے ایمان میں کوئی تردد رکھتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان سے عرض ہے کہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور سے طبع شدہ میری کتاب ''والدین رسالت مآب ﷺ'' حاصل کر کے اس کا مطالعہ فرمالیں۔''

رشید صاحب! اس کتاب کا نام اسی لیے تحریر کیا تھا کہ آپ کو یا ''نعت رنگ'' کے کسی پڑھنے والے کو اس بارے میں آگہی ہوجائے لیکن آپ اپنے پروفیسر صاحب سے دفاع چاہتے ہیں اور یہ فقیر اپنے ملجا و ماوٰی اپنے پیارے رسول کریم ﷺ اور ان کی پاک نسبتوں سے دفاع چاہتا ہے۔

۳: ''اللّٰہ و محمد ﷺ دو غیر منقوط لفظ ہیں۔ غیر منقوط الفاظ ہوا کرتے ہیں شخصیتیں نہیں۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے قمر جلالوی کا جو شعر دیا ہے وہاں واضح ہے کہ نہ اللّٰہ کے نام پر کوئی نقطہ ہے نہ محمد ﷺ کے نام پر۔'' (ص ۴۰۷)

رشید صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص۴۲۰ پر میری تحریر میں درج اعتراض پر آپ نے توجہ ہی نہیں فرمائی۔ میری تحریر پھر ملاحظہ ہو: ''پروفیسر محمد اقبال جاوید نے سیّدنا حسان ابن ثابت رضی اللّٰہ عنہ کے مشہور شعر:

وشق له من اسمه لیجله　　　فذو العرش محمود وهذا محمد ﷺ

کا ترجمہ ص ۱۷ پر لکھا ہے اور اس شعر کو ابو طالب کا بتایا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ''کہیں بعد میں ابوطالب کو یہ احساس ہُوا ہوگا کہ اللّٰہ تعالیٰ محمود ہیں اور آپ محمد (ﷺ)۔ ان کے ایک نعتیہ شعر کا ترجمہ یوں ہے۔'' (ص ۱۷)

اس کے فوراً بعد وہ لکھتے ہیں: ''ایسے ہی جیسے صدیوں بعد استاد قمر جلالوی کو احساس ہوا کہ:

''کیا ہو اللّٰہ و محمد ﷺ میں تمیز حسن و عشق
کوئی اس کے نام پر نقطہ، نہ ان کے نام پر'' (ص ۱۷)

پروفیسر اقبال جاوید نے دونوں اشعار پر شاید توجہ نہیں کی اور ان شعروں کے حوالے سے

''احساس'' کی ان دو افراد میں مماثلت و مطابقت جانے کیسے بیان کردی؟ یہی نہیں بلکہ وہ قمر جلالوی کا شعر نقل کرنے کے فوراً بعد یہ بھی لکھتے ہیں: ''یہ دونوں غیر منقوط ایک دوسرے سے وابستہ بھی ہیں اور پیوستہ بھی۔ کلمہ طیبہ پر غور کرلیں، اللّٰہ تعالیٰ کو واؤ عاطفہ کا فاصلہ اور بُعد بھی پسند نہیں ہے۔'' (ص ۱۷)

''یہ دونوں غیر منقوط ایک دوسرے سے وابستہ بھی ہیں اور پیوستہ بھی'' اس جملے میں نام مراد ہیں یا ہستیاں؟ ہر دو صورت میں وابستگی اور پیوستگی کا کیا مفہوم ہے؟ جاننا چاہتا ہوں۔''

رشید صاحب! آپ نے میری سخن فہمی پر اعتراض کیا ہے جب کہ عبارت فہمی سے خود کو عاری ثابت کیا ہے۔

۴: ''یہ جملہ'' اسم محمد ﷺ ایک ایسی سیرت ہے کہ جس سے ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ بجھ گئے اور جس کا طلوع ہر غروب سے نا آشنا ہے۔'' کس طرح قابلِ اعتراض ہے؟ مولانا کو تو اس خوب صورت جملے کی داد دینا چاہیے تھی کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے تمام قدیم ادیان و صحائف منسوخ ہوکر رہ گئے۔ تمام دیے بجھ گئے اور یہی چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روشن ہوگیا۔ مولانا فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ سے قدیم چراغوں نے ضیا پائی۔ وہ بھول رہے ہیں کہ ایک عظیم صحابی (رضی اللّٰہ عنہ) کے ہاتھ میں تورات کے اوراق دیکھ کر نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا، ''ابعد القرآن؟'' ...اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ دو شعر ملاحظہ ہوں اگر مولانا کا ذوقِ شعر فہمی اور سخن شناسی انھیں پسند فرمائے:

دنیا کی محفلوں کے دیے سارے بجھ گئے
روشن جب ان کی بزم کی قندیل ہوگئی
(ظفر علی خاں)

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تاحشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا
(احمد ندیم قاسمی)'' (ص ۴۰۷)

رشید ارشد صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص ۴۲۳ پر میری تحریر پھر ملاحظہ ہو:

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

''پروفیسر صاحب بتائیں کہ ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ کون سے تھے؟ خلقت کے لحاظ سے میرے نبی پاک ﷺ اول ہیں اور کائنات انھی کا فیضان ہے۔ ان کے ظہور سے قبل تشریف لانے

والے انبیائے کرام علیہم السلام کو ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ اگر کہا بھی گیا ہے تو بجھنے کا لفظ ان کے ساتھ موزوں نہیں، یہ جملہ میرے نزدیک یوں صحیح ہوگا کہ ''اسم محمد ﷺ ایک ایسا آفتاب ہے کہ جس سے ہدایت و بصیرت کے ہر چراغ نے ضیا پائی اور اس کا طلوع ہر غروب سے نا آشنا ہے۔''

رشید ارشد صاحب! آپ خود بتایئے کہ مَیں نے کیا غلط لکھا ہے؟ اب آپ اپنی شدید غلطی ملاحظہ فرمائیں: آپ نے لکھا ہے: ''مولانا فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ سے قدیم چراغوں نے ضیا پائی۔ وہ بھول رہے ہیں کہ ایک عظیم صحابی (رضی اللّٰہ عنہ) کے ہاتھ میں تورات کے اوراق دیکھ کر نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا، ''ابعد القرآن؟'' ...اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔'' (ص ۴۰۷)

رشید صاحب! کیا آپ کو اس بات سے انکار ہے کہ ''رسول کریم ﷺ سے ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغوں نے ضیا پائی۔'' اگر نہیں تو اپنے اعتراض پر خود توجہ فرمایئے۔ اور اگر انکار ہے تو اپنے پروفیسر صاحب ہی سے اپنے اس ''انکار'' کا فیصلہ کروالیجیے۔ اس فقیر بے توقیر نے یہی عرض کی کہ ''ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ اگر ان انبیائے کرام علیہم السلام کو کہا گیا ہے جو میرے نبی پاک ﷺ کے ظہور سے قبل تشریف لائے تو ''بجھنے'' کا لفظ ان کے ساتھ موزوں نہیں۔ دیکھیے اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کتنی احتیاط فرماتے ہیں۔

''کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے''

''بجھنے'' اور ''چھپنے'' میں فرق آپ نے محسوس نہیں کیا۔ آپ کو غزل کی ایمائیت اور شعر کی نشتریت کی داد تو علمائے کرام سے ماننے میں تامل ہے، اب آپ ہی بتایئے کہ وہ لفظ و بیان جس سے ایمانی عقائد اور تعظیم انبیائے علیہم السلام پر ضرب لگتی ہو، اس کی داد چاہنا کیا سنگین ستم نہیں ہوگا؟

حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللّٰہ عنہ کے ہاتھ میں تورات دیکھ کر رسول کریم ﷺ نے جو فرمایا، کاش کہ آپ وہ پورے الفاظ لکھتے اور اس کا صحیح ترجمہ کرتے تا کہ ''نعت رنگ'' کے قارئین ملاحظہ فرماتے کہ آپ مجھے ہدفِ طعن بناتے ہوئے خود یہ بھول گئے کہ مَیں نے رسولِ کریم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ہدایت و بصیرت کے کسی قدیم چراغ کی ضرورت کا ذکر تک نہیں کیا لیکن آپ اور آپ کے پروفیسر صاحب سے انبیائے کرام علیہم السلام کے بیان میں ضرور کوتاہی ہوئی ہے۔ آپ نے ظفر علی خاں اور احمد ندیم قاسمی کے جو شعر درج کیے ہیں وہ بھی آپ کی اس طرز نگارش کے پوری طرح موید نہیں ہیں۔

۵: ''پروفیسر موصوف کے بعض ادبی جملوں میں الجھاؤ ضرور ہے۔ قلم میں روا روی کی کیفیت بھی ہے مگر تضاد نہیں ہے۔ بہر کیف انھیں اپنے قلم کو آہستہ خرامی سکھانی چاہیے کہ تیز روی سے ٹھوکر لگنے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔ خود مولانا کو بھی روانیٔ تحریر میں محتاط رہنا چاہیے کہ وہ ''نعت رنگ'' کے گزشتہ شمارے میں جس انداز سے اکابر دیوبند کی تحقیر کر چکے ہیں کہ وہ کسی نوع سے بھی انسب نہیں ہے۔ اکابرین دیوبند کے لیے ان کا انداز تخاطب ایک عالم کی شان کے مطابق نہیں ہے۔ مولانا پروفیسر اقبال جاوید کے کسی جگہ لکھے گئے۔ اس اقتباس کی روشنی میں اکابر دیوبند کو رگید رہے ہیں اور انھیں ایک عام گنہ گار انسان کی سطح سے بھی نیچے گرا رہے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللّٰہ مہاجر مکی کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ آپ کے خلفائے کرام میں ایسی نادر شخصیات موجود ہیں جن کی محراب عظمت میں تاریخ دعوت وعزیمت جھکتی اور جن کے حضور عفت قلب ونظر دوزانو نظر آتی ہے۔'' (معاذ اللّٰہ) قوسین کے الفاظ مولانا کے ہیں۔

مولانا اپنے گروہی تعصب کے پیش نظر اللّٰہ پاک سے اس فرمان کو بھی پیشِ نظر نہیں رکھتے جس میں حکم ہے کہ ''**لا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ**...الخ'' اور ''**ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان**''...

اللّٰہ پاک نے تو فرعون جیسے معاند سے بھی بات کرنے کا انداز سکھاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ''**قولا لہ قولاً لینا**'' اور جب فرعون کو جہنم رسید کیا جائے گا تو وہاں اندازِ مخاطب یوں ہے ''**ذق انکانت العزیز الکریم**''... مولانا صاحبِ علم ہیں۔ اپنے اندازِ تخاطب کے متعلق وہ خود فیصلہ فرمالیں:

''انصاف کیجیے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم'' (ص ۴۰۷۔۴۰۸)

رشید ارشد صاحب! آپ کے پروفیسر صاحب نے اللّٰہ تعالیٰ کے لیے جو غلط جملے لکھے کیا آپ انھیں بھی صرف ''ادبی الجھاؤ'' ہی کہیں گے؟ ان جملوں کے لیے آپ یا آپ کے پروفیسر صاحب نے کوئی توبہ ومعافی تحریر کی؟

آپ کے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''طور پر تجلیوں کی بارش اسی وقت تک کے لیے تھی، جب تک قدرت کے فن کو اوجِ کمال نہ ملا تھا، یہ فن ذاتِ محمدی ﷺ کی صورت میں ظاہر ہوگیا اور تخلیق کو معراجِ کمال نصیب ہوگئی، تو اب فن کار کی بے حجابی کی ضرورت باقی نہ رہی، تخلیق بے حجاب ہوگئی اور خالق چھپ گیا کیوں کہ اب تخلیق، خالق کی معرفت کے لیے کافی تھی۔'' (ص ۲۰، شمارہ ۱۳)۔ اس

سے پہلے انھوں نے اللّٰہ تعالیٰ کے خواب کی تعبیر کے لفظ لکھے تھے۔ انھیں آگاہ کیا گیا تو انھوں نے آگاہ کرنے کا ذکر کیے بغیر اعتذار لکھا لیکن اس میں بھی اپنی غلطی کی تاویل کی۔

رشید صاحب! آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ آپ کو اپنے پروفیسر صاحب سے دفاع عزیز ہے۔ آپ نے اکابر دیوبند کی تحریروں کے وہ اقتباس پڑھ کر بھی ان کی تائید کی ہے اور ان کی تعظیم چاہی ہے اور مجھے گروہی تعصب کا اور اللّٰہ پاک کے فرمان کو پیش نظر نہ رکھنے کا مجرم قرار دیا ہے۔

رشید صاحب! آپ اور آپ کے پروفیسر صاحب اکابر دیوبند کا تحفظ چاہتے ہیں اور یہ فقیر اپنے پیارے نبی پاک ﷺ کی ناموس اور عصمت وعظمت سے دفاع چاہتا ہے۔ کیا انسب ہے، کیا نہیں؟ کیا حق ہے، کیا نہیں؟ کون فرامینِ قرآن پر عامل ہے، کون نہیں؟ آپ کو شک اور تردد ہے تو آیئے اس کا فیصلہ رب العلمین جل مجدہ الکریم سے کروائیں۔ یہ فقیر بے توقیر اپنے لیے دعا کرتا ہے کہ اللّٰہ کریم جلّ شانہ میرا حشر حضرت سیّدنا غوث اعظم رضی اللّٰہ عنہ کے ان غلاموں کے ساتھ فرمائے جو اکابر دیوبند کی کفریہ، گستاخانہ ومعترضہ عبارات اور ان کے ہر قائل و قابل سے یقینی بے زاری ظاہر کرتے ہیں۔ آپ اور آپ کے پروفیسر صاحب کو ان اکابر دیوبند کی محرابِ عظمت میں تاریخِ دعوت وعزیمت جھکتی اور ان کے حضور عفتِ قلب ونظر دو زانو نظر آتی ہے تو اپنے اس یقین کا برملا اظہار کیجیے اور آپ اور آپ کے پروفیسر صاحب اپنا حشر اکابر دیوبند کے ساتھ ہونے کی دعا کیجیے۔

رشید ارشد صاحب! برا نہ مانیں تو آپ سے عرض ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر کرنے اور سمجھنے کی خود میں اہلیت لانے کی کوشش کیجیے گا۔

۶: ''گزشتہ شمارے میں مولانا نے افراد واعمال سے استعانت اور استمداد کے جواز میں کئی حوالے دیے ہیں اور ہدفِ تنقید پروفیسر موصوف کا کوئی جملہ ہے جس میں انھوں نے کسی نعمت کو ''سبز گنبد کی عطا'' لکھ دیا ہے۔ مولانا کو اعتراض ہے کہ ''مکین سبز گنبد کہنے میں زبان و بیان کا کون سا قانون مانع ہے'' بات پھر سخن فہمی کی ہے ''سبز گنبد کی عطا'' مجاز مرسل ہے جس سے مراد ہی ذاتِ اقدس ﷺ ہے جو مکین سبز گنبد ہے۔ لہٰذا ''سبز گنبد کی عطا'' لکھنے سے استعانت و استمداد کی نفی کیسے ہوئی؟ (ص ۴۰۸۔۴۰۹)

رشید صاحب! بات دراصل ''عبارت فہمی'' کی ہے۔ لفظ ''یا'' کے استعمال کو صرف

تخاطب کہنے کی بات کا جواب تحریر کرتے ہوئے اس فقیر نے استمداد اور استعانت کے جواز میں بھی دلائل اور حوالے نقل کیے تھے اور اس سے پہلے یہ جملہ لکھا تھا کہ: ''جو اسے شرک یا ناجائز بتاتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔'' رہی دوسری بات تو جب آپ کے نزدیک بھی ''سبز گنبد کی عطا'' کہنے سے مراد وہی ذات اقدس ﷺ ہے جو مکینِ سبز گنبد ہے تو آپ ہی بتائیں کہ ''مکین سبز گنبد کی عطا'' کہنا ہی ''انسب'' ہے یا نہیں؟ رشید صاحب، اسی مقام پر آپ کے پروفیسر صاحب نے ''نیلے آسمان کی عطا'' کا بھی ذکر کیا تھا، آپ نے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

۷: ''سید محمد ابوالخیر کشفی کے جن اشعار پر مولانا کو شدید اعتراض ہے وہ اسم محمد ﷺ سے متعلق ہیں:

حضرت سیّد اکبر کی وفا کا نغمہ — آج دنیا کو سنالوں تو ترا نام لکھوں
صاحبِ عدل کہ فاروق بنایا حق نے — ان کو الفاظ میں ڈھالوں تو تیرا نام لکھوں
جامع حرف الٰہی پہ درود اور سلام — اپنے آنسو کو سنبھالوں تو تیرا نام لکھوں
خواجہ وسعت افلاک و زمیں تجھ پہ سلام — تیری لو دل میں بڑھالوں تو تیرا نام لکھوں

ان خوب صورت اشعار میں اگر کشفی صاحب نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی لینے سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قلبی محبت کے آرزومند ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟'' (ص۴۰۹)

رشید صاحب! آپ کے الفاظ ہیں کہ: ''مولانا کو شدید اعتراض ہے''۔ کیا آپ ان اشعار کے بارے میں میرا کوئی ایسا جملہ دکھائیں گے جس میں ''شدید اعتراض'' کے الفاظ ہوں؟ میرے الفاظ پھر ملاحظہ ہوں: ''کیا یہ واقعی کشفی صاحب ہی کے کہے ہوئے اشعار ہیں؟ ان اشعار کو پڑھ کر نہ صرف کشفی صاحب کے بارے میں سوچتا رہ گیا بلکہ پروفیسر اقبال جاوید کے انتخاب کی ''داد'' دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ واقعی کشفی صاحب کے ''عقیدت مند'' ہیں۔'' (ص۴۲۶/ ۱۵)

کشفی صاحب کے ان اشعار پر مجھے کیوں حیرت ہے؟ یہ بات رشید ارشد صاحب کی فہم سے بالا ہی رہے گی، ان کے ذمّے یہی ہے کہ وہ اپنے ان الفاظ کا ثبوت فراہم کریں جو وہ میرے لیے لکھ گئے ہیں۔

رشید صاحب! اسی تحریر میں ''طغیانِ ناز'' اور جانے کیا کیا الفاظ آپ کے پروفیسر صاحب نے اللہ تعالیٰ کے لیے لکھے تھے، ان کا کیا جواب دیا ہے آپ نے؟

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

۸: ''مولانا کو ''زبان صدقِ اظہار'' کی ترتیب بھی کھٹک رہی ہے۔ حالاں کہ پروفیسر موصوف نے اس ترکیب کی صورت میں اردو ادب کو بیان کا ایک خوب صورت انداز دیا ہے۔ پروف ریڈنگ کی کسی غلطی کو صاحب مضمون کے نام لگانا علمی دیانت وصیانت کے خلاف ہے۔'' (ص ۴۰۹)

رشید صاحب! ''نعت رنگ'' میں ''زبان صدق اطہار'' ہی شائع ہوا۔ آپ ''اطہار'' کو ''اظہار'' بتارہے ہیں۔ آپ کو کمپوزنگ کی غلطی واضح کرنی چاہیے نہ کہ قارئین و ناقدین پر علمی دیانت وصیانت کی خلاف ورزی کا الزام لگانے میں دلیری دکھانی چاہیے۔ میری تحریر میں صرف اتنا جملہ تھا: ''زبان صدق اطہار'' کی ترکیب کیا ہے؟ (ص ۴۲۶/ ۱۵)۔ آپ میں اتنا حوصلہ تو ہے نہیں کہ غلطی کو غلطی مان لیں مگر دوسروں کے استفسار کو بھی آپ جرم کہتے ہوئے نہیں جھجکتے۔ آپ کے پروفیسر صاحب کو ایسی عبارت آرائی ہی کے شوق نے اللہ تعالیٰ کے لیے بھی غلط لفظ و بیان کا مرتکب بنایا ہے کہ انھیں زبان و بیان کو نیا انداز دینے کے جنون میں ایمان کی پرواہ بھی نہیں رہتی۔ آپ اپنے پروفیسر صاحب کے لیے ان کی غلطیوں کے باوجود کتنے حساس ہیں، اسی سے اپنا اندازہ کر لیجیے اور دوسرے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیارے رسول ﷺ اور حقائق کے باب اور بیان میں حساس ہونے پر موردِ طعن نہ بنائیے۔

۹: ''محمد ﷺ ہی ایک ایسا لفظ ہے جس کے فیض نے اللہ، ملائکہ اور بندوں کو ہم زبان کر رکھا ہے کہ تینوں اس مبارک نام پر درود وسلام بھیجنے میں پیہم مصروف ہیں۔ ورنہ تینوں کے اپنے اپنے مقام اور اپنے اپنے مدارج ہیں۔ گویا یہی وہ حسن مجسم ہے جس کے انوار پر:

ہے شمع بھی پروانہ، پروانے کو کیا کہیے

اس پر مولانا کو اعتراض ہے کہ فیض کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے لکھا گیا ہے اور شمع کا لفظ کس کے لیے ثابت ہورہا ہے؟ بات تو واضح ہے کہ یہ اسم محمد ﷺ کا فیض ہے کہ اس نے بندوں اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کا ہم زبان بنادیا ہے۔ بمصداق ان اللہ وملائکتہ... الخ رہ گئی بات شمع کی تو علامہ اقبال کا یہ شعر بات کو واضح تر کررہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

تو بر نخلے کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی

تو بر شمع یتیمے صورت پروانہ می آئی'' (ص ۴۰۹)

رشید صاحب! کیا بندوں اور ملائکہ کو اللہ کریم جل شانہ کا ''ہم زبان'' کہنا آپ رَوا جانتے ہیں؟ آپ نے علامہ اقبال مرحوم کا جو شعر نقل کیا ہے کیا اس میں علامہ مرحوم نے اللہ تعالیٰ کو

''شمع'' کہا ہے؟ مجھے جواب دینے سے پہلے میرے اعتراض کو تو سمجھ لیا ہوتا۔ میری تحریر پھر ملاحظہ فرمائیں: ''پروفیسر اقبال جاوید صاحب ادبی رواروی اور عبارت آرائی کے شوق میں خیال نہیں کرتے کہ کیا لکھ رہے ہیں، وہ کچھ توجہ کریں کہ نبی پاک ﷺ کے نام کا فیض وہ اللّٰہ تعالیٰ کے لیے بھی بتا رہے ہیں اور ملائکہ اور بندوں کے ساتھ اللّٰہ تعالیٰ کو ''ہم زبان'' لکھ رہے ہیں اور اللّٰہ تعالیٰ کے لیے ''مصروف'' کا لفظ بھی لکھ رہے ہیں اور جو مصرع لکھ رہے ہیں اس میں ''شمع'' کا لفظ کس کے لیے ثابت ہو رہا ہے؟ اس پر بھی انھوں نے توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد وہ فن کار اور فن کی قیمت، فن کار کا فن، کمال پر پہنچنا، داد چاہنا، ذوق سیرابی، تسکین وغیرہ کی جو لفاظی کر گئے ہیں، وہ خود ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کسے فن کار قرار دے کر یہ سب لکھ گئے ہیں؟ وہ ایسے ''گلاب'' کیوں چنتے ہیں جنھیں وہ خود مٹی کر دیتے ہیں؟ ایسی عبارت آرائی تو خوف ناک اور لغو کھیل شمار ہوگی۔'' (ص ۴۲۷۔ ۴۲۸ / ۱۵)۔ رشید صاحب! بتائیے آپ کے پروفیسر صاحب نے اللّٰہ تعالیٰ جلّ شانہ کے لیے یہ سب کچھ جو لکھا ہے، کیا آپ اسے درست جانتے ہیں؟

۱۰: ''روئے رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں لکھا گیا یہ جملہ بھی انھیں کھلتا ہے، ''جس کی کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی سی تشبیہ بھی کام نہیں دیتی کہ مشبہ بہ کا مشبہ سے برتر ہونا ضروری ہے مگر یہاں ہر مشبہ بہ بھی لایا جائے گا وہ آپ ﷺ کے حسن و جمال کے مقابلے میں فروتر ہوگا۔ کیوں کہ آپ ﷺ کا حسن و جمال ہی ہر چیز کے حسن و جمال اور وقار کا سبب ہے۔ سارے حسن آپ کے حسن سے مستعار ہیں اس لیے اگر کوئی شاعر آپ ﷺ کی صفات کو بذریعہ تشبیہ بیان کرنے کے لیے جو مشبہ بہ بھی لائے گا وہ یقیناً آپ ﷺ کی صفات کے مقابلے میں فروتر ہوگا:

سخن شناس دلبرا خطا اینجا است'' (ص ۴۱۰)

رشید صاحب! آپ نے یہ تو لکھ دیا کہ ''یہ جملہ بھی انھیں کھلتا ہے'' لیکن آپ نے جملہ کے شروع میں واوین لگائے اور پھر شاید لگانا بھول گئے۔ آپ کیا میرا اعتراض پا سکے اور کیا آپ نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص ۴۲۴۔ ۴۲۵ پر میری تحریر واقعی پڑھی ہے؟ پھر ملاحظہ فرمائیں: ''المیہ یہ ہے کہ ہم آئینہ رو بہ رو رکھ کر، سنّتِ رسول ﷺ کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کے بعد، اُس روئے رسول اکرم ﷺ کی مدحت کرتے ہیں جو فی الواقع رخ جمالی الٰہی کا آئینہ تھا۔ اور جس کی کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی سی تشبیہ بھی کام نہیں دیتی کہ مشبہ بہ کا مشبہ سے برتر ہونا ضرور ہے۔ مگر یہاں ہر مشبہ بہ فروتر ہے بلکہ خود وقارِ جمال کا آرزومند ہے۔'' (ص ۲۶)

(مشبّہ: مشابہ کیا ہُوا۔ مشبہ بہٖ: جس سے مشابہ کیا جائے)

مشبہ بہ کا برتر ہونا پروفیسر صاحب نے ضروری بتایا اور پھر لکھا کہ ''مگر یہاں ہر مشبہ بہ فروتر ہے بلکہ خود وقارِ جمال کا آرزومند ہے۔'' بہتر ہے وہ خود واضح کردیں کہ کیا لکھا ہے؟ اور کس کو مشبّہ اور کسے مشبہ بہ قرار دیا ہے؟ ''جس کی کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی سی تشبیہ بھی کام نہیں دیتی'' یہ رخ جمال الٰہی کے لیے ہے یا آئینہ کے لیے؟ وہ ''رُخ جمال الٰہی'' لکھ رہے ہیں، جمال رخ الٰہی نہیں لکھ رہے ہیں، رُخ کا لفظ اللّٰہ تعالیٰ کے لیے درست نہیں، اگر وہ رخ جمال الٰہی لکھ کر اس کی کیفیت کے اظہار میں کسی تشبیہ کا کام نہ دینا بیان کررہے ہیں تو ''اس کی کیفیت'' کے لفظ بھی معترضہ ہوں گے۔ ''مشبہ بہ'' پھر کون ہوگا؟ اور یہاں ہر مشبہ بہ کے فروتر ہونے کا معنی کیا ہوگا؟ پروفیسر صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟ مَیں ان کا مفہوم نہیں پاسکا۔ ان جملوں کی نحوی ترکیب کچھ اور ہی معنی دیتی ہے، کیا درست ہے؟ وہ خود ہی بتائیں۔''

رشید صاحب! آپ نے فارسی کا مصرع بھی نامکمل لکھا ہے اور آپ اپنی وضاحت کے بارے میں ''نعت رنگ'' ہی میں میرے سوا دوسروں کی مطبوعہ تحریریں ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ شمارہ ۱۵ کے ص۴۴۳ پر میری ہی تحریر میں ڈاکٹر سیّد وحید اشرف اور ص۴۴۵ پر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد کے اس حوالے سے جملے درج ہیں۔ قارئین کے لیے وہ جملے یہاں پھر نقل کرتا ہوں: ''پروفیسر اقبال جاوید صاحب سے عرض ہے کہ وہ ڈاکٹر سیّد وحید اشرف صاحب کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں: ''مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل قرار دینے میں مشبہ بہ کا رتبہ مشبہ سے افضل ہوگا۔'' (ص۱۳)''

''پروفیسر اقبال جاوید صاحب یہ بھی ملاحظہ فرمائیں، ڈاکٹر آزاد لکھتے ہیں: ''نبی مصطفیٰ ﷺ کا مرتبہ اتنا عظیم اور اس قدر رفیع وجلیل ہے کہ اس کائنات کی کوئی شے اس قابل نہیں ہے کہ وہ آپ ﷺ کے لیے مشبہ بہ یا مستعار منہ بن سکے۔'' (ص۴۵)

رشید ارشد صاحب اپنے مکتوب کے آخر میں لکھتے ہیں: ''آخر میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کے مکتوب کے متعلق بہت سی باتیں ابھی کہنے کی باقی ہیں مگر طوالت کے خوف سے انھیں ترک کرتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو پروفیسر موصوف تک محدود رکھا ہے۔ کیوں کہ ''نعت رنگ'' بنیادی طور پر ''نعت رنگ'' ہے مناظرہ اور مجادلہ کا مقام نہیں۔ اس لیے مدیر ''نعت رنگ'' کے لیے ضروری ہے وہ وہی مضمون شائع کریں جو فکر ونظر کے اعتبار سے معتدل اور شرعی اصولوں پر پورے اُترتے ہوں۔ بطور مدیر ان کا فرضِ اولین یہ ہے کہ وہ کسی مضمون میں سے

قابلِ اعتراض حصے حزف کر دیں۔ اگر ہو سکے تو رسالے کا مسودہ حضرت مولانا کو دکھا لیا کریں اور پھر شائع کریں تاکہ مولانا موصوف کا قیمتی وقت بچ جائے اور مقالہ نما خطوط کی تحریر کی زحمت سے بچ جائیں اور رسالے کا غالب حصہ فرقہ پرستی، مناظراتی کش مکش اور کفر و اسلام کی بحث سے محفوظ رہ سکے۔ قارئین بھی بے مزہ نہ ہوں اور مضمون نگار حضرات کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ مدیر کو اپنے فرائض پہچانتے ہوئے پروف ریڈنگ ٹھیک انداز سے کرانی چاہیے تاکہ اس کی غلطیاں بھی مضمون نگاروں کے کھاتے میں نہ ڈالی جاسکیں۔

''نعت رنگ'' کے قارئین میں ہر مکتبِ فکر کے لوگ موجود ہیں۔ لہٰذا اسے مناظرہ، مجادلہ اور فرقہ پرستی کی نذر ہونے سے بچانا بھی مدیر کا فرضِ اولین ہے اور اگر وہ یہ نہیں کر سکتے تو پھر ادارت اور مشاورت کے سارے کام حضرت مولانا کے سپرد فرما کر آپ الگ ہو جائیں تاکہ حق، حق دار تک پہنچ جائے۔'' (ص ۴۱۰)

رشید ارشد صاحب! ''نعت رنگ'' میں آپ یا آپ کے پروفیسر صاحب، اللہ کریم جلّ شانہ کی ذات کے منافی بھی جو چاہیں لکھیں وہ تو روا ہو مگر کوئی اس تحریر کے قابل اعتراض لفظوں جملوں اور حصوں کی نشان دہی کرتے ہوئے حقائق واضح کرے تو آپ ''مدیر'' پر اپنی رائے مسلط کرنے میں دلیری دکھائیں، چہ خوب! آپ نے ''شرعی اصولوں پر پورے اترنے'' والی تحریروں کی اشاعت کا حکم دینا چاہا ہے، آپ از خود ''شرعی اصول کی تعریف بھی شاید ہی جانتے ہوں، اگر آپ واقعی شرعی اصولوں سے واقف ہیں تو میری تحریروں میں شرعی اصولوں کے خلاف کو قطعی دلائل سے ثابت کرنے کی زحمت فرمائیں۔

مدیر کا موقف اور حق تو وہی بیان کریں تو بہتر ہے لیکن آپ ''رسالے کے غالب حصے میں فرقہ پرستی، مناظراتی کش مکش اور کفر و اسلام کی بحث'' ضرور دکھائیں تاکہ اندازہ ہو کہ آپ کو سچ اور سچائی سے کتنی رغبت ہے اور آپ کتنے غیر جانب دار ہیں؟ آپ نے اپنے پروفیسر صاحب سے دفاع کرتے ہوئے جو غلطیاں کی ہیں وہ بھی پیش نظر رکھئے گا کیوں کہ آپ کی اپنی ہی تحریر ''فکر و نظر کے اعتبار سے معتدل'' نہیں ہے۔ ''نعت رنگ'' میں میری تحریروں سے اگر تمام قارئین واقعی ''بے مزہ'' ہوتے تو سبھی اس کا اظہار کرتے، رہی بات ''مضمون نگار کی دل شکنی کی'' تو جو کوئی بھی حقیقت کو نظر انداز کر کے جانب دارانہ تحریر لکھتا ہے اسے ردِ عمل کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔ آپ نے خوب ظاہر کر دیا کہ ''ایمان اور ایمانیات'' سے زیادہ آپ کے نزدیک کیا اور کون اہم ہے۔

رشید ارشد صاحب! آپ شاید نہ مانیں، مگر مجھے خوب اندازہ ہے کہ جھوٹ اور منافقت کا معاشرے میں کتنا چلن ہے اور یہ بھی کہ "انا" کے اسیر کتنے ہیں۔ اپنے بارے میں ذرا سی بھی تنقید نہ سہنے والے لوگ کتنے "بونے" ہیں۔

رشید ارشد صاحب! حقائق کے بیان کو مناظرہ، مجادلہ اور فرقہ پرستی آپ قرار دے دیں تو صرف آپ کے کہنے سے وہ ایسا ہی نہیں تسلیم کرلیا جائے گا۔ آپ نے خود کو از خود عادل و منصف ٹھہرالیا ہے تو غیر جانب دار ہوکر عدل و انصاف کے تقاضے پورے کریں، اپنا خود ساختہ یک طرفہ اور جانب دارانہ فیصلہ دوسروں پر مسلط کرنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

"نعت رنگ" شمارہ ۱۶ کے ص ۴۱۱ پر جناب سیّد ریاض حسین زیدی کا مکتوب ہے۔ میرے بارے میں انھوں نے "نعت رنگ" شمارہ ۱۵ میں جو کچھ لکھا تھا، اس فقیر نے شمارہ ۱۶ میں اس کا جواب لکھا لیکن زیدی صاحب نے اپنے تازہ مکتوب میں اس کا کوئی جواب پیش نہیں کیا بلکہ جو لکھا وہ ملاحظہ ہو: "...لیکن جناب مولانا کوکب نورانی توضیحات میں جیسے کسی مجلس مناظرہ سے خطاب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ لٹھ باز خطبا کی طرح اپنے حریفوں کو چھاڑنے، پیس ڈالنے اور انھیں رگید ڈالنے کا عزم بالجزم ہر لحہ مدِ نظر رکھتے ہیں۔ وہ صفحہ ۴۰۲ سے نہایت برہم انداز میں حریفوں کو للکارتے اور روایتی دلیلوں کے اسلحہ کو چمکاتے اور "دشمنوں" کی آنکھوں کو خیرہ کرتے گزرتے جاتے ہیں۔ جو بھی اُن کے مسلک سے ذرا سا اِدھر اُدھر ہوتا نظر آتا ہے، وہ اُسے اُڑنگے پر لا کر ایسی پٹخنی دیتے ہیں کہ اُس کا منھ ماتھا خاک میں رگڑتا اور حلیہ بگڑتا، چہرہ بدوضع ہوتا اور لہجہ مغموم و ملول ہوتا دیکھ کر اُن کا کلیجہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ وہ کتابوں کے پشتارے دائیں بائیں سجاتے ہیں اور روایتی مناظروں کی طرح نشان زدہ صفحات نکال نکال کر مخالفین کا ناطقہ بند کرتے جاتے ہیں۔ صفحہ ۴۰۲ سے صفحہ ۴۰۷ تک ایک ہی سُر اور ایک ہی راگنی الاپتے گئے ہیں لیکن یقین کیجیے، صفحہ ۴۰۷ پر پہنچ کر مجھے حیرت ہوئی کہ مکتوب نگار نے تعصّبات کی بھٹی کو خوب دہکانے کا حق ادا کردیا ہے۔ میرے پلّے چند نفرتوں کے نوکیلے پتھر آئے ہیں جو ملتِ اسلامیہ کے جسد کو جگہ جگہ زخمی کرتے اور زخموں کو کریدتے بلکہ ادھیڑتے دکھائی دیے ہیں۔ کاش حضرتِ والا نعت جیسے صدق دلانہ، مومنانہ اور روحانی و وجدانی کیفیات کو دو چند کرنے والے موضوع پر محبت آمیز قلم اٹھایا کریں اور بے جواز و دلائل کے انبار در انبار لگا کر اپنے آپ کو کنویں کا مینڈک نہ بنایا کریں۔" (ص ۴۱۱۔۴۱۲)

ریاض حسین زیدی صاحب نے جس لہجے اور جن لفظوں میں میرے بارے میں اظہارِ

رائے فرمایا ہے، مجھے شبہ ہے وہ آئینہ نہیں دیکھ رہے تھے۔ ان سے عرض ہے کہ یہ فقیر کوشش کرتا ہے کہ جو لکھے اسے دلائل و براہین اور حقائق سے مزین کرے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اللّٰہ تعالیٰ سے طالبِ عفو و مغفرت ہوں۔

زیدی صاحب! آپ میری تحریر کی فی الواقع کسی غلطی کو پیش کرتے اور دلائل و براہین سے واضح کرتے، پھر میرے بارے میں ''ایسی رائے'' لکھتے مگر میری تحریر میں کسی غلطی کو ثابت کیے بغیر آپ کی یہ رائے یوں آپ کا بغض و عناد ہی نمایاں کرتی ہے۔ آپ نے خیال نہیں کیا کہ آپ نے میرے خلاف لکھتے لکھتے بھی میری تعریف کردی ہے۔ زیدی صاحب، شمارہ ۱۵ کے ص ۴۷۰ پر تو میری تحریر کا اختتام ہوا ہے، آپ کو واضح کرنا چاہیے تھا کہ مَیں نے اس صفحے پر درج کس جملے میں ''تعصّبات کی بھٹی کو خوب دہکانے کا حق ادا کردیا ہے؟'' یہاں ضروری سمجھتا ہوں کہ ص ۴۷۰ شمارہ ۱۵ پر درج اپنی تحریر کو پھر نقل کردوں تاکہ قارئینِ ''نعت رنگ'' بھی آپ کے اس بیان کی حقیقت ملاحظہ فرمالیں:

مَیں نے اپنی تحریر کے آخر میں لکھا تھا: ''جناب احمد صغیر صدیقی کہتے ہیں کہ بشر تو مٹی سے بنا ہے۔ وہ شاید یہ جاننا چاہتے ہیں کہ خاک اور نور کیسے جمع ہوسکتے ہیں؟ ان کی توجہ کے لیے عرض کروں کہ ''جگنو'' چھوٹا سا کیڑا ہے اور مٹی ہی سے بنا ہے، اس میں بھی نور ہے۔ اور یہ بھی ملاحظہ ہو: حضرت جبریلِ امین علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں، ان کے ''نوری'' ہونے میں تو کچھ شبہ نہیں، وہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس تشریف لائے تو قرآن کے الفاظ ہیں: ''فتمثل لھا بشرا سویا (مریم: ۱۷)، (وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہُوا)، حضرت جبریلِ امین کیا اس وقت نور نہیں تھے؟ شکل بشری میں آنا ''نور'' ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ اس موضوع پر احمد صغیر صاحب صدیقی میرے والدِ گرامی حضرت مجدد مسلکِ اہلِ سنّت خطیبِ اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی کتاب ''الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین ﷺ' اور دیگر علمائے اہلِ سنّت کی کتابوں کا مطالعہ فرمالیں۔''

زیدی صاحب نے مجھ پر الزام لگاتے ہوئے میری تحریروں پر توجہ نہیں فرمائی، ان سے عرض ہے کہ وہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص ۴۲۸ پر میرے جملے پھر ملاحظہ فرمالیں: ''جناب سیّد ابوالخیر کشفی سے پی ٹی وی کے ایک پروگرام ''تفہیم دین'' میں ٹی وی اسٹوڈیو میں برسوں پہلے ملاقات ہوئی تھی لیکن کوئی باہمی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ جناب احمد صغیر صدیقی، جناب رشید وارثی،

جناب اقبال جاوید سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی، ان لوگوں کی مسلکی وابستگی کی بھی مجھے تحقیق نہیں، مجھے ان سے کوئی ذاتی اختلاف بھی نہیں، ''نعت رنگ'' میں مطبوعہ ان کی تحریروں میں پائے جانے والے معترضہ جملوں کا تعاقب بھی صرف احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے کرتا ہوں اور اس حسنِ نیت اور صدقِ اخلاص کے ساتھ کہ یہ حضرات بھی حقائق سے آگاہ ہوجائیں اور نعت نگاروں اور ناقدوں کو ان موضوعات پر تحقیق جمع مل جائے اور غلطیوں کا اعادہ نہ ہو۔ کچھ احباب نے مجھے کہا کہ مَیں اتنی باریک بینی سے ان لوگوں کی تحریروں پر وقت کیوں ضائع کررہا ہوں، جو دِینی وعربی علوم و معارف کے حوالے سے کوئی اعتبار نہیں رکھتے۔ جواباً یہی عرض کی کہ مَیں وقت ضائع نہیں کررہا بلکہ ممدوحِ کائنات نبی کریم ﷺ کے بیان میں ہر کلمہ گو پر یہی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں بہت زیادہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے۔ کسی مضمون نگار کی ایسی کسی بات سے چشم پوشی تو خود میرے لیے مسئلہ ہوجائے گی۔ ''کس نے لکھا ہے؟'' یہ میرے پیشِ نظر نہیں ہے بلکہ پیشِ نظر ہے کہ کس کے بارے میں لکھا ہے؟ اور کیا اور کیسے لکھا ہے؟ میری یہ تنقید و تحقیق ان مضمون نگاروں کو شاید گراں گزرے لیکن وہ میری یہ وضاحت فراموش نہ کریں کہ میرا مقصود صرف ناموسِ رسالت مآب ﷺ کی پاس بانی اور پاس داری ہے کسی کی دل آزاری نہیں، اور نبی پاک ﷺ کے بیان میں ہم آزاد نہیں بلکہ پابند ہیں۔''

علاوہ ازیں زیدی صاحب یہ بتائیں کہ ڈاکٹر سیّد وحید اشرف، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، پروفیسر محمد اکرم رضا، عزیز احسن، عاصی کرنالی، ڈاکٹر اسحٰق قریشی صاحبان وغیرہ جو میرے ہم مسلک بتائے جاتے ہیں، کیا ان کی تحریروں میں درج قابل گرفت اور معترضہ باتوں کی اس فقیر نے نشان دہی نہیں کی؟ زیدی صاحب! آپ نے پروفیسر اقبال جاوید صاحب کی تحریروں میں اللّٰہ تعالیٰ کے لیے غلط الفاظ لکھنے کے باوجود انھیں صائب جانا، یہ آپ ہی سے ممکن ہے۔

زیدی صاحب! آپ کنویں کے مینڈک سے ''دلائل کے انبار در انبار لگانے'' کی بات کر کے اپنی ہی تضحیک کر رہے ہیں۔ اس فقیر نے اگر بے جواز دلائل کے انبار در انبار لگائے ہیں تو ان دلائل کا بے جواز ہونا آپ صحیح دلائل سے ثابت کریں تا کہ واضح ہو کہ آپ قرآن و حدیث کے صحیح دلائل کو بے جواز کہہ کر کس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ زیدی صاحب! ''جواز'' کا فیصلہ آپ کی یا میری رائے سے نہیں ''صحیح دلائل'' سے ہوتا ہے۔ آپ نے جن صحیح دلائل کو بے جواز کہنے کی جسارت کی ہے آپ پر لازم ہے کہ ان کا بے جواز ہونا آپ ثابت کریں، ورنہ یہ تسلیم کریں کہ آپ کا اعتراض بے جواز اور آپ کا انداز نہایت نامناسب ہے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۴۱۸ سے ۴۲۱ تک کراچی کے مجید فکری صاحب کا مکتوب ہے، وہ لکھتے ہیں: ''اب آیئے ذرا ''نعت رنگ'' میں شامل خطوط کی طرف، ''نعت رنگ'' میں شامل خطوط کا حصہ کافی طویل ہوتا جا رہا ہے بلکہ بعض خطوط تو اتنی طوالت اختیار کیے ہوئے ہیں کہ اچھے خاصے مضامین معلوم ہوتے ہیں۔ حالاں کہ یہ شعبہ ''نعت رنگ'' میں شامل مواد سے متعلق مختصر اظہارِ خیال، ہلکے پھلکے تبصروں کے لیے مختص ہونا چاہیے بلکہ پہلے کبھی تھا مگر یاروں نے اسے بھی محض تنقید کا میدان کارزار بنادیا ہے بلکہ بعض خطوط تو ۵۰۔۶۰ صفحات سے بھی تجاوز کر گئے ہیں اور ان خطوط میں ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنے یا پھر علمیت اور قابلیت کا رُعب جھاڑنے کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ (ص ۴۲۱)

مجید فکری صاحب نے میرا نام نہیں لکھا اور صرف مجھے ہی ہدف نہیں بنایا لیکن یہ تو واضح ہے کہ پچاس ساٹھ صفحات کے خطوط مَیں نے ہی لکھے ہیں۔ مجید فکری صاحب نے ''نعت رنگ'' کے ابتدائی شمارے شاید نہیں دیکھے، ان سے عرض ہے کہ نعت شریف پر تنقید ہی کے جمود کو ختم کرنے کے لیے ''نعت رنگ'' کا اجرا اس کے مدیر نے کیا تھا، چناں چہ شمارہ ۱۵ کے اداریے میں جناب سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں: '''' نعت رنگ'' کے اجرا کے وقت ہم نے جن خواہشات کا اظہار کیا تھا وہ کافی حد تک پوری ہو رہی ہیں، تنقیدی جمود خاصی حد تک ٹوٹ چکا ہے اور نعتیہ ادب پر بے لاگ تبصروں اور تنقدی مباحث کی ایک ایسی فضا بن چکی ہے جس نے اہلِ علم کو نعت کے ادبی پہلوؤں کی جانب نہ صرف متوجہ کر دیا ہے بلکہ وہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے اور لکھنے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔'' (ص ۹)

مجید فکری صاحب! مباحث میں تلخ و ترش باتیں بھی ہوتی ہیں لیکن آپ نے تو اتنی بڑی اور بری بات کہہ دی کہ ان خطوط کو'' کیچڑ اچھالنے'' کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ کسی کی علمیت اور قابلیت تو اس کی تحریر و بیان سے خود کسی قدر ظاہر ہو ہی جاتی ہے، اس کو ''رعب جھاڑنا'' کہنا درست نہیں۔ فکری صاحب کو جواب تو یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ '' کیچڑ ہو تو ہی اچھالا جاتا ہے''۔

''نعت رنگ'' میں کوئی دیو بندی وہابی اپنے مسلک کے مطابق تحریر پیش کرے تو اسے مسلکی اجارہ داری، فرقہ پرستی یا فرقہ واریت یا اکابر پرستی نہیں کہا جاتا البتہ اس تحریر کے ان مندرجات کا جو حقائق کے خلاف ہوں، جواب پیش کیا جائے تو کچھ افراد بلبلا اٹھتے ہیں۔ وہ ''نعت رنگ'' کو کسی مسلک کا ترجمان نہیں کہتے لیکن اپنے مسلک کے سوا کسی کی حقائق پر مبنی تحریر گوارا نہیں کرتے اور ستم یہ

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

کہ کسی بات کا تحقیقی علمی جواب بھی نہیں دیتے صرف اپنی طبیعت، اپنے مزاج، اپنے ممدوح اور اپنے مسلک پر انھیں کوئی اعتراض پسند نہیں۔ وہ ''نعت رنگ'' کے مدیر کو کوئی مشورہ دینے سے پہلے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ تو ہر کسی کی تحریر من وعن شائع کررہے ہیں۔ قارئین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ شمارہ ۱۶ میں پانچ خطوط ایسے شائع ہوئے ہیں جن میں میری کسی بات کا تحقیقی علمی جواب نہیں، صرف مجھ پر بے بنیاد اعتراض کیا گیا ہے اور مدیر ''نعت رنگ'' نے انھیں من وعن شائع کیا ہے۔ اس فقیر نے ان خطوط کی اشاعت پر اعتراض نہیں کیا، انھیں حقائق سے ہم آئینہ کیا ہے، کچھ لوگوں کو یہ بھی کھٹکے تو وہی بتائیں کہ انھوں نے میری تحریروں کا تحقیقی وعلمی جواب دینے کے بجائے صرف اعتراض کرنا کیوں ضروری سمجھا؟

محترم صبیح رحمانی صاحب! اس گناہ گار نے ان پانچ مکاتیب کے جواب میں اتنا لکھا ہے اور یہ سب لکھنا مجھے اچھا نہیں لگا مگر صرف اس لیے لکھا کہ ان ''مہربانوں'' کو یہ باور کرادوں کہ انھوں نے میری تحریر کی فی الواقع کسی غلطی کی نشان دہی نہیں کی، نہ ہی میری کسی بات کا جواب دیا ہے، یوں اگر یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے مضمون نگاروں کی تحریروں میں درج غلط یا نامناسب جملوں کی گرفت نہیں ہو، یا ان پر اعتراض نہ کیا جائے، تو ان لوگوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ فقیر اپنے معبود کریم اور بے عیب رسول کریم ﷺ کے باب میں لکھی کہی گئی کسی اس غلط یا یا مناسب بات پر جو میرے علم میں آجائے، خاموش نہیں رہ سکتا۔ اب دو ہی راستے ہیں، یا تو لکھنے والے اتنے حقیقت پسند ہوجائیں کہ غلطی کو غلطی مانیں اور حقائق سے آگہی پر ملول نہ ہوں، یا پھر مجھے ''نعت رنگ'' نہ پڑھوایا جائے، جب میرے علم میں یہ تحریریں نہیں ہوں گی تو مَیں بری الذمہ رہوں گا۔ واضح رہے کہ اسے میرا فرار نہ گمان کیا جائے۔

اب شاید وہ مرحلہ ہے کہ آپ بھی بخوبی جان لیں کہ تنقید کا اصل مفہوم کیا ہے؟ نعت پر تو تنقید گوارا ہے لیکن نعت نگاروں پر نہیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم اور اس کے رسول کریم ﷺ کے لیے غلط اور نامناسب لکھنے والے کو غلط کہا جائے تو گوارا نہیں۔ یعنی جو غلط لکھے اسے ہرگز غلط نہ کہا جائے۔ ہاں یہ گوارا ہے کہ جو اس غلط کو غلط کہے یا اس کی نشان دہی کرے اسے ضرور غلط کہا جائے۔

سیّد صبیح رحمانی صاحب! فرمایئے قول وفعل اور ظاہر و باطن کا یہ تضاد آپ پر واضح ہوا یا نہیں؟ آپ سیال کوٹ کے رشید ارشد صاحب اور ساہی وال کے ریاض حسین زیدی صاحب سے

سیکھیے کہ رسالہ کیسے نکالنا ہے! اوران کے ممدوح حضرات کی پرواہ کیجیے۔

یہ فقیر بہت خوشی محسوس کررہا ہے کہ مجھے اس فعل کا مجرم ٹھہرایا جارہا ہے جس فعل کو ہر سچا پکا مومن اپنے لیے بہت سعادت اور کمال اعزاز جانے گا۔ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللّٰہ عنہ کا یہ فرمان اس لمحے شدت سے یاد آیا کہ ''عمر کی حق گوئی نے کوئی اس کا دوست نہ رہنے دیا۔''

مذکورہ پانچ افراد کی تحریروں کے جواب مَیں نے اس لیے بھی لکھے کہ قارئین بھی اندازہ اور فیصلہ کرلیں کہ مجھ پر کیے جانے والے اعتراضات اپنی حقیقت میں کیا ہیں۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے شمارہ ۱۶ کی ابتدا میں سلطان الہند حضرت خواجۂ خواجگاں سیّدنا معین الدین حسن چشتی سرکار غریب نواز اجمیری رضی اللّٰہ عنہ کا حمد یہ کلام شاملِ اشاعت فرمایا اور ان کی کہی ہوئی نعت شریف بھی شامل فرمائی۔ جزاکم اللّٰہ تعالیٰ۔ امید ہے ''نعت رنگ'' کے شروع صفحات میں نعت شریف کی اشاعت کا تسلسل رہے گا۔

اس فقیر نے نعت شریف کے موضوع پر مذاکروں کی تجویز اپنی تحریر میں پیش کی تھی، آپ نے اداریے میں اس کا تذکرہ فرمایا، امید ہے اس پر عمل بھی ہوگا اور مفید نتائج ظاہر ہوں گے۔

شمارہ ۱۶ کے ص ۱۵ سے جناب مسعود الرحمٰن خاں ندوی کی تحریر شروع ہوئی ہے۔ جناب قطب الدین احمد نے ''سیرہ ابن ہشام'' کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ جسے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے ۱۹۴۸ء میں شائع کیا۔ محسوس ہوتا ہے کہ ندوی صاحب کے پیش نظر وہ ترجمہ بھی رہا ہوگا۔ ندوی صاحب نے اپنی تحریر میں ''سیرۃ ابن ہشام''، ''سیرت ابنِ کثیر'' کے حوالے اور ایک حوالہ ''ابنِ عساکر'' کا درج کیا ہے لیکن ان کا اصل ماخذ جناب عبداللّٰہ عباس ندوی کی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' ہی معلوم ہوتی ہے، انھوں نے اپنی تحریر میں خود ہی بیان کیا ہے کہ دوسری زبان کے اشعار کے ترجمے میں اپنی زبان پر غیر معمولی قدرت انھیں نہیں ہے اس لیے اشعار کے تراجم میں ان سے کمی و کم زوری رہی، اس سے قطع نظر، ان کی تحریر میں درج کچھ باتوں پر اظہار رائے ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں: ''ان نمونوں میں آپ دیکھیں گے کہ مخالف و موافق دونوں مدِ مقابل فریقوں کے لیے حضور ﷺ کے لائے ہوئے آسمانی دین کا پیغام اتنا صاف، واضح اور سلجھا ہوا تھا کہ کبھی کسی نے سہواً بھی اس کی غلط ترجمانی یا تشریح و توضیح نہ کی بلکہ فریقین کی تمام زور آزمائی اسی تصور کی حقانیت اور اس کی بالادستی ماننے اور منوانے یا اس کے انکار پر اصرار، ضد اور ہٹ دھرمی پر مرکوز تھی اور یہی تمام اختلافات، مصائب اور تصادم کی بنیاد اور جڑ تھی۔'' (ص ۱۶)

ندوی صاحب نے ''مخالف وموافق دونوں مدمقابل فریقوں'' کے الفاظ لکھ کر فرمایا ہے کہ ان کے لیے ''حضور ﷺ کے لائے ہوئے آسمانی دین کا پیغام اتنا صاف، واضح اور سلجھا ہوا تھا کہ کبھی کسی نے سہواً بھی اس کی غلط ترجمانی یا تشریح وتوضیح نہ کی۔'' اس بارے میں یہ فقیر اپنی معلومات کے مطابق عرض گزار ہے کہ اہلِ ایمان کے ''مخالف اور مدمقابل فریق'' تو مشرکین اور کفار تھے۔ ان کے لیے ندوی صاحب کا یہ تاثر ''صاف، واضح اور سلجھا ہوا'' نہیں ہے کہ ان کفار ومشرکین نے ''دین اسلام کی سہواً بھی غلط ترجمانی یا تشریح وتوضیح نہیں کی۔''

ندوی صاحب کی مراد اگر صرف ان کی تحریر میں درج نمونوں سے ہے تو یہ الفاظ کہ ''کبھی کسی نے'' ندوی صاحب کی طرف سے زیادہ اور خلاف واقعہ شمار ہوں گے۔ مجھے صرف یہی کہنا ہے کہ دین اسلام کی ''سہواً بھی غلط ترجمانی یا تشریح وتوضیح'' کفار ومشرکین شعرا وغیرہ سے ''کبھی'' نہ ماننا اور ان کے بارے میں خوش گمانی رکھنا درست نہیں۔

اسی اقتباس میں ندوی صاحب کے یہ جملے ملاحظہ ہوں کہ: ''بلکہ فریقین کی تمام زور آزمائی اسی تصور کی حقانیت اور اس کی بالادستی ماننے اور منوانے یا اس کے انکار پر اصرار، ضد اور ہٹ دھرمی پر مرکوز تھی اور یہی تمام اختلافات، مصائب اور تصادم کی بنیاد اور جڑ تھی۔'' ندوی صاحب کے اس بیان سے تو اہل ایمان کے لیے بھی کچھ منفی تاثر ملتا ہے، اگر مَیں غلط سمجھا ہوں تو مجھے صحیح سمجھا دیا جائے۔ ندوی صاحب نے ''فریقین'' لکھ کر ''تمام زور آزمائی'' کے لفظ بھی لکھے، بات چوں کہ دین اسلام کی ہے۔ قرآن کریم کا فرمودہ ہے، **لا اکراہ فی الدین**، دینِ حق منوانے کے لیے زور آزمائی کی بات پھر کیوں کر کہی جا سکتی ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ''اور یہی تمام اختلافات، مصائب اور تصادم کی بنیاد اور جڑ تھی'' اس جملے کو ''انکار پر اصرار، ضد اور ہٹ دھرمی پر مرکوز تھی'' کے الفاظ سے ہی متعلق رکھوں اور ''تمام زور آزمائی اسی تصور کی حقانیت اواس کی بالادستی ماننے اور منوانے'' سے متعلق نہ کروں تو ندوی صاحب کا تحریر کیا ہُوا بیان اپنا مفہوم واضح نہیں کرتا کیوں کہ انھوں نے یہ باتیں ''فریقین'' کے لیے لکھی ہیں اور ''تمام زور آزمائی'' فریقین ہی کے لیے بیان کی ہے۔ وہ خود ملاحظہ فرمالیں، اس فقیر نے جتنا سمجھا ہے اسی کے مطابق اعتراض کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ''...جس میں کہیں کہیں شانِ رسالت ﷺ کی مدح میں بھی بالواسطہ کچھ اشعار در آئے ہیں۔'' (ص ۱۶) اس جملے میں ''در آئے ہیں'' کے الفاظ مجھے کچھ نامناسب لگے۔

وہ لکھتے ہیں: ''... نہ عجمی ضعیف الاعتقادی کی راہ سے غیر اسلامی تصورات کو وہ رسائی حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار'' (ص ۱۶)

اس بیان میں ندوی صاحب نے بغیر کسی تخصیص و قید کے ''پورے عجم'' کے لیے ''ضعیف الاعتقادی'' کو نہ صرف مانا بلکہ اس راہ سے غیر اسلامی تصورات کی رسائی بھی مان لی اور اس فارسی مصرع وقول کے لیے اسی کو وجہ بیان کیا۔ عرب کسے عجم کہتے ہیں؟ یہ ندوی صاحب کو ضرور معلوم ہوگا، اس کے لیے انھیں بلا تخصیص ''ضعیف الاعتقادی'' بیان کرتے ہوئے جھجک نہیں ہوئی وہ اس ضعیف الاعتقادی کو ''پورے عجم'' میں دلائل وحقائق سے ثابت فرمائیں اور پھر اس ضعیف الاعتقادی کی راہ سے وہ ان فی الواقع ''غیر اسلامی تصورات'' کا بیان بھی فرمائیں جنھیں مدح نبوی ﷺ میں رسائی حاصل ہوئی۔ اس فارسی مصرع وقول پر انھیں جو اعتراض ہے اسے بھی وہ واضح فرمائیں۔ ندوی صاحب کی وضاحت تک مَیں ان کے اس بیان پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔ واضح رہے کہ ان کے ان مطبوعہ الفاظ میں ان کا یہ بیان مجھے ہرگز قبول نہیں۔

ندوی صاحب کی تحریر میں یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں: ''بہر حال اس زمانے میں مدحِ رسول ﷺ میں خالص نعتیہ قصائد ناپید نہیں ہیں، کم ضرور ہیں اور وہ بھی ان شعرا کے ہیں جن کے خمیر میں جاہلی شاعری کی روایات رچی بسی ہوئی تھیں، لیکن خالص اسلامی ماحول کے پروردہ اور اس کے رنگ میں رنگے ہوئے مسلم صحابی شعرا کی رسولِ کریم ﷺ سے عقیدت ومحبت اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی چاہت ان کو آپ ﷺ کے پیغام کی دعوت وتبلیغ کو عملی طور پر پھیلانے، عام کرنے اور اس کی سربلندی کا کلمہ پڑھنے کے لیے وقف تھی اور اس ضمن میں اگر نبی کریم ﷺ کا تذکرہ آجاتا تو پھر یہ صحیح ہے کہ:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے''

(ص۱۶)

ندوی صاحب کی اس عبارت میں پیش کردہ تقابل سے مجھے یہی سمجھ آیا ہے کہ خالص نعتیہ قصائد تو صرف ان شعرا کے ہیں جن کے خمیر میں جہالت اور اس کی روایات کا اثر سرایت کیا ہوا تھا (معاذ اللہ)، اس کے برعکس ''مسلم صحابی'' افراد کی شاعری صرف نبی پاک ﷺ کے پیغام کو پھیلانے

اوراس کی سربلندی کا کلمہ پڑھنے کے لیے وقف تھی اور ندوی صاحب کے مطابق یہی رسول پاک ﷺ کی خوش نودی حاصل کرنے اور ان سے عقیدت ومحبت کا صحیح اظہار تھا۔

ندوی صاحب نے خود ہی کتنے اشعار نقل کیے ہیں جو اصحابِ نبوی (ﷺ) نے کہے ہیں اور وہ خود وضاحت کر چکے ہیں کہ ''مطالعے کے دوران جہاں نظر پڑ گئی، ان اشعار کو نوٹ کر لیا گیا'' وہ چاہتے تو انھیں اصحاب نبوی کے نعتیہ اشعار بھی کثرت سے ملتے اور یہ بھی عقیدت ومحبت کے صحیح اظہار اور سرکار کی خوش نودی ہی کے حصول کے لیے کہے گئے تھے۔

ندوی صاحب نے ''مسلم صحابیؓ'' کے لفظ لکھے ہیں، نہیں معلوم ایسا انھوں نے کیوں لکھا ہے؟ کیا وہ ''غیر مسلم صحابیؓ'' بھی مانتے ہیں؟ ندوی صاحب کی یہ عبارت ان کے مافی الضمیر اور مسلک ومزاج کو واضح کرتی ہے ورنہ کوئی شبہ نہیں کہ یہ عبارت ہرگز حقائق کے مطابق نہیں۔

ندوی صاحب نے اشعار کے انتساب اور الحاق پر بحث کو علاحدہ موضوع بتا کر لکھا کہ ''قدما نے اپنے وسائل کے اعتبار سے غیر معمولی تحقیق وتفتیش کا حق ادا کیا اور عصر حاضر میں بھی اس پر کافی لاحاصل بحث ہو چکی۔'' (ص ۱۷)

ندوی صاحب جانتے ہیں کہ کچھ موضوعات پر تحقیق وتفتیش کے حوالے سے متعدد ابحاث ہر کسی کے لیے اہمیت نہیں رکھتیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہی کام جانے کتنوں کے لیے بہت اہم ہو جاتا ہے۔ جب قدما کے لیے تعریف کا انداز ہے تو عصر حاضر کے لیے بیک جنبش قلم، ان محنت کرنے والوں کی ایسی بے قدری بھی نہیں ہونی چاہیے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ کچھ ابحاث ہمیں لاحاصل لگتی ہیں مگر ہم حقائق کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

ندوی صاحب نے میرے نبی کریم ﷺ کے پیارے دادا جان حضرت سیّدنا عبدالمطلب رضی اللّٰہ عنہ کو اپنی تحریر میں صرف ''عبدالمطلب'' لکھا اور اصحاب نبوی رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین کے لیے سیّدنا اور حضرت کے الفاظ والقاب بھی نہیں لکھے۔ انھوں نے جناب ابو طالب کے لیے لکھا کہ: ''آپ ﷺ کے محبّ ومشفق وسرپرست چچا ابوطالب'' (ص ۱۸)۔ ص ۲۰ پر لکھا کہ: ''اس وقت آپ ﷺ نے بے مہابا اپنے مشفق عم محترم کو یاد کرتے ہوئے فرمایا...''۔ اور نبی کریم ﷺ کے پیارے چچا حضرت سیّدنا ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب رضی اللّٰہ عنہما کے لیے صرف اتنا لکھا: ''آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے...''۔ (ص ۱۸)

ندوی صاحب لکھتے ہیں: ''اس لیے ان کی محفوظ شاعری میں صرف بھتیجے کی تائید وحمایت

اور مدافعت و نصرت ہی نہیں بلکہ جگہ جگہ آپ ﷺ کی دعوت و پیغام کی تحسین نظر آتی ہے۔'' (ص ۱۹)
ندوی صاحب نے جناب ابو طالب کے بارے میں یہ بات اپنی رائے کے طور پر نہیں بلکہ قطعیت کے ساتھ لکھی ہے کہ ابوطالب نے صرف بھتیجا جان کر ہی تائید وحمایت اور مدافعت و نصرت کی۔ مجھے اس پر تبصرہ نہیں کرتا صرف ندوی صاحب کا موقف پوری طرح جانتا ہے کہ کیوں کہ انھوں نے ان سے منسوب کلام جس قدر نقل کیا ہے وہ ندوی صاحب کی اس قطعیت کا مؤید نہیں ہے۔

ندوی صاحب لکھتے ہیں: ''اسی قصیدے کے آخری اشعار سے آپ کی صفاتِ حمیدہ پر زیدروشنی پڑتی ہے۔'' (ص ۲۱) مجھے تو یہ جملہ یوں صحیح معلوم ہوگا کہ ''آپ کی صفاتِ حمیدہ کے بیان نے اس قصیدے کے آخری اشعار کو روشن اور نمایاں کیا ہے۔''

ندوی صاحب نے ایک شعر کا مفہوم لکھا ہے کہ: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے...'' (ص ۲۵)

''ڈرسانا'' اور ''دھمکی دینا'' میں فرق ہے۔ ''وعید'' کے لفظ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ جلّ شانہ اور رسولِ کریم ﷺ کی طرف ہو تو معنی کرتے ہوئے احتیاط ہی بہتر ہے۔

ندوی صاحب نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ''بدقسمتی'' کے لفظ لکھے ہیں۔ علمائے اسلام تو کسی مسلمان کو بدنصیب یا بدقسمت کہنے لکھنے سے منع کرتے ہیں چہ جائے کہ کسی صحابیٔ رسول (رضی اللہ عنہ) کے لیے ایسا کہا یا لکھا جائے، ہمیں اس بارے میں زبان وقلم کو محتاط رکھنے ہی میں عافیت وسلامتی ہے۔

ندوی صاحب لکھتے ہیں: ''عہدِ نبوت کے بعض مسلم صحابی شعرا کے مذکورہ چند مدحیہ نمونوں میں زبان وادب کی چاشنی، وصف و بیان میں جاذبیت وکشش، حقیقت نگاری اور شاعرانہ خیال آرائی میں توازن واعتدال، نامناسب غلو ومبالغہ سے احتراز اور عبد ومعبود کے درمیان حدود کا پاس ولحاظ واضح طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان شعرا کے ہاں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا صحیح ادراک، عبدیت کے ساتھ مقامِ رسالت و نبوت کی قدر ومنزلت، لیکن دونوں کے درمیان واضح فرق کا اتنا عمیق احساس ہے کہ سہواً بھی کہیں دونوں میں خلط مبحث کی مثال نہیں ملتی...'' (ص ۳۹)

ندوی صاحب نے گزشتہ پچاس ساٹھ برسوں میں شائع ہونے والی اردو کتابوں کا احوال دیکھا ہوگا، وہ خود ہی بنظرِ انصاف ملاحظہ فرمالیں کہ اب بہت سی ان باتوں کو بھی حدود سے تجاوز، شرعاً غلط اور عبد ومعبود کا فرق مٹانے والی کہا جارہا ہے جو اصحابِ نبوی رضی اللہ عنہم کے کلام میں واضح

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

موجود ہیں۔ ندوی صاحب کا انتخاب چوں کہ ان کے اپنے ''ذوق'' کے مطابق ہے ورنہ انھی کے ماخذ سے وہ اشعار بھی نقل کیے جاسکتے ہیں جو آج ''فتووں'' کا ہدف بنائے جاتے ہیں۔

ندوی صاحب نے اپنے مضمون کی آخری سطور میں اصحابِ نبوی رضی اللہ عنہم کی شاعری کا بنیادی مقصد بھی از خود بیان کیا ہے اور آج کے شعرا کو کہا ہے کہ وہ اسی کو نمونہ و مثال بنائیں۔ ان سطور میں ندوی صاحب کا ''مدعا'' کچھ یہی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی مدح اور ان کے محامد و محاسن کے تذکار کی بجائے دعوتی اور تبلیغی شاعری ہو جسے وہ تحریکی شاعری کا عنوان دیتے ہیں۔

ندوی صاحب نے اپنی تحریر میں ایک جگہ میرے نبی پاک ﷺ کو ''نبیِ موعود ﷺ'' لکھا ہے۔ لفظ ''موعوذ'' کی معنوی اور لغوی یا اصطلاحی بحث میں الجھے بغیر عرض گزار ہوں کہ میرے نبی پاک ﷺ کے لیے اسے یوں نہ لکھا جائے تو بہتر ہوگا۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! کیا ہی اچھا ہو کہ اصحابِ نبوی رضی اللہ عنہم کے منظوم کلام سے ان اشعار کا انتخاب بھی کیا جائے جن میں میرے پیارے نبی پاک ﷺ کی وہ مدح بیان کی گئی ہے کہ آج کی شاعری میں اس کے بیان کو بعض لوگ نادرست کہتے ہیں۔ عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے یہ بات پڑھنے سننے میں آئی کہ معترضین پوچھتے ہیں کہ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عیدِ میلاد منائی؟ یعنی وہ معترضین شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو کام اصحابِ نبوی رضی اللہ عنہم نے نہ کِیا ہو یا کسی انداز میں نہ کیا ہو، وہ کام جائز ہی نہیں۔ معترضین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا کوئی قانون یا اصول کہیں بھی مذکور نہیں کہ اگر کوئی کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کِیا تو وہ کام کِیا ہی نہیں جاسکتا۔ میلاد شریف منانے کے بارے میں دو احادیث یہ فقیر اپنی اس تحریر میں پیش کرچکا ہے جو ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۲ میں شامل ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اصحابِ نبوی رضی اللہ عنہم کے کلام سے ایسا انتخاب بہت سے ان اعتراضات کا سدِ باب کردے گا جو آج لاعلمی و ناواقفی میں کچھ لوگ کرتے ہیں۔ دیگر تحریروں کا ذکر کرنے سے قبل یہاں یہ عرض کردوں کہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۱۹۴ سے ص ۲۱۹ تک بھارت کے ڈاکٹر ابوسفیان صاحب اصلاحی کی تحریر بھی معترضین کے بہت سے اعتراضات کا جواب ہے۔ اس مضمون میں عربی کی کمپوزنگ بہت سی اغلاط سے پُر ہے لیکن یہ سارا کلام پڑھ کر مجھے پھر جناب سعید بدر یاد آئے۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۶ میں انھوں نے واضح لکھا تھا کہ نعت گو شاعر ''بریلویوں'' ہی کی تائید کرتا ہے۔

جناب ابوسفیان اصلاحی نے جناب فیض الحسن سہارن پوری کے عربی کلام سے متعارف

کروایا ہے۔ بھارت کے بہت سے اہلِ علم کی تمام مطبوعات یہاں پاکستان والوں کی معلومات میں نہیں اور وہاں کی لائب ریریوں میں محفوظ کتب کا بھی یہاں ہر ایک کو علم نہیں، یوں ابھی جانے کتنے نام اور کام ہوں گے جو پوری طرح منظرِ عام پر نہیں آئے ہیں، شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ

حیف بر جانِ سخن گر بہ سخن داں نہ رسد

اصلاحی صاحب نے جناب فیض الحسن سہارن پوری کے عربی مجموعۂ کلام ''دیوان الفیض'' سے جس قدر اشعار نقل کیے ہیں اور خود ان کے بارے میں جو تفصیلات فراہم کی ہیں، وہ ان کے ہم مسلک افراد کے لیے ''چشم کشا'' ہی نہیں، جانے کتنے اعتراضات واختلافات کا جواب بھی ہیں۔

حضرت مولانا فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے سانحۂ ارتحال پر کہے گئے دو شعر ہی نہایت توجہ کے قابل ہیں، ان اشعار میں انھوں نے حضرت مولانا خیر آبادی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے لیے ''غیث، سراجاً منیرا اور نور'' کے الفاظ کہے ہیں۔ یہی باتیں کسی اور کے کلام میں ہوتیں تو ''فتووں کا ہدف'' ہوجاتیں۔ جناب فیض الحسن سہارن پوری کا تذکرہ جناب اشرف علی تھانوی نے ''ارواحِ ثلاثہ'' کتاب میں کِیا ہے، یعنی ان کا شمار دیوبند کے اکابر میں ہوتا ہے۔ جناب فیض الحسن سہارن پوری کو اصلاحی صاحب نے سر سیّد احمد خان، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، وحید الدین سلیم اور حمید الدین فراہی کا استاد بتایا ہے (ص ۱۹۴) اور لکھا ہے کہ ان کی علمیت کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ (ص ۱۹۵) وہ لکھتے ہیں: ''عربی مجموعۂ کلام ''دیوانِ الفیض'' کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس میں مختلف مراثی اور قصائد کے علاوہ گیارہ نعتیہ قصائد ہیں جو تقریباً تین سو اشعار پر مشتمل ہیں۔ ان میں آں حضور ﷺ کے مختلف اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات تمام انسانیت کے لیے منارِ ہدایت ہے۔ آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے وابستگی میں دین و دنیا کی کام یابی پوشیدہ ہے۔ علامہ جابجا تائیدِ الٰہی کے لیے دست بدعا ہیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو ''حبل متین'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس رسّی کو مظبوطی سے تھام کر دنیاوی اور اخروی مشکلات سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ شمع بزمِ ہدایت پر بار بار درود وسلام بھیجے گئے ہیں۔ مومنین سے درود وسلام کے لیے درخواست کی گئی ہے۔ اپنی بے بضاعتی کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ تاج دار نبوت کو تاریکیوں کا چراغ کہا گیا ہے۔ اپنے گناہوں کا بار بار اعتراف کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی تابانی اور ضوفشانی کا کثرت سے اعادہ کیا گیا ہے۔ قیامت کی سختیوں اور ہول ناکیوں سے بچنے کے لیے آپ ﷺ سے شفاعت کی التماس کی گئی ہے۔ علامہ کے تمام شعر حب نبی میں ڈوبے ہوئے ہیں، جس سے آپ کے والہانہ

عقیدت اور انتہائی شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔عشقِ رسول ﷺ آپ کے رگ و ریشے میں بسا ہوا ہے۔ یہی ان کی ردائے زیست تھی اور علامتِ معرفت بھی۔ اس مضمون میں علامہ کے نعتیہ اشعار کو پیش کرتے ہوئے علامہ کے مقام کا تعین کیا جائے گا۔'' (ص ۱۹۶۔۱۹۷)

میرا تو جی چاہتا ہے کہ ان تمام اشعار کا ترجمہ یہاں پھر نقل کردوں جو اصلاحی صاحب کی تحریر میں ہے اور اصلاحی صاحب کا ان اشعار پر تبصرہ بھی پیش کروں لیکن ان اشعار کے تراجم سے رسول کریم ﷺ کی مدح انھی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

''آپ ﷺ فیاض اور سخی (جواد، کریم) ہیں، کسی سائل کو مایوس واپس نہیں کرتے اور اس کی ہر مطلوبہ شے اسے مل جاتی ہے۔''

''آپ ﷺ دستِ غیب سے ہماری یاوری فرماتے ہیں۔''

''اے وہ عظیم شخصیت! تمھارا مقصد تو مصائب کا ہٹانا ہے۔''

''کوئی آپ سے پناہ مانگے تو آپ ﷺ اسے پناہ دیتے ہیں۔''

''شفاعت کرنے والے اور (مصائب پر) لبیک کہنے والے۔''

''طاقت ور، ذہین، بہادر اور حکمران اپنے مقصد میں آپ ﷺ سے بے نیاز ہوکر کامیاب نہیں ہوسکتے۔''

''جب مجھے اپنی قبر سے نکالا گیا تو آپ ﷺ کو آواز دوں گا۔''

''نبی کریم ﷺ کے علاوہ کون سی بارش ہے جس سے امید کی جائے جب کہ پتا ہے کہ ماسوا آپ ﷺ کے میرا کوئی مہربان نہیں ہے۔''

''آپ ﷺ کی رضا نور کی مثل ہے۔''

''اور اگر آپ کی توجہ ہم سے ہٹ گئی تو ہر پانی ہمارے لیے اس آگ کی مانند ہے جسے جہنم کی آگ نے دہکایا ہو۔''

''آپ ﷺ کی رضا ہمارے لیے سب کچھ ہے۔''

''آپ ﷺ ہماری یاوری کیجیے آپ ﷺ ہی تو اللہ کی جانب سے نازل کردہ ماوٰی و ملجا ہیں اور آپ ﷺ ہمیں سیراب کریں کیوں کہ آپ ﷺ ابر باراں کی مانند ہیں۔''

''میں فارغ البال ہوکر آپ ﷺ کے حضور مدد کے لیے دست بدعا ہوں۔''

''اے دست گیر! ہم تمھارے حضور حاضر ہیں اور اگر آپ ﷺ نے ہماری دست گیری کی

تو فبہا اور ورنہ ہلاکتوں پر ہلاکت ہے۔''

''آپ ﷺ مخلوق کو سیراب کرتے ہیں اور یہ بارش آپ (ﷺ) کے ہی فضل سے ہے۔''

''آپ ﷺ شفیع ہیں۔ لائق اطاعت ہیں اور آپ ﷺ کی ذات سے مدد چاہی جاتی ہے۔ اور آپ ﷺ کی ذات کے علاوہ ہمیں نہ تو کوئی بچانے والا ہے اور نہ ہی ہم پر غالب ہونے والا ہے۔''

''(ومن نستعینه به فی المواحی) اور آپ ﷺ کی ذاتِ عالیہ بیانوں میں ہمارے لیے جائے پناہ ہے اور ہلاکتوں میں ہم آپ ﷺ ہی سے مدد کے خواست گار ہیں۔''

''آپ ﷺ شفیع، مشفع، مستغاث، دست گیر، نجات دہندہ، کافی وشافی اور وفادار ہیں۔''

''نبی محمد ﷺ کے علاوہ بھی کوئی ہے جو ہماری مغفرت فرمادے، ہمیں ہر طرح کے اعزاز دے اور ہماری پکار پر لبیک کہے۔''

''نبی کریم ﷺ کی ہی ذات اقدس ہے جس سے رنج وغم اور فرحت ومسرت میں امید لگائے ہوئے ہیں۔''

''آپ ﷺ سے درخواست ہے کہ قبر کی تنگی کے وقت میرے ضعف پر رحم فرمائیں۔''

''ہم اسیروں کا کوئی معاون نہیں ہے، پس گردن کی آزادی اور نجات دلانے کا انحصار محض آپ ﷺ پر ہے۔''

''آپ ﷺ کے تمام اقوال وافعال حکم کا درجہ رکھتے ہیں اور صرف آپ ﷺ ہی کی ذات فرمان کو جاری کرتی اور نافذ کرتی ہے۔''

''اور آپ ﷺ ہی سے قیامت کے روز امید کی جاسکتی ہے، اور آپ ﷺ ہی سے عوارض و موانع میں مدد طلب کی جاسکتی ہے۔''

''آپ ﷺ شفیع اور فیاض ہیں۔ ثنا خواں کی ثنا خوانی سے بالاتر ہیں اور مدح خواں کے مبالغے بھی آپ ﷺ کی صفات کو منظر عام پر لانے سے قاصر ہیں۔''

''آپ ﷺ میری دست گیری فرمائیں اور مجھے اپنی شفاعت سے نوازیں اور میری تائید فرمائیں، کیوں کہ آپ ﷺ ہی تو موید ہیں۔''

''آپ ﷺ ایسے شفیع ہیں جس سے مدد چاہی جاتی ہے، (آپ ﷺ سے وابستگی کے بعد) کسی محافظ اور ظالم کی مجھے پرواہ نہیں۔''

''آپ ﷺ کے جاہ وجلال کے سامنے بلند وبالا آسمان بے معنی ہیں۔''

''ماہر بلاغت آپ ﷺ کی صفات کو بیان کرنے سے قاصر ہے اور دانش ور آپ ﷺ کے حقائق کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔''

''آپ ﷺ میری پناہ گاہ، میرے محافظ، میرا ملجا، میرا مسکن، میرے معاون، میرے محبوب اور میرے آقا ہیں۔''

''میرا مرض لاعلاج ہے، جس میں شفا کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، بجز اس کے کہ مستقلاً درود پڑھتا ہوں اور یہ عمل کس قدر خوش گوار ہے۔''

''اور آپ ﷺ کی شخصیت سے ہٹتے ہی انسان راہِ راست سے دُور ہو جاتا ہے اور اپنی گھٹیا راہوں کا اسے پتا نہیں رہتا۔''

''آپ ﷺ تمام تر سخاوتوں کا سرچشمہ ہیں، آپ ﷺ کے بالمقابل تمام سخاوتیں بے معنی ہیں، پس بشارت ہے اس شخص کے لیے جو بلاخیز ہلاکت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ سے آس لگائے ہوئے ہو۔''

''اور نبی کریم ﷺ کی عنایت خاص کے بغیر شفاعت ممکن ہی نہیں، آپ ﷺ ہی کے دامن میں پریشان حال پناہ لیتا ہے۔''

''سورج، چاند اور ستاروں کی جگ مگاہٹ آپ ﷺ کے نور سے عبارت ہے۔ بخدا آپ ﷺ کی نورانیت لامتناہی ہے۔''

''اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: ''علامہ نے اپنا نقطۂ نظر کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آپ ﷺ کی ذات عظیم سے وابستہ ہونے کے بعد مجھے کسی اور دروازے پر دستک دینے کی حاجت پیش نہیں آتی۔'' (ص ۱۹۸)

وہ لکھتے ہیں: ''علامہ کے نعتیہ قصائد میں کثرت سے ایسے اشعار ہیں جن میں آں حضور ﷺ سے شفاعت کی التماس کی گئی ہے۔'' (ص ۲۰۴)

وہ لکھتے ہیں: ''علامہ کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے ضیا بار چہرے کے سامنے تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ آپ ﷺ کے جاہ و جمال کے بالمقابل چاند کا حسن بے معنی ہے۔ اسی طرح آسمانوں کی رفعتیں اس حسین و جمیل چہرے کے پیش نظر اپنا مفہوم کھو دیتی ہیں جو شخص چہرۂ اقدس کی تابانیوں سے محروم ہے اس پر جتنا کف افسوس ملا جائے کم ہے۔ علامہ اس خوب صورت چہرے کی حلاوتوں اور ملاحتوں سے بخوبی واقف تھے اور اس کی کرنوں سے دل کی سیرابی کو فریضۂ اولیں تصور کرتے تھے اور

اس کے محاسن میں کھو جانے کو جز ایمان سمجھتے تھے۔'' (ص ۲۰۷)

وہ لکھتے ہیں: ''مرتبت رسول ﷺ ہمارے ذکر و بیان سے کہیں بالاتر ہے۔آقائے نام دار کے اوصاف و کمالات کو سمیٹنا نطق انسانی سے ماورا ہے۔'' (ص ۲۰۹)

وہ لکھتے ہیں: ''بار بار ملتِ اسلامیہ کو بے دار کرتے ہوئے یہ احساس ان کے اندر جگایا کہ دربارِ رسالت ﷺ کو اپنا واحد ماوی و ملجا اور سیرتِ مقدسہ کو اپنا تنہا لائحہ عمل بنالیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو اسے عزو شرف سے مالا مال کرسکتی ہیں۔'' (ص ۲۱۸)

اصلاحی صاحب نے اپنی اسی تحریر کے آخر میں جانے یہ جملہ کیوں لکھا ہے کہ: ''مولانا نے استغاثہ، مغفرت اور شفاعت سے متعلقہ جو اشعار کہے ہیں ان پر اعتراضات کیے جاسکتے ہیں۔'' (ص ۲۱۹)

اصلاحی صاحب نے اشعار نقل کرتے ہوئے اپنے مضمون میں جابجا خود بھی وضاحتیں کی ہیں، چناں چہ ملاحظہ ہوں: اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: ''مسئلہ ''استغاثہ'' نہایت نازک مسئلہ ہے۔ اکثر شعرا یہاں دائرۂ اسلام سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ اللّٰہ اور رسولِ کریم ﷺ کے مابین فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔ علامہ سہارن پوری نے مذکورہ اشعار میں قرآنی نقطۂ نظر واضح کردیا کہ آپ ﷺ ''انت غوث المستغاث'' کے درجے پر فائز ہیں لیکن یہ مرتبہ من جانب اللّٰہ ہے۔'' (ص ۲۰۱)

اصلاحی صاحب نے جناب فیض الحسن سہارن پوری کے کہے ہوئے شفاعت و مغفرت سے متعلقہ اشعار نقل کر کے خود لکھا ہے کہ: ''ان اشعار میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس کے بغیر بیڑے کا پار لگنا ممکن نہیں، اگر آپ ﷺ کی شفاعت نہ ہوئی تو قیامت کی سختیاں تباہ کرڈالیں گی۔ اے آقائے نام دار! بے بس اور لاچار کی مدد کیجیے۔ آپ ﷺ کی وفاداری ہمارے گناہوں کے مغفرت میں بہت کام آئے گی، قیامت کے روز آپ ﷺ کی توجہ کے بغیر مشکلات سے بچ نکلنا ممکن نہیں۔ مذکورہ اشعار میں جن جذبات و احساسات کی ترجمانی کی گئی ہے ان سے علامہ کی ایمانی قوت اور نبوتِ محمدیہ پر کامل یقین کا ترشح ہوتا ہے اور ان کا قلب حبِ رسول ﷺ سے سرشار ہے۔'' (ص ۲۰۶)

مزید ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں: ''مولانا نے اپنے نعتیہ اشعار میں ایک صالح مومن کی طرح اپنے جذبات کی عکاسی کی ہے۔'' (ص ۲۱۷)

لکھتے ہیں: ''مذکورہ اشعار میں ایک مومنانہ جذبات و احساسات پوری طرح ظاہر و باہر

ہیں۔'' (ص ۲۱۸)۔ لکھتے ہیں: ''مولانا کی شاعری کا تحلیل و تجزیہ کیا جائے تو یہ چیز بین طور پر نظر آئے گی کہ لفظی و معنوی اعتبار سے قرآن کریم سے مستفاد ہے۔ قرآنی اسلوب جابجا واضح طور پر موجود ہے، قرآن کریم کے ادبی اور بلاغی پہلوؤں پر علامہ کی گہری نظر تھی جس کی شہادت آپ کے نعتیہ قصائد میں موجود ہے۔ جگہ جگہ خداوندِ قدوس پر کامل اعتماد و اعتقاد کے مظاہر موجود ہیں۔ اپنے تمام مسائل و مشکلات میں اللہ اور رسول (ﷺ) کو یاد کرتے ہیں...'' (۲۱۵)

اصلاحی صاحب نے اپنی تحریر میں لکھا ہے: ''یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ درود و سلام کے مفاہیم و معانی کی تجدید کی جائے۔ درود و سلام کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ خود کو سیرتِ رسول ﷺ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ ذاتِ رسول ﷺ کو اپنا دستور و آئین بنایا جائے اور اس دنیا میں اشاعتِ اسلام و احیائے دین کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جائے۔ ایک شخص درود و سلام کثرت سے پڑھتا ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ سے اعتراض کرتا ہے تو اللہ کے رسول کو ایسے درود و سلام پسند نہیں ہیں۔ درود و سلام کے بعد فسق و فجور میں محو ہوجانے کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اگر اپنے اغراض و مقاصد کو دینِ اسلام کا پابند نہ بنایا جائے تو یہ درود و سلام بے سود ہیں۔ اپنی زندگی میں ''اسوۂ حسنہ'' کو جاری و ساری نہ کیا گیا تو گویا ہم نے درود و سلام کے مطالبات کو پورا نہیں کیا۔''
(ص ۲۱۱۔۲۱۲)

اصلاحی صاحب کی اس عبارت میں یہ بات مجھے عجیب لگی کہ ''درود و سلام کے مفاہیم و معانی کی تجدید کی جائے۔'' وہ لکھتے ہیں کہ ''درود وسلام کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ خود کو سیرتِ رسول ﷺ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ ذاتِ رسول ﷺ کو اپنا دستور و آئین بنایا جائے اور اس دنیا میں اشاعت اسلام و احیائے دین کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جائے۔'' اصلاحی صاحب نے از خود اسے درود وسلام کا قرآنی مفہوم بتایا ہے اور شاید یہی وہ تجدیدی معنی و مفہوم ہے جو وہ درود و سلام کے حوالے سے بتانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہتے کہ درود وسلام کثرت سے پڑھنے والوں کو اپنا طرزِ حیات بھی ہر طرح سیرتِ رسول کریم ﷺ کے مطابق بنانا چاہیے تو بات واضح تھی لیکن درود وسلام کے معانی و مفاہیم کی تجدید اور ان کا از خود پیش کیا ہوا قرآنی مفہوم محل نظر ہے۔ اصلاحی صاحب! اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کے سب سے پیارے اور آخری رسول کریم ﷺ پر درود وسلام کی کثرت تو گناہوں کی معافی اور مغفرت کا باعث ہے اور درود وسلام تو بہرحال مقبول نیکی و عبادت ہے، اسے بے سود کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟ اسلام تو نماز روزے کے بعد بھی فسق و فجور میں محو ہوجانے کی قطعاً

اجازت نہیں دیتا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز روزے کو ترک کردیا جائے۔ قرآن میں واضح ہے کہ: ''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔'' مگر کتنے ہی ایسے نمازی نظر آتے ہیں کہ فسق و فجور میں بھی محو ہیں۔ اس کے جواب میں آپ بھی بہت کچھ کہنا چاہیں گے، اصلاحی صاحب! بات سمجھانے کے لیے مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ آگ بجھانے کے لیے پانی ضرور چاہیے۔ پانی صاف ہو تو بھی اور گدلا ہو تو بھی آگ بجھ جاتی ہے۔ ہمارے اعمال صاف پانی کی طرح نہ سہی، گدلے پانی ہی کی طرح سہی، آگ بجھانے میں کام آئیں گے اور کیا خبر کس لمحے وہ سجدہ ادا ہو جائے جو ساری منزلیں طے کرادے، مقبولیت کا وہ لمحہ کبھی آ ہی جائے جو عمر بھر کی کوتاہیوں کا ازالہ کردے! اصلاحی صاحب! یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ فقیر آپ کی اس بات سے کوئی اختلاف رکھتا ہے کہ ہمیں اپنی ہر طرح اصلاح کرنی چاہیے۔ میرا اختلاف صرف اتنا ہے کہ درود و سلام کے معانی و مفاہیم کی تجدید یا قرآنی مفہوم کی از خود کوئی تفسیر و تشریح کی جائے۔ رہی بات اطاعتِ رسول ﷺ کی یا سیرت طیبہ کے مطابق خود کو ڈھالنے کی، اس میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

اصلاحی صاحب! آپ نے یہ واقعہ شاید پڑھا سنا ہوگا، پھر ملاحظہ فرمائیں: ''**حدثنا عبداللّٰہ بن محمد بن جعفر ثنا ابوبکر الدینوری المفسر ثنا محمد ابن ایوب العطار ثنا عبدالمنعم بن ادریس عن ابیه عن جده وهب. قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللّٰه مائتی سنة ثم مات فاخذوا برجله فالقوه علی مزبلة فاوحی اللّٰه الیٰ موسیٰ علیه السلام ان اخرج فصل علیه. قال: یارب بنو اسرائیل شهدوا انه عصاک مائتی سنة، فاوحی اللّٰه الیه هکذا کان اِلاانه کان کلما نشرالتوراة و نظر الیٰ اسم محمد ﷺ قبله ووضعه علی عینیه وصلی علیه، فشکرت ذلک له وغفرت ذنوبه وزوجته سبعین حوراء.** (ص ۴۲، ج ۴، حلیۃ الاولیاء، للحافظ ابی نعیم احمد بن عبداللّٰہ الاصبہانی المتوفی، ۴۳۰ ہجری، طبع اول ۱۳۵۴ھ۔ ۱۹۳۵ء، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

(اسناد کے بعد ہے، کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے اللّٰہ تعالیٰ کی دو سو سال نافرمانی کی پھر وہ مرگیا تو لوگوں نے اسے پاؤں سے پکڑا اور کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ پس وحی فرمائی اللّٰہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہ اسے باہر نکالیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے رب تعالیٰ! بنی اسرائیل کے لوگ اس پر گواہ ہیں کہ اس بندے نے دو سو برس تک تیری نافرمانی کی ہے۔ اللّٰہ کریم جل شانہ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ایسا ہی تھا مگر

جب جب یہ (شخص) تورات کھولتا تھا اور اسم محمد ﷺ پر نظر کرتا تو اس کو چوم لیتا اور اپنی آنکھوں سے لگالیتا اور ان پر درود بھیجتا۔ پس اسی بات پر میں نے اس کے گناہ معاف فرمادیے اور ستر حوروں سے اس کی شادی کردی۔)

اس حوالے سے القول البدیع، سعادۃ الدارین اور فضائل درود شریف و دیگر کتابوں میں بھی متعدد روایات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: ''یہاں ایک بات درود و سلام کے حوالے سے یہ کہنا ضروری تصور کرتا ہوں کہ اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ سرورِ کائنات ﷺ پر کثرت سے درود و سلام کو بھیجنے کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟ اس کے متعدد جواب ہوسکتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خود اللہ ربّ العزت اور ملائکہ آپ ﷺ کی ذاتِ عالیہ پر آسمانوں میں درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ یہی مطالبہ اُمتِ رسول سے بھی کیا گیا ہے۔'' (ص۲۱۲)

اس عبارت میں اگر یہ جواب ہے کہ خود اللہ ربّ العزت اور ملائکہ درود و سلام بھیجتے ہیں اس لیے اہلِ ایمان کو درود و سلام کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ جواب محلِ نظر ہے۔ اس عبارت میں ''آسمانوں میں'' اور ''یہی مطالبہ امت رسول سے بھی کیا گیا ہے'' کے الفاظ بھی قابل اصلاح ہیں۔

اصلاحی صاحب نے لکھا ہے: ''قرآن کریم میں یہ حکم موجود ہے کہ ہم سیرت پاک کی توصیف و تذکیر میں مصروف رہیں۔'' (ص۲۱۰)

اصلاحی صاحب نے اس جملے میں واضح لکھا ہے کہ ''قرآن کریم میں حکم موجود ہے''۔ قرآن کریم میں یہ حکم کیا وہ دکھانا پسند فرمائیں گے؟ جس میں یہی الفاظ ہوں کہ ''ہم سیرت پاک کی توصیف و تذکیر میں مصروف رہیں۔'' درود و سلام پڑھتے رہنا اور اس کی کثرت کو تو اصلاحی صاحب واضح حکم کے باوجود اپنے معانی و مفاہیم کے مطابق چاہتے ہیں اور درود و سلام کے ساتھ ہر طرح عملی عمدگی کی قید لگانا چاہتے ہیں اور اس مذکورہ جملے میں سیرت پاک کی صرف توصیف و تذکیر میں مصروف رہنا ہی از خود قرآنی حکم بیان کررہے ہیں۔ اصلاحی صاحب کو یاد نہیں رہا کہ انھوں نے اپنی اس تحریر میں رسول کریم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کو اپنا تنہا لائحہ عمل بنانے کی بات بھی لکھی ہے لیکن نہیں معلوم اس مذکورہ جملے میں وہ ایسا کیوں لکھ گئے ہیں۔ وہ ص۲۱۶ پر لکھتے ہیں: ''رسول خدا سے محبت جزو ایمان ہے۔'' ان سے عرض ہے کہ رسول کریم ﷺ سے بہت محبت کرنا جزو ایمان نہیں جانِ ایمان ہے۔ اس بارے میں ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص۳۸۷ پر یہ فقیر پہلے بھی عرض کرچکا ہے۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: ''... علامہ اس خوب صورت چہرے کی حلاوتوں اور ملاحتوں سے بخوبی واقف تھے۔'' (ص ۲۰۷) میرے نزدیک یہ جملہ قابل اصلاح ہے۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: ''عورتوں کے مہر کے سلسلے میں سورۃ النسا میں ارشادِ ربانی ہے:
واتو النساء صدقاتھن نحلة فان طبن لکم عن شی منه نفسا فکلوه ھنیئا مریئا. اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ کچھ حصہ اپنی خوشی سے معاف کردیں تو اسے خوش گواری سے بلا بلا کراہت کھا سکتے ہیں۔'' (سورۃ النسا: ۴/۴)

مذکورہ آیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مولانا سہارنپوری نے مندرجہ شعر کہا:

لک بیتی وما به من متاع فکلی و اشربی ھنیئا مریئا

میرا غریب خانہ آپ ﷺ کے لیے حاضر ہے اور اس کی ہر چیز آپ ﷺ پر نچھاور ہے۔ پس آپ ﷺ نہایت سکون کے ساتھ تناول فرمائیں۔'' (ص ۲۱۷)

''دیوان الفیض'' میرے پاس نہیں کہ اصلاحی صاحب کے اس بیان کی تحقیق وتصدیق ہو، اگر اس کتاب میں اسی طرح ہے جیسا کہ اصلاحی صاحب نے لکھا ہے تو بلاشبہ یہ محل نظر ہے۔ قرآنی آیت اور اس شعر و ترجے کو پڑھنے کے فوراً بعد اصلاحی صاحب کا یہ جملہ فیض الحسن سہارن پوری کی مدح نہیں کرتا کہ: ''مذکورہ شواہد سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم کے افکار اور اسالیب پر علامہ کی گرفت مضبوط تھی۔'' (ص ۲۱۷)

ڈاکٹر ابوسفیان صاحب اصلاحی کا شکریہ کہ انھوں نے ''دیوان الفیض'' سے متعارف کروایا، وہ اس کتاب کا عکس ہی مرکز تحقیقاتِ نعت (نعت ریسرچ سینٹر) کے لیے فراہم کرسکیں تو اس کتاب سے جانے کتنے لوگ استفادہ کرسکیں گے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۱۴۱ سے گوجراں والا کے پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی تحریر ہے، اس کا عنوان ہے: ''ظہور قدسی (اردو نعت کے آئینے میں)'' پروفیسر صاحب کے دو ''مداح'' جناب ریاض حسین زیدی اور جناب رشید ارشد کو بہت گلہ ہے کہ ان کے ''ممدوح'' جناب پروفیسر اقبال جاوید کی تحریر پر اعتراض کیوں کرتا ہوں، وہ اپنے پروفیسر صاحب کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''حق یہ ہے کہ ثنائے رسول ﷺ ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ، فرشتے اور بندے ایک ہی سطح پر ایک ہی بات کے آرزومند ہوتے ہیں۔ ظرف کے مطابق عطا اور طلب میں فرق ہوسکتا ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کے بارے میں صلوۃ وسلام کے انداز کو پیہم

اپنانا پھر فرشتوں اور بندوں کو بھی اس ثنا و تعظیم میں شریک کر لینا ثبوت ہے اس بات کا کہ درود و سلام ہی وہ شرف اور نعمت ہے جس پر عالم علوی اور عالم سفلی دونوں کا اجماع ہے ورنہ کہاں عرش، کہاں فرش، کہاں خاک، کہاں عالم پاک، اگر کوئی نسبت ہے تو وہ درود و سلام ہی کی بنا پر مؤقر اور معتبر ہے:

ساز دل سے نغمہ کی صورت اُٹھی موجِ درود
عظمتِ کردار پر حق کی شہادت دیکھ کر

صلوٰۃ و سلام دراصل تحسین ہے مصورِ حقیقی کے سب سے بڑے شاہ کار کی۔ مصورِ حقیقی کی آرزو ہے کہ اس کے نقشِ بہترین کی بہترین تعریف ہو، تعریف کرنے والا اگر صاحبِ نظر ہے تو اس کی قدر شناسی مصور کے نزدیک لعل و جواہر سے بھی گراں سمجھی جائے گی۔ تحسینِ نظر ظرف اور توفیق کے مطابق مختلف ہوا کرتی ہے۔ بعض صرف زبان سے اعتراف کرتے ہیں، بعض تصویر کو دیکھ کر وجد میں آجاتے ہیں، بعض مصور کی عظمتوں کے حضور میں جھک جھک جاتے ہیں اور بعض کا شوقِ دیدار، آنسوؤں میں ڈوب جاتا ہے۔ آنسوؤں کی زبان سے ادا ہونے والی ستائش خود مصور کے دل میں سرخوشی بن کر سما جاتی ہے۔ تصویر دیکھتے دیکھتے اگر مصور بھی مل جائے تو یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔ حضور ﷺ نقاشِ ازل کا بہترین نقش ہیں کہ جو دیکھنے والا اُن کے حسن کی کما حقہ کی تحسین کرتا ہے۔ وہ دراصل مصورِ حقیقی کے جذبۂ رحمت اور لطفِ بے نہایت کو جوش میں لاتا ہے۔ یوں فطرت کی نوازشاتِ بے پایاں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔

اس رحیم و کریم ذات کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں دعا کے آداب بھی سکھائے اور طلب کے انداز بھی بتائے اور ہم پر واضح کر دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے تو اللہ کے حبیب ﷺ کے حضور میں ستائش کے نذرانے پیش کرو یہی منعم کے انعام کی تحسین ہے۔ یہی فن کی داد ہے اور اسی داد کا نام دوسرا نام صلوٰۃ و سلام ہے۔" (ص ۵۴)

اس عبارت میں یہ جملے توجہ چاہتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ، فرشتے اور بندے ایک ہی سطح پر ایک ہی بات کے آرزومند ہوتے ہیں۔"

"ظرف کے مطابق عطا اور طلب میں فرق ہو سکتا ہے۔"

"اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کے بارے میں صلوٰۃ و سلام کے انداز کو پیہم اپنانا۔"

"مصورِ حقیقی کی آرزو ہے ...۔"

"...اس کی قدر شناسی مصور کے نزدیک لعل و جواہر سے بھی گراں سمجھی جائے گی۔"

''آنسوؤں کی زبان سے ادا ہونے والے ستائش خود مصور کے دل میں سرخوشی بن کر سما جاتی ہے۔''

''حضور ﷺ نقاشِ ازل کا بہترین نقش ہیں کہ جو دیکھنے والا ان کے حسن کی کماحقہ کی تحسین کرتا ہے۔ وہ دراصل مصورِ حقیقی کے جذبۂ رحمت اور لطفِ بے نہایت کو جوش میں لاتا ہے۔''

''یہی فن کی داد ہے اور اسی داد کا نام دوسرا نام صلوٰۃ وسلام ہے۔''

جناب رشید ارشد اور جناب ریاض زیدی ان جملوں کو ''کمپوزنگ کی غلطی'' بتانا چاہیں گے یا انھیں ''اردو ادب کو بیان کا دیا جانے والا خوب صورت انداز'' قرار دیں گے؟

اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ کا اور فرشتوں اور بندوں کا ''ایک ہی سطح پر آرزو مند ہونا''، (علاوہ ازیں) ''ظرف کے مطابق عطا، انداز کو پیہم اپنانے، آرزو دل میں سرخوشی بن کر سما جانے، فن کی داد اور جذبۂ رحمت'' کے الفاظ، اللّٰہ تعالیٰ کے لیے بیان کرنا، آپ خود ہی بتایئے کہ قابلِ اعتراض ہے یا قابلِ داد؟ آپ ہی بتایئے کہ ان الفاظ اور جملوں پر توبہ لازم ہوتی ہے یا تعریف؟

زیدی صاحب آپ تو لکھتے ہیں: ''(پروفیسر محمد اقبال جاوید کا) ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ معانی سے مالا مال اور ایمانی مواد سے معطر ہے۔'' (ص ۴۱۱)

آپ لکھتے ہیں: ''(پروفیسر صاحب) قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ کرتے ہوئے بے تعصب اور بے لاگ نتائج فکر مرتب کرتے جاتے ہیں۔'' (ص ۴۱۱)

آپ خود ہی اپنے اس بیان کی حقیقت ملاحظہ فرمالیجیے۔ آپ کے پروفیسر صاحب ص ۴۷ پر جناب افق کاظمی کے کلام سے انتخاب میں یہ شرع لکھتے ہیں:

''جو وہ پیدا نہ ہوتے، تو نہ ہوتے دو جہاں پیدا
انھی کی ذاتِ اقدس مطلع اول ہے خلقت کا''

اور ص ۴۳ پر آپ ہی کے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''حق یہ ہے کہ اگر وہ تشریف نہ لاتے تو ہماری پوری کائنات دھواں دھواں ہوتی، نہ فکر و خیال کی دنیا میں کوئی چاندنی ہوتی اور نہ قرطاس وقلم کی وادیوں میں کوئی روشنی...''

زیدی صاحب! کیا یہی آپ کے نزدیک ''قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ'' ہے؟

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

ص ۴۴ پر آپ کے پروفیسر صاحب نے آثم فردوسی کے کلام سے انتخاب میں یہ مصرع

بھی نقل کیا ہے:

"خدا سے ناشناسا تھا ہر اک انسان دھرتی کا"

کیا یہ حقیقت نگاری ہے؟ واقعی کیا ایسا ہی تھا؟

ص ۵۰ پر جناب عابد علی عابد کا مصرع نقل کرتے ہیں:

"اب تاج دار یثرب و بطحا کا ہے ظہور"

بتایئے، "یثرب" نہ کہنے کا بیان حدیث شریف میں واضح ہے، اس کے باوجود آپ کے پروفیسر صاحب نے اس شعر کا انتخاب کیا۔ آپ کے پروفیسر صاحب کیا واقعی بے خبر ہیں؟ یا آپ اسے بھی حدیث سے براہ راست استفادہ ہی کہیں گے؟

یہ فقیر پہلے ہی عرض کر چکا ہے کہ مجھے ہر اس عبارت پر اعتراض ہے جس میں میرے معبود حقیقی اللہ کریم جل شانہ اور اس کے محبوب کریم ﷺ کے لیے کوئی ہلکا، ناروا، منفی یا غلط لفظ اور لہجہ و انداز ہو۔ حقائق کے برعکس اور اس سے متصادم باتوں کی نشان دہی صرف اس لیے کرتا ہوں کہ سچ اور سچائی واضح ہو اور ہم کسی غلط یا غلطی کو نہ اپنائیں نہ ہی رواج دیں۔ خود پر مجھے کوئی فخر ہے نہ کوئی زعم ہے۔ مجھے تو میرے آقا کریم ﷺ کی رضا جوئی ہی سے غرض ہے۔ میری ان باتوں کو بھی کوئی "مسلکی اجارہ داری" کہے تو ایسا مسلکی تصلب تو اعزاز ہے، اللہ کریم جل شانہ مجھے ہر دم اس پر قائم و ثابت رکھے، آمین

"نعت رنگ" شمارہ ۱۶ کے ص ۴۳ پر پروفیسر اقبال جاوید صاحب لکھتے ہیں: "...ورنہ کتنے ہی "باتخلص" ہیں کہ ان کی "نثر نما اشعار" پڑھ کر نہ دل کیف پاتا ہے نہ روح وجد کرتی ہے..."

یاد پڑتا ہے کہ پروفیسر صاحب پہلے بھی کہیں اپنی تحریروں میں "باتخلص" افراد کے لیے ایسا بیان فرما چکے ہیں۔ انھیں یاد ہوگا کہ اس فقیر نے پروفیسر صاحب کے نزدیک کچھ "خاصانِ بارگاہ" کے نثر پاروں سے وہ اغلاط پیش کی تھیں جو قابل گرفت تھیں۔ وہ حقائق جان کر بھی قبول نہ کریں تو یہ ان کا فعل ہے۔ انھیں اگر بہت سے "باتخلص" متاثر نہیں کرتے تو وہ اپنے مقررہ "خاصانِ بارگاہ" سے دوسروں کو متاثر کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ یہ فقیر اپنی رائے کسی پر مسلط نہیں کرنا چاہتا لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہے کہ شاعری ہو یا نثر نگاری، ہر دو میں عقائد و نظریات کی ہر طرح صحت و درستی نعت شریف کے حوالے سے جو احتیاط اور ادب لازم ہے، اگر وہ نہیں تو "صاحب طرز اور صاحب اسلوب" ہونا ہرگز "خاصانِ بارگاہ" میں شمار نہیں کرواتا۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' میں جہاں کہیں آپ شعر لکھتے ہیں اس میں مصرعوں کے درمیان درود شریف جگہ جگہ درج ہوتا ہے اور اسے قوسین میں نہیں لکھا جاتا۔ ذرا یہی ایک مصرع ملاحظہ ہو: ''جشن ولادت شہ ﷺ جن و بشر ہے آج'' (ص ۴۶)۔ ظاہر سی بات ہے دُرود وسلام کا یہ کلمہ '' ﷺ'' اس مصرعے کا جزو نہیں اور یہاں صرف ''شہ'' کا لفظ اس کا محل بھی نہیں۔ پورے لقب ''شہ جن و بشر'' کے بعد اسے قوسین میں درج ہونا چاہیے تھا۔ نعت خوانی کرتے ہوئے بھی مصرعے کے الفاظ میں جہاں کہیں میرے نبی پاک ﷺ کا مبارک نام یا لقب آتا ہے وہاں توقف کر کے درود شریف نہیں پڑھا جاتا بلکہ مصرع مکمل کر کے پڑھا جاتا ہے حالاں کہ یہ اہتمام بھی کم ہی ہوتا ہے۔ یہ فقیر یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ مصرعے کے درمیان اس طرح یہ کلمہ لکھا جائے تو اسے قوسین میں رکھا جائے یا مصرعے کے آخر میں قوسین میں لکھا جائے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۵۵ پر بھارت کے جناب ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کی تحریر ہے۔ اس کا عنوان ہے: ''اردو میں منظوم سیرت نگاری (چند مزید کتب کا تعارف)''۔ یحییٰ صاحب نے کتابوں کا تعارف کروانے میں جو محنت کی وہ قابل ستائش ہے، ان کی تحریر میں کچھ باتیں قابل توجہ محسوس ہوئیں، ملاحظہ ہوں: وہ لکھتے ہیں: ''واضح رہے کہ نزول وحی کے متعلق ایک حدیث میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔'' (ص ۵۵)

یحییٰ صاحب اور تمام اہل قلم سے گزارش کروں گا کہ قرآن و حدیث کے حوالے سے لفظوں کا ذکر ''استعمال'' کی بجائے ''بیان'' سے کیا جائے تو صحیح اور موزوں ہوگا، یعنی یوں کہاں جائے کہ ''یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں۔''

ص ۵۶ پر شاید کمپوزنگ یا پروف ریڈنگ میں کوتاہی ہوئی، جملے یوں درج ہیں: ''آج تمام عالم بربریت کے آتش فشاں اور انسانیت سوز بارود کے ڈھیر میں پرمحسن انسانیت کا منتظر ہے اور انھیں کے نام وحی کی بدولت تباہی سے بچا ہوا ہے۔'' اس عبارت میں ''محسن انسانیت کا منتظر ہے'' کے الفاظ جانے کیوں لکھے ہیں؟

یحییٰ نشیط صاحب نے عمیق حنفی صاحب کے حوالے سے لکھا ہے: ''آج بھی زمانے کو آں حضرت (ﷺ) کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن اب کوئی پیغمبر قوم کی اصلاح کے لیے نہیں آئے گا، کیوں کہ آپ ﷺ ختم المرسلین ہیں۔'' (ص ۵۶)

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

یہاں یہ عرض کرتا چاہتا ہوں کہ بلاشبہ میرے نبی پاک ﷺ، اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں

اور یہ انھی کا زمانۂ رسالت ہے۔ ان کی ظاہری موجودی میں اور ان کے پردہ فرمانے کے بعد کسی نبی کا آجانا سوچنا بھی ناممکن کو ممکن ماننا اور اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے۔ میرے نبی پاک ﷺ اور قیامت کے دوران کسی نبی کی نبوت نہیں ہے، وہ بلا شبہ آخری نبی ہیں اور قرآن آخری کتاب ہے۔ قرآن کریم میں ان کے یہ تین اوصاف جو بیان ہوئے ہیں کہ وہ اللّٰہ تعالیٰ کی آیات لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں، لوگوں کو پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت سکھاتے ہیں، ان اوصاف کا فیضان جاری ہے اور قوم کی اصلاح کا فریضہ انھی اوصاف کے فیضان سے اولیا وعلمائے کرام انجام دے رہے ہیں۔ تذکروں میں ہے کہ حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی اور اس کی تبلیغ کے لیے بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں قرآن کریم کی تعلیم اور فیضانِ نبوت کی تبلیغ کا سلسلہ، اہلِ حق علما ومشائخ کرام کے ذریعے جاری ہے۔

یحییٰ صاحب نے عنبر بہرائچی کی کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے: ''عنبر نے آپ ﷺ کے سوانحی حیات واقعات کو مختلف شاعرانہ سرخیوں کے ذیل میں پیش کرنے کا جتن کیا ہے۔ مثلاً بعثت کے واقعے کے لیے ''حرا'' دوسری وحی کو جہاں سے سلسلہ نبوت کا باقاعدگی سے آغاز ہوا ہے... ''آیات نبوۃ'' کے یہ سلسلے آپ ﷺ کی تیئس ۲۳ رسالہ نبوی زندگی کے اہم واقعات کی مربوط کڑیاں ہیں۔'' (ص ۵۸)

یحییٰ صاحب آپ نے لکھا ہے: ''دوسری وحی کو جہاں سے سلسلہ نبوت کا باقاعدگی سے آغاز ہوا'' آپ اپنے اس جملے پر خود ہی غور فرمائیں، کیا آپ اسے درست جانتے ہیں! ''باقاعدگی سے آغاز''، ''سلسلہ نبوت'' اور ''جہاں سے'' کے الفاظ اس جملے میں محلِ نظر ہیں۔

یحییٰ صاحب کے علاوہ بھی تحریر وتقریر میں کچھ لوگوں نے یہ لکھا اور کہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ چالیس کی عمر میں نبی بنے۔ یہ لوگ اعلان نبوت سے پہلے کی مدت کو میرے نبی پاک ﷺ کی ''نبوی زندگی شاید نہیں مانتے اور ظاہری طور پر شمار ہونے والی مدت ہی کو ''دورِ نبوی'' کہتے لکھتے ہیں۔

اس حوالے سے جناب اشرف علی تھانوی کی کتاب ''نشر الطیب'' ہی ملاحظہ کرلی جائے، اپنی یادداشت سے اس موضوع پر تمام تفصیل لکھوں تو ایک مفصل کتاب ہوجائے، صرف تین احادیث ہی نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہوں: اپنی کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب (ﷺ)، (مطبوعہ دارالاشاعت دیوبند ضلع سہارن پور) کے ص ۶ پر لکھتے ہیں:

''دوسری روایت حضرت عرباض بن ساریہ (رضی اللّٰہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے۔ ☆ (یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا) روایت کیا اس کو احمد اور بیہقی اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد بھی کہا ہے۔ **ف** اور مشکوۃ میں شرح السنہ سے بھی یہ حدیث مذکور ہے۔''

☆ (حاشیہ میں تھانوی صاحب کیا لکھتے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہو): ''اور اس وقت ظاہر کہ آپ کا بدن تو بنا ہی نہ تھا پھر نبوت کی صفت آپ کے روح کو عطا ہوئی تھی اور نور محمدی اسی روح محمدی کا نام ہے جیسا اوپر مذکورہ ہوا اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شاید مراد یہ ہے کہ میرا خاتم النّبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا سو اس سے آپ کے وجود کا تقدم آدم علیہ السلام ہر ثابت نہ ہوا، جواب یہ ہے کہ اگر یہ مراد ہوتی تو آپ کی کیا تخصیص تھی تقدیر تمام اشیا مخلوقہ کی ان کے وجود سے متقدم ہے پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی صفت کا ثبوت فرع ہے مثبت لہ کے ثبوت کی پس اس سے آپ کے وجود کا تقدم، ثابت ہو گیا اور چوں کہ بدن متحقق نہ تھا اس لیے نور اور روح کا مرتبہ متعین ہو گیا...''۔

تیسری روایت حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے پوچھا یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کے لیے نبوۃ کس وقت ثابت ہو چکی تھی آپ نے فرمایا کہ جس وقت میں کہ آدم علیہ السلام ہنوز روح اور جسد کے درمیان میں تھے (یعنی اُن کے تن میں جان بھی نہ آئی تھی) روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ **ف** اور ایسے ہی الفاظ میسرۃ ضبّی کی روایت میں بھی آئے ہیں امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابونعیم نے حلیہ میں اس کو روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

چوتھی روایت شعبی (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کب نبی بنائے گئے آپ نے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) اس وقت روح اور جسد کے درمیان میں تھے جب کہ مجھ سے میثاق ☆ (نبوۃ کا) لیا گیا (**کما قال تعالیٰ و اذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح الایۃ**) روایت کیا اس کو ابن سعد نے جابر جعفی کی روایت سے ابن رجب کے ذکر کے موافق۔

☆ (حاشیہ میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں) حدیث بالا میں جو مقدر ہونے کے احتمال کا جواب دیا گیا ہے یہ حدیث اس جواب میں نص ہے کیوں کہ اخذ میثاق تو یقیناً موقوف ہے وجود اور ثبوت پر مرتبہ تقدیر میں میثاق ہونا نہ نقل اس کی مساعد ہے نہ عقل ۱۲ منہ'' (ص ۷)

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

اپنی اسی کتاب نشر الطیب کے ص۱۸۳ پر تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ''فصل چوبیس ویں آپ کے بعض خصائص میں (اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں) یعنی ان امور کے بیان جو اللہ تعالیٰ نے تمام ابنیا علیہم السلام میں سے صرف آپ ہی کو عطا فرمائے اور وہ چند قسم کے ہیں ایک قسم وہ امور جو دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ کی ذات مقدسہ میں پائے گئے، مثلاً سب سے اول آپ کے نور پاک کا پیدا ہونا سب سے پہلے آپ کو نبوت عطا ہونا...''

یحیٰ صاحب لکھتے ہیں: ''یہی تجلی وجہ تخلیق کائنات ہے۔'' (ص ۵۹)

ص ۶۱ پر وہ لکھتے ہیں: ''پہلے چند اشعار پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وقت کا وجود ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اکیلی ہے اور اپنے وجود کا اعتراف کرانے کے لیے تخلیق کائنات کا سوچ رہی ہے۔'' (معاذ اللہ)

یحیٰ صاحب نے صفوت صاحب کے اشعار کا بھی انتخاب کیا ہے، ان اشعار میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لیے یہ تین مصرعے ملاحظہ ہوں:

''تن تنہا ہے وہ اس کو خیال آیا خیالوں میں'' (ص ۶۱)

''مگر وہ سوچتا ہے کہ کمی اب دور ہو جائے'' (ص ۶۱)

''تذبذب ہے ابھی اس کو ذرا خلقت کے بارے میں'' (ص ۶۲) (معاذ اللہ)

یحیٰ صاحب لکھتے ہیں: ''اس ذات حقیقی کا خیال کن میں ڈھل کر آدم وحوا، ہابیل وقابیل، نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، عبدالمطلب اور عبداللہ کی صورت میں تخلیق پاتا چلا گیا۔ بالآخر مقصد تخلیق کی تکمیل عبداللہ کے گھر آمنہ کے بطن سے حضرت محمد ﷺ کی ولادت ہو جاتی ہے''۔ (ص ۶۲)

یحیٰ صاحب! یہ جملے آپ ہی کی تحریر میں ہیں۔ آپ کے اپنے ہیں یا پھر آپ کا انتخاب ہیں اور شاعری تو بلاشبہ آپ کا انتخاب ہے، آپ ہی فرمائیے، ہر دو صورت میں اسے کیا کہا جائے؟

یحیٰ صاحب مزید توجہ فرمائیں! حضرت سیّدنا عبداللہ اور حضرت سیّدتنا آمنہ رضی اللہ عنہما گروہ انبیا علیہم السلام میں سے نہیں ہیں مگر میرے پیارے نبی پاک ﷺ کے مقدس والدین کریمین ہیں۔ ان کے اسمائے مبارکہ ہی کیا آپ نے تو اس عبارت میں انبیائے کرام علیہم السلام کے مبارک نام بھی بغیر آداب و القاب کے لکھ دیے ہیں۔ آپ نثر لکھ رہے ہیں کوئی منظوم کلام نہیں کہ وزن شعر کا کوئی مسئلہ ہو۔ یاد رکھیے کہ احتیاط ہی میں عافیت ہے۔

یحیٰ صاحب لکھتے ہیں: ''اسی ذاتِ پاک ﷺ کو اللہ کی طرف سے پہلی وحی آتی ہے۔

(اس جملے کے بعد اشعار لکھ کر وہ فرماتے ہیں) مندرجہ ذیل بالا اشعار قرآن حکیم کی پہلی سورۃ ''اقرا'' کی گویا تفسیر ہیں۔ شاعر نے نہایت محتاط انداز میں اسے منظوم کر دیا ہے۔ اس کے بعد ''مطلع انوار'' کے تحت انھوں نے دوسری وحی کے اہم واقعہ کو نظم کیا ہے۔ حضرت جبرئیل نے غارِ حرا میں آپ کے اپنے سینے سے بھینچ کر ''اقرا'' کا درس دیا تھا اس واقعے سے آپ ﷺ خوف زدہ ہوئے تھے اور گھر آ کر حضرت خدیجہؓ سے کمبل اوڑھانے کا کہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی تھی۔ اس اثنا میں حضرت جبرئیلؑ آپ ﷺ پر دوسری وحی ''یاایھا المدثر قم فانذر'' لے کر آئے''۔ (ص ۵۹)

اس اقتباس میں یحییٰ صاحب نے ''دوسری وحی یاایھا المدثر قم فانذر'' بھی لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ دوسری وحی کا اہم واقعہ یہ ہے کہ ''حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے غارحرا میں آپ کو اپنے سینے سے بھینچ کر ''اقرا'' کا درس دیا تھا۔'' جب کہ اشعار سے قبل خود ان کی تحریر میں ہے ''پہلی وحی آتی ہے'' اور سورۃ اقرا کی ''گویا تفسیر'' کے لفظ ان اشعار کے بارے میں ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ بیان کمپوزنگ غلطی نہیں ہے۔ اس بے احتیاطی کو کیا کہا جائے؟ ''اقرا کا درس دیا'' کے الفاظ بھی اس عبارت میں محل نظر ہیں۔

صفوت صاحب کی اس کتاب کے ہندی ایڈیشن میں یحییٰ صاحب نے پیش لفظ خود لکھنے کا ذکر کیا ہے، ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''اس ہندی ایڈیشن میں راقم کا پیش لفظ ہے۔'' (ص ۶۲) یحییٰ صاحب! آپ نے جس انداز میں اس کتاب کی تعریف کی ہے اور ''نعت رنگ'' کے شمارہ ۱۶ میں اس پر جو تبصرہ فرمایا ہے اس میں قابل اعتراض باتیں اس فقیر نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ صفوت صاحب کی اس کتاب کا مطالعہ فرما کر ہی آپ نے پیش لفظ لکھا ہوگا۔ آپ خود ملاحظہ فرمالیجیے کہ اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ کے لیے کتنے قابل گرفت الفاظ والے مصرعے بھی آپ کی ''توجہ'' نہ پا سکے۔

ص ۶۳، ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ میں آپ ''حرا کی روشنی'' کا تعارف کرواتے ہیں۔ جناب شرف الدین ساحل کی اس کتاب کے لیے آپ کے الفاظ و انداز نے واضح بتا دیا کہ یہ کس ''مزاج'' کی ہے۔ اس کتاب کے ذکر میں آپ کے یہ جملے ملاحظہ ہوں: ''حضور ﷺ کی ولادت سے قبل کے حالات سے نعت خواں کو کیا لینا دینا، اس لیے شاعر بس اک سرسری سی تصویر دکھا کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسے پرآشوب دور میں پیدا ہونے والے بچہ ﷺ کو (جو آگے چل کر نبی بننے والا ہے) اس دور کی پیچیدگی اور دشواری سے کیا واسطہ، اس لیے ساحل نے نہایت تیزی سے قارئین کی نظروں کے

سامنے سے جاہلیت کی تصویر گزارنے کے لیے ''فاعلن'' رکن کا استعمال کیا ہے۔'' (ص ۶۳)

ص ۶۴ پر آپ لکھتے ہیں: ''شمع رسالت کی روشنی دھیرے دھیرے کم ہوتی جارہی ہے۔'' (معاذ اللّٰہ)۔ یحیٰی صاحب! یہ کیا لکھ گئے ہیں آپ؟ آپ کی یہ تحریر بھی ''بے احتیاطی'' میں نمایاں ہے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵ کے ص ۱۳۱ میں یحیٰی صاحب نے خود لکھا تھا کہ: ''عقیدت و عقیدے کی شاعری میں شعریت بڑی حد تک مفقود ہوتی ہے۔'' اس فقیر نے اپنی تحریر مشمولہ ''نعت رنگ'' ۱۶، ص ۳۶۵ پر یحیٰی صاحب کے اس جملے پر اظہار خیال کیا تھا۔ میری یہ تحریر تو یحیٰی صاحب نے اس شمارے کی اشاعت کے بعد ہی دیکھی ہوگی۔ ملاحظہ ہو کہ شمارہ ۱۶ کے ص ۶۵ پر یحیٰی صاحب ہی خود لکھتے ہیں: ''یہ حقیقت ہے کہ عقیدت اور عقیدے کی شاعری کو ہمارے ناقدین شعریت سے عاری سمجھتے رہے ہیں۔ اور اسی لیے ایسی تخلیقات کو ناقابل اعتنا سمجھا گیا۔ درآں حالے کہ آج بھی ساری دنیا کا کلاسکی ادب کھنگالا جائے تو اس کے عظیم شہ پاروں میں عقیدت کا نور جگمگاتا ہوا دکھائی دے گا۔ پھر وہ ہومر کی ایلیڈ ہو یا ملٹن کی ''فردوس گم گشتہ'' تلسی داس کی رامائن ہو یا گوئٹے کی ''نغمہ محمد'' ابن العربی کی ''رسالۃ اغفران'' ہو یا حالؔی کی ''مدو جزر اسلام''۔ کیا یہ مشہور زمانہ کتابیں شعریت سے عاری ہیں۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ جیسا ناقد جو ادب میں مذہب کے داخلے کا قطعی روادار نہیں تھا، ایسی شاعری کو بے حد پسند کرتا جس میں کیتھولک نظریات کی تشہیر ہوئی ہے۔''

امین صدیقی کی ''تنزیل'' کا تعارف بھی یحیٰی صاحب نے کروایا ہے۔ وہ اکثر جگہ جانے یہ کیوں لکھتے ہیں کہ ''شاعر نے ضعیف روایات سے کتاب کو محفوظ رکھا ہے۔'' یحیٰی صاحب ہی کی ایک تحریر پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ فقیر اس موضوع پر ''نعت رنگ'' شمارہ ۶ میں واضح کر چکا ہے کہ ''ضعیف حدیث'' کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ حدیث غلط یا جعلی یا من گھڑت ہے۔ اس کے باوجود یحیٰی صاحب جانے کیوں ''ضعیف روایات'' پر منفی انداز میں لکھتے ہیں؟ وہ محدث و مفسر نہیں اور اس باب میں ہر کسی کو زبان و قلم دراز کرنے میں بہت احتیاط ملحوظ رکھنی ضروری ہے۔

یحیٰی صاحب لکھتے ہیں: ''انھوں نے صنائع بدائع کے ساتھ ساتھ روز مرہ اور محاوروں کو بھی زبان کے چٹ خارے کے لیے برتا ہے، مثلاً شاعر نے مدینہ میں آپ ﷺ کی آمد کو ''طلوع نور'' کہا ہے۔ اسی لیے نور کی مناسبت سے نورانی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔'' (ص ۶۷) یحیٰی صاحب! کیا یہاں ''زبان کے چٹ خارے کے لیے'' کے الفاظ ہی لکھنا مناسب تھا؟

ذرا یہ بھی بیانیہ ملاحظہ ہو، یحیٰی صاحب لکھتے ہیں: ''یا رحلت رسول ﷺ پر ابوبکر نے قرآن کریم کی آیات سنا کر صحابہ کے حواس درست کیے تھے۔'' (ص ۶۸)

شاعر کا یہ مصرعہ بھی دیکھیے: ''وہ اگر مرجائیں تو کیا دین سے پھر جاؤ گے'' (ص ۵۹)

''نعت رنگ'' میں تقریباً سبھی نے لکھا کہ ''نبی کریم ﷺ اور ان کی بارگاہ کے آداب کا خیال ہر طرح رکھا جائے۔ نہیں معلوم یہ ''مدرسین و معلّمینِ ادب و آداب'' خود کو ان تعلیمات و آداب سے کیوں ''آزاد'' رکھتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ادب کی توفیق عطا فرمائے، آمین

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶، ص ۲۷ پر تحریر کا عنوان ہے: ''نعتیہ شاعری میں ذکرِ احادیثِ رسول ﷺ''۔ لکھنے والے کا نام ''ڈاکٹر محمد سلطان شاہ'' درج ہے۔ زبان و بیان اور لہجہ و انداز اس تحریر کا جناب راجا رشید محمود کا ہے۔ اس میں راجا صاحب کی غیر مطبوعہ تحریروں کا ذکر بھی ہے اور اس تحریر کے حواشی کی فہرست بھی راجا صاحب کے عین مطابق ہے۔ تاہم ہوسکتا ہے محمد سلطان شاہ صاحب نے راجا صاحب کا انداز ہُو بہ ہُو اپنالیا ہو۔ عنوان سے یہ گمان گزرا کہ اس تحریر میں وہ اشعار ہوں گے جن میں احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کی ترجمانی کی گئی ہو لیکن یہ مضمون منکرین حدیث کے خلاف شاعری کے حوالے سے ہے۔ آں جہانی غلام احمد پرویز (جس کے لیے پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب اپنی ایک تحریر (''نعت رنگ'' ۴، ص ۲۱۲) میں ''مرحوم'' کا لفظ لکھتے نہیں جھجکے تھے) اور عبداللہ چک ڑالوی کے اس فتنۂ انکارِ حدیث پر علمائے حق اہلِ سنّت و جماعت نے فوری گرفت کی اور آوازِ حق بلند کی۔ حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ایک اسلام'' کے نام سے اہم رسالہ تحریر فرمایا تھا، اب یہ رسالہ ان کی کتاب ''رسائل نعیمیہ'' میں شامل کردیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر مکاتب فکر اور مسالک کے لوگوں نے بھی اپنے طور پر تحریر و تقریر میں انکارِ حدیث اس فتنے کی سرکوبی میں حصہ لیا۔ ''نعت رنگ'' میں ڈاکٹر محمد سلطان شاہ کی طرف سے یہ تحریر بہت مفید ہے تاکہ قارئینِ ''نعت رنگ'' کو اس بارے میں حقائق سے آگہی ہو۔ اس تحریر میں بہت سے علمائے کرام کی نعتیہ شاعری سے استفادہ نہیں کیا گیا، میری یادداشت میں اس وقت مولانا جمیل الرحمٰن رضوی قادری کا یہ شعر گونجا ہے:

اَمر اُن کا امرِ رب ہے نہی ان کی نہیِ رب
وہ ہے فرمانِ الٰہی جو ہے فرمانِ رسول (ﷺ)

اس حوالے سے حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمۃ کے دیوان سالک میں یہ

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

شعر بھی ملاحظہ ہوں:

ہے جس کی ساری گفتگو وحیِ خدا یہ ہی تو ہیں
حق جس کے چہرے سے عیاں وہ حق نما یہ ہی تو ہیں

☆

تمھاری اطاعت، خدا کی عبادت
تیرا تذکرہ ذکرِ حق ہو بہو ہے

☆

وہ جس کو ملے ایمان ملا ایمان تو کیا رحمان ملا
قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نور ہُدیٰ پایا

سلطان شاہ صاحب کے مضمون کے ابتدائی جملے ملاحظہ ہوں: ''قرآن مجید میں اللّٰہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا وہاں اپنے رسولِ اکرم نبی معظم ﷺ کی اتباع کا بھی حکم صادر فرمایا اور اطاعتِ رسول ﷺ کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ کو یہ بھی بتادیا گیا کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اطاعتِ ربّ العٰلمین ہے۔ قرآن مجید میں محبتِ کبریا کے دعوے داروں کو اطاعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی ہدایت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس حکم پر عمل کرکے وہ اللّٰہ کی محبت ومغفرت کے مستوجب ٹھہریں گے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعثتِ انبیا کا مدعا یہ ہے کہ اذنِ خداوندی سے اُن کی اتباع کی جائے۔'' (ص۴۷)

اس عبارت میں یوں تو قرآنی آیات ہی کا مفہوم اور ترجمانی ہے لیکن جہاں اطاعت کا لفظ لکھنا تھا وہاں اتباع اور جہاں اتباع لکھنا تھا وہاں اطاعت لکھا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنی یہ ہیں:

اطیعو اللّٰہ واطیعو الرسول (النساء:۵۹)

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (النساء:۸۰)

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم (آل عمران:۳۱)

وما ارسلنا من رسول الالیطاع باذن اللّٰہ (النساء:۶۴)

اس تحریر میں ہے: ''اس سے واضح ہوتا ہے کہ اطاعت الٰہی کے ساتھ ساتھ اتباعِ رسول ﷺ بھی ضروری ہے اور اسے ترک کرنے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتے

ہیں۔'' (ص۷۲)

یہ فقیر اپنی دانست کے مطابق عرض گزار ہے کہ ''اتباعِ رسولِ کریم (ﷺ)'' ترک کرنا بلاشبہ سنگین فعل ہے جو بہت گناہ گار بناتا ہے لیکن دائرۂ اسلام سے خارج کرنے والا فعل اس کا اس کا انکار ہے، ترک نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: **قل اطیعو اللّٰہ والرسول فان تولوا فان اللّٰہ لایحب الکفرین** (آل عمران: ۳۲) اس آیت قرآنی میں اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی ''اطاعت'' (فرماں برداری) سے انحراف کرنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔

حدیث شریف بھی ملاحظہ ہو: **عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ کل امتی یدخلون الجنۃ الامن ابی قیل من ابی؟ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی۔** (بخاری) حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے انکار کرنے والے کے، عرض کیا گیا کہ انکار کرنے والے کون ہیں؟ (رسول کریم ﷺ نے) فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا۔

تحریر میں ہے: ''...منکرین حدیث فقط احادیث کو خلافِ قرآن ثابت کرنے کے لیے ہی سرگرداں نہیں بلکہ قرآن بھی ان کے دست ستم سے نہیں بچ سکا۔'' (ص۷۳)

اس عبارت میں یہ الفاظ ''قرآن بھی ان کے دستِ ستم سے نہیں بچ سکا'' مجھے گراں گزرے، انھیں یوں لکھا جاتا کہ ''قرآن کریم پر بھی ان ظالموں نے اپنے دستِ ستم دراز کرنے کی مذموم کوشش کی۔''

اس تحریر میں ہے: ''گزشتہ سطور میں اردو شعرا کے کلام سے ضرورت و اہمیتِ حدیث اور حجیت و حقانیتِ حدیث سے متعلق جو اشعار دیے گئے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف شعرائے نعت نے اِکا دُکا اشعار میں سنت و حدیث کا ذکر بھی کیا ہے۔ راقم کو جو دو نظمیں اس موضوع پر ملی ہیں، وہ بھی اردو شاعری کا اعلیٰ نمونہ قرار نہیں دی جاسکتیں۔ دراصل ہمارے شعرائے کرام کتب احادیث و سیرت سے استفادہ تو درکنار، قرآن مجید کی تفہیم کے لیے اس کا مطالعہ بھی شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے ہاں حدیث کے موضوع پر بہت کم اشعار ملتے ہیں تاہم دنیائے نعت میں ایک ایسا شاعر بھی ہے جس کے کلام میں اَن گنت اشعار میں اس مضمون کو نظم کیا گیا ہے۔ اس کا نام راجا رشید محمود ہے جس ربع صدی سے اپنے شب و روز مدحتِ حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے لیے وقف کیے

ہوئے ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ محمود کی شاعری میں اردو کے تمام شعرا سے زیادہ احادیثِ رسول ﷺ کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خالصتاً نعت گو شاعر ہے، ثانیاً اس شاعر کا کتبِ احادیث و سیرت کا مطالعہ اپنے ہم عصر نعت گو شعرا سے کہیں وسیع ہے۔ ثالثاً اس نے احادیث اور سیرت کے موضوع پر بعض منثور تحقیقی تصانیف بھی لکھی ہیں۔ ان وجوہ کے باعث ان کے ہاں احادیثِ مبارکہ کا پرتو دیگر شعرا کی نسبت زیادہ محسوس ہوتا ہے۔'' (ص ۷۹)

اس اقتباس میں مضمون نگار نے اردو کے تمام شعرا کے لیے جو بات ''یقینی طور'' پر کہی ہے وہ اس بیان کے مطابق یقینی طور پر درست نہیں ہے۔ مضمون نگار نے تمام اردو شعرا کے کلام میں حجیتِ حدیث شریف کے موضوع پر اشعار بلاشبہ نہیں دیکھے ہوں گے لیکن اپنی یادداشت اور اپنے مطالعہ کے مطابق یہ فقیر عرض گزار ہے کہ کتنے ہی افراد ایسے ہیں جن کی بیش تر نعتیہ شاعری، قرآن و حدیث ہی کی ترجمانی ہے اور خالصۃً نعت گو شاعر بھی متعدد ہیں۔ مضمون نگار کو اگر راجا رشید محمود صاحب'' کے ہاں احادیثِ مبارکہ کا پرتو دیگر شعرا کی نسبت زیادہ محسوس ہوتا ہے۔'' تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مضمون نگار کو ''دیگر شعرا'' اور ان کا پورا کلام دیکھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی یا انھوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ مضمون نگار اس حقیقت کو بھی شاید مانیں گے کہ مستند اور جید علمائے کرام بھی نعت گوئی فرماتے ہیں تو کیا کسی کو محض اس کے وسیع مطالعے کی وجہ سے ان علمائے کرام کے تقابل میں پیش کیا جا سکتا ہے؟

نعت شریف کے باب میں راجا صاحب کی خدمات کا ذکر ضرور کیا جائے لیکن مدحتِ حبیبِ کریم ﷺ میں جن ہستیوں نے اپنی تمام عمر کا ہر لحہ وقف کیے رکھا اور دینِ مصطفیٰ (ﷺ) کی وہ خدمت کی جو ملت اسلامیہ کا اعتبار و افتخار ہے، اسے فراموش نہ کیا جائے۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن کی علمی تحقیقی تصانیف سے استفادہ کر کے راجا صاحب اور ہم سب خود کو متعارف کرواتے ہیں۔ اِس آلودۂ عصیاں نے راجا صاحب سے ''بمشکل'' ان کی کچھ تصانیف حاصل کی ہیں اور انھیں سرسری دیکھا ہے، یہاں ان کی تصانیف پر تبصرہ مقصود نہیں لیکن محمد سلطان شاہ صاحب سے عرض ہے کہ ہر عالمِ دین کی ہر کتاب کا ہر ہر لفظ اور جملہ مراد نہیں، تاہم راجا صاحب کی تصانیف میں علمائے کرام کی کتابوں کے مقابلے میں قابلِ گرفت الفاظ اور جملے زیادہ ہیں۔ یہ قرآنی آیت **وفوق کل ذی علم علیم** (یوسف:۷۶) بھی ہمیں یاد رہنی چاہیے۔

راجا صاحب کا ایک مصرع ہے: ''خدا کا کفر ہے انکارِ گفتگوئے رسول (ﷺ)'' (ص ۷۹)

قرآن میں ہے: **من كفر بالله من بعد ايمانه...** (النحل:۱۰۶) جو کوئی ایمان کے بعد

اللّٰہ سے کفر کرے۔ راجا صاحب کے مصرعے میں ''خدا کا کفر ہے'' قابل توجہ بات ہے۔

یہاں یہ فقیر پھر عرض گزار ہے کہ مجھ گناہ گار سے تقریر و تحریر میں کہیں کوئی ایسی بات سرزد ہوئی ہو جو عنداللّٰہ حق نہیں اور صحیح العقیدہ اہلِ ایمان کے نزدیک بھی میری کوئی بات جو فی الواقع مسلمہ حقائق کے خلاف ہو، اس سے توبہ و رجوع کرتا ہوں اور اللّٰہ کریم جل شانہ سے طالبِ عفو مغفرت ہوں۔

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! آپ نے ٹیلے فون پر گفتگو میں بتایا کہ ''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۷ تیار ہے، کوئی تاخیر ہوگی تو صرف میری تحریر کی وجہ سے ہوگی۔ ادھر مجھے مسلسل سفر اور تقریروں ہی سے مہلت نہیں مل رہی۔ ''نعت رنگ'' کا خاصا حصہ ابھی باقی ہے۔ مطالعے میں جو جملے نشان زد کرتا ہوں، لکھتے ہوئے اس کے سوا بھی بہت کچھ قلم برداشتہ لکھتا چلا جاتا ہوں۔ آپ کو جلدی ہے، اس لیے اختصار کی کوشش کرتے ہوئے اپنی یہ تحریر مکمل کرتا ہوں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۸۶ پر ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کی دوسری تحریر ''معراج نامہ: بلاقی'' کے عنوان سے ہے۔ اس تحریر میں ان کے اس جملے پر تفصیل سے لکھتا کہ: ''واقعہ معراج کے متعلق نصوص بھی ہیں اور احادیثِ صحیحہ سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ عقائد کے لحاظ سے البتہ علمائے اسلام دو طرح کے خیالات رکھتے ہیں۔ ایک طبقہ اس واقعہ کو ''روحانی'' سفر گردانتا ہے تو دوسرا اسے ''جسدی'' قرار دیتا ہے۔'' (ص ۸۷) اس وقت صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا منکر تو مسلمان ہی شمار نہیں ہوگا۔ وہ طبقہ جو اسے روحانی سفر گردانتا ہے، بہت کم افراد پر مشتمل ہے اور اس طبقہ کے غلط نظریات کو علمائے اسلام یا اسلامی عقائد کے باب میں شمار کرنا ہرگز درست نہیں۔ علاوہ ازیں گنبد صخرہ تلے وہ معلق پتھر آج بھی موجود ہے۔ لوگ اس کے نیچے سے گزرتے ہیں اور اس کا معلق ہونا بچشم خود دیکھتے ہیں۔ اس فقیر کے پاس اس کی فوٹو محفوظ ہے۔ یحییٰ صاحب بھی دعا کریں کہ صیہونیوں کے تسلط سے وہ خطہ آزاد ہو اور وہ خود جاکر دیکھ آئیں تاکہ انھیں یہ روایت ''عجیب و غریب'' نہ لگے۔ اس چٹان پر میرے آقا کریم ﷺ کی نعلین شریف کا عکس آج بھی موجود ہے۔

یحییٰ صاحب نے اشعار پر تبصرے میں کہیں کہیں ناموزوں لفظ اس تحریر میں بھی لکھے ہیں۔ ان سے عرض کروں گا کہ وہ ''بے احتیاطی'' سے اجتناب کیا کریں۔

''اصناف سخن کا تنوع اور نعت'' کے عنوان سے میاں والی کے جناب پروفیسر محمد فیروز شاہ

نے اچھی تحریر پیش کی ہے، انھوں نے نعت شریف کا ذکر کرتے ہوئے قارئینِ ''نعت رنگ'' کو اصنافِ سخن سے اور ان اصناف میں کہی گئی کچھ نعتوں سے بھی اپنے انداز میں متعارف کروایا۔ ان کی تحریر میں بھی دو تین جملوں پر نظر ٹھہری، تاہم ان کا ذکر نہیں کر رہا۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص۱۳۵ پر جناب راجا رشید محمود کی تحریر سے پہلے آپ کا ''ادارتی نوٹ'' ہے، آپ کو یہ کیوں لکھنا پڑا؟ اس کا اندازہ راجا رشید محمود صاحب کی تحریر کے مطالعے سے ہُوا۔ راجا صاحب سے تا ایں دم میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ خود ''داڑھی'' نہ رکھنے کے بارے میں انھوں نے جو نہایت نامناسب باتیں لکھی کہی ہیں، ان کی وہ باتیں پڑھ سن کر ان سے ملنے کو جی بھی نہیں۔ راجا صاحب کی اس تحریر میں ان کا وہ ''غصہ'' نمایاں ہے، جس کا ذکر آپ نے ''ادارتی نوٹ میں کیا ہے، ورنہ یہ آپ نے صحیح کہا ہے کہ انھوں نے ''اپنی اس تحریر کے کچھ حصے مقدور بھر علمی ثروت اور استدلالی قوت کے ساتھ محنت سے لکھے ہیں۔''

راجا صاحب کی یہ بات خلافِ واقعہ ہے کہ: ''ہندوستان کے بہت سے رہنے والے بہت حد تک مجبور اور کسی حد تک معذور نظر آتے ہیں کہ دینی شعائر اور اسلامی زبان سے اپنی مغائرت بلکہ مخاصمت کا ثبوت دیں۔'' (ص ۱۴۱) راجا صاحب کو اگر کچھ ''بھارتی'' ایسے نظر آئے یا محسوس ہوئے ہیں تو وہ ''بہت سے'' لوگوں پر یہ الزام نہ رکھیں۔ انھوں نے توجہ نہیں کی کہ کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کے سولہ شماروں میں عربی شاعری کے حوالے سے زیادہ مضامین بھارتی باشندوں ہی نے لکھے ہیں۔

راجا صاحب لکھتے ہیں: ''افسوس کہ مدیر ''نعت رنگ'' بھی ہر رطب و یابس کو تنقید سمجھ لیتے ہیں...'' (ص۱۵۴)

اس جملے میں ''بھی'' کا لفظ کیا معنی دے رہا ہے اس سے قطع نظر ''رطب و یابس'' کے لفظوں کے استعمال پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن کریم کی آیت میں یہ بیان ہُوا ہے: **ولا رطب ولا یا بس الا فی کتب مبین.** (الانعام:۵۹) اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا ہو۔

ان الفاظِ قرآنی کو جاننے اور سمجھنے کے بعد ہم لوگ ''رطب و یابس'' کے الفاظ اپنی تحریر و تقریر میں منفی مفہوم کے ساتھ جس کشادگی سے کہتے لکھتے ہیں، کیا وہ ''روا'' سمجھے جائیں؟ قرآن نے واضح کر دیا کہ لوح محفوظ میں ہر رطب و یابس یعنی ہر تر اور خشک چیز کا بیان ہے اور ہماری تحریروں تقریروں میں ''رطب و یابس'' کے الفاظ کا معنی و مفہوم منفی اور تحقیر آمیز ہوتا ہے۔

''زَید، بکر، عَمر و'' یہ نام اصحاب نبوی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہیں، گرامر کی زبان میں یہ کیسے در آئے؟ ان کو رواج کس نے دیا؟ ہم سب نے انھیں کیوں قبول کرلیا؟ ''اسرائیل'' یہ نام حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہے عبرانی زبان میں۔ آج ہم بنی اسرائیل کہنے کی بجائے صرف یہ نام لے کر جو ''مذمت'' کرتے ہیں، کیا وہ ''روا'' ہے؟ کیا ان الفاظ کا ایسا استعمال کوئی سازش تو نہیں؟ ہم سے کوئی شدید غفلت تو نہیں ہورہی؟

اس فقیر کی دانست میں کوئی غلطی ہے تو ضرور میری اصلاح کی جائے ورنہ ہم سب اپنی غفلتوں کو دُور کریں۔ اللہ کریم جل شانہ ہمیں ہدایت پر رکھے، آمین۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ میں گوجراں والا کے جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کی تحریر ''مہر عالم تاب'' ص ۱۷۰ سے ۱۹۲ تک ہے۔ انھوں نے تاج دار گولڑا شریف حضرت قبلہ پیر سیّد مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری پر تفصیل سے لکھا ہے، ان کے قلم پر عقیدت و محبت غالب رہی اور اس بیان میں ان کی تحریر خوب ہے۔ ان کا یہ جملہ جانے کیا مفہوم رکھتا ہے کہ: ''جب لفظوں کو مرصع کاری ودیعت ہوتی ہے تو نعت ہوتی ہے۔'' (ص ۱۷۰)

بھارت کے جناب ظہیر غازی پوری کی تحریر ''تاج الفحول... ایک مداح رسول ﷺ'' کے عنوان سے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۲۲۰ سے ۲۳۳ تک ہے۔ ان کی اس تحریر میں ان کی معلومات کے مطابق ''نعت نگاری'' کی ابتدا سے اب تک کی تاریخ کا مختصر تذکرہ بھی ہے اور نعت نگاری کے حوالے سے گزشتہ ادوار میں برعظیم میں ہونے والے نمایاں کام کا تعارف بھی ہے۔ راجا رشید محمود صاحب کے لیے یہ تفصیل ضرور دل چسپ اور مفید ہوگی۔ ہرچند اس تحریر میں بھی پروف ریڈنگ (مسودہ بینی) کی کچھ کم زوریوں نے (بقول حضرت پیر زادہ اقبال احمد صاحب فاروقی) ''ذوقِ مطالعہ کو مکدر کیا''، تاہم جو باتیں قابل گرفت یا محل نظر ہیں، وہ پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمایئے:

ظہیر صاحب لکھتے ہیں: ''محبان و فدایانِ رسول ﷺ کے جذبہ ایثار و قربانی کے تذکرے کے لیے ایک پورا دفتر بھی کم ہوگا۔ صرف والہانہ قرب و وابستگی رکھنے والے شعرائے کرام کا تذکرہ بھی مقصود ہو تو صفحات کے صفحات کالے کرنے پڑیں گے۔'' (ص ۲۲۳) یہاں ''صفحات کالے کرنے'' کے لفظ منفی تاثر دے رہے ہیں، اچھا ہوتا اگر اس سے بہتر لفظ بیان ہوتے۔

ظہیر صاحب لکھتے ہیں: ''جو لوگ نبیوں کے درجات سے واقف نہیں، ان کے لب تک ایسے سوالات بھی آتے ہیں کہ جو نبی آخر میں آئے انھیں تمام نبیوں پر فوقیت کیوں کر حاصل ہوگئی؟

بات دراصل یہ ہے کہ انسانوں کے علم و آگہی کے لیے جتنے نبی آئے انھوں نے درجہ الف سے ایم اے تک کی تمام کی تعلیمات پوری کرادیں۔ حضرت محمد ﷺ آخر میں تشریف لائے اور ہر طرح کی ریسرچ (تحقیق) اور پی ایچ۔ ڈی یا ڈی لٹ وغیرہ کا عرفان عطا کیا اور قرآن و حدیث کی شکل میں ایسی اہم کتابیں فراہم کرادیں جو تا قیامت مدرسین و محققین کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔ لہٰذا ان نبیوں کا نبی ہونا اور حضور ﷺ کا خاتم النّبیین ہونا برحق ہے۔ ان کی اسی فضیلت کے پیشِ نظر انھیں فلک الافلاک تک جانے اور اللّٰہ تبارک و تعالیٰ سے دو بہ دو گفتگو کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔'' (ص ۲۲۶)

ظہیر صاحب سے اس عبارت میں جو بے احتیاطی ہوئی وہ اسے خود ملاحظہ فرمالیں: رسول کریم ﷺ کا انبیائے کرام علیہم السلام کے آخر میں تشریف لانا اور سب سے افضل ہونا، آپ کسی مناسب اور عمدہ مثال سے سمجھاتے۔ انھوں نے بات سمجھانے کو جو لکھا اور جس طرح لکھا، کیا اسی طرح ہونا چاہیے تھا؟ میرے نبی پاک ﷺ کا قاب قوسین کی منزلوں میں جلوہ گر ہونا ان پر میرے ربّ کریم جل شانہ کی خاص عطا ہے، اور ظہیر صاحب ''دو بہ دو'' کے الفاظ آپ اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ کے لیے کیسے لکھ گئے؟

ظہیر صاحب لکھتے ہیں: ''عرش معلیٰ تک محبوب کبریا کے سوا کبھی کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ فلک البروج آٹھواں آسمان ہے اور فلک الافلاک نواں آسمان۔ اس آسمان پر ستارے بھی نہیں ہیں۔ انجم و پرویں کی کہکشاں بھی نہیں ہے اور فضا میں تیرنے والے ٹمٹماتے ہوئے سیارے بھی نہیں ہیں۔ وہاں صرف خالقِ کائنات ہے جو بذاتِ خود نور ہی نور ہے اور وہ لاشریک ہے۔ اتنی وسیع و عریض دنیا اور اس کی بسیط فضا میں ایستادہ کروڑوں کرۂ ارض کا وہ تنہا مالک ہے اور اپنی نظر کے ایک رموٹ سے ہر شے کو اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ حساس بھی ہے اور اس نے اپنا ایک محبوب بھی منتخب کیا جسے اپنی ہی ایک جز و روشن سے تاباں و منور کیا اور اس کے لیے بے تاب بھی رہا، اسے سرعرش بھی بلوایا اور اس پر خود درود وسلام بھی بھیجا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر کا غم تو خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا'' (معاذ اللّٰہ) (ص ۲۲۸)

ظہیر صاحب! یہ کیا لکھ گئے ہیں آپ؟ آپ اپنی اس عبارت کو خود ملاحظہ فرمائیں۔ کیا آپ بھی پروفیسر اقبال جاوید کی طرح اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ کا دل و دماغ اور اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ کے

لیے سمت و جہت ماننے کی بات کرتے ہیں؟ اپنے جملے دیکھیے:

''عرش معلی تک محبوب کبریا کے سوا کبھی کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔''

''وہاں صرف خالق کائنات ہے''

''لہٰذا وہ حساس بھی ہے''

''جسے اپنے ہی ایک جزو روشن سے تاباں و منور کیا''

''اور اس کے لیے بے تاب بھی رہا''

اور یہ نہایت معترضہ شعر آپ نقل کرتے ہوئے یہ لکھ رہے ہیں کہ: ''کسی نے کیا خوب کہا ہے۔''

لیس کمثلہ شئی، میرے معبودِ حقیقی اللّٰہ کریم جل شانہ کے لیے آپ کی یہ باتیں کیا آپ پر توبہ واجب نہیں کرتیں؟

ظہیر صاحب لکھتے ہیں: ''ادب لٹریچر بھی ہے، اطوار و اخلاق کا آئینہ دار بھی اور عبادت بھی۔ ادب ایمان و اسلام بھی ہے اور اس سے محرومی کفر کے مصداق ہے۔'' (ص ۲۳۱)

''ادب: کا وہ مفہوم جو ایمان و اسلام سے وابستہ ہے اس سے محرومی تو ''کفر'' تک لے جاتی ہے لیکن آپ نے اگلی سطر میں خود ہی ''صالح ادب'' کے لفظ لکھے ہیں۔ لٹریچر کو جس مفہوم میں ادب کہا جاتا ہے اس حوالے سے آپ کی یہ بات محل نظر ہے۔ ظہیر صاحب! آپ نے حضرت تاج الفحول علیہ الرحمہ سے ''نعت رنگ'' کے قارئین کو متعارف کروایا، اس خدمت پر آپ کا شکریہ، لیکن آپ نے اپنے بیانیے میں جو بے احتیاطی کی ہے اسے آپ یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ: ''جناب کوکب نورانی صاحب کے طویل مراسلات دلچسپ اور معلوماتی ہوتے ہیں مگر وہ سکے کا ایک پہلو پیش کرتے کے عادی ہیں اور ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی عیب یا نقص ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ واقعی کمال کی نظر رکھتے ہیں!'' (ص ۳۹۷، شمارہ ۱۶، ''نعت رنگ'')

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ کے ص ۲۳۴ پر ملتان کے پروفیسر شوذب کاظمی کی تحریر ہے، عنوان ہے: ''عرش صدیقی کی نعتیہ شاعری'' اس تحریر میں یہ بات قابل توجہ ہے، وہ لکھتے ہیں: ''اخبارات میں یہ شکایت شائع ہوئی کہ عرش صدیقی یونی ورسٹی کے طالب علموں میں گم راہی پھیلا رہا ہے... اور بائبل پڑھنے پر مجبور کر رہا ہے... مائتھالوجی کو خرافات سمجھنے والے علمائے متقدمین اور متاخرین سے اس قسم کے رویے پر مجھے زیادہ حیرانی نہیں ہوئی میں نے اس سلسلے میں طالب علموں اور ان میں سے

بعض کے بزرگوں اور چند اہم شہریوں سے مذاکرات کیے اور خدا کا شکر ہے کہ انھیں ہم خیال بنانے میں کامیاب رہا۔ ایک بار چند ایسے حضرات سے میری گفتگو ہوئی جنھوں نے قرآنِ کریم کا سرسری مطالعہ تو کیا تھا لیکن دوسری کسی مذہبی کتاب کو نہیں دیکھا تھا نہ ہی ان مذاہب کے پیشواؤں کی زندگی کی تفصیلات کا انھیں علم تھا۔ میں اصرار کررہا تھا کہ انھیں دوسرے مذاہب کی کتابوں اور ان کے پیشواؤں کی زندگی کا علم حاصل کرنا چاہیے اور وہ میری بات ماننے کو تیار نہیں تھے۔ جب میں نے اصرار کیا کہ میں ان دوسرے مذاہب کے مطالعے کو اہم سمجھتا ہوں تو انھوں نے مجھ سے کچھ سوال کیے اور جواب مانگے، یوں:

س: کیا آپ قرآنِ حکیم کو عظیم ترین اور مکمل ترین کتاب مانتے ہیں؟

ج: جی ہاں مانتا ہوں۔

س: کیا آپ محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے بڑا پیغمبر مانتے ہیں؟

ج: جی ہاں مانتا ہوں۔

س: بتایئے کہ یہ ماننے کے باوجود کہ قرآن سب سے اہم کتاب اور محمد ﷺ سب سے بڑے پیغمبر ہیں کیا دوسرے مذاہب اور ان کے پیغمبروں کی طرف رجوع کرنا آپ کے ایمان اور عقیدے کی کم زوری کا ثبوت نہیں ہے؟

ج: نہیں! آپ کا خیال غلط ہے میں محض اس لیے مسلمان نہیں ہوں کہ میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا میں محض عقیدے کی بنیاد پر بھی مسلمان نہیں ہوں میں سوچ سمجھ کر شعور کی بنیاد پر مسلمان ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ کس بات کی کیا اہمیت ہے جب کہ آپ نہیں سمجھتے۔

س: کیا ہمارا عقیدہ ہمارے لیے کافی نہیں ہے اور کیا آپ کا ایمان کم زور نہیں ہے؟

ج: جی نہیں! عقیدے کی اپنی اہمیت ہے لیکن عقیدے کو عقل اور سائنس کے حوالے سے بھی ماننا دوسری بات ہے۔ چلیے تھوڑی دیر کو میں مان لیتا ہوں کہ میرا ایمان کم زور ہے اور خاکم بدہن میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم مکمل راہ نما کتاب نہیں ہے یا محمد ﷺ مکمل رہبر نہیں ہیں، یا یوں کہیے کہ آپ تو مانتے ہیں آپ کو اُن کو قائل کرنا ہے جو اسلام کو نہیں مانتے اور رسول خدا کو نہیں مانتے۔ آپ ان کو کیوں کر قائل کریں گے کیا آپ کو یہاں دوسرے ادیان سے مقابلہ کرنا ہوگا۔

میرے اس سوال اور اس دلیل کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے یہ نہ بتا سکے کہ اس عقیدے میں جس کے وہ مقلد ہیں کیا بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔ آخر دوسرے لوگ ان کے

عقیدے کو کیوں قبول کریں۔ (''ہندو صنمیات'' از ڈاکٹر مہر عبدالحق، بیکن بکس، ملتان، اوّل ۱۹۹۳ء، ص ۱۳ تا ۱۵)

دراصل عرش صدیقی اپنے عقیدے، ایمان اور اس کے زیرِ اثر اپنی نعت گوئی میں بھی تقابلِ ادیان کو اہمیت دیتے ہیں اور اسے شعوری سطح پر قبول کرتے ہیں۔ عرش صدیقی اُس رہبر کے قائل ہیں جو سفرِ زندگی کی اُن تمام راہوں، دشواریوں اور آسانیوں کا کماحقہ علم رکھتا ہو جن سے انسان کا ربطِ خاص ہے۔'' (ص ۲۳۶ تا ۲۳۸)

عرش صدیقی صاحب کے حوالے سے کاظمی صاحب نے جو وضاحت کی ہے وہ واضح کرتی ہے کہ انھیں اس بارے میں اسلامی تعلیمات سے مکمل آگہی نہیں ہے۔ ''تقابل ادیان'' کے بارے میں یہاں تفصیل تو نہیں لکھوں گا لیکن یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ موضوع ہر کسی کو پڑھنے اور جاننے سے پہلے کچھ شرائط اور پابندیاں ہیں کیوں کہ وہ شخص جسے اسلامی عقائد ہی کی پوری اور صحیح آگہی نہ ہو، وہ دوسرے مذاہب کی کتب پڑھنے سے کہیں تشکیک یا تذبذب کا شکار ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہو تو کوئی قابل بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ بہکنے بھٹکنے سے بچا رہے گا۔ میری اسی تحریر میں جناب رشید ارشد کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ذکر آیا تھا کہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات دیکھ کر میرے نبی پاک ﷺ نے وہ ان سے لے لی اور ان سے فرمایا کہ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو انھیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے: فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین (الانعام: ۶۸)

ظلم کی تعریف یہ ہے: ''وضع الشئی فی غیر موضعه (المفردات) کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی یا زیادتی کرکے یا اسے اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر... ظلم کا لفظ حق سے تجاوز پر بولا جاتا ہے۔ ظلم تین قسم پر ہے پہلی اور بڑی قسم وہ ظلم جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے۔ دوسری قسم جو انسان ایک دوسرے پر کرتا ہے۔ تیسری قسم وہ جو انسان خود اپنے نفس پر کرتا ہے۔'' (مفردات القرآن، اردو، ص ۶۵۴) دوسرے مذاہب کے لوگوں میں یہ تینوں قسمیں پائی جاتی ہیں۔

ہم سب یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس بھی تورات و انجیل اپنی اصل میں نہیں ہیں اور جس کسی حالت میں ہیں وہ نسخے بھی مختلف ہیں اور ان میں بھی مسلسل تحریف ہو رہی ہے، بایں ہمہ ہمارے ہاں تو قرآن کریم کو ترجمے ہی سے زیادہ لوگ سمجھتے ہیں، وہ شمار کم ہی ہے جو

عربی سے خاصی وابستگی رکھتا ہے اور قرآن فہمی میں بھی غلطیاں ہو رہی ہیں یعنی من مانا ترجمہ اور اپنی رائے سے تفسیر کرنا کچھ عام ہوگیا ہے، ایسے میں عام لوگوں کو یہ کہنا کہ وہ خود تقابل ادیان کے لیے دیگر مذاہب و ادیان کی کتابیں پڑھیں، یہ صائب اور مناسب نہیں۔ شعور و فکر کو جب تک کتاب و سنّت کے مطابق نہ بنایا جائے تو حیات کی پیچیدگیاں سلجھتی نہیں اور انسانی ذہن الجھنوں سے برأت نہیں پاتا۔

پروفیسر کاظمی صاحب لکھتے ہیں: ''عرش صدیقی اس رہبر کے قائل ہیں جو سفرِ زندگی کی ان تمام راہوں، دشواریوں اور آسانیوں کا کماحقہ علم رکھتا ہو جن سے انسان کا ربطِ خاص ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ وہ ہستی ہیں جنھیں زندگی کے ہر شعبے کا بلاواسطہ اور مکمل تجربہ تھا....'' (ص ۲۳۸) جب وہ خود قائل ہیں اس بات کے تو وہ یہ مانیں گے کہ رسول کریم ﷺ سے بہ تمام و کمال وابستگی اور ان کی تعلیمات سے صحیح اور مکمل آگہی کے بعد بھی صرف وہ شخص جو غیروں کو ان کے عقائد کی کم زوری یا غلطی سے آگاہ کر کے انھیں اسلام سے وابستہ کرنا چاہے، دوسرے مذاہب کی کتابیں پڑھے تو اسی کے لیے بات کی جائے نہ کہ ہر شخص کے لیے کیوں کہ ہر شخص ہرگز اس کا اہل نہیں ہوسکتا۔

مجھے یہاں یہ بھی کہنا ہے کہ لیو پولڈ ویز (محمد اسد) نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا اس میں دیکھ لیا جائے کہ وہ اسلامی عقائد کے مطابق نہیں۔ یوں ہمیں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ آج مستشرقین کی کتابوں کو اہمیت دینے والے اکثر ٹھوکر کھاتے ہیں۔ یہ فقیر اس موضوع پر اپنی تقریروں میں بہت کچھ کہہ چکا ہے، یہاں مختصراً وضاحت پیش کی ہے۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ۔۱۶ کی کچھ تحریروں کا ذکر نہیں کر سکا۔ اتنا کچھ بھی مشاغل کی اس کثرت میں جانے کیسے لکھ گیا، اپنی اس تحریر کو یہاں ختم کرتا ہوں۔ مجھ سے اس تحریر میں کسی طرح کہیں کوئی غلطی و کوتاہی ہوئی ہو، اللّٰہ کریم جل شانہ سے اس غلطی و کوتاہی پر توبہ کرتے ہوئے طالبِ عفو و مغفرت ہوں۔ کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ اللّٰہ بس باقی ہوس۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی۔ بھارت

''نعت رنگ'' کا شمارہ نمبر ۱۶ بابت فروری ۲۰۰۴ء موصول ہوا تھا۔ فوراً رسید نہ بھجوا سکا۔ اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ اس شمارے میں آپ نے ''نعت رنگ'' کا مولانا احمد رضا نمبر شائع کرنے

کا اعلان شائع فرمایا ہے۔ اس اعلان سے مسرت حاصل ہوئی۔ خدا آپ کو آپ کے اس نیک ارادے میں کامیاب کرے۔ آمین

''نعت رنگ'' کے جو بھی نمبر اب تک ملے ہیں ان سب کے لیے آپ کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں۔ آپ ایک دُور افتادہ فقیر حقیر کو یاد رکھتے ہیں اور ایک بیش قیمت (مادّی اعتبار سے ہی نہیں معنوی اعتبار سے بھی اس فقیر کو بھجواتے ہیں۔ اس کا بدل اس فقیر کے پاس کیا ہے؟ نیک خواہشات اور دعاؤں کے سوا مولائے تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے اور نیک ارادوں میں کامیاب فرمائے۔ ابھی تک جو شمارے اس فقیر کو ملے ہیں اُن میں ہر آنے والا شمارہ پچھلے شمارے سے ہر لحاظ سے بہتر اور افضل ہوتا ہے۔

برادرِ امام احمد رضا مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری پر ایک مضمون ارسال کر رہا ہوں۔ مضمون میں امام احمد رضا کے ساتھ حسن میاں صاحب کا اور ان کے نعتیہ شاعری کا امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری سے جو تعلق تھا اس کا مضمون میں خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ پسند آئے گا۔ اگر پسند ہو تو ''نعت رنگ'' کے امام احمد رضا نمبر میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں۔

میں آپ کو پہلی بار براہِ راست کوئی مضمون بھیج رہا ہوں۔ اس سے پہلے جو بھی بھیجا بمبئی کے محمد زبیر قادری صاحب کے ذریعے بھیجا۔ اب بھیجتے وقت اس اُلجھن میں ہوں۔ لفافے پر کون سا پتا لکھوں۔ ''نعت رنگ'' کے مولانا احمد رضا نمبر کے اشتہار کے ساتھ اور باقی شماروں میں شادمان ٹاؤن نمبر۲ کا پتا ہے اور تازہ شمارے میں انگریزی میں رابطے کا جو پتا ہے وہ کتاب مارکیٹ اردو بازار کا ہے۔ سخت اُلجھن میں ہوں کہ مضمون کس پتے پر ارسال کروں۔ اگر کبھی خط لکھنے کی نوبت آئے تو اس بارے میں بھی رہ نمائی فرمایئے گا۔

اراکینِ ادارہ جس محنت اور لگن سے مجلّے کو ترتیب دیتے ہی اُن کو مبارک باد دیتا ہوں۔ آپ سب سے زیادہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کسی زمانے میں لاہور سے ایک ادبی مجلّہ ''نقوش'' محمد طفیل صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا۔ (شاید جاوید صاحب اب بھی نکال رہے ہیں) ''نعت رنگ'' کو دیکھ کر وہ مجلّہ یاد آجاتا ہے۔ ہر چند کہ اس کی ضخامت زیادہ ہوتی تھی مگر ادبی اور مذہبی مجلّے کا فرق تو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ مزید یہ کہ اگر ''نعت رنگ'' کی کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ کے بجائے ہاتھ سے ہو تو ضخامت ڈیڑھ گنی ہوسکتی ہے۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ نقوش کے جو نمبر اس فقیر کی نظر سے گزرے ہیں

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

اُن کا کاغذ ''نعت رنگ'' کے کاغذ کے مقابلے میں بہت معمولی تھا۔ کمپیوٹر کمپوزنگ میں اتنی کم غلطیاں، حیرت ہوتی ہے۔ کتنی محنت کرتے ہیں آپ۔

اُمید ہے کہ مع اراکینِ ادارہ واہلِ عیال بہ عافیت ہوں گے۔

مولانا ملک الظفر سہسرامی۔ بھارت

میں آپ کے مکتوب کا انتظار ہی کرتا رہ گیا اور آج اچانک ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۶ اور محترم پروفیسر شفقت رضوی کی اہم، معلوماتی اور قابلِ قدر کتاب '' 'نعت رنگ' کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ'' کا پیکٹ موصول ہوا۔ آپ کا یہ تحفۂ خلوص مجھے اس وقت ملا جب پاکستان میں ہندوپاک کے درمیان فائنل کرکٹ میچ کھیلا جارہا تھا۔ تقریباً سارے لوگ کرکٹ کے اس فائنل میچ کی دلچسپیوں میں کھوئے ہوئے تھے اور میں ان تحفوں کی قیمتی اور بیش بہا تحریروں اور بین السطور کے پیچ وخم میں گرفتار، اچانک شب میں آتش بازیوں کے ایک طویل سلسلے کا آغاز ہوا۔ کچھ دیر کے لیے تو یہ میرے لیے معمہ بنا رہا۔ نقشہ کچھ ایسا تھا کہ جیسے دیوالی یا ہندوستانی مسلمانوں کی روایتی شبِ برات ہو جس میں لاکھوں لاکھ روپے پٹاخے بازی میں خرچ کرکے ذہنی آسودگی کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس کی روشنی میں، میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ پاکستان میں بھی عوامی سطح پر آتش بازی اور پٹاخے بازی سے شبِ برات کی آمد محسوس کی جاتی ہے۔ ہم نے برات کی اس مقدس شب کو گناہوں کی بارات سجانے میں ضائع کردیا۔ میں اس گتھی کو سلجھانے میں مصروف تھا کہ معاً خیال کرکٹ میچ کی جانب گیا اور پھر سارا معمہ حل ہوگیا کہ فائنل میچ میں ہندوستانی ٹیم کو فتح کا تمغہ حاصل ہوچکا ہے اور یہ اس کامیابی کے حصول پر مسرتوں کا اظہار ہے۔ پتا نہیں آپ کے یہاں اس میچ کو کس پس منظر میں دیکھا جارہا تھا۔ یہاں تو سیاست کی پچ پر سیکولر اور فسطائی طاقتوں کے درمیان انتخابی میچ کی تیاریوں کے ایک حصے کے طور پر دیکھا جارہا ہے۔ یہ چند سطریں تو ماحول کے زیرِاثر قلم برداشتہ قرطاس پر بکھر گئیں۔

پروفیسر شفقت رضوی نے عالمانہ، محققانہ اور ناقدانہ انداز میں ''نعت رنگ'' کے پندرہ شماروں کا جو تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے اس سے ایک بار پھر نعتیہ ادب پر ''نعت رنگ'' کی خدمات کا رنگ وآہنگ نمایاں ہوکر سامنے آیا ہے۔ پروفیسر موصوف کی عالمانہ، محققانہ اور ناقدانہ بصیرت مسلّم ہے۔ ایک صاحبِ بصیرت، محقق، صاحبِ طرز انشاپرداز اور ادب کی صالح روایتوں کے امین و

پاسدار کا معتبر نام ہے شفقت رضوی۔ موصوف کے قیمتی مقالات راقم الحروف کی بیش بہا معلومات کا سامان تو ہمیشہ ہی بنتے رہے لیکن اس کتاب میں ان کی بوقلموں صلاحیتوں کے نقوش کا معاملہ یہ ہے کہ:

کرشمہ دامن دلی می کشد کہ جا ایں جاست

ابھی مکمل طور پر نہیں دیکھ سکا ہوں جستہ جستہ ہی دیکھا ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ دو اہم چیزیں سامنے ہوں تو ذوقِ انتخاب امتحان گاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کبھی ذوقِ نظر اس کا اسیر ہوتا ہے تو کبھی ''نعت رنگ'' کا۔ بعض مقامات پر تو پروفیسر صاحب ایک نئی جہت سے سامنے آئے ہیں اور وہ ان کی خوب صورت طنز نگاری ہے۔

''نعت رنگ'' کا تازہ شمارہ اپنی تب و تاب کے اعتبار سے بے پناہ خوبیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوا ہے۔ لیکن کمپوزنگ (پروف ریڈنگ) کی غلطیاں ذوق پر گراں بار ہو جاتی ہیں۔ آپ میرے ان جملوں سے حوصلہ شکنی کے شکار نہ ہو جایئے گا بلکہ اپنی منصبی ذمہ داریوں کو محسوس کیجیے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ نے اس میں کہیں پہلوتہی کی ہے چوں کہ جو کام ایک ادارے کا تھا اسے آپ تن تنہا انجام دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس صورتِ احوال میں خامیوں اور کمیوں کا در آنا ایک فطری امر ہے۔ چناں چہ اس شمارے میں بھی کتابت (پروف ریڈنگ) کی غلطیاں خاصی ہیں۔ آپ اس بات کو فراموش نہ کریں غیر اختیاری طور پر آپ نعتیہ ادب اور نعتیہ شاعری کی ایک تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ بعد کے ادوار، میں ہی نہیں بلکہ ابھی دورِ حاضرہ میں ''نعت رنگ'' کے شمارے نعتیہ ادب پر کام کرنے والے محقق اور اسکالرس اس کے لیے ایک معتبر، معتمد اور قابلِ قدر ماخذ کے طور پر مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے میں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ آپ ذمہ داریوں کی کس نازک شاہراہ سے گزر رہے ہیں۔ آپ کی ادنیٰ سی لغزش بھی تاریخی روایت کا حصہ بن جائے گی اور پھر لمحوں کی اس خطا کی سزا صدیوں کے مقدر میں جائے گی۔ خود کو آپ ''نعت رنگ'' کا صرف مرتب تصور نہ کریں بلکہ آپ اس جریدے کے قابلِ احترام مدیر ہیں۔ آپ کی ذمہ داری ایڈیٹنگ کی بھی ہے۔ رطب و یابس حشو و زوائد سے اس رسالے کو پاک ہونا چاہیے۔ ''نعت رنگ'' کے سارے مضامین تو نہیں البتہ چند مضامین سے خود کو مستفیض کر سکا ہوں۔

محترم راجا رشید محمود لاہوری کا ادبی مقام بالخصوص نعتیہ ادب کے حوالے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے ان کی اوّلیات تو اردو کے نعتیہ ادب کی آبرو ہیں۔ ماہنامہ ''نعت'' کے قابل و فاضل و مدبر کی

حیثیت سے آپ کی اعلیٰ سطحی علمی و ادبی خدمات سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ نعتیہ ادب پر ان کے چند تحقیقی مقالات سے راقم نے حظ وافر حاصل کیا ہے۔ ان میں موصوف کا تعمق علمی، ژرف نگاہی اور تحقیق کے جوہر نظر آتے ہیں۔

ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے خاص شمارے ''دیارِ نعت'' پر ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر کا تبصرہ ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۵ میں شائع ہوا ہے۔ موصوف نے ساڑھے پانچ صفحات کے اس تبصرے میں تمہیدی کلمات محترم راجا رشید محمود کی نعتیہ شاعری اور صنفِ شاعری پر ان کی خدمات کو خراجِ تحسین کے طور پر پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد کے چند اشعار کا عروضی اور فنی جائزہ لینے کے ساتھ ان کی لسانی و معنوی جہتوں کا بھی جائزہ پیش کیا ہے۔ فنِ عروض پر راجا رشید محمود کی بھی گہری نظر ہے۔ ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر نے ان کے جن اشعار میں سقوطِ حرف کی وضاحت کی ہے اس کے جواب میں موصوف نے دلائل کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔ میری یہ حیثیت نہیں کہ عروض اور فنِ شاعری کی باریکیوں کے تعلق سے کلام کروں۔ تاہم راجا رشید محمود کے جوابی مضمون کے مطالعے سے میرے قلم میں جنبش ہونے لگی اور یہ چند سطریں حوالۂ قرطاس ہوگئیں۔ میرا مقصد کسی کی تحقیر و تنقیص نہیں بلکہ ایک اظہارِ خیال ہے۔

مجھے راجا رشید محمود صاحب کی اس بات سے قطعی اتفاق ہے کہ ''اگر کوئی شخص اصل عربی تلفظ کو استعمال کرے تو اس پر اعتراض کرنا... کہاں تک جائز ہے کسی لفظ کے بولنے یا لکھنے میں مقامی طور پر یا کسی دوسرے ملک میں کوئی تبدیلی در آئے تو اس لفظ کو درست استعمال کرنے والا تو غلط نہیں ہوسکتا اور اصل لفظ 'لغو' قرار نہیں پاتا۔'' (''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۶، ۱۴۱۔۱۴۲)

اگر کوئی لفظ، تلفظ یا معنی کے اعتبار سے غلط استعمال کیا جارہا ہے تو اس کے درست استعمال کو غلط اور ناروا قرار دے کر کسی صالح فکر کا تو ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ آج عام طور پر ''قرآن''، ''غلطی''، ''عربی'' وغیرہ الفاظ کا غلط تلفظ عوام میں رائج ہے۔ عربی الفاظ کی نزاکتوں سے ناواقف شعرائے کرام بھی اس قسم کے الفاظ شعر میں غلط موزوں کر دیتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والی نعتوں میں بھی اس قسم کا عیب راہ پا جاتا ہے۔ چناں چہ اربابِ بصیرت اس کی فنی گرفت فرما کر اصلاح کی ذمہ داری ادا فرماتے ہیں۔ قرآن، مزمل، مدثر وغیرہ الفاظ کو اشعار میں غلط تلفظ کے ساتھ موزوں کرنے پر شعرائے کرام کی فنی گرفت کی مثالیں ''نعت رنگ'' کے صفحات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ الفاظ کا غلط تلفظ یا غلط اِملا رائج الوقت ہے تو کیا اس کے خلاف الفاظ کا صحیح استعمال اور درست

تلفظ نہیں کیا جائے گا؟ کیا جائے گا اور ضرور کیا جائے گا:

ہے یہی رسم تو یہ رسم مٹا دی جائے

آج ہندوستان میں بعض عربی، فارسی کے خوب صورت اور قیمتی الفاظ کا اس بے دردی کے ساتھ استحصال ہو رہا ہے کہ اساتذۂ سخن کی روحیں بھی انھیں سن کر اپنی قبر میں اضطراب بدوش ہوں گی۔ آج ہمارے یہاں اختلاف کو ہندی داں طبقے نے خلافت بولنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے۔ ہندی اخبارات، رسائل، جرائد اور الیکٹرونک میڈیا میں اس لفظ کا استعمال اختلاف کے معنی میں ہو رہا ہے۔ کیا اس لفظ سے اس کا کوئی معنوی ربط ہے؟ ظاہر ہے کہ زبان و بیان کو نزاکتوں سے واقفیت رکھنے والے حضرات پر اس قسم کا استعمال ناگوار خاطر ہوگا۔ آج کل اردو رسائل و جرائد میں قابلِ ''گردن زدنی'' اور ''قابلِ دیدنی'' وغیرہ جیسے جملے بھی ذوقِ نظر کو مجروح کر رہے ہیں۔ ایک محقق محترم نے اپنے تحقیقی مقالے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے تفوقِ علمی اور ان کے علمی تبحر کا اظہار کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے۔ ''ان سے بڑا مستشرق اس عہد میں کوئی دوسرا نہ تھا۔'' صاحبِ بصیرت محقق کو یہ بھی نہیں معلوم کہ استشراق ایک اصطلاحی لفظ ہے اور یہ ایک مستقل تحریک کا نام ہے۔ اس تحریک سے وابستہ فرد پر مستشرق کا اطلاق ہوتا ہے۔ دکتور محمد احمد دیاب نے ''اضوار علی الاستشراق والمستشرقین'' مطبوعہ قاہرہ ۱۹۸۹ء کے ص ۱۰ پر استشراق کی یہ تعریف لکھی ہے، ''غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں و تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔'' ایک دوسرے حضرت نے ایک اہم شخصیت پر نمبر شائع کیا تو اس میں ایک بزرگ کے دعائیہ کلمات کو ''ادعیۂ ماثورہ'' کی سرخی کے ساتھ شائع کیا۔ ان مقامات پر اب اس کے سوا اور کیا کہا جائے:

ناطقاں سر بگریباں ہیں اسے کیا کہیے

پڑھے لکھے لوگوں کی تحریر و تقریر میں ''استمداد طلب کرنا''، ''استحقاق حاصل کرنا'' جیسے جملے نظر سے گزرتے ہیں۔ اب انھیں کون بتائے کہ بابِ استفعال کے ان افعال میں طلب کرنا، حاصل ہونا اس لفظ کا معنوی حصہ ہے یہ تو ''آبِ زم زم کے پانی'' اور ''روغنِ زیتون کے تیل'' کی طرح ہوگیا:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے لکھا تھا کہ ''بڑی مدت

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

کے بعد لفظ 'مشکور' کا صحیح استعمال آپ کے گرامی نامے میں دیکھا اس کو اکثر لوگ جن میں یونی ورسٹیوں کے اردو اساتذہ بھی شامل ہیں'' شکرگزار (اسم فاعل) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ اسمِ مفعول ہے۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اس لفظ کا استعمال خوب کیا ہے:

یہ عید ہماری عید نہیں
یہ عید ہے روزہ داروں کی
محبوبِ خدا کے پیاروں کی
جس کی طاعت مشکور ہوئی
پروان چڑھی منظور ہوئی

(مکتوب، مشمولہ سہ ماہی ''الکوثر'' جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۴۷)

''غلط العوام فصیح'' کی تاویل کے سہارے اردو کی اعلیٰ لسانی قدروں کو مجروح ہونے سے بچایا جائے۔ چند مستثنیات کو چھوڑ کر۔

راجا رشید محمود صاحب کے ایک شعر میں لفظ ''انہی'' کے استعمال پر ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر کا حکم تحریف عائد کرنا درست نہیں کہا جاسکتا۔ ''انہیں'' جمع غائب کی ضمیر ہے اور ''انہی'' غائب کی ضمیر کلمۂ حصر کے ساتھ مرکب ہے۔ ''تمہی'' کی طرح اصل میں ''ان ہی'' ہے۔ لہٰذا اس کے درست استعمال پر ناک بھوں چڑھانا درست نہیں۔ اب تو ماہرینِ لسانیات نے بھی اس کے اسی استعمال کی سفارش کی ہے۔ لفظ ''استلام'' کے تعلق سے بھی ڈاکٹر گوہر صاحب کی گرفت بے موقع ہے۔ موصوف نے اسے باب استفعال پر محمول کر کے استلام کی بات کی ہے۔ جب کہ راجا صاحب کے شعر میں لفظ ہی دوسرا ہے۔ ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے:

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

''استلم'' کے تعلق سے ''المنجد'' میں ہے ''(استلم) الحجر: مسحه بالکف (من السلمة ای الحجر) قبله. و ربما استعمل فی غیرالحجر فتقول "استلمت یده" اذا مسحتها او قبلتها (المنجد. الاب لو لیس معلوف الیسوعی. الطبع الخامس بیروت)
اس لفظ کے تحت ''المنجد'' عربی اردو کی صراحت یہ ہے۔ ''استلتم الحجر'' پتھر کو ہاتھ سے چھونا یا منہ سے چومنا۔ پتھر کے علاوہ اور چیز کے لیے بھی آتا ہے۔ مثلاً آپ کہہ سکتے ہیں کہ ''استلمت

یدہ'' میں نے اس کے ہاتھ کو چھولیا یا چوم لیا۔

ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر نے اپنے تبصرے میں متروک افعال کے حوالے سے بھی راجا رشید محمود کے نعتیہ اشعار پر لسانی گرفت فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں لسانیات کے حوالے سے اصولی گفتگو تو راجا رشید محمود نے اپنے تجزیے میں کی ہے۔ لیکن میری حیرت کا باعث تو راجا رشید محمود کے شعر میں ''رہے ہے'' پر متروک کا دعویٰ دائر کرنے والے ڈاکٹر گوہر کا یہ شعر ہے:

روز یہ دل ترا انداز نیا مانگے ہے
ہر گھڑی ناز و ادا تیرے جدا مانگے ہے

(مجلّہ ''ثناخوانِ محمدؐ'' ص ۶۲ مطبوعہ، کراچی)

موصوف کا یہ شعر دیکھ کر بے ساختہ فارسی زبان کا یہ مقولہ یاد آیا:

من نہ کردم شما حذر بکنید

محترم راجا رشید محمود کے علمی و ادبی مقام و مراتب کا کسے علم نہیں۔ اگر صرف خامیاں شمار کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی تو پھر ازراہِ خلوص بذاتِ خود مکتوب کے ذریعے ان سے مطلع کر دینا چاہیے تھا۔ اس طرح غیر متوازن تبصرہ شائع کرنے اور کروانے سے گریز کی راہ اختیار کرنی چاہیے تھی۔ اس سے علمی و ادبی معیار و وقار مجروح ہوتا ہے۔ چوں کہ ڈاکٹر گوہر صاحب نے ''دیارِ نعت'' پر تبصرہ فرمایا ہے ظاہر ہے کہ تبصرے میں توازنِ فکر کا ثبوت دیا جانا چاہیے تھا جو نہیں دیا گیا۔ میری طرح دوسرے لوگوں کو بھی ان دو حضرات نے بہت مایوس کیا۔

راجا رشید محمود صاحب نے ردّعمل میں جو کچھ فرمایا ہے اس کے بعض مندرجات کو دیکھنے کے بعد یہ احساس ہوا کہ موصوف نے بھی ''جواب آں غزل'' کا حق ادا کر دیا ہے۔ بعض مقامات پر موصوف کا قلم مغلوب الغضب ہوگیا ہے۔ نتیجے میں ان کی تحریر شائستگی اور تہذیبی قدروں کے جوہر سے خالی رہی۔ وہ بلاوجہ مدیرِ ''نعت رنگ'' پر بھی برس پڑے۔ موصوف کا یہ جملہ دیکھا جائے ''نعت رنگ'' اور اس کا (کے) ایڈیٹر تنقید کے ٹھیکے دار ہیں'' ہم مسلمان ہیں اور ہمیں دوسرے مسلمانوں کے تئیں خوش گمانیوں کا اخلاقی درس دیا گیا ہے۔ بعض بدگمانیوں کو تو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ''**ان بعض الظن اثم**'' اس ردّعمل میں جا بجا بدگمانیوں کو کلام کی بنیاد بنا کر گفتگو کی گئی ہے۔ راجا رشید محمود کا بلند تر مقام و منصب اس قسم کے لب و لہجے کی اجازت نہیں دیتا۔ ادبی مناقشے کو ادبی مناقشے کی حد تک ہی رہنا چاہیے۔ یہ بات انھی حدود میں ہو تو بہتر ہے۔ کسی سے بدگمان ہوکر اس قسم کی گفتگو اہم شخصیتوں کے

مقام و مناصب کے مناسب نہیں۔ محترم راجا رشید محمود نے ایک مقام پر یہ تحریر فرمایا ہے:

ہندوستان کے بہت سے رہنے والے بہت حد تک مجبور اور کسی حد معذور نظر آتے ہیں کہ وہ دینی شعائر اور اسلامی زبان سے اپنی مغائرت بلکہ مخاصمت کا ثبوت دیں۔ (''نعت رنگ''، شمارہ نمبر ۱۶، ص ۱۴۱)

محترم راجا رشید محمود صاحب! آج ہندوستان کی ہی یہ کوئی تصویر و تخصیص نہیں بلکہ عالمی سطح پر اگر آپ ایک جائزہ لیں تو ہر جگہ اخلاقی وتہذیبی دیوالیہ پن کا اندازِ جنوں خیز ہماری تہذیبی شرافت کو منھ چڑاتا نظر آئے گا کیا سرزمینِ عرب کی پاک ومقدس سرزمین پر بسنے والے بہتیرے مسلمانوں کے گھروں سے اسلامی تہذیب اور مذہبی اقدار کا جنازہ اُٹھتے ہماری ان مجبور و ناتواں آنکھوں نے نہیں دیکھا؟ کیا مصر کے مسلمانوں کی تہذیبی و اخلاقی باختگی کے لیے کسی وضاحت کی ضرورت ہے؟ کیا مغربی تہذیب وتمدن کے خونیں پنجے سے اسلامی معاشرے کی ردائے تقدس تار تار نہیں ہے؟ ہندوستان میں جن نام نہاد مسلمانوں نے دینی شعائر سے مغائرت ومخاصمت کا اظہار جنوں خیز کیا انھیں ہندوستانی مسلم معاشرے نے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکا۔ پروفیسر ہارون الرشید جیسے لوگ بھی اسی قسم کے سرکاری مسلمان ہیں۔ جنھیں یہاں کا مسلم معاشرہ برداشت نہیں کرتا۔ کیا مملکتِ خداداد پاکستان میں عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز جیسے نام نہاد مسلمان ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ پاکستان کے ایک معتبر نقاد اور محقق کا یہ جملہ میرے اس دعوے کا ثبوت ہے:

مملکت خداداد پاکستان کا کون سا سرکاری ادارہ ہے جو شعائرِ اسلام کی پاسداری کر رہا ہے؟

(پروفیسر شفقت رضوی ''نعت رنگ' کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ'' ص ۹۸)

صبیح رحمانی صاحب! آپ نے ''نعت رنگ'' کے ذریعے نعتیہ ادب کے لیے جس فکری انقلاب کا خواب دیکھا تھا اب دھیرے دھیرے اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں۔ لیکن پھر بھی منزل دُور ہے۔ اس صنفِ سخن کو جب تک ہم صنفِ سخن کا درجہ نہ دلا دیں ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں۔

''نعت رنگ'' کے تازہ شمارے کے جن مشمولات سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں ان میں پروفیسر اقبال جاوید صاحب کا مضمون ''ظہورِ قدسی اردو نعت کے آئینے میں'' بھی ہے۔ موصوف کے مضامین میں ایک فکری تنوع ہے۔ وہ لفظوں سے کھیلنے کا فن خوب جانتے ہیں۔ جدتِ تراکیب ان کی

تحریر کا ظاہری وصف خاص ہے۔ بعض جملے اور ترکیب تو بوسہ گاہِ نظر بن جاتی ہیں لیکن کبھی کبھی اس کھیل میں کہیں کہیں توازن فکری بگڑتا ہے تو پھر قلم بے آبرو ہو جاتا ہے اور تحریر بے وقعت مطالعے کے دوران ایک جملے پر نظر رُکی اور ذوقِ ایمانی کو ٹھیس لگی:

حق یہ ہے کہ ثنائے رسول ﷺ ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرشتے اور بندے ایک ہی سطح پر اور ایک ہی بات کے آرزومند ہوتے ہیں۔

("نعت رنگ" شمارہ نمبر ۱۶، ص ۵۳)

میرے ناقص خیال میں اللہ فرشتے اور عبد کی یہ تثلیث (اصطلاحی معنی میں نہیں) اصلاح طلب اور قابلِ گرفت ہے۔ اللہ فرشتے اور بندے کو ایک سطح پر لا کر اور ایک بات کا آرزومند بنا کر کس اسلامی فکر کا ثمرہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ یہ جملہ اگر کسی اور طبقے کی جانب سے منظرِ عام پر آیا ہوتا تو پتا نہیں کتنی قیامتیں اُٹھا دی گئی ہوتیں۔

بعض مقامات پر تو ناروا نبوت کا ڈانڈا الوہیت سے ملانے کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو عبدیت کا ڈانڈا الوہیت سے ملتا نظر آ رہا ہے اگر نہیں تو تشفی فرمائی جائے۔ محقق موصوف نے موضوع کی مناسبت سے جن اشعار کا انتخاب فرمایا ہے اس سے ان کی ژرف نگاہی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ بعض اشعار تو "از دل خیزد بردل ریزد" کی منزل میں ہیں۔

لیکن ناصر کاظمی کے اس شعر پر نظر ٹھہر گئی:

صبح ازل کو جس نے دیا حسنِ لازوال
وہ موجِ نوا زینتِ دیوار و در ہے آج

شاعر نے "اوّل ماخلق اللّٰہ نوری" والی حدیث سے تلمیحی رشتہ قائم کیا ہے۔ لیکن یہ مصرع اس طرح درست اور روا قرار پائے گا؟ کیا حضور ﷺ نے صبحِ ازل کو حسنِ لازوال عطا فرمایا؟ صبحِ ازل کو حسنِ لازوال تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تخلیق فرما کر عطا کی۔ لہٰذا یہ کہا جائے تو بات بہتر ہو جائے:

صبحِ ازل کو جس سے ملا حسنِ لازوال

انتخاب میں فن کی نزاکتوں اور باریکیوں کا لحاظ و پاس رکھا جانا چاہیے اس قسم کے اشعار کے انتخاب سے دامن بچانا چاہیے جن میں لفظی و معنوی عیب ہو۔ موصوف کے منتخب اشعار میں غلام رسول عدیم

کے ایک شعر میں تعقیدِ لفظی کا عیب ہے:

آفتابِ رسالت ہوا جلوہ گر
شب کی تاریکیوں نے دیا توڑ دم

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے عربی نعتیہ شاعری کے تعلق سے ''دیوان الفیض'' سے قارئین کی معلومات میں بیش بہا اضافہ فرمایا ہے۔ اس مقالے میں موصوف نے حضور ﷺ کے شفیع المذنبین ہونے کے حوالے سے یہ وضاحتی بیان تحریر فرمایا ہے:

> مسئلہ استغاثہ نہایت نازک مسئلہ ہے۔ اکثر شعرا یہاں دائرۂ اسلام سے تجاوز کر جاتے ہیں، اللہ اور رسولِ کریم ﷺ کے مابین فرق کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتے۔ علامہ سہارن پوری نے مذکورہ اشعار میں قرآنی نقطۂ نظر واضح کر دیا ہے کہ آپ ﷺ ''انت غوث المستغاث'' کے درجے پر فائز ہیں لیکن یہ مرتبہ من جانب اللہ ہے۔ (''نعت رنگ''۔۱۶،ص۲۰۱)

کیا موصوف ان اکثر شعرا میں سے کسی ثقہ و معتبر شاعر کی نعتیہ شاعری سے اپنی اس گفتگو کو مستند فرما سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کی شفاعتِ عظمیٰ کے حوالے سے کس عاقبت نااندیش شاعر نے رسول اللہ ﷺ کی اس صفت یا کسی دوسری صفت کو ذاتی قرار دینے کی گستاخی کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب! تمام علمائے اہلِ سنت کا اسی امر پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام صفاتِ عالیہ ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہیں۔ قدیم نہیں بلکہ حادث ہیں۔ اگر کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی کسی صفت کو ذاتی قرار دیتا ہے تو پھر اس کی ضلالت و گمرہی میں کس خوش عقیدہ مسلمان کو کلام ہوگا۔

شعری حصے میں کچھ اشعار میرے خیال میں سہو کتابت کی نذر ہو گئے ہیں۔ مثلاً اقبال عظیم کا ایک شعر ص ۴۸ پر:

حریم قدسی میں محفوظ تھی جو روزِ اوّل سے
وہ نعمت آمنہ کی محترم آغوش نے پائی

ص ۵۰ پر عابد علی عابد کا ایک شعر:

اب تاجدارِ یثرب و بطحا کا ہے ظہور
تا حدِ مصر و شام، بہ انحراف روم ورے

ص۵۰ پر اکرام علی اختر کا شعر:

آپ کے آنے سے روشن ہوگئے دشت و جبل
عرش تاباں ہوگیا فرش زمیں میں روشن ہوا

ص۲۵۹ پر عزیز احسن کی نعت کے اشعار نمبر ۱، نمبر ۳، نمبر ۶، نمبر ۸ کی سہوِ کتابت سے خارج وزن ہوگئے

ص۱۶۰ پر سعدیہ روشن کی نعت میں پہلا شعر سہوِ کتابت کی نذر ہے۔ ص۲۶۱ پر یعقوب تصور کی نعت کے اس شعر میں:

جرم و خطا کے باوجود جود و سخا کی انتہا
ہم عاصیانِ دہر کی جانب کرم نگاہ بھی

''کرم نگاہ'' کی ترکیب درست نہیں معلوم ہوتی۔

آخری شعر میں:

خاکِ درِ رسول پر سجدوں کا ہے یہ معجزہ
لمحوں میں جگمگا اُٹھی پیشانی سیاہ بھی

''سجدوں کا معجزہ'' شرعی اعتبار سے قابلِ اعتراض ہے۔ میر سیّد شریف جرجانی نے اپنی کتاب میں معجزہ کی تعریف یہ تحریر کی ہے:

العجزة : امر خارق للعادة داعية الى الخير والسعادة مقرونة بدعوى النبوه قصد به اظهار صدق من ادعى انه منه رسول من اللّٰه۔

(''التعریفات''، ص۱۹۵)

وہ عجیب وغریب کام جو عادتاً ناممکن ہو جسے نبی اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش کرے لوگوں کو خیر وسعادت کی دعوت دینے کے لیے۔

اہلِ اصطلاح کی اس تعریف کی روشنی میں ''معجزے'' کا لفظ یہاں درست قرار نہیں پائے گا۔

مقصود احمد تبسم کی نعت کا شعر:

تنہائی کے ان رازوں پر ہے آج بھی پردہ
محبوب و محبّ ملتے رہے غارِ حرا میں

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

اس کی معنویت پر ذرا غور فرما لیا جائے۔ کیا یہ اعتراض کی زد میں نہیں:

تیرے رُتبے کی سند اس سے سوا کیا ہوگی
جا بہ درج ہے قرآں میں قصیدہ تیرا

فراغ روہوی کے اس شعر میں ''اس سے سوا'' کی ترکیب میں تفاخر کا عیب ہے۔

فیض رسول فیضان صاحب کی نعت کا یہ شعر:

کہنے کو اُمی مگر دانائیاں محوِ طواف
دانش و حکمت کا گنجینہ شعورِ آنحضور

سرکارِ دوعالم ﷺ کے اُمی ہونے کے مضمون کی بندش میں جو حسنِ سلیقہ پایا جا رہا ہے وہ حد درجہ لائقِ ستائش ہے۔

ان تمام معروضات کے باوصف ''نعت رنگ'' کا تازہ شمارہ اپنی ظاہری و معنوی خوبیوں کے سبب توجہ کش دیدہ و دل ہے۔ اس کے تمام مندرجات کے مطالعے کے بعد مزید رائے دی جاسکتی ہے۔

زیرِ نظر شمارے کا شعری حصہ کچھ پھیکا پھیکا ہے۔ گزشتہ شماروں میں نعتیہ کلام کا جو اعلیٰ اور عمدہ انتخاب پیش کیا گیا اس کے پیشِ نظر بہت کمی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ ''نعت رنگ'' کی ضخامت کا خیال نہ کریں معیار اور مزاج کو پیشِ نظر رکھیں۔ شعری حصہ مختصر ہو مگر بھرپور اور توانا ہو اس سے جریدے کو مزید تب و تاب ملے گی۔ اس شمارے میں معیارِ کلام کے اعتبار سے حفظِ مراتب کا لحاظ بھی نظر نہیں آتا۔

اس مختصر مدت میں نعتیہ ادب پر فکر و فن کے جو چراغ ''نعت رنگ'' کی تحریک کے زیرِ اثر جلے۔ وہ اس کی مثالی فتوحات کا قابلِ قدر تاریخی حصہ ہیں۔ زیرِ نظر شمارے میں تمام مقالات، تبصرے اور جائزے اعلیٰ علمی سطح کے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی ہمارے عہد کے ایک معتبر ناقد ہیں۔ نعتیہ ادب پر موصوف کی کئی تحریریں زیبِ نگاہ بنیں۔ فکری توازن کے ساتھ آپ تبصرہ و تجزیہ تحریر فرماتے ہیں۔ زیرِ نظر شمارے میں غیر مطبوعہ تحقیقی مقالے ''اردو نعت کے جدید رجحانات'' پر ان کی تجزیاتی تحریر ان کے فکری اعتدال کا روشن اشاریہ ہے۔ موصوف کی جانب سے پیش کیے گئے بعض نکات تو بے حد توجہ طلب ہوتے ہیں۔

مولانا کوکب نورانی کی علمی و ادبی شخصیت مسلم ہے۔ ''نعت رنگ'' کے صفحات میں شامل

ہونے والا آپ کا مکتوب منتشر در ہائے نایاب کا خوب صورت سلسلہ ہے۔ مکتوب کیا ہے حکمت و دانش کا گنجینہ ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ علمائے کرام کی صف سے وہ تن تنہا فرض کفایہ کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اب تک ان کی جانب سے پیش کیے گئے دلائل کو غلط نہیں بتایا جاسکا ہے اور نہ ہی ان کے قائم کیے ہوئے اعتراض کا مدلل جواب سامنے آیا ہے۔ البتہ جن حضرات کی تحریر ان کے اعتراض کی زد میں رہی اور ان سے اس کا جواب نہ بن پڑا تو انھوں نے موصوف پر طرح طرح کے ناروا الزام عائد کیے، کبھی انھیں مجلسِ مناظرہ میں خطاب کرنے والے مناظر سے تعبیر کیا گیا تو کسی نے ان پر مسلکی اجارہ داری کا الزام عائد کیا۔ کبھی لٹھ باز خطیب سے انھیں مشابہت دی گئی۔ ان کے مکاتیب کا مطالعہ کرنے والے انصاف پسند قارئین پر ان الزامات کی قرار واقعی حیثیت روشن ہے۔

صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' کے صفحات کو اس قسم کی الزام تراشیوں، رکیک حملوں اور غیر مہذب زبان و بیان کے استعمال سے محفوظ فرمائیے۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ پیشِ نظر ہے۔ شاید اس بات یہ چھ مہینے کے بعد شائع ہوا ہے۔ حسبِ معمول ضخیم ہے اور شاید اسی لیے درست پروف خوانی نہیں ہوسکی۔ کتابت کی غلطیاں بہت نظر آئیں۔ خود میرے خط میں جو مختصر سا ہے تقریباً درجن بھر غلطیاں موجود ہیں۔ اس عبارت ہی نہیں مفہوم بھی متاثر ہوا ہے۔

اس شمارے میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ایک حمد اور ایک نعت بزبانِ فارسی ابتدائی صفحات پر نظر آئیں ان کا ترجمہ علامہ سیفی فرید آبادی نے کیا ہے۔ نعتیہ اشعار کا ترجمہ مجھے جچا نہیں۔ دیکھیے:

اصل	ترجمہ
ما بلبلیم نالاں در گلستانِ احمدﷺ	ہم عندلیب نالاں گلزار مصطفےٰ ہیں
ما لولوئم و مرجاں عمان ما محمدﷺ	ہم لولیان مرجاں عماں رسول برحق
امروز خون عاشق درعشق اگر بدر شد	عاشق کا عشق میں خوں گر آج بہہ رہا ہے
فردا ز دوست خواہد تاوان ما محمدﷺ	لے لے گا دوست سے کل تاوان رسولِ برحق

ساتھ ہی یہ بات نظر آئی کہ حمد کے مقابلے میں نعت کے کئی اشعار پھیکے ہیں۔

مضامین میں مسعود الرحمٰن ندوی، پروفیسر محمد اقبال جاوید، ڈاکٹر محمد سلطان اور ڈاکٹر یحییٰ نشیط کے مضامین خاصے تحقیقی اور معلوماتی محسوس ہوئے۔ پروفیسر فیروز شاہ کا مضمون بھی خوب ہے۔ راجا رشید صاحب نے اپنے مضمون میں دراصل اس تنقید کا جواب لکھا ہے جو ان پر ڈاکٹر شمیم گوہر نے کی تھی۔ جواب مدلل ہے۔ مگر راجا صاحب نے خفگی کے عالم میں شاید اسے لکھا ہے اور اس کیفیت میں انھوں نے مدیر ''نعت رنگ'' کو بھی لتاڑ دیا ہے۔ میں اسے Misplaced Anger سمجھتا ہوں۔ اسی مضمون میں انھوں نے اپنے ناقد ڈاکٹر شمیم گوہر کی لکھی نعت کا بھی ''جائزہ'' لے لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی عالمِ خفگی کی کوشش ہے اسی لیے وہ اکثر توازن کھو بیٹھے ہیں۔ (ص ۱۵۶)

مضامین کے اس حصے کے بعد ''گوشۂ افتخار عارف'' ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ سلسلہ مستقل کر دیا جائے اور ہر شمارے میں ایسے گوشے ہونے چاہییں۔

اس سے آگے متعدد مضامین مختلف شعرا کی نعت گوئی سے متعلق ہیں۔ سب کے سب تقریظی ہیں۔ ان کے بارے میں کیا لکھا جا سکتا ہے۔ ایسے مضامین نہ قاری کے کام کے ہوتے ہیں نہ ممدوح کے۔

اس کے بعد حصہ شعر ہے۔

پہلی نعت جناب تابش دہلوی کی ہے۔ یہ ایک سادہ سی نعت ہے۔ ان کا ہاں ایک مصرع ہے۔ (مدینہ میں کچھ ایسی راحت ملی ہے) اور دوسرا بھی (مدینہ میں اپنا قیام اللہ اللہ) دونوں میں انھوں نے ''مدینے'' کے بجائے ''مدینہ'' لکھا ہے۔ جب کہ میرے خیال میں یہاں ''مدینے'' لکھنا مناسب تھا۔ ذرا یہ جملہ دیکھیں ''وہ گھوڑا پر بیٹھا تھا'' اور یہ جملہ دیکھیے ''وہ گھوڑے پر بیٹھا تھا''۔ بہرحال تابش صاحب استاد ہیں فصاحت کے رموز ان سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔

دوسری نعت جناب منظر ایوبی کی ہے۔ اس میں سے ایک شعر دیکھیے:

سرفروشی حق پرستی کے تقاضے بھول کر
مصلحت کی اوڑھ لی اس قوم نے چادر حضور ﷺ

سوال یہ ہے کہ اسے نعتیہ شعر کہا جا سکتا ہے؟ میرے خیال میں اسے قوم کا مرثیہ ضرور کہا جا سکتا ہے۔ اب ذرا اس نعت کا مطلع دیکھیں:

خواہشیں ہوں حرف کی صورت بیاں کیوں کر حضور ﷺ
ترجمان حالِ دل ہے جب یہ چشم تر حضور ﷺ

اس شعر کو سمجھئے یوں لکھنا ہے کہ چشمِ تر نے حالِ دل کا ترجمان بن کر شاعر کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اور اب وہ اسی سبب سے اپنی خواہشوں کو بہ صورت حرف بیان ہی نہیں کر سکتا... حالاں کہ صورت یوں ہے کہ شاعر کہنا چاہتا تھا کہ اب خواہشوں کو حرف کی صورت بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی کیوں کہ اس کی نم آنکھیں اس کے دل کی ترجمانی کر رہی ہیں... یہ شعر عجز بیان کا ایک نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ نعت کے بقیہ شعر بھی شاعر کی شہرت کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ البتہ جناب قیصر نجفی، قمر وارثی اور ظہیر غازی پوری کی لکھی نعتوں میں چند اشعار اچھے لگے۔ مجموعی طور پر ''مدحت'' کا حصہ جان دار نہیں ہے۔

محمد فیروز شاہ کی لکھی نعت میں ایک آدھ جگہ کتابت کی غلطی نظر آئی ہے۔ مثلاً اُن کا ایک مصرع ''جیسے انگوٹھی میں اَن مول نگینہ آیا'' (اس کے قطع نظر کہ ''نگینہ آیا'' ہی کچھ اچھا نہیں لگتا اس مصرعے میں عروضی سقم موجود ہے) ان کا ایک اور مصرع ہے ''دوڑ کر آئی صبا نکہت وخوش بو سینہ'' اس میں نکہت وخوش بو کے الفاظ ہم معنی ہیں اس لیے مصرع لطف نہیں دے رہا ہے۔

اس سے آگے کتابوں پر تبصرے ہیں۔ مبصرین نے حتیٰ المقدور کتاب کا حق ادا کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ قیصر نجفی صاحب اس قسم کے کاموں میں نمایاں مقام بنا چکے ہیں۔ ان کے تبصرے مصنّفین کو یقیناً خوش کریں گے۔ ساتھ ہی اس میں قارئین کے تسلی کا سامان بھی موجود ہے۔

اس کے بعد خطوط کا حصہ شروع ہوتا ہے۔

حسبِ معمول مولانا کوکب نورانی کا خط تفصیلی ہے۔ اکثر خطوط میں مولانا صاحب کے خطوں پر دلچسپ تبصرے دیکھنے کو ملے۔ قیصر نجفی صاحب نے لکھا ہے...''ان کی اپنے مسلک کے حوالے سے خوش اعتقادی سر آنکھوں پر لیکن غیر ارادی طور پر اُسے مسلط کرنے کی کاوش قابلِ رشک نہیں۔'' (ص ۲۹۸) اسی طرح رشید ارشد صاحب نے لکھا ہے...گزشتہ شماروں میں وہ جس انداز سے اکابرِ دیوبند کی تحقیر کر چکے ہیں وہ کسی نوع بھی انسب نہیں۔'' (ص ۴۰۸)۔ اس جگہ میں مولانا صاحب کے ان اقتباسات اور حوالوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو انھوں نے چھ سات ممتاز دینی شخصیات کی تحریروں سے ''نعت رنگ'' کے شمارے نمبر ۱۳ میں صفحہ ۲۸۰ سے صفحہ ۲۹۴ کے پیش کیے ہیں۔ میں ان اکابر کی تحریروں کو پڑھ کر حیران رہ گیا۔ یہاں میں یہی کہوں گا کہ خوش اعتقادی اپنی جگہ مگر حقائق سے چشم پوشی بھی اچھی بات نہیں۔ ایک خط ریاض حسین زیدی صاحب کا ہے وہ لکھتے ہیں...''کاش حضرت والا (روئے سخن مولانا کوکب نورانی کی طرف ہے)... بے جواز دلائل کے انبار در انبار لگا کر

اپنے آپ کو کنویں کا مینڈک نہ بنایا کریں۔'' (ص ۴۱۱) میرا خیال ہے ریاض صاحب تنقید کرتے وقت اگر الفاظ کے چناؤ میں کچھ احتیاط برتتے تو اچھا ہوتا ویسے اب اس کو کیا کیجے کہ مولانا محترم کے خط میں زیادہ تر فقہی تنازعات ہی کا ذکر رہتا ہے۔ ان کے اس خط میں بھی یہ باتیں ہیں۔ میں اس پر تبصرہ کروں تو انھی کے خط کے برابر کا خط لکھنا پڑے گا۔ میں اس پر کچھ نہیں لکھنا چاہتا۔ مولانا صاحب نے میرے بارے میں لکھا ہے...''وہ دینیات سے بکمال واقفیت نہ ہونے پر دخل در معقولات ضروری سمجھتے ہیں''...دینیات میں ''بکمال'' واقفیت کا دعویٰ جسے ہو وہی ان ''معقولات'' میں دخل دے۔

مولانا نے اپنے خط میں بہت سے پڑھے لکھے لوگوں پر گرفت کی ہے اور خاصے تند لہجے میں مگر حسبِ معمول خط کے آخر میں لکھ دیا ہے...''...کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں...'' یہ سادگی قابلِ دید ہے اور ایسی ہی ہے کہ دو چار پنچ مار کر میں کسی سے کہوں۔ ''جناب اگر اس حرکت سے آپ کی ذاتی دل آزادی ہوئی ہو تو معاف کیجیے گا۔''

مولانا کی گرفت کے انداز کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جناب رشید ارشد نے مدیرِ ''نعت رنگ'' کو مشورہ دیا ہے۔ ''ہو سکے تو رسالے کا مسودہ مولانا کو دکھا لیا کریں اور پھر شائع کریں تا کہ مولانا موصوف کا قیمتی وقت بچ جائے اور مقالہ نما خط کی تحریر کی زحمت سے بچ جائیں اور رسالے کا غالب حصہ فرقہ پرستی مناظرتی کش مکش اور کفر و اسلام کی بحث سے محفوظ رہ سکے۔'' (ص ۴۱۰)...چلتے چلتے اس ضمن میں ظہیر غازی پوری کے خط سے چند سطور اور دیکھ لیں...وہ زیرِ نظر شمارے کے صفحے ۳۹۷ پر لکھتے ہیں...''جناب کوکب نورانی...سکّے کا ایک پہلو پیش کرنے کے عادی ہیں اور ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی نقص یا عیب ڈھونڈ لیتے ہیں۔''...ظہیر صاحب کی اس بات کی دلیل میں، اس جگہ میں اپنے ایک گزشتہ خط سے اپنا ایک جملہ لکھنا چاہتا ہوں...جملہ تھا...''ہم سب کو حکم ہے کہ کسی کام کو کرنے سے قبل بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔'' اب مولانا کوکب نورانی نے اس میں کیا عیب ڈھونڈا اور کیا لکھا وہ پیش کر رہا ہوں۔ مولانا لکھتے ہیں، ''اس میں ''کسی بھی کام'' کے الفاظ محلِ نظر میں کیا۔ ایسا ہی حکم ہے؟ پھر آگے لکھتے ہیں کہ بسم اللہ کا حکم صرف جائز نیک اور صحیح کام کے لیے ہے۔ (یہاں میں بتا دوں کہ جملہ لکھتے وقت میرے ذہن میں صرف اچھے کاموں کا ہی تصور تھا۔ مگر مولانا نے ''کسی بھی کام'' میں جو رخنہ رہ گیا تھا اسے دیکھ لیا) افسوس وہ رائی کا پربت بناتے ہوئے یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ دوسرے بھی نظر رکھتے ہیں۔ مثلاً اسی جگہ میرے جملے پر اعتراض کرتے ہوئے انھوں نے مسند احمد سے عبارت کا ترجمہ دیا ہے...جس میں لکھا ہے: ''ہر اہم کام جس کی ابتدا بسم اللہ سے نہ کی گئی ہو وہ ابتر یعنی ناقص

ہے۔'' میں مولانا سے پوچھنا چاہتا ہوں ''ہر اہم کام'' کے الفاظ میں کیا وہی سقم نہیں جو انھیں میرے الفاظ ''کسی بھی کام'' میں نظر آیا؟ (چور کے لیے چوری ایک نہایت ''اہم کام'' ہوتا ہے) اس مثال سے میں دراصل یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ظہیر غازی پوری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ صداقت سے خالی نہیں... مولانا مناسب سمجھیں تو ان باتوں پر بھی کچھ توجہ دیں۔ وہ اکثر و بیشتر تحریر میں معمولی جھول دیکھ کر فوراً اعتراض کر دیتے ہیں... انھوں نے ص ۳۸۹ نیچے سے چھٹی سطر میں ایک جملہ لکھا ہے... ''مجھے حیرت ہے (فلاں) کو سمجھ کیوں نہیں آیا۔'' اب میں اگر اس پر اعتراض کروں کہ یہ کون سی زبان ہے تو وہ کیا کہیں گے؟ لکھتے وقت روانی میں اس طرح کی غلطیاں ہو جاتی ہیں اسی طرح مولانا نے مجھے ایک جگہ جاہل مطلق کے درجے پر بھی رکھ دیا ہے۔ (ص ۴۶۷ شمارہ ۱۵) ان کی عبارت دیکھیے... ''احمد صغیر صدیقی صاحب سے عرض ہے کہ منتخب، سروری، صراح، موید، کشف، برہان اور کنز یہ کتب لغات کے نام ہیں وہ انھیں دُرّوں یا دِرّوں کے نام نہ سمجھیں لیں۔''... اس ضمن میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں اُن کی عزت کرتا ہوں۔

مولانا صاحب کی تحریر سے مجھے معلوم ہوا کہ جن صاحب نے لکھا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اندر چار سو مردوں کے برابر طاقت تھی وہ درست نہیں بلکہ ان کے اندر چار ہزار مردوں کے برابر طاقت تھی۔ (اگر مجھے ماخذ کا سراغ دے دیا جائے تو بہت ممنون ہوں گا۔) مولانا نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ اس بات سے ''آ گہی'' کتنے مسائل حل کرتی ہے یہ سب ''دماغ'' کیسے جان سکتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس خصوصیت کے بیان سے رسول پاک ﷺ کی تعدادِ ازدواج پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ حالاں کہ سبھی جانتے ہیں کہ جو لوگ اس قسم کے اعتراضات کرتے رہے ہیں وہ تو دلیل اور منطق تک سے قائل نہیں ہوئے بھلا انھیں یہ ''بیان'' کس طرح مطمئن کرسکتا ہے؟ اور یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں کہ ایسے اعتراضات کا جواب دیا جاچکا ہے۔ تعدادِ ازواج کا تعلق مختلف قبائل کو شیر وشکر کرنے سے تھا اس کے پیچھے معاشرے کی بہبود بھی پنہاں تھی ورنہ صرف بیوہ اور معمر خواتین پر ہی توجہ نہ دی جاتی۔ میرے نزدیک یہ دلیل ''طاقت'' والے ''بیان'' کے مقابلے میں بہتر ہے۔ رہی ''دماغ'' کی بات تو اس سلسلے میں کچھ نہ لکھنا ہی بہتر ہے۔ ''دماغوں'' کا عالم یہ ہے کہ لوگ سیاق وسباق سے آنکھیں بند کر کے محض خامہ فرسائی کے لیے اعتراضات کرتے ہیں کہ جناب جب نماز، روزہ، حج کا ذکر کیا تو زکوٰۃ کیوں چھوڑ دی جہاد کا ذکر کیوں نہیں کیا... وغیرہ (دیکھیے ص ۴۱۸)

اس شمارے میں حافظ عبدالغفار حافظ صاحب نے دریافت کیا ہے۔ ''احمد صغیر صدیقی اعلیٰ حضرت کا ایک شعر اور تین مصرعے لکھ کر فرماتے ہیں۔ دی ہوئی مثالیں شعریت کی صفت کو اجاگر کرنے والی نہیں بلکہ مجروح کرنے والی ہیں۔ صدیقی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ان میں شعریت کی کون سی صفت مجروح ہوئی ہے؟'' میں اس سلسلے میں کیا لکھوں۔ سوال ہی سے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ کچھ ماں کے دینے والے نہیں۔ اگر ان کو مذکورہ مثالوں میں شعریت دکھائی دینے ہی ہے تو وہ اپنی پسند اور ناپسند میں آزاد ہیں کہ اس کا تمام تر تعلق شخصی مزاج شعری سے ہے۔

میں جناب قیصر نجفی کا شکر گزار ہوں کہ انھیں اس حقیر کی لکھی حمد اچھی معلوم ہوئی۔

آپ کی کامیابیوں کے لیے دعا گو۔

حافظ عبدالغفار حافظ۔ کراچی

نعت رنگ کا شمارہ نمبر ۱۶ ایسے موقع پر ملا جب کہ اسکول میں امتحانات قریب تھے۔ کسی نہ کسی صورت سے وقت نکال کر مطالعہ تو کر لیا اور قابلِ ذکر مقامات پر نشان بھی لگا دیے، لیکن کچھ لکھنے کی فرصت نہ مل سکی۔ سوچا تھا کہ امتحان کے بعد یہ کام انجام دوں گا مگر ہوا یہ کہ بعد میں نتائج کی تیاری، سالانہ تقریب کے انتظامات اور پھر نئے داخلوں کا سلسلہ، رض یہ کہ پے در پے ایسے مراحل سامنے آئے کہ فرصت نہ مل سکی۔ اس وقت سے میں نے تحریری کام گرمیوں کی تعطیلات پر اُٹھا رکھا تھا مگر ۱۰ رمئی کو آپ نے ٹیلی فون پر بتایا کہ سترھویں شمارہ کی کمپوزنگ شروع ہو گئی ہے۔ مجبوراً یہ کام فوری طور پر انجام دینا پڑا۔

صفحہ نمبر ۱۳۵ پر راجا رشید محمود صاحب کا مضمون ''دیارِ نعت پر اعتراضات کا تجزیہ'' شائع ہوا۔ مضمون کے آغاز میں آپ کا وقیع ادارتی نوٹ بھی ہے۔ راجا صاحب نے اعتراضات کا انتہائی خوب صورتی سے جواب دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی یہ پہلی جان دار تحریر ہے جو میری نظر سے گزری مگر اسے بدقسمتی کہیے یا کچھ اور کہ لب و لہجہ کی سختی اور غیر متعلقہ باتوں نے انھیں نقصان پہنچایا۔ موصوف نے بالخصوص ہندوستان سے تعلق رکھنے والے حضرات کو بُرا بھلا کہا، یہ اس کا موقع نہیں تھا۔ بہر حال اس ضمن میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ راجا صاحب نے جہاں اپنا دفاع کیا وہیں ان سے چوک بھی ہو گئی۔ انھوں نے صحیح اعتراضات بھی انا پرستی کی بھینٹ چڑھا دیے۔

ڈاکٹر شمیم گوہر صاحب نے راجا صاحب کے مصرع ''حاضری کی کوئی نہ کوئی تو صورت

چاہیے'' کے بارے میں لکھا تھا کہ مصرع خارج از بحر ہے۔ اس کے جواب میں راجا صاحب فرماتے ہیں:

حضرت اس مصرع میں ''کوئی'' کی ''ی'' دبی اور ''وٗ'' دب گیا۔ مصرع خارج از بحر کس طرح ہوگیا۔

پھر اس کے بعد انھوں نے مصرع کی تقطیع کر کے اُسے بحر میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں راجا صاحب سے مؤدبانہ عرض ہے کہ آپ ڈاکٹر گوہر صاحب کا اصل اعتراض نہ سمجھ سکے۔ زیرِ بحث مصرع خارج از بحر صرف اس لیے ہے کہ اس میں لفظ ''نہ'' دوحرفی بندھا ہے جب کہ یہ ایک حرفی استعمال ہوتا ہے۔ مصرع کی تقطیع اس طرح ہوگی:

فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن
حاضری کی	کوئی نہ کو	ئی تو صورت	چاہیے

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لفظ ''نہ'' دوحرفی استعمال ہونے سے مصرع بحر سے خارج ہوگیا۔

اسی طرح صفحہ نمبر۱۵۳ پر راجا صاحب کا مصرع ''تھے اور بھی رسل مگر رب نے حبیب کو'' اس وجہ سے خارج از بحر ہے کہ اس میں ''مگر'' کا ''ر'' ساقط ہے۔

صفحہ نمبر۱۶۲ پر جناب افتخار عارف کا مصرع ''اک عبدِ مولا صفات ہے اور روشنی ہے''، ''عبد'' کی ''ع'' ساقط ہونے سے بحر سے خارج ہوگیا۔ اسی طرح صفحہ نمبر۱۶۷ پر مصرع ''ایک عالم ہے اس عالم کی خبر لاتا کون'' بھی ''ع'' ساقط ہونے سے بحر سے خارج ہے۔ ان کے علاوہ کمپوزنگ کی غلطی سے بھی ان کے بعض مصرعے غلط ہوگئے۔

صفحہ نمبر۱۹۴ پر بھارت کے ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کا مضمون ''علامہ فیض الحسن سہارن پوری کی نعتیہ شاعری'' شائع ہوا ہے۔ یقیناً علامہ صاحب کی نعتیہ شاعری ایک عاشقِ رسول کے دل کی آواز ہے۔ بالخصوص صفحہ نمبر۲۰۰ پر ایسے اشعار درج ہیں جن میں مختلف پیرایوں میں حضورِ اکرم ﷺ سے مدد طلب کی گئی ہے۔ شاعری میں اس قسم کے مضامین ہر دور میں باندھے گئے ہیں۔

بہر حال علامہ سہارن پوری کے ان اشعار کے بارے میں فاضل مضمون نگار رقم طراز ہیں:

مسئلہ استعانت نازک مسئلہ ہے۔ اکثر شعرا یہاں دائرۂ اسلام سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اللہ اور رسولِ اکرم ﷺ کے مابین فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

D:NaatRang-17
File: Khotoot
Final

علامہ سہارن پوری نے مذکورہ اشعار میں قرآنی نقطۂ نظر واضح کر دیا کہ آپ
""غوث المستغاث"" کے درجہ پر فائز ہیں لیکن یہ مرتبہ من جانب اللہ ہے۔

مجھے فاضل مضمون نگار کی یہ سطور پر پڑھ کر سخت حیرت ہوئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان حضورِ اکرم ﷺ کے لیے کسی قسم کا علم یا کمال ذاتی تسلیم نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مانتا ہے۔

یقین جانیے اگر یہی اشعار فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے کسی عقیدت مند سے منسوب ہوتے تو علمائے دیوبند کی زبانیں شرک، شرک کی رٹ لگانے نہ تھکیں۔ دراصل مسلکی اجارہ داری اور فرقہ پرستی یہی ہے جس کا اظہار اصلاحی صاحب کی تحریر سے ہوتا ہے۔

صفحہ نمبر۲۶۲ پر بھارت کے جناب محمد علی شیدا بستوی کی نعت ہے۔ اس میں آٹھویں شعر کا پہلا مصرع ہے ""بیان یوں کیا رب نے رسول کی عظمت""۔ یہاں ""کیا"" کی جگہ ""کی"" ہونا چاہیے مگر موصوف وزن پورا کرنے کے لیے مؤنث کو مذکر باندھ گئے۔

صفحہ نمبر۳۱۹ پر جناب محمد علی شیدا کے مجموعۂ کلام ""الصلوٰۃ والسلام"" پر پروفیسر قیصر نجفی صاحب کا تبصرہ ہے۔ صاحبِ کتاب کے مصرع ""یہ کائنات مطیع اک عرب کے شاہ کی ہے"" کے بارے میں قیصر صاحب فرماتے ہیں، ""مصرع وزن سے باہر ہے۔ 'مطیع' کی 'ع' گر رہی ہے۔"" فاضل تبصرہ نگار کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مصرع بحر میں ہے کیوں کہ ""مطیع"" کی ""ع"" گری نہیں۔ اُسے ""الف"" سے سہارا مل گیا۔

خطوط میں حسبِ معمول حضرت علامہ کوکب نورانی اکاڑوی صاحب کا خط سب سے طویل اور معلومات افزا ہے۔ موصوف جس عرق ریزی اور باریک بینی سے ""نعت رنگ"" کا مطالعہ کرتے ہیں یہ انھی کا حصہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عام قاری ان کی تحریر پڑھ کر جھوم جاتا ہے کیوں کہ ایک ایک سطر عشقِ مصطفےٰ ﷺ میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو عمرِ دراز عطا فرمائے۔ آمین

اس ضمن میں تکلیف دہ بات یہ ہے کہ بعض دوستوں کو اکاڑوی صاحب سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ حقائق تسلیم کریں بغیر سوچے سمجھے موصوف پر مسلکی اجارہ داری کا الزام لگا دیتے ہیں۔

ظہیر غازی پوری صاحب نے اپنے خط (صفحہ نمبر۳۹۷) میں اکاڑوی صاحب کے بارے میں لکھا، ""ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی عیب یا نقص ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ واقعی کمال کی نظر رکھتے

ہیں۔'' ظہیر صاحب کا یہ الزام بالکل غلط ہے۔اس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔یقین نہ ہو تو تعصب کی عینک اُتار کر ''نعت رنگ'' کے صفحات دوبارہ پڑھیں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اگر کسی اعتراض کا جواب نہ بن پڑے تو خواہ مخواہ الزام تراشی شروع کر دی جائے۔

رشید ارشد صاحب اپنے خط (صفحہ نمبر ۴۰۸) میں مولانا کوکب نورانی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''نعت رنگ'' کے گزشتہ شمارے میں جس انداز سے اکابرِ دیوبند کی تحقیر کر چکے ہیں وہ کسی نوع سے بھی انسب نہیں ہے۔اکابرینِ دیوبند کے لیے ان کا اندازِ تخاطب ایک عالم کی شان کے مطابق نہیں ہے۔

رشید صاحب ذرا یہ بتائیں کہ اوکاڑوی صاحب نے اکابرِ دیوبند کے بارے میں کون سا تحقیری لفظ استعمال کیا۔وہ تو صرف آئینہ دکھاتے ہیں کہ علمائے دیوبند اپنے گھر کے بزرگوں کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور سرورِ کائنات ﷺ کے متعلق انھوں نے کیا کیا زہر افشانی کی ہے۔اگر آپ آئینہ دیکھ کر بُرا مان گئے تو آئینہ توڑنے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ سنجیدگی سے غور فرمائیں کہ حقائق کیا ہیں۔

سیّد ریاض حسین زیدی صاحب نے مولانا اوکاڑوی صاحب کو لٹھ باز خطیب قرار دے کر اور بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محترم زیدی صاحب حقائق کے سامنے افسانے گھڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔مگر اس کا کیا علاج کہ آگے چل کر ان کے قلم کو سچ اُگلنا ہی پڑا۔چناں چہ چند ہی جملوں کے بعد وہ اکاڑوی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وہ کتابوں کے پشتارے دائیں بائیں سجاتے ہیں اور روایتی مناظروں کی طرح نشان زدہ صفحات نکال نکال کر مخالفین کا ناطقہ بند کرتے جاتے ہیں۔

زیدی صاحب نے تسلیم کرلیا کہ اوکاڑوی صاحب اپنی طرف سے (بغیر حوالہ) کچھ نہیں کہتے لیکن اگر اس پر بھی انھیں پریشانی ہوتی ہے تو سوائے ''انا للہ'' پڑھنے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

پروفیسر محمد فیروز شاہ۔میانوالی

''نعت رنگ''۔۱۶ کا مطالعہ جاری تھا کہ آپ کا خط آیا اور مجھے حیران کر گیا۔نعت کے حوالے سے آپ کی فرمائشیں تو میرے لیے اُجالے لاتی ہیں اُن پر میں پریشان کیوں ہونے لگا۔ یہ تو خوش بختی ہے کہ نعت پر علمی، ادبی، تحقیقی اور تخلیقی کام کیا جائے۔ میں اسے عبادت کے لمحوں میں شمار

کرتا ہوں کہ ذکرِ سرکار ﷺ کے بغیر کوئی عبادت مکمل نہیں ہوتی اور نعت نے تو شاعروں کو جہنم کا ایندھن ہونے سے بچا لیا ہے... ویسے بھی ہر دور اور ہر لمحے میں آپ دنیا کے احوال پر غور کریں تو محبوبِ ﷺ خدا کے جمال کی توصیف کرتے لوگوں کے مقدرات منور ہوتے نظر آئیں گے... ابھی میں برادرم خالد شفیق کی ادارت میں لاہور سے نکلنے والا ماہنامہ ''شام وسحر'' پڑھ رہا تھا... شاعرِ شراب خانہ خراب جگر مرادآبادی کے بخت کیسے سنورے... وہ جگرؔ جس نے خود کہا تھا:

سب کو مارا جگرؔ کے شعروں نے
اور جگرؔ کو شراب نے مارا

اس رندِ بلانوش کا مقدر کیسے بدلا؟ سنیے... ایمان تازہ ہو جائے گا! تقسیمِ ہند سے پہلے کی بات ہے!

بھارت کے شہر پونہ میں آل انڈیا مجلسِ نعت کا اہتمام کیا گیا۔ جگر مرادآبادی کو بھی دعوت دی گئی... انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں شرابی کبابی اور رند قسم کا آدمی ہوں ایسی مقدس مجلس کے قابل کہاں ہوں؟ مگر دوست کے پُر زور اصرار پر آمادگی ظاہر کر دی... چھ دن گزر گئے۔ نعت نہ لکھ سکے۔ مگر اسی دُھن میں رہے۔ ساتویں روز نعت گوئی میں کامیاب ہو گئے۔ یہ نعت جب محفل میں پڑھی تو دھوم مچ گئی۔ دوسرے دن شہر کے ہر شخص کی زبان پر یہ نعت تھی... اس کے بعد... جگرؔ نے شراب سے توبہ کر لی۔ پھر عمر بھر اس کے قریب نہ گئے... نعت کے صدقے میں لعنت سے چھٹکارا مل گیا... لاریب... رسولِ ﷺ رحمت کی نعت ہر قسم کی لعنت سے نجات کی ضمانت ہے... اس بخت افزا نعت کے دو اشعار آپ بھی پڑھیے:

اے خاکِ مدینہ! تیری گلیوں کے تصدق — تو خلد ہے تو جنتِ سلطانِ مدینہ
کچھ ہم کو نہیں کام جگرؔ اور کسی سے — کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

''نعت رنگ''۔۱۶... کا آغاز بڑے خوب صورت سلیقے سے ہوا ہے... خواجۂ اجمیر کی حمد ونعت اور اُن کا منظوم ترجمہ علامہ سیفی فرید آبادیؒ... جی چاہتا ہے... بار بار پڑھیں... پیار کے رنگ میں ڈوب کر پڑھیں کہ کبھی کبھی ڈوب کر اُبھرنے میں ہی حیات کا اثبات ہو جایا کرتا ہے... اور جو اللہ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کے عشق میں ڈوب گیا اس کا اُبھرنا تو ایک زمانہ بلکہ ہر زمانہ دیکھتا ہے... مولانا رومؒ انھی خوش بخت ہستیوں کے بارے میں ہی تو کہہ گئے ہیں:

ترجمہ: اور جب ہم چلے جائیں تو ہمیں قبروں میں نہیں، لوگوں کے دلوں میں ڈھونڈنا۔

آج کون اہلِ دل ایسا ہے کہ جس کی دھڑکنوں میں خواجۂ اجمیر کی محبت ٹھاٹھیں نہ مار رہی ہو... سچ ہی تو ہے:

اُن ﷺ کے جو غلام ہوگئے
وقت کے امام ہوگئے

مجھے عبداللہؒ بن مبارک یاد آ گئے...!

خلیفہ ہارون الرشید اپنے محل کے جھروکے میں سے شہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ صبح طلوع ہو رہی تھی... خلیفہ کے دانش مند بیگم زبیدہ ساتھ ہی کھڑی تھی... دونوں نے دیکھا فصیل کا دروازہ کھلا اور ایک بزرگ شہر میں داخل ہوئے اُن کے پیچھے بغداد کا پورا شہر دست بستہ سر جھکائے چلا آ رہا ہے... بیگم زبیدہ نے حیران ہوں کر پوچھا..."یہ کون ہیں؟" خلیفہ نے جواب دیا، "یہ عالمِ دین اور ولی اللہ حضرت عبداللہؒ بن مبارک ہیں۔" آج بغداد تشریف لا رہے ہیں تو سارا شہر اُن کے استقبال کے لیے اُمڈ آیا ہے۔" تب ملکہ نے تاریخی جملہ کہا..."بادشاہ سلامت! یہ بادشاہی ہے۔ حکمران یہ شخص ہے جس کی حکومت دلوں پر ہے...آپ کے لیے پولیس اور فوج لوگوں کو زبردستی گھیر گھار لاتی ہے پھر بھی اس قدر جمِ غفیر نہیں ہوتا...لوگ بھاگنے کی فکر میں ہوتے ہیں...ایک یہ بزرگ ہے کہ نہ لشکر و سپاہ ہے مگر اہلِ شہر دست بستہ اس کی اقتدا میں سر جھکائے آ رہے ہیں... یہ ہے ہمیشہ رہنے والی حکومت..." آج بھی ایسے بہت سے لوگ مل جائیں گے جن کا فقر رشکِ شہنشاہی ہے۔ کیا شعر یاد آیا ہے:

دامانِ تصوف کی یہ خوبی ہے کہ اس میں
پیوند تو ہوسکتے ہیں، دھبے نہیں ہوتے

محترم مسعود الرحمٰن خان ندوی کا مضمون "عہدِ نبوی ﷺ میں مدحِ رسول ﷺ" علم افزا ہے، روح افزا بھی... مجھے یاد آیا...حضورِ اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے ایک ہزار سال پہلے یمن کے بادشاہ نے ایک نعتیہ قصیدہ کہا تھا۔ کیسے خوب صورت لوگ تھے، آنے والے موسموں کی خوش بو سے مشامِ جاں معطر کر لینے کا سلیقہ رکھتے تھے۔ دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحاؑ کے حرفوں میں نکھرتے نور کے سرور سے روح کو معمور و مسرور کر لیا کرتے تھے...اور صرف ایک ہزار برس قبل کیا... میں تو سمجھتا ہوں اوّل دن سے ہی نعتِ سرکار ﷺ کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا...احسن الخالقین نے جب دنیا بنائی ہی اپنی محبوب ﷺ کے لیے ہے تو یہ ساری کائنات حضورِ اکرم ﷺ کی نعت نہیں تو اور کیا ہے؟

حصۂ مقالات و مضامین میں "ظہورِ قدسی اردو نعت کے آئینے میں"... "اردو میں منظوم

سیرت نگاری''... ''نعتیہ شاعری میں ذکرِ احادیثِ رسول ﷺ'' اور ''معراج نامہ بلاقی'' ایسے محققانہ مقالات کے ساتھ میرا طالب علمانہ مضمون شائع کر کے آپ نے مجھے عزت بخشی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ البتہ محترم راجا رشید محمود صاحب کے مضمون پر آپ کا ''حاشیہ'' مجھے اچھا نہیں لگا...اس لیے نہیں کہ آپ نے غلط باتیں لکھیں... باتیں آپ کی بھی درست۔ راجا صاحب کی بھی درست...مگر مجھے جو بات بالکل نادرست لگی وہ غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کی باہمی ''رنج کی گفتگو'' تھی...میرے بھائی! سرکار ﷺ تو دلوں کے جوڑنے کے لیے تشریف لائے۔ عاشقانِ مصطفےٰ ﷺ کو تو فقط محبت کی بات کرنی چاہیے...عشق کرنا خدا کے محبوب ﷺ سے اور باتیں کرنا اپنی ذات کی... یہ اہلِ عشق کو زیب نہیں دیتا...عشق تو ذات کو فنا کرنے کا نام ہے... یہ تو دنیا ہی کوئی اور ہے وجود سے انا کا قد بڑھ جائے تو وجود بے نمود ہو کر رہ جاتا ہے...اور عشق میں تو شرطِ اوّل ہی بے وجودی ہے...''میں ناہیں سب توں''...حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے ایک مریدِ خاص آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا...اندر سے حضرت نے پوچھا...''کون؟''...عرض کیا...''حضور! میں ہوں''...دروازہ نہیں کھلا...دستکیں ہوتی رہیں...دروازہ بند رہا! مرید پریشان ہو کر ایک صاحبِ حال کے پاس گیا۔ احوال بیان کیا...انھوں نے کہا...اب جاؤ... وہ پوچھیں تو کہنا.... میں ناہیں سب توں...مرید نے ایسا ہی کیا...دروازہ کھل گیا... یہ تربیت تھی... یہ پیغام تھا، فنا للبقا کا پیغام...ارادتیں اور محبتیں پہلی قربانی ہی انا کی مانگتی ہیں۔

راجا رشید محمود صاحب دنیائے نعت میں ایک بہت بڑا اور اہم نام ہیں اُن کی خدمات سے انکار ممکن ہی نہیں...آپ نے بھی بجا طور پر اُن کی اوّلیاتِ نعت کی بنا پر انھیں ''نعت کے اہم خدمات گزار'' قرار دیا ہے...انھی خدمات کا تقاضا ہے کہ ان کی بات کو محبت سے سن لیا جائے...غصہ کبھی کبھار ''بڑے'' کر ہی لیا کرتے ہیں...وہ عمر میں بڑے ہیں...خدمات بھی سرکار ﷺ کی نعت کے حوالے سے ہیں...آپ نے بہت کم عمری میں نعت کے حوالے سے سر بلند اُجالے رقم کیے ہیں۔ نعت گوئی...نعت خوانی اور نعت پر مسلسل تحقیقی و تخلیقی کام آپ کا امتیاز ہے اور آلِ رسول ﷺ اور مداحِ رسول ﷺ... یہ دونوں امتیازات ہی اتنے بڑے ہیں کہ میرا تو احترام سے سر جھک جاتا ہے اور اسی جھکے سر کے ساتھ بڑے احترام سے آپ دونوں مکرم و محترم شخصیات سے درخواست کناں ہوں کہ دنیائے ادب میں رائج ''بے ادبیوں'' کی ''آلودگیوں'' سے کنارہ کش رہیے کہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں...اختلافِ رائے کو سرکار ﷺ نے باعثِ رحمت قرار دیا تھا...اسے زحمت نہ بنائیے... پیار محبت سے مسائل حل کیجیے...لہجے میں زم زم کی حلاوت گھولیے... پیار سے بولیے...محبت سے بات

کیجیے کہ آپ... ہم... سب اس آقا ﷺ کی غلامی کا دعویٰ رکھتے ہیں جس نے پتھر برسانے والوں کے لیے بھی دعائے رحمت فرمائی تھی... اس رحمت للعالمین محبوب ﷺ سے محبت کرنے والوں کو شہد کا تقسیم کار ہونا چاہیے کہ محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا یہی ہے... میری ہمیشہ سے ایک ہی آرزو رہی ہے!

جس طرح ملتے ہیں لب نامِ محمد ﷺ کے سبب
کاش ہم مل جائیں سب نامِ محمد ﷺ کے سبب

محترم ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی صاحب نے گوشۂ افتخار عارف قائم کرکے اچھی روایت ڈالی ہے۔ ہر بار کسی نعت گو کا گوشہ اس ممتاز و منفرد جریدہ کی ایک اور خوب رو انفرادیت ہو جائے گی۔

ابھی فکر و فن... مدحت... مطالعاتِ نعت... اور سموم و صبا... سے موسوم شعبوں پر بات باقی ہے مگر خط طویل ہو گیا ہے ختم کرتا ہوں البتہ خطوط کے شعبے کو سموم و صبا کی بجائے کوئی اور نام دیجیے کہ سموم تو کسی خط میں ہو ہی نہیں سکتی کہ بات نعت کی ہو تو کیسی ہی کیوں نہ ہو صبا رنگ ہوگی... تنقید بھی!!!

ہمایوں اشرف۔ لندن

''نعت رنگ'' کا تعارف ایک سفر میں ہوا۔ ہم سفر سے کچھ دیر کے لیے مانگ کر دیکھا۔ لکھنے والوں کے نام اور مضامین کے عنوانات نے بتا دیا کہ یہ اہم رسالہ ہے۔ ''نعت رنگ'' کے کچھ شمارے میں نے کیسے حاصل کیے یہ میں ہی جانتا ہوں۔ اس خاک سار نے ہر شمارہ بڑے اہتمام سے جلد کروا کے محفوظ کیا کیوں کہ یہ تمام شمارے سنبھال کر رکھنے کے قابل ہیں۔ مجھے نعت کے موضوع پر اتنی بھرپور معلومات ہوئیں اور میری عقیدتوں کو بہت سے انداز اور میرے اظہار کو بہت سے الفاظ ملے۔ ''نعت رنگ'' میں بہت سی کتابوں کے تعارف اور تبصرے سے یہ راز بھی کھلا کہ دنیا بھر میں ختمی مرتبت ﷺ کے کیسے کیسے چاہنے والے ہیں۔ آپ قابلِ مبارک باد ہیں کہ اتنا اچھا رسالہ شائع کرتے ہیں، میں آپ کے لیے دعائیں بھی کرتا ہوں۔

''نعت رنگ'' کی ایک خاص بات اس کا خطوط والا حصہ ہے اور اس میں علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کے خطوط ''نعت رنگ'' کے لکھنے اور پڑھنے والوں کے لیے قیمتی علمی سرمایہ ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا پر علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنی انفرادیت ثابت کی ہے اور سامعین اور ناظرین کی بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا ہے۔ ''نعت رنگ'' میں ان کے خطوط سے تحریر میں بھی ان کی

انفرادیت واضح طور پر جھلکتی ہے۔ وہ نقد ونظر کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور یہ تو ڈھکی چھپی بات ہے ہی نہیں کہ ان کا مزاج اور ان کی فکر خالص حبِ رسول ﷺ سے وابستہ ہے۔ وہ شریعت کی میزان اور تعظیم کے معیار کو دیانت اور صداقت سے قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ مدحت ختمی مرتبت کے سبب ہی وہ ''نعت رنگ'' کو اتنی توجہ سے پڑھتے اور ہر تحریر پر تنقید و تحقیق پیش کرتے ہیں۔ ''جاگتے رہنا'' کی صدا لگانے والے پہرے دار کی طرح وہ ختمی مرتبت کی مدح لکھنے والوں کو خبردار کرتے نظر آتے ہیں کہ ہر ایک لفظ سنبھل سنبھل کر لکھنا۔

''نعت رنگ'' کے اب تک جتنے شمارے آئے ہیں ان میں سے دو شماروں (۱۵۔۱۶) میں ان لوگوں نے علامہ کے خلاف ہلکی اور گھٹیا زبان میں اعتراض کیے ہیں جن کے ''نعت رنگ'' میں مضمون بھی نہیں تھے۔ جب کہ اب تک کسی ایک نے بھی اس گرفت کو غلط ثابت نہیں کیا مولانا نے مضامین میں قابلِ اعتراض باتوں پر کی اور کسی نے کوئی جواب بھی نہیں دیا۔ مولانا کی تحقیقی علمی باتوں کو فرقہ پرستی کہنے والے اپنے دلائل اور حقائق سے ان کی باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ یہ ان لوگوں کی کم ظرفی ہی کہلائے گی کہ وہ سچائی کو ناپسند کرتے ہیں۔ پروفیسر قیصر نجفی نے صحیح لکھا ہے کہ مولانا نے یہ درفیض بند کر دیا تو یہ ''نعت رنگ'' کے قارئین کی بہت بدقسمتی ہوگی۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، رشید وارثی اور عزیز احسن کی تحریر کا ہر شمارے میں ضرور اہتمام رکھا کریں۔ ہر شمارے میں ایک انٹرویو کا اضافہ کرلیں تو مجھے توقع ہے کہ دلچسپی بڑھائے گا۔

آپ نے غیر جانب داری سے ہر لکھنے والے کی تحریر شائع کر کے ''نعت رنگ'' کو منفرد رسالہ بنایا ہے۔ اللہ کرے یہ سلسلہ جاری رہے۔

محمد زبیر قادری۔ بھارت

اُمید ہے کہ آپ اللہ و رسول کے فضل و کرم سے خیر سے ہوں گے۔ میں علامہ کوکب نورانی صاحب مدظلہ کا جتنا بھی شکرگزار رہوں کم ہے کہ انھوں نے میرے قیامِ پاکستان ۲۰۰۱ء میں مجھے آپ سے متعارف کروایا۔ یوں تو احقر پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کی توفیق و کرم سے دینِ متین اہلِ سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور ممبئی، انڈیا سے گزشتہ دس سال سے سہ ماہی ''افکارِ رضا'' شائع کر کے بلا قیمت ہند و بیرونِ ممالک میں تقسیم کا سلسلہ جاری ہے۔ علاوہ ازیں اہلِ سنت و جماعت کے اردو و انگریزی لٹریچر کی اشاعت کے لیے مسلسل کوشاں ہے۔ یہ سب اللہ عزوجل

کا فضل و کرم ہی تو ہے۔لیکن آپ سے تعارف کے بعد ''نعتیہ ادب'' کی نئی جہتوں سے روشناس ہوا۔ یوں تو نعت سننا اور پڑھنا ہر خوش عقیدہ مسلمان کو پسند ہے۔نعت ایک پاکیزہ صنفِ سخن ہے جس کے ذریعے کوئی بھی شخص آقائے نامدار رحمۃ للعالمین ﷺ کی مدح و توصیف کرسکتا ہے۔ یہ ضروری تھا کہ اس پاکیزہ صنفِ سخن کو ہر قسم کے عیوب و معائب سے پاک و منزہ رکھا جاتا لیکن اس صنف میں بھی ہر طرح کی خرابیاں درآئیں۔''نعت رنگ'' سے قبل اُن کا محاسبہ کرنا کسی نے ضروری نہ سمجھا یا صرف سرسری تنقید ہی ہوسکی۔اسے نقد و نظر کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔بحمدہ تعالیٰ کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' نے ایک پارکھ اور ناقد کے طور پر اس فریضہ کو سرانجام دینا شروع کیا اور اب تک کے تمام ہی شمارے اس بات کے شاہد و عادل ہیں۔

یوں تو ''نعت رنگ'' کا موضوع ہی نقد و نظر ہے اور اہلِ قلم حضرات اپنے مضامین میں اس کا خیال رکھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔اس کے باوجود اکثر وہ خود بھی غلطیاں کرجاتے ہیں۔کچھ تو علم کی کمی کی بنا پر اور کچھ حضرات عقائد کے فساد کی بنا پر۔اہلِ سنت و جماعت جو آج بریلوی مکتبِ فکر کے نام سے موسوم ہے، کی حقانیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے لیکن جن کے دلوں پر مہریں لگی ہوں وہ سب کچھ واضح ہونے کے بعد بھی ہٹ دھرمی سے کام لیں تو کیا کیا جاسکتا ہے؟... چودھویں صدی کے مجدد اور اہلِ سنت کے پیشوا امام رضا کی شخصیت معصوم عن الخطا تو نہیں لیکن بعض مضمون نگار اُن کی نعتیہ شاعری پر تنقید کرتے ہوئے مسلکی عصبیت کا شکار نظر آتے ہیں اور بلاوجہ اُن کی شاعری پر تنقید کی آڑ میں اپنے دل کی پیاس بجھاتے ہیں۔محترم صبیح صاحب! آپ سے یہ گزارش ہے کہ آپ ایسے مضامین کو اپنے مؤقر جریدے میں جگہ نہ دیں یا پھر ہمیں بھی اجازت دیں کہ ہم اُن کے اکابر حضرات کی نعت گوئی پر تنقید کرسکیں... یہ آپ نے اچھا کیا کہ ایسے حضرات کی گرفت کرنے کے لیے حضرت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب کو محاسبہ کی ذمہ داری سونپی ہے اور موصوف قلم کی لغزشوں کی جب گرفت فرماتے ہیں تو قلم کار حضرات بھی ششدر رہ جاتے ہیں۔ حالاں کہ علامہ کوکب صاحب کوئی بھی بات قرآن وسنت اور ائمہ دین کے حوالوں سے ہٹ کر نہیں کہتے اور اپنی ہر بات کی ٹھوس دلیل پیش کرتے ہیں لیکن مخالفین جب جواب دینے سے عاجز آجاتے ہیں تو اُن کے خلاف اول فول بکنے لگتے ہیں۔ضروری ہے کہ آپ علامہ کے مخالفین کی پروا نہ کرتے ہوئے اُن کے محاسب خطوط کو جاری رہنے دیں۔موصوف کا بے پناہ مصروفیات کے باوجود آپ کو قلمی تعاون جاری رکھنا یہ آپ کے لیے ایک اعزاز ہے۔

نعتیہ ادب کے فروغ و ارتقا میں ''نعت رنگ'' نے جو کردار ادا کیا ہے۔ اس کی تمام کامیابیوں کا سہرا فاضل مرتب سیّد صبیح رحمانی صاحب کے سر ہے جن کی جہدِ مسلسل، تلاش و تحقیق و جستجو نے خشک سوتوں سے آبشار جاری کر دیے۔ حالاں کہ موصوف کے پاس نہ اس قدر وسائل ہیں نہ کوئی ٹیم جو اُن کا ہاتھ بٹا سکے۔ پھر بھی ہر چند ماہ بعد تحقیقی و تنقیدی مضامین سے بھرپور ''نعت رنگ'' کی اشاعت جاری رکھے ہوئے ہیں۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ کاش! میں پاکستان میں ہوتا تو آپ کی معاونت کر کے اپنے نام بھی ثواب جاری کروا لیتا۔ اللہ کریم آپ کی غیب سے مدد فرمائے اور عمر، علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین